ان کے لوگوں کی مثال کہ جنہوں نے اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھے ہیں۔ مکڑی کی سی مثال ہے کہ جس نے گھر بنایا اور البتہ سب گھروں سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔ کاش وہ جانتے، البتہ اللہ جانتا ہے جس کو کہ وہ اس کے سوا پکارتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اور یہ مثالیں ہیں کہ جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو درستی سے بنایا۔ البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : مثل الذین صلہ وموصول مبتداء کَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ خبر اتخذت بیتا جملہ مستانفہ یا وصف والعنکبوت تقع علی الواحد والجمع والمذکر والمونث والتاء فیہ زائدۃ کتاء طاغوت وتجمع علی عناکیب وعناکب وعکاب وعکبۃ واعکب (بیضاوی) مایدعون من دونہ من شیء ما استفہامیہ منصوبۃ بیدعون بالتاء والیاء ویعلم معلقۃ عنھا (لان من خواص افعال القلوب التعلیق ای ابطال العمل لفظا فقط) ومن للتبعیض اونافیۃ ومن مزیدۃ وشیء مفعول یدعون اوموصولۃ مفعول لیعلم ومفعول یدعون محذوف وھو العائد والخبر الامثال و نضربھا حال منھا ویجوز ان یکون خبرا والامثال نعت بالحق حال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اب یہاں ان کے اس ظلم کی جو وہ اپنی جانوں پر کرتے تھے تشریح فرماتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ کہ اس سے بڑھ کر اپنی جان پر اور کیا ظلم ہوگا، خدا نے تو ان کو بزرگی دی، علم و ہنر ہوش و ادراک عطا کیا، لیکن انہوں نے اس عزتِ خداداد کو کیسا غارت کیا کہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کو سجدہ کرنے لگے جو نہایت مبتذل چیز ہے جس کو نہ حس و حرکت نہ عقل و شعور، ان کا یہ کام كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا مکڑی کے جالے کی طرح بے بنیاد ہے، سب چیزوں کے گھروں کو دیکھئے، ان سب میں بے بنیاد مکڑی کا گھر ہے جس سے نہ دھوپ کا آرام نہ بارش سے امن، اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ہاں وہ مکڑی اس میں مکھی مچھر کا شکار کر لیتی ہے، اسی طرح جو ان بت پرستوں کو کوئی دُنیاوی فائدہ پہنچ جاوے تو وہ بھی ایسا ہی بے بنیاد ہے، اس طرح ان کو اس مذہب سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر وہ جانتے تو ایسا نہ کرتے یا یہ معنی کاش ان کو علم ہوتا۔

اس مثل پر شاید چالاک بت پرست یہ گفتگو کرتے ہوں گے جیسا کہ آج کل کیا کرتے ہیں کہ ہم ان بتوں کو نہیں پوجتے بلکہ ان کو کہ جن کے یہ بت ہیں اور وہ دیوتا اوتار ملائک روحانیات اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام ہیں جو اُس کی بارگاہ کے مختار اور داروغہ ہیں جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں اور نیز اُن سے جو ہم مانگتے ہیں پاتے ہیں، اس کا جواب دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ کہ جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، ہم کو معلوم ہیں۔ یہ کلام بطور تہدید کے ہے، یعنی وہ بھی پرستش کے قابل نہیں، ہمارے گھر کا کوئی مالک و مختار نہیں، سب ہمارے دست نگر ہیں۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ہم سب پر غالب ہیں اور نیز ہم کو کسی داروغہ یا اہل کار کی حاجت کیا ہے، کیونکہ الحکیم ہم حکیم ہیں ہر شئی کی تدبیر و تصرف آپ کیا کرتے ہیں۔ اس میں اس دوسری بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم جو کہتے ہو، ہم جو ان سے مانگتے ہیں، پاتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ دینا دلانا زبردست کا کام ہے، سو زبردست تو ہم ہیں جو تم کو دُنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ سب اپنی حکمت سے ہم کو ہم دیتے ہیں، تم سمجھتے ہو کہ فلاں دیوی دیوتا نے ہم کو اولاد دی، مال دیا اور نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ ہم غیروں سے ہو، دیتے ہم ہیں۔ غصہ دنیا میں ظاہر نہیں کرتے کہ تمہارے کاربند کر دیں نظام عالم میں خلل آوے۔ جو ازلی جہنمی ہے، اس کے گمراہ ہونے کے یہ اسباب اس کی حکمتِ بالغہ کا اثر ہے اور نیز هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قابل پرستش وہ ہے جو غالب اور حکیم ہو، سو یہ دونوں وصف ہم کو حاصل ہیں نہ اور کو۔ یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ جب مایدعون کے ما کو موصولہ مانا جاوے اور اگر اس کو بطور استفہامیہ سمجھا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ کچھ بھی نہیں یا وہ کیا چیز ہیں؟ اور بعض جہال اس مثال پر یوں طعن کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مکڑی کا کیوں ذکر کیا، وہ تو ایک ذلیل چیز ہے، کوئی اور ہی مثال دینی تھی۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ کہ ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سمجھانے کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ وہ

سمجھتے وہی ہیں جو ذی علم ہیں، وہ جان جاتے ہیں کہ مکڑی خواہ کیسی ہی ذلیل چیز ہو مگر غرض تو مشرکوں کے مذہب کو اس ذلیل چیز کے ذلیل گھر سے تشبیہ دینا ہے۔ سو وہ بخوبی حاصل ہے، اگرچہ العزیز الحکیم سے ان کے معبودوں کی قلعی کھول دی تھی مگر اس بات کو پھر ایک بڑی بھاری دلیل سے ثابت فرماتا ہے۔ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ کہ اللہ نے تو آسمانوں اور زمین کو نہایت درستی سے بنایا ہے، کوئی ان میں بیکار نہیں نہ کوئی کار آمد بات رہ گئی ہے۔ پھر بتلاؤ تمہارے معبودوں نے کیا بنایا ہے، خواہ وہ بت ہوں یا وہ کہ جن کے یہ بت ہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ، اس میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانی اور کامل حجت اور پوری اطمینان دینے والی سند ہے کہ وہی پرستش کے قابل ہے کہ جس نے آسمان زمین بنائے، باقی کا کیا حق ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹

(اے رسول!) وہ جو آپ کی طرف کتاب وحی کی گئی ہے، اُس کو پڑھا کرو اور نماز کو (سرگرمی سے) ادا کرتے رہو، البتہ نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور اے مسلمانو اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر اسی طریقہ سے کہ جو عمدہ ہو مگر ان میں سے جو ظالم ہیں (ان سے پورا مقابلہ کرو) اور کہو ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور (اس پر بھی) جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے اور ہم اسی کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں اور اسی طرح کی ہم نے آپ کی طرف بھی کتاب نازل کی ہے۔ پھر جن کو کہ ہم نے کتاب دی تھی وہ تو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں سے بھی کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا کافر ہی انکار کیا کرتے ہیں اور اس سے پہلے آپ اے نبی! نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، اب یہ بدکیش شبہ میں پڑ گئے بلکہ (یہ) قرآن کھلی ہوئی آیتیں ہیں، ان کے دلوں میں کہ جن کو علم دیا گیا ہے اور ہماری آیتوں کا (کوئی) انکار نہیں کرتے مگر ظالم۔

ترکیب : اِلَّا بِالَّتِيْ ای المجادلۃ التی ھی احسن کالدعاء الی اللہ بآیاتہ والتنبیہ علی حججہ الا الذین ظلموا ھو استثناء من الجنس وفی المعنی وجہان احدھما اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فلا تجادلوھم بالحسنٰی بل بالغلظۃ والثانی لا تجادلوھم البتہ۔

تفسیر : اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ تک انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور شرک کی برائی اور مشرکین کے ساتھ مناظرہ اور ان کی بت پرستی کی

تحقیر تھی اور یہ ایک خاص مقصد تبلیغِ رسالت سے متعلق تھا، جس میں روح پر تکان آنا اور طبیعت کا سست ہو جانا ایک جبلی بات ہے، اس لیے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تلاوتِ قرآن اور نماز اور ذکرِ الٰہی کا حکم دے کر پھر تازہ دم کیا جاتا ہے۔ فقال اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ الخ کہ اگر یہ جاہل و سرکش نہ مانیں تو آپ کتابِ الٰہی کی جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے، یعنی قرآن مجید تلاوت کیجیے، کیونکہ اس میں نوح و ابراہیم و لوط و موسیٰ ؑ کی امتوں کا پورا بیان ہے، آپ کے دل کو تسکین ہو جائے گی کہ پہلے بھی کافر اور بت پرستوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ یہ کچھ کیا تھا، جس پر برباد ہوئے، یہ کوئی نئی بات نہیں اور اسی لیے اتل فرمایا۔ اُتْلُ عَلَيْهِمْ نہیں فرمایا اور نیز قرآن میں دنیا کی بے ثباتی و دارِ آخرت کی ترغیب ہے، اس کے پڑھنے سے خواہ مخواہ دل کو تسلی اور روح کو روشنی حاصل ہو جاتی ہے اور دنیا کو بے ثبات سمجھنے لگتا ہے پھر کوئی رنج رنج نہیں معلوم ہوتا ہے اور اب تک قرآن مجید کی تلاوت میں بھی برکت رکھی ہوئی ہے اور تلاوت کا پہلے اس لیے حکم دیا کہ اس کو سننے والا بھی مستفیض ہوتا ہے اور اسی لیے اوسط درجہ کا جہر اولیٰ قرار دیا گیا، پس اگر اس سے بھی ان کو فیض نصیب نہ ہو تو اَقِمِ الصَّلٰوةَ نماز پڑھ کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ نماز برے اور بے حیائی کے کاموں سے روک دیتی ہے۔ اول تو اس میں ہر رکعت میں سورۃ الحمد پڑھی جاتی ہے جس کا ہر ہر جملہ انسان کی روحانی قوتوں کو ابھارنے والا ہے، پھر اس کا کھڑا ہونا حمد و ثنا کرنا اس کے آگے سر رکھ کر اس کی حمد و ثنا کرنا روح کو تازہ کرتا ہے اور جب روح پر تازگی آتی ہے تو نفسانی قوتیں گھٹ جاتی ہیں جو بے حیائی اور برے کاموں کی محرک تھیں اور ذکرِ الٰہی نماز کے باہر بھی کر کیونکہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ خواہ ذکر قلبی ہو خواہ لسانی جہری ہو، خواہ سری، یہ بڑی چیز ہے۔ اس میں اللہ جل شانہ سے نزدیکی ہوتی ہے اور اس کی صحبت سے بڑھ کر ہے۔ یہ تین قسم کی عبادات ہے۔ تلاوت، نماز، ذکر، اگرچہ نماز میں تینوں کا پاکیزہ حرف ہیں مگر جداگانہ بھی ہر ایک جدا اثر رکھتی ہے۔ اس لیے ہر ایک کو جداگانہ ذکر کیا اور اس ترتیب میں ایک نکتہ ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ میں اشارہ ہے کہ خلوص سے یہ کام کرو۔ وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے، یہ تعلیم باطنی تھی کہ تم ایسے ہو جاؤ، تمہارے نورِ باطن سے لوگ خود بخود ہدایت پر آویں گے، اس لیے اس کے بعد اہلِ کتاب کے مناظرے اور جھگڑے سے بھی روک دیا جو وہ بسا اوقات مسلمانوں سے الجھا کرتے تھے۔ فقال وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ اہلِ کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر عمدہ طور سے ہو تو مضائقہ نہیں جس میں نرم کلامی اور اظہارِ حق مدنظر ہو اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر جو ان میں ہٹ دھرم ہیں، بعض سخن پرور ضدی متعصب زبان دراز ہوں ان سے مناظرہ نہ کرو، ان کو اس وقت کے لیے چھوڑ دو کہ آسمانی سلطنت کا بادشاہ اپنی تلوار اپنی ران پر لٹکائے اور اس کا دایاں ہاتھ مہیب کام دکھائے۔ اس کے بعد اہلِ کتاب کے لیے کیا ساکت کرنے والا کلام فرماتا ہے۔ وقولوا امنا الخ کہ بھائیو الہام اور نبوت کا دروازہ بند نہیں ہو گیا، ہم جو ہمارے نبی پر الہام ہوا اس کو بھی مانتے ہیں اور جو تمہاری طرف انبیاء سابقین کی طرف الہام ہوا ہے کہ جن کو تم بھی جانتے ہو، اس کو بھی ہم مانتے ہیں توریت، زبور، انجیل سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہمارا تمہارا ایک ہی خدا ہے، پھر جس نے پہلی کتابیں اور نبی بھیجے اسی نے یہ نبی اور کتاب بھیجی۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ
وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ
ع اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ
شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۵۲ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى
لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۳ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ
بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۵۴ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۵

کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ نازل کی گئیں۔ کہہ دو نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں جو ہوں تو کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی، جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے، البتہ اس میں رحمت اور نصیحت ہے، اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین کے اندر ہے اور وہ جو جھوٹ پر ایمان لائے اور اللہ سے منکر ہوئے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اور وہ آپ سے جلدی عذاب مانگ رہے ہیں اور اگر وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو پھر ان پر عذاب آ چکتا اور البتہ وہ ان پر دفعۃً آئے گا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی، آپ سے جلدی کر رہے ہیں عذاب کے لیے اور البتہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس دن کہ عذاب ان پر چھا جائے گا ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا چکھو جو کچھ کہ تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب: انا انزلنا جملہ یکفھم کا فاعل یُتْلٰى عَلَيْهِمْ کتاب کی صفت کفی کا فاعل اللہ اور ب زائد ہے شهيدا مفعول لہ۔ کفی سے تمیز اور ممکن ہے کہ حال بھی ہو جائے یوم یغشٰھم ظرف ہے اس کا عامل محیط ای تحیط بھم یوم کذا۔

تفسیر: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ پھر اب تم کو ہمارے اہلِ حق ہونے میں کیا کلام باقی ہے، صاف بات ہے ہم پر نبی یا کتاب نہ ماننے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا، ہاں تم پر ہے اس لیے خدا ترس اہلِ کتاب جیسا کہ عبداللہ بن سلام ؓ اور عرب کے بھی باانصاف لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ الخ پھر جو اس کا منکر ہے تو وہی ہے جو ازلی کافر ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ اس کے بعد ایک اور دلیل تسلی بخش ذکر کر کے فرماتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ کہ اس دن سے پہلے آپ نہ کبھی کوئی کتاب پڑھتے تھے، نہ لکھتے تھے یعنی ظاہری علم نہیں تھا، اگر اگلی کتابیں لکھے پڑھے ہوتے تو ان کے لیے شک کرنے کی گنجائش تھی کہ ان میں سے دیکھ کر کتاب لکھ لی ہوگی۔ پھر جب یہ نہیں تو بجز الہامِ الٰہی کے اور کوئی وجہ نہیں، اس کو باطل جھوٹا کرنے والے یا تاوکار کے لیے شک کرتے ہیں، بلکہ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یہ قرآن کھلی کھلی آیتیں ہیں جو حفاظ کے سینوں میں لکھی ہوئی ہیں نہ کہ کاغذوں پر محمد ﷺ نے لکھ کر دی ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں واضح اور روشن ہیں، یعنی ان کے مطالب الہامی ہیں۔ اہلِ علم کے دلوں میں پیوست ہیں، وہ اہلِ علم دل سے تصدیق کرتے ہیں، یعنی اس کا معجزہ یہی نہیں کہ ایک امی سے ایسی کتاب ظاہر ہوئی بلکہ نفسِ مضامینِ قرآن اپنے لیے آفتاب کی طرح اہلِ علم کے نزدیک آپ دلیل ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ قرآن عالمِ بالا کے اہلِ علم ملائکہ کے دلوں میں لکھا ہوا ہے۔ وہاں سے دنیا میں آیا ہے نہ کہ محمد ﷺ نے بنا لیا ہے، پھر جو کوئی ایسی آیتوں کا انکار کرے تو بڑا بے انصاف ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ یہاں تک اہلِ کتاب کے ساتھ اس طریق پر مناظرہ تھا۔ وقالوا لولا انزل علیہ اٰیٰت من ربہ جب آنحضرت ﷺ کی نبوت دلائل سے ثابت کی گئی اور یہ بتلایا گیا کہ جس طرح پہلے نبیوں پر کتاب نازل کی گئی تھی، اسی طرح آپ پر بھی اللہ نے نازل کی ہے، اس پر کفارِ قریش نے از خود یا بعض اہلِ کتاب کے سکھانے سے یہ شبہ کیا کہ اس کو یعنی محمد ﷺ کو وہ معجزات کیوں نہ دیے گئے تھے۔ نافع و ابن عامر اور بصریوں و حفص کی قرأت میں

آیات جمع کا لفظ ہے اور یہی راجح ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کہ معجزات خدا کے اختیار میں ہیں، جب چاہے منکروں کے الزام کے واسطے ظاہر کرے اور میں رسول ہوں، رسول کے لیے مخالفین کی خواہش کے موافق معجزات کا دیا جانا کوئی شرطِ رسالت نہیں، رسول کے بھیجنے سے غرض لوگوں کا متنبہ کردینا ہے۔ سو میں کھلم کھلا تم کو متنبہ کرنے والا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہودیوں نے صلیب پر چڑھاتے وقت معجزات طلب کیے، مگر جب دیکھا گیا کہ نہ مانیں گے نہ دکھائے گئے اور تم کو کوئی معجزہ تصدیق کے لیے درکار ہو تو قرآن سے زیادہ اور کون سا معجزہ ہے، جو تم کو سنایا جاتا ہے، کیونکہ اُمّی شخص سے ایسی کتاب کا ظاہر ہونا کہ جس کی دس آیتوں کے برابر بھی کسی سے نہیں بن سکتیں بڑا معجزہ ہے اور نیز قرآن صرف معجزہ ہی نہیں بلکہ نصیحت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیے۔ فقال اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ الی قولہ یُؤْمِنُوْنَ دوسری دلیل نبوت کی اللہ کی شہادت ہے جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے، اس کی شہادت بس ہے۔ فقال قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ الخ پس جو غلط باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں وہ نہیں مانتے نہ مانیں وہ خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ الخ اس پر بھی کفار کو بس نہ تھی کہتے تھے کہ جب عذاب کا ہم سے وعدہ کرتا ہے، اگر سچا ہے تو ابھی اس کو لا وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ فرماتا ہے، اس کے لیے ایک خاص وقت مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے مقرر نہ ہوا ہوتا تو ابھی آتا اور وہاں وہ یکا یک اُن پر آوے گا۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ کُلُّ نَفْسٍ
ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿٥٨﴾
الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ
اللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاکُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ
یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ
ع بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

اے میرے ایماندار بندو! جب تک میری زمین فراخ ہے، پھر میری ہی عبادت کرو (اور غیر کے آگے نہ جھکو) ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہمارے ہی پاس پھر کر آؤ گے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے، البتہ ہم اُن کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں ہمیشہ رہا کریں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اُن کا کہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بہت سے ایسے جانور ہیں کہ جو اپنی روزی نہیں اٹھاتے ہیں۔ اللہ اُن کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سنتا جانتا ہے اور اے رسول! اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (کس نے) سورج اور چاند کو محکوم کردیا تو کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ اللہ ہر شے سے خبردار ہے اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان سے کس نے پانی اُتارا کہ جس سے خشک ہوجانے کے بعد زمین کو سرسبز کیا تو کہیں گے، اللہ نے۔ کہو الحمدللہ۔ بلکہ اکثر ان میں سے نہیں سمجھتے۔

تفسیر: بدر کا واقعہ اور ایک قحطِ عظیم چنانچہ آیا، پھر تعجب کے طور پر اسی کلمہ کا اعادہ کرتا ہے۔ وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ کہ کیا جلدی کرتے ہو جہنم کے گھیرے میں تو پڑے ہوئے ہو، جبکہ کفار و مشرکین مکہ اور نیز اہلِ کتاب کا حال اور اُن کے نامحمود طریقے کی برائی اور آخرت کا حال صاف صاف بیان ہوا تو شدہ شدہ کفار مکہ کو نہایت جوش و تعصب ہوا کہ دینداروں کو نہایت تکلیفیں دینی شروع کردیں جن کو مسلمان نہایت استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرتے رہے، مگر جب ادا ءِ ارکانِ دینی سے بھی سخت مانع آئے تو وطن چھوڑ کر باہر جانے کی اجازت ہی نہ دی بلکہ رغبت دلائی گئی، اس لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ہجرت کی ترغیب ہے، جس سے مسلمان ملکِ حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کرکے جانے لگے۔ فقال یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ اور کشادہ ہے، کس لیے یہاں پڑے ہو باہر جاؤ اور اطمینان سے میری عبادت کرو، وطن چھوڑنا یوں بھی ایک آسان بات نہیں، اس پر مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کی جدائی اور اپنے دینی بھائیوں کا فراق شاق گزرتا تھا اور تنگدستی اور سفر کی غربت کا بھی خیال گزرتا تھا، اُن دونوں باتوں سے تسکین و اطمینان کامل دلاتا ہے اول بات کا اطمینان اس آیت میں دلاتا ہے، کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ کہ ہر ایک شخص کو ایک روز موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر بہتر یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مرے اور مر کر سب ہمارے پاس آجاویں گے۔ پھر وہاں جدائی نہیں دنیا میں چندروزہ جدائی ہوئی تو کیا اور نیز اگر ہجرت نہ کی تو بھی مرنا ہے، جدائی تو پھر بھی تمہارے خیال کے مطابق ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ تکلیف جو ہے چندروزہ ہے اور تمہارے مخالفوں کا زور شور بھی چند دن کے لیے ہے۔ دوسری بات کے اطمینان کے لیے یہ آیت ہے، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا کہ ہم ایمانداروں، نیک کام کرنے والوں کو جنت کی کھڑکیوں اور جھروکوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے، یعنی تمہارے اس ایمان اور وطن چھوڑنے کے بدلے میں ہم تم کو ایسا عمدہ وطن دیں گے (لنبوئنھم ای لننزلنھم من الجنۃ عوالی وانتصاب غرفا جمع الغرفۃ اما بنزع الخافض ای فی غرف فحذف فی واما بکونہ مفعولا ثانیا البوئ الاقامۃ) اور عملوا الصلحت میں کی دو عمدہ نیکیوں کو بیان فرماتا ہے۔ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ کہ وہ جو سفر کرتے ہیں اور ہجرت کی تکلیف گوارا کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ گھر پر بھی تو بغیر مدد الٰہی کے کچھ کام نہیں چلتا، پھر سفر میں بھی وہی انیس ہے۔ ان کے رزق کا اطمینان دلاتا ہے، وکاین من دابۃ الخ کہ بہت سے زمین پر جانور ہیں کہ اپنی روزی کا آپ بندوبست نہیں کرسکتے، ہوا کے پرندوں اور زمین کے سوراخوں میں رہنے والوں کو وہی روزی دیتا ہے، پھر کیا تم کو نہ دے گا یا تم کو بھول جاوے گا نہیں ہرگز نہیں ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وہ سننے جاننے والا ہے۔ پھر اس توکل کو ان تین آیتوں میں اور بھی مستحکم کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مشرکوں پر تعریض بھی کرتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب بارش وغیرہ انقلابِ دہر اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اے مہاجرین تم کو زبر اور مخالفوں کو زیر کردے گا۔ اول آیت سالتھم الخ کہ ان سے پوچھے گا تو اقرار کریں گے کہ آسمان و زمین چاند اور سورج اللہ نے بنائے ہیں۔ پھر کیا وہ تمہاری روزی کے اسباب پیدا نہ کرے گا؟ اس میں مشرکوں پر طعن بھی ہے کہ پھر غیر کو کیوں پوجتے ہو؟ دوسری آیت اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ الخ کہ تنگدستی فراخ دستی اللہ کے ہاتھ ہے، تیسری آیت وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ الخ کہ وہی مینہ برسا کر اس سے زمین کو ہرا بھرا کرتا ہے، ان آیتوں میں مہاجرین کے اطمینان اور مشرکوں پر تعریض اور اللہ تعالیٰ کے

خالق وفادار ہونے کا ثبوت وحشر بالا جساد و بالا رواح کا بیان ہے۔ فائدہ: اب بھی جہاں فرائض دینی ادا کرنے سے کوئی مانع ہو تو ہجرت واجب ہے اور اس جگہ کی کہ جہاں ہجرت کر کے جاوے کوئی خصوصیت نہیں کہ مکہ معظمہ ہو یا مدینہ منورہ طیبہ یا کوئی دوسری جگہ کہ جہاں آزادی سے ارکان اسلام ادا کر سکے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور کیا ہے اس دُنیا کی زندگی مگر کھیل اور کود اور البتہ دار آخرت ہی زندگی (کی جگہ) ہے کاش وہ جانتے۔

ترکیب: والحیوان مصدر حی سمی بہ ذو الحیوۃ۔ واصلہ حییان فقلب الیاء الثانیۃ واوا فلا تختص بالتثنیۃ ولم تقلب الفا لئلا یحذف احد الحیین والحیوۃ۔ ایضا مصدر لکن الحیوان ابلغ لان من بناء فعلان من معنی الحرکۃ والاضطراب اللازم للحیوۃ۔ بیضاوی وغیرہ۔

تفسیر: اس وقت صحابہ حبشہ بھی ہجرت کر کے گئے تھے اور مدینہ تو دار الہجرت ہی تھا۔ فتح مکہ سے پیشتر ہجرت ضروری بات تھی پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اب ہجرت کرنا ضرور نہیں مگر جہاں کہیں مسلمانوں کی وہی حالت ہو جاوے جو ابتداء اسلام میں مکہ میں تھی تو پھر ہجرت کا وہی حکم ہے۔

ان آیتوں کے بعد (کہ جن میں توکل کی ترغیب تھی اور جن میں اپنی قدرت کاملہ کے آثار ظاہر فرمائے تھے کہ ہم نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، پھر آسمان سے مینہ برسا کر روزی رزق پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی بے بس جانوروں کو روزی دیتے ہیں، ہم ہی تنگی و فراخی دیتے ہیں تا کہ بندہ اسی پر توکل کرے اور دین کی حفاظت میں جو کچھ مصیبت آوے اُس سے نہ ڈرے) ایک ایسا جملہ ارشاد فرماتا ہے کہ جس سے دنیا سے دل سرد ہو جاوے اور یہاں کا عیش و آرام اور دُکھ درد سب گرد ہو جاوے فقال وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اس آیت میں تین باتیں ارشاد فرمائیں۔ اول یہ کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل کود ہے، یعنی اس کی کے مانند بے حقیقت ہے کہ جس سے لڑکے تھوڑی دیر تک مل کر کھیل کود لیتے ہیں۔ پھر تھک کر الگ الگ ہو جاتے ہیں، اس طرح عالم وجود میں لوگ آتے ہیں۔ دُنیا کی چیزوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اپنے اصلی رستہ کو کہ جہاں جانا ہے اور اپنے اصلی کام کو کہ جو یہاں کرنا تھا بھول جاتے ہیں، اتنے میں جامِ عمر لبریز ہوا دنیا سے بڑی تلخ کلامی کے ساتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ایسے گئے کہ پھر کسی نے ادھر آ کر بھی نہ جھانکا۔ غرض یہ کہ جس طرح کھیل کود بے بنیاد ہے اس طرح دُنیا کی زندگی ہے، کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی — کنی مانند طفلاں خاکبازی
تو شہباز و پر آمیزش خاک — پرتا کنگرہ ایوان افلاک

مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ایک بکری کے کن کٹے مردہ بچے کے پاس سے ہو کر نکلے، لوگوں سے فرمایا۔ اس کو کوئی ایک درہم سے خریدنا چاہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم تو اس کو مفت بھی نہیں لیتے، فرمایا بخدا اللہ کے نزدیک تمہارے لیے دُنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ خبردار دنیا ملعون ہے، جو کچھ اس میں ہے سب پر لعنت ہے، مگر اللہ کا ذکر اور اس کی پسند کا کام اور عالم اور طالب العلم رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اگر اللہ کے نزدیک دُنیا مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کسی منکر کو پانی بھی نہ پینے دیتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ

فرماتے تھے کہ شراب گناہ کا گھر ہے اور عورت شیطان کی رسی ہے۔ (اس سے باندھ لیتا ہے) اور دُنیا کی محبت سب گناہوں کی جڑ ہے۔ مشکوۃ۔

ایامِ بقا چو بادِ سحر بگذشت — تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت

لہو ولعب سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دُنیا میں لہو ولعب کرنا چاہیے، بعض کہتے ہیں لہو اور لعب کے ایک ہی معنی ہیں۔ دوسرا لفظ پہلے کی تاکید کے لیے آیا کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں لعب لڑکپن کے زمانہ میں کھیلنے کو کہتے ہیں اور لہو جوانی میں کھیلنا۔ کھیل کود اس کا ترجمہ ہے۔

دوسری بات وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کہ آخرت کا گھر ہی زندگی کی جگہ ہے، یعنی فنا نہیں حیات ابدی ہے، پھر جس جگہ ہر وقت کوچ کا نقارہ بج رہا ہو، عاقل کو وہاں دل لگانے، مکان بنانے، قصے قضیے کرنے سے کیا کام اور اس روا روی کے اسباب عیش سے کیا آرام۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم — جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

اقارب واحباب کی موت، بدن کے تغیرات زمانہ کا انقلاب اس غافل کے کوچ اور سفر کے لیے گھنٹیاں ہیں۔

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں — یاد ہے موت قتیل و مردن انشاء مجھے
کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں — بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

تیسری بات لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اگر لوگ جانتے تو دنیا پر نہ مرتے، یا یہ معنی کاش ان کو اس بات کا علم ہوتا گرچہ دُنیا کی بے ثباتی اور اپنی موت کا سب کو علم ہے، مگر جبکہ اس علم پر عمل نہیں تو وہ بمنزلہ جہل کے ہے، اس لیے یہ کلمہ فرمایا اور سچ بھی ہے کہ اس جانے پر دُنیا اور اس کے اسباب خاطر میں یہ محویت ہے کہ مرنا بھی بھول گئے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، خاص اسی کے لیے نیاز کر کے، پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچا کر لے جاتا ہے تو جبھی شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کا انکار کریں اور برت لیں، پھر جلد معلوم کر لیں گے، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور لوگ ہیں کہ ان کے آس پاس سے اُچکے جاتے ہیں۔ پھر کیا جھوٹ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اس سے کون بڑھ کر ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے، جبکہ اس کے پاس آوے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں۔

ترکیب: اذا رکبوا شرط دعوا جواب۔ مخلصین کا الدین مفعول اور فاعل اس کا ضمیر۔ یہ جملہ حال ہے، فاعل دعوا سے حرمًا موصوف امنًا اهلہ من القتل اوالسبی صفت مجموعہ جعلنا کا مفعول ثانی اول بلدھم محذوف اور کل جملہ لم یروا کا مفعول۔ ویتخطف الخ

جملہ حال مفعول جعلنا سے یا مستانفہ الخطف ربودن لے جانا۔

تفسیر : فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ یہاں پھر اس حیاتِ دُنیا کے ایک بڑے اثر کو بیان فرماتا ہے کہ جب یہ مشرکین جو حیاتِ دُنیا میں محو ہو رہے ہیں، کشتی پر سوار ہو کر دریا کا سفر کرتے ہیں اور وہاں پہاڑ جیسی دریا کی موجیں اُٹھتی اور کشتی کو تہ و بالا کرتی ہیں تو اس حیاتِ دنیا کا نشہ اُتر جاتا ہے اور موت سامنے دکھائی دیتی ہے، ان کی فطری حالت عود کر آتی ہے تو پھر خاص اللہ ہی پکارنے لگتے ہیں۔ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ الدین بمعنی الطاعۃ ای مخلصین الطاعۃ لا لغیرہ ویمکن ان یکون بمعنی الملۃ فالمعنی کائنین فی صورۃ من اخلص دینہ من المؤمنین حیث لا یذکرون الا اللہ تعالٰی ولا یدعون سواہ۔ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِکُوْنَ پھر جب ان کو وہ خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اپنی اُسی حالت پر آ جاتے ہیں، اپنے اُنہیں معبودوں کی طرف دُنیاوی طمع سے جس کو وہ اُن کی طرف سے سمجھتے ہیں، ان کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں۔ لیکفروا بما اٰتینٰھم تاکہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کریں۔ (واللام لام کے ای یشرکون لیکونوا کافرین بشرکھم نعمۃ النجاۃ او لام الامر علی التھدید بیضاوی) یعنی اُن کو اس نعمت کا شکر کرنا چاہیے تھا مگر حیاتِ دُنیا کے نشہ میں اس کے بدلہ میں وہ ناشکری کرتے ہیں۔ غیروں کی طرف طمع میں آ کر جھک جاتے ہیں۔ وَلِیَتَمَتَّعُوْا اور اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے ہم دُنیا میں شاد بامراد رہیں گے، پھلیں پھولیں گے۔ دُنیا کو برتیں گے، اگر ایسا نہ کریں تو یہ معبود ہم کو برتنے نہ دیں گے۔ چنانچہ اب بھی مشرکوں کا اپنے بتوں کی طرف یہی خیال ہے کہ اگر ہم ان کو نہ پوجیں' نذر نیاز نہ کریں' تو بیمار ہو جاویں' مفلسی آ جاوے' اولاد مر جاوے۔ دوسری تقدیر پر یعنی جبکہ لام امر لیا جاوے گا تو یہ معنی ہوں گے۔ اچھا برت لیں فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ پھر ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ نعمتیں کس نے دی تھیں، اور اب اس کی ناشکری میں کون سزا دے رہا ہے؟ یہ بات مرنے کے بعد بخوبی معلوم ہوگی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا الخ اب یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ سب نعمتیں ہماری دی ہوئی ہیں، اس میں ان کے معبودوں کا کچھ بھی دخل نہیں، ان نعمتوں میں سے ایک ایسی نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ جس کو وہ بھی خاص اللہ ہی کی طرف سے سمجھتے تھے۔ وہ کیا؟ حرم مکہ امن کی جگہ ہونا۔ عرب کے تمام قبائل حرم مکہ کی تعظیم ہمیشہ سے کیا کرتے تھے، حرمِ مکہ میں یعنی اس کے پاس ایک خاص مدت تک (جس کو ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں) نہ کسی کو مارتے تھے، نہ لوٹتے تھے، اس لیے مکہ کے لوگ امن و عافیت سے زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے اردگرد حرم کی حد سے باہر لوگ اُچک لیے جاتے تھے، یعنی جس طرح شکاری پرند چیل، باز وغیرہ زمین پر سے کسی کو اُچک لیتے ہیں، یعنی اُٹھا کر لے بھاگتے ہیں، اس طرح لوگوں کا حال تھا۔ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَکْفُرُوْنَ فرماتا ہے کہ پھر کیا غلط اور جھوٹی باتوں پر ایمان لاتے ہیں کہ فلاں بت نے اولاد دی، فلاں نے فلاں کام کر دیا اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں، اس کو نہیں مانتے۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

کافر و مشرکین اس حیاتِ دُنیا کے نشے میں دو کام کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ بتوں کے لیے افسانے اور قصے گھڑ رکھتے تھے کہ اس نے فلاں کو یہ نعمت دی تھی اور فلاں نے جو نذر و نیاز نہ کی تھی اس کو برباد کر دیا تھا۔ اللہ نے ان کو اپنے گھر کا مختار کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ سچی باتوں کو جو رسول لے کر آیا تھا، جھٹلاتے تھے اور درحقیقت یہ دونوں باتیں عقلاء کے نزدیک از حد بری اور صریح ظلم ہیں اس لیے فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ الخ کہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر کوئی ظالم اور بے انصاف ہے کہ جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنائیں اور سچی بات کو نہ مانیں۔ پھر کیا ان کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا، یعنی ان کا جہنم میں گھر ہوگا۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۠ ع

اور جنہوں نے ہمارے معاملہ میں محنت کی البتہ اُن کو ہم اپنے رستے بتا دیں گے اور البتہ اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

ترکیب : والذین موصول جاھدوا فینا جملہ صلہ مجموعہ مبتدا لنھدینھم ھم مفعول اول نھدی کا سبلنا مفعول ثانی جملہ خبر مع مضاف مضاف الیہ خبر ان۔ المحسنین

تفسیر : پہلے فرمایا تھا۔ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ کہ کیا جہنم میں کافروں کا مقام نہیں؟ یعنی جس رستہ پر یہ چلے جا رہے ہیں، یہی رستہ جہنم کا ہے، کیونکہ جب رستہ تمام ہو جاتا ہے تو وہی مقام ملتا ہے کہ جس کا یہ رستہ ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسری سیدھی سڑک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو خاص اس کی بارگاہِ کبریائی تک پہنچی ہے۔ فقال وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کہ وہ جو ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم اُن کو اپنے پاس پہنچنے کے رستے بتلا دیں گے اور جب وہ اُن رستوں پر چل پڑیں گے تو پھر کچھ غم کسی رستہ میں پیش آنے والی مصیبت کا نہیں کیونکہ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ نیک بختوں کے ساتھ ہے، پھر جب ہم ساتھ ہیں تو کیا غم ہے نعم الطریق ونعم الرفیق۔

فوائد : (۱) جاھدوا فینا ای فی حقنا و من اجل رضاءنا خالصا یعنی ہمارے دربارِ فیض آثار کا در بند نہیں جو کوئی قصد کرے اور قصد بھی محض قصد نہ ہو بلکہ جہاد یعنی پوری کوشش اور خوب جدوجہد ہو تو خود ہم ہی اُس کو رستوں پر چراغ لے کر آ ملتے ہیں، وہ جو پہلے فرمایا تھا۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ اب اس دارِ خلد کا آپ ہادی بن گیا۔ مطلب یہ کہ بندہ کا کام صرف کوشش کرنا ہے، پھر منزلِ مقصود تک تو ہم آپ پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) یہ ایک ایسا کثیر المعنی جملہ ہے کہ جس کی تفسیر کے لیے ایک اتنی ہی بڑی اور تفسیر لکھی جاوے تو بس نہ ہو، اس میں ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقاصد کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی نیک کام کرنا چاہے کہ ہم مدرسہ یا مسجد بنا دیں یا مسافروں، یتیموں کے لیے کوئی آرام گاہ تیار کریں یا کوئی دینی تصنیف کریں یا گمراہوں کو وعظ و پند سنا کر راستی پر لا دیں یا دُنیا میں شریر اور سرکشوں کو زیر کرکے راست بازوں کے لیے امن قائم کریں جیسا کہ جہاد میں ہوتا ہے تو سب کاموں میں جو یہ کوشش ہوگی تو اللہ ہی کے لیے ہوگی، ان سب کاموں میں اللہ اس کی مدد کرکے اس کو کامیاب کرے گا اور یہ سب نیک رستے اُس کے پاس پہنچنے کی سڑکیں ہیں، ان میں سے ہر ایک رستہ کی وہی رہنمائی کرکے اپنے دربار تک پہنچا دے گا، جو دار الخلد ہے۔ اسی لیے ان سب طریقوں کے لحاظ سے سبلنا جمع کا صیغہ آیا، کیونکہ سبیل کی جمع سبل ہے اور اسی لیے ہر سبل کو نا کی طرف مضاف کرکے سب کو اپنا رستہ کہہ دیا۔

اسی طرح جو کوئی معرفت و حقیقت کے لیے کوشش کرے گا، ذکر و فکر و مراقبہ وغیرہ رستوں سے اللہ اس کو اپنے تک پہنچا دے گا۔ بندہ کوشش تو کرے پھر تو اس کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس میں جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ بندے کی کوشش کی دیر ہے لطف تو ہر وقت کھلا ہوا ہے، جہاں اس نے اُدھر کے لیے کوشش کی فوراً مبداءِ فیاض سے اس پر تجلی پڑی۔ ہائے رے غفلت! یار خود بلا رہا ہے راستہ دکھا رہا ہے، ہم ہیں کہ دنیا کے مال و اسباب جمع کرنے میں محو ہو رہے ہیں، جن کو تھوڑی دیر کے بعد چھوڑ دینا پڑے گا۔ الٰہی اس کوشش کی ہم کو بھی توفیق عطا کر۔ آمین۔

(۳) سورہ کے خاتمہ میں تین فرقوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے، فرقہ ناقصین کی طرف وَمَنْ اَظْلَمُ میں کہ یہ بدبخت اپنی استعداد کو بھی اُلٹی میں صرف کرکے جہاں کہیں جاتا ہے، وہاں جانا چاہتے ہیں، یعنی جہنم میں۔ فرقہ متوسطین کی طرف وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا میں یہ لوگ سیدھے رستے کے لیے محنت کرتے ہیں، ان کی جدوجہد پر توفیقِ الٰہی ان کی رہنما ہوتی ہے اور فرقہ کاملین کی طرف وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ میں کہ یہ لوگ طبقہ علیا کے ہیں پیدا ہوتے ہی اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اول فرقہ کے لوگ کفار و بت پرست جن کو اصحاب

الشمال کہتے ہیں اور دوسرے فرقہ کے صالحین و مومنین جن کو اصحاب الیمین کہتے ہیں، تیسرے فرقہ کے اولیاء کرام و انبیاء علیہم السلام جن کو السابقون الاولون کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳
فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ
لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا
مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

روم والے قریب کے ملک میں مغلوب ہوگئے اور وہ چند سال میں مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے۔ (فتح شکست کا اختیار) اس سے پہلے بھی اللہ ہی کو تھا اور اس کے بعد بھی اور اس روز (جس روز رومی غالب ہوں گے) مسلمان بھی اللہ کی فتح سے خوش ہوجائیں گے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ زبردست رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر آدمی جانتے ہی نہیں، کچھ دنیا کی زندگی کی ظاہر باتیں جانتے ہیں اور آخرت سے تو وہ غافل ہی ہیں۔

ترکیب : فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ فی غلبت سے متعلق ھم مبتدا سیغلبون خبر من بعد غلبھم اس سے متعلق غلبھم میں اول قرأت حق غلبت کو مجہول مانا جاوے تو مصدر مفعول کی طرف اور دوسری تقدیر میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔ فی بضع متعلق ہے سَيَغْلِبُوْنَ سے بنصر اللہ متعلق ہے۔ یفرح المؤمنون سے وعد اللہ مصدر مؤکد ای وعد اللہ وعدا دول ما تقدم علی فعل الحذف اذ وعد۔ وعدہ مفعول لایخلف۔

تفسیر : اگلی سورۃ میں اہلِ کتاب کو مشرکین پر ترجیح دی تھی، بقولہ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ الی قولہ وَ اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ کہ اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر نرمی سے اور یہ کہہ دو جو کچھ تمہارے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا ہے، ہم اس کو مانتے ہیں اور ہمارا تمہارا ایک ہی خدا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بہ نسبت مشرکوں کے اہلِ اسلام کو اہلِ کتاب سے ایک خاص برادرانہ تعلق ہے، ان کی اُن کی صد ہا باتیں ملتی ہیں۔ اس پر مشرکوں کو اہلِ کتاب سے بھی نفرت ہوگئی۔ اب ان کے پاس آنا جانا بھی چھوڑ دیا۔ اس عرصہ میں شاہِ ایران خسرو اور شاہِ روم ہرکلیوس کی لڑائی ہوئی اور ہمیشہ ان دونوں سلطنتوں میں لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ خدا کی قدرت اب کے بادشاہِ روم جو اہل کتاب یعنی عیسائی تھا، شاہِ ایران سے مغلوب ہوگیا اور شاہِ ایران کے ہاں بت پرستی کے اصول کو زندہ کرنے والی آتش پرستی مروج تھی، اس لیے مشرکین کو اس سے جانب داری اور شاہِ روم سے منافرت تھی، اس موقع پر مشرکوں نے بڑی خوشی منائی اور مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ لو تمہارے بھائی جو اہل کتاب ہیں اور ان کا اور تمہارا خدا ایک ہے، مغلوب ہوگئے۔ تمہارے خدا سے کچھ بھی نہ ہو سکا، اس پر یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی، مسلمانوں کی تسلی کے لیے جس میں شاہِ روم[1] کے پھر غالب ہونے کی اور نیز مسلمانوں کو فتح نصیب ہونے کی بشارت ہے۔

[1] روم تو دراصل اٹالیہ کو شہر رومۃ کے سبب سے کہتے ہیں مگر ایشیائے کوچک سے لے کر قسطنطنیہ تک اور اس کے آگے تک بہت سے ملکوں کو عرب روم ہی

الٓمّٓ ہم بارہا بیان کر آئے ہیں کہ اوائل سورت میں یہ حروف مفردات آیندہ مضمون کے مہتم بالشان ہونے پر دلالت کرنے کے لیے آیا کرتے ہیں اور ان میں مخاطب کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی بڑی بات بیان ہوگی تاکہ متوجہ ہو کر سنے اور نیز ان میں کسی خاص امر کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ اس جگہ الف سے اسلام کی طرف اور ل سے اہلِ کتاب کی طرف م سے مغلوب ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ گو اہل کتاب ایرانیوں پر غالب ہوں گے، مگر اخیر میں اہلِ اسلام کے ہاتھ سے مغلوب ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کو وہ قرأت بھی مؤید ہے کہ جس میں غلبت کو معروف اور سَيَغْلِبُوْنَ کو مجہول پڑھا ہے کہ اہلِ کتاب یعنی رومی غالب آئے، مگر اس غالب آنے کے بعد پھر مغلوب ہوں گے اور اگر حرف سَيَغْلِبُوْنَ کو ہی مجہول کا صیغہ لیا جاوے تو بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے کہ رومی اب دب گئے مگر من بعد غلبھم اپنے غلبہ پانے کے بعد پھر مغلوب ہوں گے، اس میں ایک بار ان کے غالب ہونے کی بشارت ہے، پھر مغلوب ہونے کی بھی پیشین گوئی ہے، چنانچہ دونوں باتیں وقوع میں آئیں اور رومی ایرانیوں پر فتح بدر کے روز غالب آئے، پھر چند برس کے بعد خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں مغلوب ہوگئے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ کہ بالفعل رومی لوگ ہرکلیوس کہ جس کو اہلِ اسلام ہرقل[1] کہتے ہیں۔ قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے ہیں۔ ادنی الارض کے معنی ہیں قریب کی زمین، اس کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ عرب کے قریب کی زمین اطراف شام باذرعات و بصری اور یہیں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو کر روم مغلوب ہوا تھا اور یہی جگہ شام کے ملک باعتبار عرب کے قریب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اردن اور فلسطین مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ ارض جزیرہ مراد ہے اور یہی ملک روم کی سرحد میں سے فارس کے قریب ہے۔ فقیر کہتا ہے۔ ہجرت سے تخمیناً چھ برس پہلے روم کے بادشاہ ہرکلیوس اور شاہ ایران خسرو میں جنگ شروع ہوئی اور فریقین سے سخت لڑائیاں ہوئیں۔ ایرانی لشکر بصرہ کی طرف سے بڑھا اور رومیوں کو دباتا ہوا چلا شام کے ملک میں پہنچا اور خاص بیت المقدس کو بھی فتح کر لیا، ایشیائے کوچک کے تمام علاقہ دبا لئے، آخر قسطنطنیہ کے محاصرہ تک نوبت پہنچی تھی۔ ہزاروں رومی اس جنگ میں مارے گئے۔ بڑی شکست فاش ہوئی۔ (اب سب کے قول ٹھیک ہوگئے) جب یہ خبریں مکہ میں پہنچیں تو مشرکین بڑے خوش ہوئے اور مسلمانوں کو طعنہ دینے لگے، تب مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک باوجود ان کے مغلوب ہونے کے رومیوں کا ایرانیوں پر غالب آنا، دوم پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہونا۔ سوم اس پر مسلمانوں کا فتح پانا۔ بحمد اللہ یہ تینوں باتیں بہت تھوڑے چند سال کے بعد واقع ہوئیں۔ فقال اللہ تعالیٰ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ اور وہ رومی ایرانیوں کے غلبہ کے بعد ان پر غالب آئیں گے۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ[2] چند برس اور ان کی شکستہ حالی پر کوئی نہ جائے کیونکہ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ اللہ ہی کے ہاتھ میں زمام حکومت ہے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ دوسری قرأت پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ رومی اپنے اس غلبہ کے بعد جو چند برس میں ہونے والا ہے

* کہتے تھے جو ان ملکوں میں رہتا ہے اور جو وہاں کا بادشاہ سب کو روم یا رومی کہتے ہیں جس طرح کہ ایشیائے کوچک کے جنوبی ملکوں کو شام کہتے ہیں ہرکلیوس عیسائی مذہب کا بادشاہ تھا۔ ۱۲ منہ

[1] کسریٰ شاہِ فارس اور ہرقل شاہِ روم کی غرب قریب کے ملک یعنی عراق میں آنحضرت ﷺ کے عہد میں فتح مکہ سے پہلے لڑائی ہوئی تھی جس میں وہ مغلوب ہوگئے تھے قریش کہ عناصر پرستی وغیرہ کے رشتے سے ایرانیوں سے خوش اور اہل کتاب ہونے کے سبب رومیوں سے ناخوش تھے اور ان کو مسلمانوں سے منسوب کرتے تھے اس آیت میں رومیوں کے غالب ہونے کی اور اسی روز مسلمانوں کے غالب ہونے کی پیش خبری ہے چنانچہ اس واقعہ کے چند سال کے بعد پھر لڑائی ہوئی اور رومی غالب آگئے اور اسی روز بدر کی لڑائی میں قریش مکہ پر مسلمانوں نے بھی بڑی فتح پائی اور خوشی ہوئی حقانی۔

[2] اور لیز بضع کے لفظ میں مخالف کے غلط افواہ کی بھی روک ہے اگر ایک معین سال کا نام لیا جاتا تو تکذیب کرنے کے لیے اس سے پہلے ہی مخالف فتح پائی کی افواہ اڑا دیتے۔ ۱۲ منہ

عنقریب مسلمانوں کے ہاتھوں سے مغلوب ہوں گے، چنانچہ اس شکست کے سات برس بعد ہجرت کے دوسرے سال روم نے پھر اپنا سازوسامان تیار کر کے ایرانیوں سے جنگ شروع کی اور اب کے ان کو اس پیشین گوئی کے مطابق ایرانیوں پر وہ غلبہ ہوا کہ اپنا تمام ملک مقبوضہ ان کے ہاتھ سے چھڑا کر ان کے ملک میں بھی گھس آئے۔ یہاں تک کہ مدائن تک پہنچ گئے اور وہاں اپنی فتح کی یادگاری میں ایک عمارت بنوائی، جس کو رومیہ کہتے ہیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو ایک تیسری (بھی) پیشین گوئی سناتا ہے وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ کہ اس روز مسلمان بھی اللہ کی فتح دینے سے خوش ہوں گے، چنانچہ ادھر رومیوں کی فتح کی خبر آئی، اسی دن بدر کی لڑائی میں جو کفار قریش سے تھی، مسلمانوں کو بڑی فتح نصیب ہوئی۔ بضع کے معنی چند کے ہیں جو تین سے لے کر نو تک کے عدد کو شامل ہے۔ اس آیہ پر کفار قریش نے بڑا تمسخر کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تعداد قائم کرو کہ یہ بات کتنے برس میں واقع ہوگی، کیونکہ لفظ بضع میں ابہام تھا، اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابی بن خلف کافر میں بحث ہو کر ایک شرط ٹھہری ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نو برس کے اندر اگر روم غالب آ گیا تو میں تجھ سے سو اونٹ لے لوں گا، ورنہ تجھ کو سو اونٹ دوں گا۔ جب پیشین گوئی پوری ہوئی۔ ابی بن خلف مر چکا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی کے وارثوں سے سو اونٹ لیے اور حضرت ﷺ کے روبرو لائے، آپ نے فرمایا ان کو اللہ دے دو۔ انہوں نے دے دیے۔ (نیشاپوری) اس عہد تک شاید اس قسم کی شرط جائز ہوگی۔ پھر جب قمار کی حرمت آئی، ایسی شرطیں بھی قمار میں شامل ہو کر ممنوع ہو گئیں۔ ہاں اگر ایک طرف سے شرط ہو تو مضائقہ نہیں۔ حنفیہ اس واقعہ سے اس بات پر دلیل لاتے ہیں کہ دار الحرب میں اگر مسلمان کفار سے اس قسم کے معاملات[1] قائم کریں تو جائز ہے۔ (بیضاوی)

پیشین گوئیاں : یہ پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے لیے دلیل واضح ہیں۔ اب بضع کے لفظ پر شبہ کرنا عبث ہے، کس لیے کہ اکثر پیشین گوئیوں کی مدتوں میں قدرے ابہام ہوا کرتا ہے۔ کتاب دانیال وغیرہ ملاحظہ کرو اور دراصل ابہام بھی جاتا رہا، جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے اشارے سے مدت معین کر دی۔ پھر بضع کا لفظ ایک محاورہ کے لیے آیا اور یہ شبہ بھی بعید از عقل ہے کہ کچھ قرآئن دیکھ کر یہ پیشین گوئی کر دی ہوگی، کس لیے کہ اس وقت ہرکلیس کی فتح کا کوئی بھی قرینہ باقی نہ رہا تھا نہ مسلمانوں کی فتح بدر کا قرینہ تھا، نہ اہل کتاب پر فتح یابی کا کوئی قرینہ تھا بلکہ اس وقت یہ پیشین گوئیاں ایسی خلاف قیاس معلوم ہوتی تھیں کہ جن پر کفار قریش مضحکہ کرتے تھے، جن کے جواب میں خدا تعالیٰ بھی قدرت اور اسباب ظاہر پر تکیہ کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ فقال يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ کہ وہ جس کو چاہے فتح دے۔ زبردست ہے رحمت کرنے والا ہے۔ جس پر چاہے رحم کر کے غالب کر دے۔ وَعْدَ اللّٰهِ لا یخلف اللہ کا وعدہ ہو چکا وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وہ دنیا کی زندگی کے ظاہری اسباب کو جانتے ہیں اور انہیں پر ان کو تکیہ ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ پیچھے آنے والی بات سے کہ جس کو وہ ظاہر نہیں دیکھتے۔ غافل ہیں پیچھے آنے والی بات میں یہ پیشین گوئیاں اور دیگر امور اور قوموں کے ادبار و اقبال اور ان کی موت اور عالم آخرت حشر و نشر جنت دوزخ، سب آ گئے۔ ہرقل کی فتح کے سولہویں برس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو مغلوب کیا۔ بیت المقدس کو لیا۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

[1] ای عقود فاسدہ۔ ۱۲ منہ

[2] چڑھائی تو نویں برس میں ہوئی مگر سولہویں میں بہت کچھ روم مغلوب ہو گیا۔ ۱۲ منہ

اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ
جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ۝۹ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ
ع ۴ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

کیا وہ اپنے دل میں (یہ بھی) خیال نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے عمدگی سے اور وقت مقرر تک کے لیے بنایا ہے اور البتہ بہت سے لوگ تو اپنے رب سے ملنے کے منکر ہی ہیں، کیا انہوں نے زمین پر پھر کر نہیں دیکھ لیا کہ ان سے پہلوں کا کیسا انجام ہوا وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور ان سے بہت زیادہ آباد کیا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر بھی آئے[1] تھے۔ پھر اللہ تو ان پر کا ہے کو ظلم کرنے لگا تھا، پر وہی اپنے اوپر آپ ظلم ڈھاتے تھے، پھر برا کرنے والوں کا انجام بھی برا ہوا اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کی ہنسی اڑاتے رہے۔

ترکیب : ماخلق ما نافیۃ وفی التقدیر وجہان احدھما ھو مستانف لا موضع لہ والکلام تام قبلہ والثانی موضعہ نصب یتفکروا والنفی لا یمنع ذلک کما لم یمنع فی قولہ وظنوا مالھم من محیص عاقبۃ فمن رفعہ جعلہ اسم کان وفی الخبر وجہان احدھما السوئی ان کذبوا فی موضع نصب مفعولا لہ ای لان کذبوا وبان کذبوا والثانی ان کذبوا والسوائی علی ھذا صفۃ مصدر ومن نصب جعلھا خبر کان والاسم السوئی او ان کذبوا والسوئی تانیث الاسوء وھو الاقبح۔

تفسیر : ان لوگوں کو کہ جو ظاہر دنیا پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں، ان آیات میں اپنی قدرت اور جبروت کا مشاہدہ کراتا ہے، فقال اولم یتفکروا الخ کہ وہ اپنے دل میں نہیں سوچتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر جو کچھ چیزیں ہیں سب کو کس عمدگی کے ساتھ بنایا ہے، کوئی بات نکمی نہیں اور ہر ایک کی ایک عمر مقرر کر دی ہے۔ نباتات، حیوان انسان کی چونکہ تھوڑی عمر ہے، اس لیے اس کے فانی ہونے میں تو کسی کو شبہ نہیں مگر پتھر اور عناصر اور آسمان اور کواکب کی عمریں بہت ہیں، اس لیے بہت سے کم عقلوں کو گمان ہو گیا ہے کہ یہ چیزیں فانی نہ ہوں گی، ہمیشہ رہیں گی اور جب ہمیشہ کا رہنا مان لیا تو لاچار ہو کر یہ بھی کہنا پڑا کہ ان کی ابتداء بھی نہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں، پھر جب یہ ہوا تو حشر کا خواہ مخواہ انکار کرنا پڑا، جیسا کہ حکماء کے بعض فریق اور ہنود کے بعض گروہ قائل ہیں مگر یہ نہ سوچا کہ جو چیز ازلی اور ابدی ہے وہ اللہ کی ذات ہے اور کوئی نہیں مگر عرب کے مشرک اس بات کے قائل تھے کہ ان سب چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اس لیے ان پر تو حجت جلد قائم ہو گئی کہ جس کی ابتداء ہے اس کی انتہا بھی ضرور ہوگی، اس لیے اللہ نے خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ میں ان چیزوں کا حادث اور مخلوق ہونا بیان فرما دیا اور اِلَّا بِالْحَقِّ میں یہ کہ اس نے ان کو اضطراراً نہیں بنایا ہے، جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں بلکہ قصداً اور ان میں ہر ایک مصلحت رکھی ہے، بے اختیاری بنانے میں یہ کب ہوتا ہے؟ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى میں یہ بیان کر دیا کہ ان کی انتہا بھی ہے، پھر جب یہ ہے تو حشر اور قیامت اور خدا کے پاس جانے میں کیا شبہ باقی رہا؟ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ بہت سے لوگ خدا کے

[1] پر انہوں نے نہ مانا آخر اپنے کیے کی سزا کو پہنچے ہلاک ہوئے۔ ۱۲ منہ

پاس جانے کا انکار کرتے ہیں اور یہ انکار ان کا چونکہ غفلت اور دُنیا کے غرور اور محبت سے تھا، اس لیے ان سے پہلوں کا حال بیان فرمایا کہ وہ سب جو تم سے زیادہ قوی اور مالدار اور زمین میں بسنے والے تھے، اسی سبب سے برباد ہوئے۔ ذرا دنیا میں پھر کر دیکھو ان کے آثار قدیمہ تمہیں دکھائی دیں گے۔ فقال اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ کیا انہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وہ ان سے بھی زیادہ قوی تھے اور زمین کو جوتتے تھے اور آباد کرتے تھے، ان سے زیادہ اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ الخ پھر ان پر اللہ کا عذاب آیا لیکن اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وہ خود اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے جو رسولوں سے بمقابلہ پیش آئے۔ ثُمَّ كَانَ الخ پھر ان کا برا انجام ہوا، اس سبب سے کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے تمسخر کرتے تھے۔

ان آیات میں اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرما کر یہ بھی بتلا دیا کہ ہم نے جو فتح کی خبر دی ہے وہ بھی سچ ہے، ہماری قدرت سے بعید نہیں اور آخرت سے جو ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا، اس کو بھی اُٹھا دیا کہ ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے، یہ عالم فنا ہوگا۔ تم کو اس کے پاس جانا ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ پہلے لوگوں نے دُنیا کے غرور میں ان باتوں کو نہیں مانا۔ وہ ہلاک ہوئے، دیکھو دنیا فانی ہے وہ کہاں گئے؟

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اللہ ہی مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، پھر اس کے پاس لوٹ کر آؤ گے اور جس دن قیامت برپا ہوگی گنہگار نا امید ہو جائیں گے اور ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور یہ بھی اپنے معبودوں سے منکر ہو جاویں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز لوگ جدا جدا ہو جاویں گے۔ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے سو وہ بہشت میں چین کریں گے اور وہ جو منکر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا۔ سو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آویں گے۔

ترکیب: یبلس المجرمون یسکتون متحیرین آیسین یقال ناظرتہ فابلس اذا سکت وایس من ان یحتج و کانوا بشر کائھم کفرین ای یکفرون بالھتھم حین یئسوا منھم۔ وقیل کانوا فی الدنیا کافرین بسببھم، یوم کا ناصب یبلس، شفعاء جمع شفیع اسم لم یکن ولھم خبر مقدم۔ من شر کائھم بیان الشفعاء، یوم یقوم کا عامل۔ یتفرقون یومئذ یوم کی تاکید، ولقاء الآخرۃ مصدر مضاف ہے، مفعول کی طرف یہ آیتنا پر معطوف تحت میں باجار کی مفعول ہے۔ کذبوا کا۔

تفسیر: اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یہاں سے معاد یعنی حشر شروع ہوتا ہے اور اس بات کو مدلل کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ مخلوق کو شروع سے پیدا کرتا ہے، یہ بات نہیں کہ پیدا کر کے فارغ ہو گیا، اگرچہ بھاری بھاری چیزیں اس عالم کی تو پیدا کر دیں۔ جیسا کہ آسمان و زمین، کواکب و عناصر۔ اب ان کے علاوہ انسان نباتات حیوان ہر روز لاکھوں چیزیں پیدا کیا کرتا ہے کہ ان کا اول میں کچھ نام و نشان بھی نہیں ہوتا ہے۔ پھر جو سرے سے پیدا کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے بلکہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ اس عالم کے فنا ہونے کے

بعد ہر چیز کو بار دگر پیدا کرے گا اور پھر لوگ عدالت کے دربار میں خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ یہاں سے اس روز کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی نافرمان و مجرم نا امید ہو جاویں گے۔ مجرم کون ہیں، کافر و مشرک اور اہلِ اسلام میں سے فاسق و بدکار، مگر آیت میں کافر و مشرک مراد ہیں، ان کے وہ دلی منصوبے سب جاتے رہیں گے۔ بعض کہا کرتے تھے کہ ہم کو گنگا مائی بچالے گی، بعض کہتے تھے کہ گائے کی دم پکڑ کے بحرِ عذاب سے پار ہو جاویں گے اور برہمن نے اس مسئلہ کو اپنے معتقدوں کے دل میں خوب جما رکھا تھا، اس لیے دھرماتما گائے دان کیا کرتے تھے۔ بعض مہاراجہ یہ سمجھتے تھے کہ بیل پر سوار ہو کر پار ہو جاویں گے۔ بعض کہتے تھے ہنومان جی بچالیں گے، بعض کہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ مسیح تو ہمارے تمام گناہ خواہ وہ کیسے ہی ہوں، اپنے اوپر اٹھا لے گئے۔ اب کیا ہے جس نے بپتسمہ یعنی اصطباغ [1] پایا مرتے ہی خدا تعالیٰ کے دائیں طرف تخت رب العالمین کا کنارہ دبا کر بیٹھ جاویں گے، اس طرح مکہ بلکہ عرب کے بت پرست کہیں لات منات پر تکیہ کئے ہوئے تھے، کہیں ملائکہ عناصر اور آفتاب کو قاضی الحاجات دافع المشکلات جانتے تھے۔ جیسا کہ آج کل جہال مسلمان تعزیہ اور اسپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرضی نعل کو کہیں کسی جھنڈے اور تھان کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔ وہاں دیکھیں گے تو کچھ بھی نہیں وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی کارساز نہ ہوگا، بلکہ وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ۔ اپنے ان معبودوں سے منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ ہم تو ان کو نہیں پوجتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ۔

ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین اور ان کے پیرو کاملین ان ایمانداروں کے لیے ضرور سفارش کریں گے کہ جن سے بتقاضائے بشریت کوئی خطا دُنیا میں ہوگئی ہے، کیونکہ وہ درگاہ کبریائی کے باغی نہ تھے کہ جو اس کے سوا انہوں نے کسی کو معبود بنالیا ہو اور آیت میں صاف اشارہ ہے کہ جو کوئی ان انبیاء علیہم السلام کو معبود بنائے گا، اس کی وہ سفارش نہ کریں گے۔ پھر انجام کار وہاں کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل فرماتا ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ کہ اس روز قیامت برپا ہوگی۔ خدا تعالیٰ کے مجرموں کو فرمانبرداروں سے الگ کر دیا جاوے گا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ بہشتوں میں چین کریں گے۔ مدار نجات کا ایمان اور نیک کام کرنے پر رکھا ہے، خواہ اس میں کوئی غریب ہو یا امیر وضیع ہو یا شریف وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ اور جس نے کہ کفر اختیار کیا۔ اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور قیامت کے منکر ہوئے۔ اس میں شرک اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ بھی آگئے، جن کو كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ میں داخل یا بیان کر دیا اس لیے کہ کفار جو شرک کرتے ہیں۔ وہ آیات توحید کی تکذیب کرتے ہیں اور معصیت کو حلال جان کر کرتے ہیں، اس میں تکذیب آیات قیامت ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ پس وہ عذاب میں پکڑے ہوئے لائے جاویں گے۔ یحبرون یسرون والحبر السار لفظاً حبرہ واذا سرہ (نیشاپوری)

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ

[1] عیسائیوں کے ہاں جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا یا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو ایک حوض میں غوطہ دیتے ہیں بعض صرف پانی کے چھینٹے ہی دیتے ہیں بعض رنگ کے چھینٹے دیا کرتے تھے اس کو اصطباغ یا بپتسمہ کہتے ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ اصطباغ لینے میں سب گناہوں سے پاک ہو گیا جیسا کہ ہندو گنگا میں نہانا سب گناہوں کا معاف ہو جانا جانتے ہیں پھر جس طرح ہندو برہما بشن مہیش تینوں کو خدا سمجھتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک ایشر یعنی خدا ہے اسی طرح عیسائی باپ۔ بیٹا۔ روح القدس کو خدا سمجھتے ہیں۔ پھر تینوں کو کہتے ہیں کہ ایک خدا ہے۔ عیسائی مذہب کا اسی عقیدہ پر مدار ہے پر اس کو روحانی تعلیم ہی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ءَايٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ
خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً
وَّرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۚ ثُمَّ اِذَا
دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ کی تسبیح کیا کرو، جبکہ تم شام کرو اور جبکہ تم صبح کرو اور اُسی کی ستائش[1] ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے پہر کو اور دن ڈھلے کو۔ زندہ کو مردہ سے پیدا کر کے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور اسی طرح سے تم بھی زندہ کئے جاؤ گے اور اس کی قدرت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ تم کو خاک سے پیدا کیا، پھر تو تم انسان بن کر پھیل رہے ہو اور اس کی قدرت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ تمہارے لیے تمہی میں سے بیویاں پیدا کیں کہ ان کے پاس تم کو قرار آوے اور تم میں باہم محبت و مہربانی پیدا کی، البتہ یہ بڑی نشانیاں ہیں، غور کرنے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے، البتہ اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا اور اس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا بھی ہے، البتہ اس میں سننے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب تم کو زمین میں سے یکبارگی بلاوے گا تو تم نکل آؤ گے اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اُس کے آگے گردن جھکائے ہوئے ہیں اور وہی ابتداءً پیدا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک بہت آسان ہے اور اُس کی شان بلند ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور وہ (بڑا) زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب : فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ قد مر وجہ الاعراب فی سورۃ الاسراء و حین تمسون المجرور علی الاضافۃ والعامل فیہ سبحان وقرئ منونا علی ان الجملۃ

۱؎ ای الصفۃ العلیا وھو انہ لا الہ الا ھو ۱۲ منہ

تمسون صفۃ لہ والعائد محذوف ای تمسون فیہ وعشیا معطوف علی حین فکلاہما داخل التسبیح ولہ الحمد معترض و فی السموات حال من الحمد ویمکن ان یکون عشیا معطوفا علی فی السموات۔

تفسیر : وعدہ و وعید کے بعد یہ بتلانا مناسب تھا کہ وہ کون سی باتیں ہیں کہ جن سے وعدہ انعام کا مستحق ٹھہرے اور کون سی باتیں ہیں کہ جن سے وعید جہنم سے بچے؟ اس لیے فرمایا فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ[1] الخ کہ ان اوقات مذکورہ میں اس کی تسبیح و تحمید کرنا اگرچہ یہ ظاہر میں جملہ خبریہ ہے۔ پر معناً امر ہے کہ ایسا کرو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اول آیات میں قیامت اور وہاں کے وعدہ و وعید بیان فرمائے تھے جس سے کسی کوتاہ فہم کو خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی فرمانبرداری کرانے کا محتاج ہے۔ جیسا کہ دُنیا میں بادشاہوں کو اطاعت و تندہی رعیت کی حاجت پڑتی ہے، پھر جب کوئی اطاعت نہیں کرتا سزا پاتا ہے۔ اطاعت پر انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ اس خیال کے غلط کرنے کو یہ فرمایا فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ الخ کہ اس کو تمہاری بندگی و طاعت کی کچھ ضرورت نہیں، وہ جو کچھ فرماتا ہے۔ تمہارے بھلے کو آسمانوں کے فرشتے اور ہر ممکن کا حال اوقات مذکورہ میں اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔ اس صورت میں جملہ خبریہ ہی مانا جاوے تو ہو سکتا ہے، مگر جمہور اس کو بمعنی امر لیتے ہیں، یعنی ان اوقات مذکورہ پر اس کی تسبیح و تحمید کرنی چاہیے۔

اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کی تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور ظہر و عصر کے وقت (اس صورت میں وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ایک درمیانی جملہ مانا جاوے گا) اس بات کے بتلانے کے لیے کہ آسمانوں اور زمین میں اس کی ستائش ہو رہی ہے، تم بھی اوقاتِ مذکورہ میں اس کی تسبیح بیان کرو، یعنی سبحان اللہ کہو کہ اللہ پاک اور منزہ ہے اور جب اس کو جملہ معترضہ نہ مانا جاوے وعشیا کا فی السموات پر عطف قرار دیا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ صبح اور شام تو اُس کی تسبیح بیان کرو اور ظہر و عصر کے وقت اُس کی حمد کرو۔ الحمد للہ کہو جس کے معنی اُس کی خوبیاں بیان کرنا اور اسی کے انعام و الطاف کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی ہر صبح و شام سو بار سبحان اللہ و بحمدہ کہے گا اس روز اس کے برابر کسی کی نیکیاں نہ ہوں گی مگر اس کی جو اس قدر کہے یا اس سے زائد متفق علیہ۔ علماء اسلام کی ایک جماعت یہی کہتی ہے کہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ اُس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی اوقات مذکورہ میں اللہ کی تسبیح و تحمید کر لینا کافی تھا اور اس کی کوئی تعداد بھی کہ کتنے بار تسبیح و تحمید کی جاوے۔

مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے مراد پنجگانہ نماز ہے۔ قرآن کی عادت ہے کہ وہ نماز کو اُس کے اجزاء کے ساتھ تعبیر کیا کرتا ہے، نماز میں تسبیح بھی ہے، تحمید بھی ہے۔ رکوع بھی، سجدہ بھی، پھر بھی اس کو تسبیح سے کبھی تحمید سے کبھی رکوع سے کبھی سجدہ سے بیان کیا کرتا ہے، حِیْنَ تُمْسُوْنَ سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز اور حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ سے صبح کی نماز اور عشیا سے عصر کی نماز اور تُظْهِرُوْنَ سے ظہر کی نماز مراد ہے اور مکہ میں ہر وقت کے لیے دو دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھیں، پھر مدینہ میں آ کر اور زیادہ ہو گئیں۔ (چنانچہ حضرت عائشہ[2] صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث کہ جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، اس کی مؤید ہے)۔

ان اوقات کی خصوصیت چند اسرار کی وجہ سے ہے۔ (۱) یہ کہ یہ وقت غفلت اور دنیاوی کاروبار کے ہیں، ان میں اللہ کو یاد کرنا ضروری ہے۔ (۲) یہی اوقات تجدد نعماء الٰہی کے ہیں۔ (۳) عالم غیب میں یہ اوقات اہل زمین کی عبادت و دعاء و استغفار کے لیے اجابت کے واسطے مخصوص ہیں۔

اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ جن سے خاص اُسی کا اس تسبیح و تحمید کے لیے مستحق ہونا ثابت ہوتا ہے اور بت پرستی کی قباحت

۱؎ یعنی تمسون وحین تصبحون ۱۲ منہ

۲؎ عن عائشۃ قالت فرضت الصلوۃ رکعتین ثم ہاجر رسول اللہ ﷺ ففرضت اربعا وترکت صلوۃ السفر علی الفریضۃ الاولی متفق علیہ ۱۲ منہ

ثابت ہوتی ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ان دلائل میں اپنے انعام و اکرام ذکر فرماتا ہے کہ جو اس کی طرف سے اُس کے بندوں کو پہنچتے ہیں اور جن پر اس کی زندگی اور آرام کا مدار ہے، پھر جس کے انعام و نعماء ہیں، اس کی ستائش و تسبیح بھی ہونی چاہیے۔ فقال یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ یہ پہلی دلیل ہے کہ وہ مردہ سے یعنی نطفہ سے زندہ آدمی پیدا کرتا ہے۔ پھر زندہ عورت سے مردہ بچہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کے معنی متعدد کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور مری ہوئی زمین کو زندہ کرتا ہے، یعنی خشک کو جڑی بوٹیوں سے جو اگلے موسم میں مرچکی تھیں تر و تازہ کر کے زندہ کرتا ہے۔ اس میں زندگی بعد موت اور موت کے بعد زندگی عطا کرنا ثابت کیا، اس لیے بعد میں فرمایا۔ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ کہ اسی طرح مرنے کے بعد جڑی بوٹیوں کی طرح قیامت میں تم کو بھی زندہ کر دے گا اور زمین سے اُوپر نکالے گا، حشر کا مسئلہ بھی ثابت کر دیا۔ (۲) وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ الخ کہ تم کو مٹی سے بنایا۔ آدم کو اول مٹی سے بنایا، پھر اس سے اس کی تمام نسل بنی یا کہو نطفہ سے انسان بنتا ہے، وہ خاکی غذاؤں سے جو در اصل خاک تھیں اور خاک ہو جاویں گی۔

(۳) وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا الخ کہ تمہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے۔ مرد کا جوڑا عورت، عورت کا جوڑا مرد جنس کے اگر غیر جنس ہوتے تو بڑی خرابی ہوتی۔ الفت نہ ہوتی اور پھر باہم باوجود غیر غیر ہونے کے میاں بیوی میں وہ محبت و الفت دی کہ ایک کو دوسرے بغیر چین نہیں۔ (۴) وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ کہ اس نے آسمان و زمین بنائے اور زمین کے مختلف قطعات پر تم کو بسایا جس سے تمہاری زبانیں اور رنگتیں جدا جدا ہو گئیں۔ باوجودیکہ ایک شخص کی نسل پر کوئی گورا کوئی کالا کسی کی کچھ زبان کسی کی کچھ، یہ اس کی کیسی قدرت ہے؟ (۵) وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ الخ کہ رات تمہارے سونے آرام کرنے کو بنائی دن تمہارے کاروبار روزی کے سامان مہیا کرنے کو اگر سدا رات ہی رہتی یا رات ہی نہ ہوتی تو کیسی خرابی تھی؟ اس میں ہر روز مرنے اور جی اٹھنے کا بھی نمونہ ہے، اس لیے اس کے بعد فرمایا لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ کہ اس کو سن رکھیں، حشر بھی ہوگا۔ یہاں تک دلائل الانفس تھے، اس کے بعد دلائل الآفاق ذکر کرتا ہے۔ (۶) وَمِنْ اٰیٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ الخ کہ وہ تم کو بجلی چمکا کر دکھاتا ہے جس سے جان کا خوف اور بارش کی امید ہے۔ پھر مینہ برساتا ہے، اس سے خشک زمین کو تر و تازہ کرتا ہے۔ (۷) وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، آسمان کا کوئی ستون نہیں کسی چیز کے اُوپر دھری ہوئی نہیں، اس کے بعد پھر حشر کے مسئلہ کا اعادہ کرتا ہے، ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ الخ کہ وہ قادرِ مطلق جب تم کو زمین سے بلاوے گا، سب نکل کر چلے آؤ گے۔ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ الخ کیونکہ آسمان و زمین کی ہر چیز اُس کے بس میں ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ الخ اور وہی اول بار بناتا ہے، بار دیگر بنانا اس کو کیا مشکل ہے بلکہ تمہارے خیال کے بموجب بار دگر بنانا اول بار بنانے سے آسان تر ہے، اس کی آسمانوں اور زمین میں بلند شان ہے، اُس پر کوئی چیز مشکل نہیں، وہ زبردست ہے، حکیم ہے۔ ہر ایک تدبیر جانتا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ
فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۸ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۹ فَاَقِمْ وَجْهَكَ

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ
اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ
وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ
وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲

(اللہ) نے تمہارے لیے تمہارے حال سے ایک مثال بیان کی ہے کہ بھلا تمہارے غلاموں میں سے کہ جو تمہارے ۔۔۔ ہیں تمہارا اس چیز میں کہ جو ہم نے تم کو دی ہے کوئی بھی حصہ دار ہے کہ تم اُس میں برابر ہو جاؤ، ان سے ویسا ہی خطرہ رکھو کہ جیسا اپنے برابر کے لوگوں سے رکھتے ہو۔ عقلمندوں کے لیے ہم یوں آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں بلکہ بے انصاف بے سمجھے بوجھے اپنی خواہش پر چلنے لگے ہیں۔ پھر کون ہدایت کر سکتا ہے جس کو کہ اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں، پھر آپ تو دین پر یک طرفہ ہو کر قائم ہو جاؤ فطرتِ الٰہی پر کہ جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ خدائی بناوٹ میں رد و بدل نہیں۔ یہ ہے سیدھا طریقہ لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں (فطرت الٰہی پر قائم رہو) اُس کی طرف رجوع ہو کر اور اس سے ڈرا کرو اور نماز ادا کرتے رہو اور شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ ان میں کہ جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈال دی اور مختلف فرقے ہو گئے۔ ہر فرقہ اُس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہے۔

ترکیب: من انفسکم فمن للابتداء وفی قولہ من ما ملکت للتبعیض والثالثۃ مزیدۃ لتاکید الاستفہام الجاری مجری النفی۔ ومعنی من انفسکم انہ اخذ مثلا وانتزعہ من اقرب شیء منکم وھی انفسکم فالمعنی ھل ترضون لانفسکم ان یکون لکم شرکاء من بعض عبیدکم یشارکونکم فیما رزقکم فانتم ایہا السادات والعبید فی ذلک المرزوق سواء تخافون العبید ان یستعبدوا بالتصرف کخیفتکم انفسکم ای کما یخاف بعضکم بعضا من الاحرار المقربۃ سواء والجملۃ فی موضع نصب جواب الاستفہام ای ھل لکم۔ فطرۃ اللہ الزموھا وعلیکم بہا منیبین الیہ راجعین الیہ من اناب اذا رجع مرۃ اخری وھو حال من الضمیر فی الناصب المقدر لفطرۃ اللہ او فی اقم لان الایۃ خطاب للرسول والامۃ لقولہ واتقوہ من الذین فرقوا بدل من المشرکین باعادۃ الجار۔

تفسیر: اس سے پہلے چند دلائل اس کے خالق و رازق و قابلِ ستائش ہونے پر بیان ہوئے تھے۔ ہر چند وہ ردِ شرک کے لیے بھی کافی تھے کہ عالم میں اور کوئی اس کے برابر نہیں، مگر زیادہ واضح کرنے کے لیے ایک مثال بیان کی جس سے شرک کی برائی اور بھی ظاہر ہو جاوے۔ فقال ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہی حالت سے تم کو ایک مثال سناتا ہے، وہ یہ کہ بھلا تم اپنے غلاموں سے کسی کو اپنے برابر ہونا پسند کرتے ہو کہ برابر ہو کر مال میں تصرف کرنے لگیں اور تم اُن سے ایسے ڈرنے لگو کہ جیسا باہم کے شریک سے ڈرا کرتے ہو کہ ایک دوسرے کے پوچھے بغیر کوئی تصرف کرنا بھی پسند نہ کرو گے۔ پھر غور کرو کہ جب غلام کو جو تمہارا بنایا ہوا نہیں وہ بھی اللہ کا بندہ ہے، تم اس مال میں کہ تم کو اللہ نے دیا ہے۔ تمہارا بنایا ہوا نہیں شریک اور برابر ہونا پسند نہیں کرتے تو پھر خدا تعالیٰ کو (کہ جس نے یہ یہ کیا جس کا بیان پچھلی آیتوں میں آیا) کب پسند ہوگا کہ تم اس کی مخلوق کو خواہ وہ اشرف ہو خواہ ارذل، اُس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں اس کا شریک بناؤ، عبادت کرنے اور پکارنے اور نذر و نیاز کرنے میں یا اُن کی تعظیم و تکریم میں اس کی برابری کر دو ان کے بھی حصے لگاؤ؟ نہیں ہرگز نہیں۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ، ہم اپنی آیتوں کو یعنی کلام کو تفصیل سے مثال دے کر عقل والوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر ان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا اور انہوں نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل و سند نہیں بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ الخ بلکہ ستمگاروں نے جہالت سے اپنی دلی خواہشوں کی پیروی کرنی اختیار کر لی ہے۔ ان کو تقدیر ازلی نے ہدایت

میں حصہ ہی نہیں دیا۔ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ پھر ایسے ازلی گمراہ کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟ ان کا دردمند خیر خواہ ان کو لاکھ سمجھائے وہ
کب مانتے ہیں؟ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ کے یہ معنی ہیں۔

مشرکین کو الزام دے کر اور اُن سے مایوسی ظاہر فرما کر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے دینداروں کو حکم دیتا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ
لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا کہ تم اِدھر اُدھر نہ ڈگمگاؤ ایک طرفہ ہو کر دین پر قائم ہو جاؤ۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا فطرتِ الٰہی پر قائم ہو جاؤ کہ جس پر اُس نے بنی آدم کو بنایا ہے، یعنی فطرت انسان کی ایک اصلی
حالت ہے کہ جس پر قائم رہنا انسان کا کمال ہے۔ کبھی توہمات باطلہ اور رسم و عادات فطرت سے باز رکھ کر اُس کو ناموزوں حالت پر ڈال
دیتے ہیں جو اس پر پھر قائم کرنے کے لیے دُنیا میں حضرات انبیاء ﷺ بھیجے جاتے ہیں۔ وہی آ کر بتلاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں فطرت کے
مطابق نہیں، عن ابی هريرة ؓ قال قال رسول الله ﷺ ومامن مولود الايولد على فطرة فابواه يهودانه اوينصرانه
ويمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء، هل تحسون فيها من جدعاء ثم يقول فطرة الله التي فطر الناس عليها لاتبديل
لخلق الله ذلك الدين القيم، متفق عليه۔ ابوہریرة ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے
پھر بعد میں اُس کے ماں باپ کہیں اُس کو یہودی بنا لیتے، کہیں نصرانی، کہیں مجوسی جیسا کہ حیوانات میں بچہ جو پیدا ہوتا ہے تو بے عیب ہوتا
ہے، کسی کا کان کٹا ہوا نہیں ہوتا، بعد میں لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں، پھر اُس کی سند میں حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی، فطرت اللہ
التی الخ یعنی بدء الخلقت میں جس طرح کہ حیوانات کے بچے اپنی اصلی حالت اور صورت پر پیدا ہوتے ہیں، اس طرح ہر ایک بچہ انسان کا
اخلاق و عادات وخیالات میں بھی اپنی اصلی حالت پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُس پر کوئی اثر بیرونی نہ پڑے تو وہ جوان ہو کر بھی اسی حالت پر
رہے۔ اللہ کو وحدہ لاشریک جانے اپنے خالق ومحسن کی تابعداری کرے۔ یہ اجمالی حالت ہے۔ تفصیلی طور پر ہر ہر بات میں اُس کی مراد بھی
وہی باتیں ہوویں کہ جو انسان کے لیے ہونی چاہییں۔ راست بازی، رحمدلی، ہمدردی، مگر بعد میں جب اُس پر اور اثر پڑتے ہیں تو یہ اپنی
اصلی حالت سے بدل جاتا ہے۔ چالاکی، فریب دہی، ظلم وستم، بدکاری، بت پرستی وغیرہ اوصاف رذیلہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی جملہ کی طرف
سید الانبیاء نے فابواه يهودانه سے ایماء فرمایا کہ ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کر لیتے ہیں اور اس اصلی حالت کا نام دین قیم ہے
اور اسی کو اسلام بھی کہتے ہیں۔ فرماتا ہے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یا تو یہی ہے کہ تم خلق اللہ یعنی فطرتِ الٰہی کو نہ بدلو، اسی پر قائم رہو۔ یا مطلب یہ
ہے کہ فطرتِ الٰہی بدلتی نہیں۔ تمام انبیاء کا اس میں ایک ہی رستہ ہے۔ اس کو ہم منسوخ نہیں کیا کرتے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر
اکثر لوگ جانتے نہیں، وہ اپنے توہمات باطلہ اور عادات واخلاق باطلہ کو دین اور فطرت سمجھ بیٹھے ہیں اور پھر جب یہ باطل طریقہ پشت
در پشت چلا آتا ہے تو معاذ اللہ پھر اس کو فطرت کیا فطرت کی بھی جان سمجھنے لگتے ہیں۔

اس کے بعد فطرتِ الٰہی کی قدرے شرح کرتا ہے کہ اس کی چند باتیں بتلا کر اُن کی پابندی کا حکم دیتا ہے، فقال مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ اللہ کی
طرف رجوع کرتے رہو، ہر امر میں گو وہ رحیم وکریم ہے۔ وَاتَّقُوْهُ اس سے ڈرتے بھی رہا کرو نافرمانی پر سزا بھی دیا کرتا ہے۔ وَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ اور نماز قائم کیا کرو۔ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو، یعنی اس جماعت میں داخل نہ ہو، شرک
نہ کرو۔ پھر ان کا حال بیان فرماتا ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا وہ لوگ ہیں مشرک کہ جنہوں نے اپنے اصلی دین
یعنی فطرت اللہ میں پھوٹ ڈالی، اس سے الگ راہ نکالی اور ہر ایک جگہ کے لوگوں نے جدا جدا معبود بنائے اور جدا جدا رسمیں قائم کیں، اور
ان کا حسن باطنی جاتا رہا، کھرے کھوٹے پرکھنے کا امتیاز باقی نہ رہا۔ ہر ایک گروہ اپنے عقائد ورسوم پر کہ جس کو انہوں نے مذہب سمجھ رکھا
ہے، خوش وخرم ہیں، اسی کو بہتر جانتے ہیں۔ فطرت: دانائی زیرکی۔ ابداء واختراع حالت یہاں آخیر معنی حالت والے معتبر ہیں کہ

اصلی حالت ہر چیز کی ایک اصلی حالت ہوتی ہے، پانی میں روانگی، ہوا میں خفت وغیرہ وغیرہ اگر ان میں کوئی آمیزش یا تغیر نہ ہو تو یہ چیزیں
اپنی حالت طبعی پر رہیں۔ انسان کی اصلی حالت کو شروع میں فطرت اللہ کہتے ہیں، جو ایک عمدہ اور کمالی حالت ہے اور اسی کو اسلام اور اسی کو
دین قیم کہتے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء ﷺ کا طریقہ ہے، نہ اور کسی کا۔ والله الهادي وبيده المقاصد المبادي۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ
رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ
فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا
كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور لوگوں کو جب کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں، اُس کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اُن کو اپنی عنایت کا مزہ چکھاتا ہے تو جب ہی کوئی ایک فرقہ اُن میں
سے اپنے رب کے ساتھ شریک پیدا کرنے لگتا ہے، تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں، پھر (دُنیا کے چند روزہ) فائدے اُٹھا لو۔ پھر تو تم کو معلوم ہی
ہو جائے گا کیا ہم نے ان کے لیے کوئی سند بھیجی ہے کہ وہ ان کو شرک کرنا بتا رہی ہے اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور جو
ان کو ان کی شامت اعمال سے کچھ دکھ پہنچتا ہے تو فوراً ناامید ہو جاتے ہیں۔

ترکیب: وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ شرط دعوا جواب منيبين حال من الضمير الفاعل في دعوا اذا فريق اذا مكانية للمفاجاة نائب عن
الفاء في جواب الشرط فتمتعوا فيه التفات عن الغيبة سلطنا يذكر لانه بمعنى الدليل ويونث لانه بمعنى الحجة۔ وقيل هو جمع سليط كرغيف ورغفان۔
واسناد التكلم اليه مجاز كما تقول نطقت الحال بكذا اى حكم تكلم دلالة بما كانوا ما مصدرية والضمير في به الله۔ او موصولة والضمير لها اى بالامر الذى
بسببه يشركون۔

تفسیر: وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ الخ یہاں سے انسانی جذبات میں فطرت الٰہیہ کا ثبوت کیا جاتا ہے کہ جب انسان پر کوئی سخت
مصیبت آ پڑتی ہے جو اس کے بیرونی آثار سے اس کو قدرے بے خبر کر ڈالتی ہے تو یہ پھر اسی فطرت اور اصلی حالت پر آ کر کمال اخلاص سے
رب کو پکارنے لگتا ہے۔ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ پھر وہ جب اُن کی مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور
اپنی رحمت کا کچھ بھی مزہ چکھاتا ہے، سب تو نہیں پر بعض لوگ کہ جن پر پھر وہی بیرونی آثار و تعلیمات باطلہ و توہمات فاسدہ کا دیوا کر سوار ہوتا
ہے اپنے رب کے ساتھ اوروں کو بھی اس دفع مصیبت میں شریک کرنے لگتے ہیں۔ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ تاکہ اللہ کی نعمت کی ناشکری
کریں یعنی ان کا یہ کام خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے، اس کے بدلے میں شکر کرنا چاہیے تھا نہ کہ ناشکری کہ اب اوروں کو بھی اس میں شریک
کرنے لگے۔ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اب تم اے ناقدرو! اپنے نزدیک امن وراحت کی حالت میں آ گئے ہو، کچھ دنوں دُنیا کا مزہ اُٹھا لو،
مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا، کیونکہ اُس وقت حس وادراک کامل عود کر آوے گا، اب یہ نشہ تم کو معلوم ہونے نہیں دیتا، مرنے کے
بعد نشہ اتر جاوے گا یا یہ کلمہ تہدید ہے جو عذاب کی خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے محاورہ میں مجرم کو کہا کرتے ہیں کہ معلوم ہو جاوے گا، یعنی
سزا ملے گی۔ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ یہاں سے یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ وہ جو شریک بناتے ہیں

انہیں توہمات باطلہ کا اثر ہے ورنہ ان کے پاس اس بات کی ہم نے کوئی سند نہیں اُتاری ہے کہ وہ ان کو شرک کرنے کا حکم دیتی ہو۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ یہاں سے ایک اور جذبہ انسانی بتلایا جاتا ہے جو اس میں بیرونی آثار سے پیدا ہوا کرتا ہے، وہ کیا خدا تعالیٰ کی جب رحمت اور نعمت ملے تو اُس پر اترانا شکر گزاری نہ کرنا اس کو اپنی کوشش اور عقل کا ثمرہ قرار دینا اور اس پر کوئی مصیبت آوے اور وہ بھی اسی کے کردار سے تو اس وقت خدا تعالیٰ سے مایوس ہو جانا ہاتھ دھو بیٹھنا یعنی نعمت کا شکر نہ کرنا، مصیبت پر صبر نہ کرنا یہ نالائقی اس کی اس خارجی اثر کا نتیجہ ہے جو پیدا ہونے کے بعد اس کو نادان ماں باپ کی تعلیم سے یا اور کسی کی صحبتِ بد سے حاصل ہوا ہے۔

ان آیات میں انسان کے دونوں جذبات کا حال بیان کر دیا۔ جذبہ فطرت اللہ کا بھی کہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچ لاتی ہے، جو اس کی روح نورانی کا ایک کچھ ذرا سا اثر باقی تھا۔ دوسرا جذبہ اس کی کایا پلٹ کر شرافتِ انسانی سے باہر ہو جانے کا جو اس کے قوائے بہیمیہ اور توہماتِ فاسدہ اور تخیلات باطلہ کا نتیجہ ہے، جس پر یہ بے شعور بڑا مسرور ہے۔ کما قال كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ یہ وہ حالت ہے جس سے طبقہ انسان کامل سے نکل کر ارذل طبقہ میں جا ملتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

لے (۱) وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس تفصیل المقام یا موصول آتیتم اس کا صلہ اور عائد محذوف مفرور یا کا بیان کہا نا منصوب ہے۔ اتیتم سے اور قراءت وہ مد نظر ہے کہ جس میں اتیتم کو مد کے ساتھ پڑھا ہے (مکی) اور لیربوا کو صیغہ مفرد جو لام کی وجہ سے مفتوح ہے من ربا لیربوا کے متعلق ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ ربا سے مراد ربا محرم نہیں ہدیہ ہاں یعطی ہدیہ اوھبۃ یطلب اکثر منہ فسر اسم المطلوب من الزیادۃ فی المعاملۃ (جلالین) اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم ہدیہ دے رہے ہو کہ جو ہدیہ بڑھے اور وہ چند سے چند ہو جائے لوگوں کے مال میں سے کیونکہ لوگوں کی عادت تھی اور اب بھی ہے کہ ہدیہ کے طور پر کوئی کسی کو اس لیے دیا کرتے ہیں کہ وہ اس کے صلہ میں اس کو اس سے زیادہ دے فلا یربوا عند اللہ اس ہدیہ دینے کا عند اللہ کچھ ثواب نہیں کیونکہ لوجہ اللہ نہ تھا یعنی اللہ کے واسطے نہ دیا تھا (۲) دوسری صورت میں کہ الفاظ اور ترکیب تو یہی رہے مگر ربا سے مراد ربا حرام لیا جاوے جس کو سود کہتے ہیں تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم نے سود پر روپیہ دیا ہے (سود سے مراد سود ہے۔ روپیہ مجازاً اطلاق المسبب علی السبب ایسا دیا کرتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں پڑ کر یہ بھی بڑھتا رہے مثلاً سو روپیہ کسی کو سود پر دیے وہ روپیہ سینکڑے پر اور لینے والے نے اس کو کسی بیوپار میں ←

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے نشانیاں ہیں۔ پھر (اے مخاطب!) قرابت دار کو اس کا حق دیتا رہ اور فقیر اور مسافر کو بھی یہ بہتر ہے، ان کے لیے جو اللہ کے طالب ہیں اور یہی فلاح بھی پانے والے ہیں اور جو کچھ کہ تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو۔ سو اللہ کے نزدیک تو افزائش ہوتی نہیں اور وہ جو کچھ کہ تم خدا کی رضا جوئی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو۔ سو وہی بڑھا بھی رہے ہیں اللہ وہ ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے کہ جو ان (چار) کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ وہ پاک اور بلند ہے ان کے شرک کرنے سے۔

ترکیب : وما اتیتم مافی موضع نصب باتیتم بالمد بمعنی اعطیتم والقصر بمعنی جئتم وقصدتم ۔لیربوا ای الربا۔ اس تقدیر پر لیربو اصیغہ واحد غائب کا ہے، اس کا فاعل الربا فالمعنی لیزید الربا ویزکوا فی اموال الناس فاولئك فیہ التفات حسن کانہ قال ذلک لخواصہ وملائکتہ وحولہ حولھم من ان یقول فانتم المضعفون کشاف ۔ھل من الخ من الاولی للتبعیض کانہ اقام فعل البعض مقام فعل الکل توسعا علی الخصم والثالثۃ لتاکید الاستفہام والتوسطۃ للابتداء۔

تفسیر : انسان کی اس حالتِ قنوط یعنی نا اُمیدی کے جذبہ کی دوا بتلاتا ہے، فقال اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ کہ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تنگدستی اور فراخ دستی اللہ کی طرف سے ہے۔ محقق کی نظر دونوں حالتوں میں اللہ ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ فراخ دستی میں شکر کرنا چاہیے نہ اترانا حق داروں کی دستگیری سے ہاتھ روکنا مناسب نہیں اور تنگدستی میں صبر کرنا چاہیے۔ اللہ سے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے۔ یہ نہ خیال کرے کہ اللہ میری فراخ دستی پر قادر نہیں یا اس کی ادھر عنایت کی نظر نہیں بلکہ اپنے قصور کا تازیانہ خیال کر کے توبہ و استغفار کرے اور اللہ کی طرف رجوع کرے۔ یہ حالت فطرت اللہ ہے اور پہلی حالتیں اس کی برخلاف تھیں اور فطرت اللہ پر قائم رہنا مومن کی شان ہے، اس لیے اخیر میں فرما دیا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ چونکہ یہ بات (کہ ہر چیز کی تنگی فراخی اللہ ہی کی طرف سے ہے) ایک بدیہی بات تھی کہ انسان اپنے جذبہ میں اس سے اندھا ہو رہا تھا، اس لیے اَوَلَمْ يَرَوْا فرمایا۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ جب مومن کو یہ بتلایا گیا کہ تنگی فراخ دستی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس کو یہ بھی فطری حکم سنایا گیا کہ تو قرابت دار اور مسکین اور مسافر کے حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کر اور اس لیے فات پر ف کا آنا مستحسن ہوا۔ (علماء احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں آیت عام ہے اس میں زکوٰۃ اور دیگر صدقات بھی آ گئے، اس طرح ذی القربیٰ کا لفظ بھی عام ہے۔ ذی الفروض اور عصبات اور اولی الارحام بھی آ گئے، اس لیے جو ان میں سے

← لگا دیا اب جس طرح اس کا مال بڑھ رہا ہے اس کا سودی روپیہ بھی جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے فلا یربوا پس یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا (۳) تیسری ایک صورت ہے وہ یہ کہ لیربوا کو جمع کا صیغہ مانا جاوے نیز اس کی بھی دو صورت ہیں ایک یہ کہ جمع مذکر غائب جیسا کہ نیشاپوری میں ہے بضم الیاء وسکون الراء علی الجمع ابو جعفر و نافع و سہل و یعقوب یعنی ان قراء نے اس کو صیغہ جمع پڑھا ہے یا اصل اس میں یربون تھا لام کے کی وجہ سے نون جمع ساقط ہو گیا اس تقسیم پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم نے سودی قرض سے دیا ہے کہ لوگ اور لوگوں کے مال سے بڑھ جاویں یعنی اس سودی روپیہ سے مال مفت کا حاصل کر کے بڑھیں فی اموال الناس ای بسبب اموال الناس المعطین فلا یربوا عند اللہ پس ہرگز نفع عند اللہ نہ ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ لیربوا کو تربوا جمع حاضر کا صیغہ مانا جاوے قرء نافع ویعقوب لتربوا ای لتزیدوا وتصیر وا ذوی ربا ۔ بیضاوی اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم سود پر دیتے ہو تا کہ تم لوگوں کے مال میں ٹھہرا و یعنی اور لوگوں کے مال سے تم کو نفع حاصل ہو پس عند اللہ نفع حاصل نہ ہوگا (۴) چوتھی یہ ہے ایک صورت ہے کہ اتیتم کو بالقصر پڑھا جاوے جس کے معنی یہ ہے کہ وہ جو تم ربا یعنی سود لے کر آتی ہوا ای جئتم بہ من ربا یعنی وہ جو تم نے سود حاصل کیا ہے اور سودی لینے والے نے تم کو دنیاوی غرض سے دیا ہے۔ (۵) اس پانچویں صورت میں ربوا کو مفرد مانا جائے یا جمع غائب یا حاضر کا صیغہ لیا جاوے ہو سکتا ہے اسی طرح ہر ایک کی سہ وجوہ یہ مختلف قراءتوں کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو متعدد معنی حاصل ہوں گے اور یہی احتمالات ہیں کیا ہی بلیغ کلام ہے۔ ۱۲منہ

ایسا محتاج ہو کہ خود نہ کما سکے اقارب اہل استطاعت پر اُس کا خرچ واجب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ذوی الارحام کا خرچ واجب نہیں)۔

فرماتا ہے ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ کہ یہ حق ادا کرنا ان کے حق میں بہتر ہے کہ جو اللہ کے طالب ہیں۔ وجہ اللہ سے مراد اس کی ذات اور اس لفظ کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اس کے طالب دیدار ہیں اور اس کے عاشق صادق ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہی لوگ فلاح پانے والے دُنیا سے کامیاب ہو کر جانے والے ہیں، یعنی اس میں نقصان نہیں بلکہ فلاح ہے۔ چونکہ اللہ کے لیے دینے کا ذکر تھا کہ جو فطرت اللہ کا ایک جذبہ ہے، اس مناسبت سے اس کے برخلاف ایک دوسرے جذبہ انسانی کا بھی ذکر کرنا مناسب ہوا۔ فقال وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ کہ وہ جو تم سود دیتے ہو کہ اس سے لینے والا سمجھتا ہے کہ جس طرح اور اموال تجارت سے بڑھتے ہیں، اس سے بھی بڑھے گا تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، یعنی اس میں خیر و برکت نہیں۔ سود خوروں کا آخر کار بہت برا دیکھا گیا ہے۔ دیوالہ نکل جانا' رقم ڈوب جانا تو معمولی بات ہے اور بے مروتی' تنگ دلی اس کا بدیہی نتیجہ ہے، جو شخصی اور قومی ترقی کے لیے سخت حارج ہے۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ الخ برخلاف زکوٰۃ یعنی صدقہ و خیرات اور مقرر زکوٰۃ کے کہ ان کے مال میں بھی خیر و برکت ہوتی ہے۔ آخرت میں بھی دو چند اجر ملے گا۔ مضعفون کا لفظ کہ جس کے معنی ہیں بڑھانے والے زیادہ کرنے والے کے ہر قسم کے اضافہ کو شامل دنیاوی و اخروی سب کو اس کے بعد انسانی فطرت کو توحید کے بارے میں ابھارتا ہے۔ فقال اللّٰهُ الَّذِيْ الخ کہ اللہ وہ ہے کہ جس میں یہ اوصاف ہیں۔ پیدا کرنا، روزی دینا، مارنا، پھر جلانا، پھر بتاؤ کہ تمہارے معبود میں سے کون ہے جو ایسا کر سکتا ہے۔ پھر تمہارا یہ فعل محض بے سود ہے اور تمہارے یہ خیالات محض غلط ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

خشکی اور تری میں انسانوں کے کرتوتوں ہی سے خرابیاں نمودار ہو گئی ہیں تاکہ خدا لوگوں کو ان کے عمل بد کا کچھ مزا چکھائے تاکہ وہ باز آجائیں، کہہ دو ملک میں پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلوں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے بیشتر تو مشرک ہی تھے۔ پھر آپ اُس دن کے آنے سے پہلے کہ جو ٹالے نہ ٹلے گا، اپنا رخ سیدھے دین کی طرف قائم رکھیے، اُس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے، جس نے کفر کیا سو اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہے اور جو اچھے کام کرتے ہیں سو وہ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں تاکہ جو ایمان لائے اور اُنہوں نے اچھے کام بھی کیے اللہ اُن کو اپنے فضل سے بدلہ عطا کرے، البتہ اللہ ناشکروں (منکروں) کو پسند نہیں کرتا۔

ترکیب : لِيُذِيْقَهُمْ متعلق بظہر ای لیصیر حالھم الی ذلک وقیل التقدیر عاقبھم لیذیقھم، کان اکثرھم استینات من اللہ متعلق بیاتی۔

یجزان یتعلق بمرد لانہ مصدر علی معنی لا یردہ لتعلق ارادۃ القدیمۃ بمجیئہ۔ یومئذ، بدل من یوم والناصب یصدعون ای یتفرقون فریق فی الجنۃ وفریق فی النار کما یقول من کفر فعلیہ کفرہ ای علیہ وبال کفرہ یمھدون یسوون منزلا فی الجنۃ لیجزی علۃ لیمھدون او یصدعون۔ والاقتصار علی جزاء المؤمنین۔ للاکتفاء علی فحوی قولہ انہ لا یحب الکفرین۔

تفسیر : ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ردِ شرک کے قوی دلائل بیان فرما کر اب اس جگہ یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ فطرت اللہ کے ترک کرنے سے اور کفر و شرک اور ہر ایک قسم کی بدکاری سے جس کا مرتکب ہوتا ہے، صرف یہی نتیجہ نہیں کہ دارِ آخرت کی سعادت سے محرومی نصیب ہوتی ہے بلکہ اور طرح طرح کی عقوبات میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ دُنیا میں بھی فساد و فتن اور ہر طرح کا رنج و محن دیکھنا پڑتا ہے اور خیر و برکات اُٹھ جاتے ہیں۔

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کے معانی میں علماء کا اختلاف ہے لفظوں کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ جنگل اور دریا میں انسان کی بدکاری سے خرابی ظاہر ہو گئی۔ وہ کیا کہ انسان پر ان جگہوں میں انواع و اقسام کے مصائب پڑنے لگے۔ جنگل یعنی خشکی میں عام ہے کہ شہر کی زمین ہو یا باہر کی یا بیابان' موقع پر بارش نہ ہونا' قحط پڑنا' باغ اور کھیتوں کے پھل پھولوں پر آفت آنا' آندھی اولوں کا آنا، سیلاب کا پھیلنا یا پیداوار کم اور ناقص ہونا' یہاں تک کہ مزے میں بھی کم ہونا' شیرہ والی چیزوں میں سے کم شیرہ برآمد ہونا' مواشی میں مری پڑنا' ان کی نسل کم پھیلنا، دودھ، گھی کم دینا، تجارت اور کاروبار میں نفع کم آنا' مصارف کا بڑھ جانا، ہر چیز کا گراں ہو جانا' حاکم کا ظالم و طماع ہونا' قانون اور انصاف کے پیرایہ میں رعایا کو تباہ کر دینا، باہم بادشاہوں اور قوموں میں جنگ قائم ہو کر ہزاروں کا بے خانماں ہو جانا' صدہا کا مارا جانا، بیماریوں کی کثرت' ہیضہ کا زور، خار دار درختوں اور موذی جانوروں کا بکثرت پیدا ہو کر انسان کو تکلیف پہنچانا' باہمی اُلفت و محبت و اتفاق کی جگہ عداوت و بغض و نفاق پھیلنا' حیا و شرم کا اُٹھ جانا، بے حیائی اور فحش کی ترقی ہونا، چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب و گستاخ ہو جانا' باہم چوری اور زناکاری اور خون ریزی اور باغی پھیلنا، یہ ہیں وہ بلائیں کہ جو انسان کے کرتوت سے پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح دریا کی بلاؤں کو سمجھ لیجیے بعض کہتے ہیں کہ بحر سے مراد شہر ہے۔ قال عکرمہ العرب تسمی الامصار بحارا۔ نیشا پوری

فرماتا ہے لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا الخ یہ خرابیاں اس لیے ظاہر ہوئیں کہ انسان اپنے کیے کا کچھ دنیا میں بھی تو مزہ اُٹھائے تاکہ اس فعل بد سے باز آئے، توبہ کرے مگر افسوس ہے کہ آج کل کے زمانہ میں سب خرابیاں ظاہر ہو رہی ہیں، مگر بجائے توبہ و استغفار کے الحاد اور بے دینی اور بدکاری کا دریا موج زن ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک مذکورہ خرابیوں کا باعث انسانی بدکاری نہیں ہو سکتی، بلکہ ان کے دیگر اسباب ہوتے ہیں۔ ہم اس کو مانتے ہے، مگر وہ دیگر اسباب بھی تو کسی علۃ یا علۃ العلل ہی کا فعل قرار دیں گے جو انسانی بدعملی سے ایسے اسباب پیدا کرتا ہے۔ قُلْ سِيْرُوْا الخ یہاں سے ان غافلوں کو یہ بتلاتا ہے کہ اگر تم اپنی صنعت اور ہر قسم کی صناعی و دستکاری و شہ زوری و دولت مندی پر گھمنڈ کر کے یہ کہتے ہو کہ ہم خود ان مصائب کو اپنی تدابیر سے دفع کر دیں گے تو ملک میں پھر کر تو دیکھو کہ تم سے پہلوں کا کیا حال ہوا۔ وہ بھی یہی دعوے کیا کرتے تھے اور اکثر شرک میں مبتلا تھے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ الخ یہاں سے حجت تمام کر کے یہ بات فرماتا ہے، اگر کوئی مانے یا نہ مانے تم اے نبی دینِ قیم یعنی فطرت اللہ پر مستقیم ہو جاؤ، ایسے صیغوں سے مراد اور عام لوگ ہوتے ہیں، مگر حسنِ بلاغت کے لیے خطاب پیغمبر علیہ السلام سے کیا جاتا ہے۔ خواہ اُس دن سے قیامت کا دن مراد ہو اور کوئی برا دن جو ایسی بدکاری کی سزا دینے کے لیے آیا کرتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ

قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا
فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ
خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ
اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ
الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا
لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خوشی دینے والی ہوائیں چلایا کرتا ہے اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا کچھ مزا چکھائے اور تا کہ اُس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اُس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور البتہ آپ سے پہلے بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ پھر وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے مجرموں سے بدلہ لے کر چھوڑا اور ہم پر ایمانداروں کی مدد کرنا ضرور تھا۔ وہ اللہ وہ ہے کہ جو ہوائیں چلاتا ہے، پھر وہ بادل اُٹھاتی ہیں، پھر وہ اس کو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے اور اُس کو گھنگھور گھٹا بنا تا ہے پھر تو (اے مخاطب!) تو دیکھتا ہے کہ اُس میں سے مینہ برستا ہے۔ پھر جب اُس کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے تو جب ہی وہ خوش ہونے لگتے ہیں اور اگرچہ ان پر برسنے سے پیشتر وہ ناامید تھے۔ پھر (اے مخاطب!) تو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو تو دیکھ کہ خشک ہونے کے بعد کس طرح سے زمین کو سرسبز کرتا ہے۔ بے شک وہی مردوں کو پھر زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے اور اگر ہم ہوا کا کوئی ایسا جھونکا چلادیں کہ جس سے وہ اپنی کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔

ترکیب : وَكَانَ حَقًّا خبر کان مقدم و نصر اسمہا ویجوز ان یکون حقا مصدر او علینا الخبر ویجوز ان یکون فی کان ضمیر الشان و حقا مصدر او علینا الخبر ویجوز ان یکون نصر مبتداء و خبر فی موضع و خبر کان کسفا بفتح السین علی انہ جمع کسفۃ وسکونہا علی ھذا المعنی تخفیفا قطعا متفرقۃ الودق المطر۔

تفسیر : بر و بحر میں انسان کی بدکاری کی وجہ سے خرابی ظاہر ہونے کا بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے، اس پر بھی ہم رحیم و کریم نظامِ عالم کو باقی رکھتے ہیں۔ ہوائیں چلاتے ہیں، الخ فقال ومن آیتہ ہواؤں کے چند فوائد بیان فرماتا ہے کہ جن پر بقاءِ انسانی موقوف ہے۔ (۱) مبشرات کہ وہ خوشی دیتی ہیں، انسان کے بدن پر جب ہوا لگتی ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے اور نیز بارش سے پہلے جب سرد ہوا چلتی ہے گویا مینہ کا مژدہ لاتی ہے۔ (۲) وَلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ہواؤں کی وجہ سے انسان زندہ رہ کر دنیا میں اُس کی رحمت اور نعمت کے مزے لیتا ہے اور انہی سے پھل، پھول، کھیتی باڑی تیار ہوتی ہے۔ یہی ہیں جو تعفنات کو دُور کرتی ہیں۔ یہ دونوں باتیں بر یعنی خشکی کے متعلق ہیں۔ (۳) ولتجری الفلک اس سے دریا میں کشتیاں چلتی ہیں۔ (۴) وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ الخ کہ تم دریائی سفروں کی وجہ سے روزی

حاصل کرتے ہو، مچھلیوں کا شکار کرتے ہو۔ یہ دونوں باتیں بحر سے متعلق ہیں۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کہ تم شکر کرو سب سے متعلق ہے اور من آیتہ کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہواؤں کا چلانا جس پر مدارِ زندگی ہے، اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانی ہے، تمہارے معبودوں میں سے کون کر سکتا ہے؟ یہ دلیل توحید و جودِ باری ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا الخ یہاں سے مسئلہ نبوت کو کس لطف کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ جس طرح نظامِ عالمِ جسمانی کے لیے ہوائیں چلاتے ہیں، اس طرح نظامِ عالمِ روحانی کے لیے اپنے فضل سے انبیاء بھیجے چلے آئے ہیں۔ (کچھ آپ ہی کو نیا نبی نہیں بنایا، جس پر وہ بدکتے ہیں) جو اپنی قوموں کے پاس آیات و معجزات لے کر آئے تھے، پھر جس نے نہ مانا ہم نے اس سے انتقام لیا اور ایمانداروں کی مدد کی، کیونکہ یہ ہم پر لازم تھا کہ ہم اُن کی مدد کرتے۔ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں نہ کوئی بات لازم ہے مگر اپنے فضل سے وہ لازم کر لیتا ہے۔ اس جملہ میں نہایت اختصار کے ساتھ رسولوں کا بھیجنا اور اُن کی باتوں پر سرکشی سے عذاب آنا ایمان والوں کا نجات پانا بیان فرمادیا اور مخاطبین کو اسرارِ نبوت سمجھا کر متنبہ کردیا۔ مسئلہ اثباتِ وجودِ باری و توحید اور مسئلہ نبوت کو کس لطف کے ساتھ ثابت کردیا۔ اس کے بعد مسئلہ معاد کو ثابت کرتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ الخ یہاں سے اور دوسری نعمت ظاہر فرماتا ہے کہ جس پر نظامِ عالم منحصر ہے، وہ کیا؟ بارش کا بھیجنا پھر اس سے زمین کا شاداب کرنا، پھر اس نعمت کے بیان میں کیا کیا اشاراتِ لطیفہ ہیں۔ (۱) الذی سے شروع کیا کہ یہ کام جس کا ہے وہ اللہ ہے نہ تمہارے خیالی معبود (۲) يُرْسِلُ الرِّيٰحَ کو مقدم ذکر کیا کہ مینہ سے پہلے ہم کیسی ہوائیں چلاتے ہیں، پھر وہ ہوائیں بدلیاں اُٹھاتی ہیں، پھر اس کو آسمان پر ابر بنا کر کس طرح پھیلاتی ہیں۔ کیف یشاء مگر جس طرح اللہ چاہتا ہے کہیں کم، کہیں زیادہ، کبھی ہر جگہ مساوی، کبھی یک رنگ کے بادل، کبھی اور رنگ کے پھر سب کو گھنگھور گھٹا کر دیتا ہے، پھر اُس میں سے مینہ برساتا ہے جس کو چاہتا ہے اُس سے بہرہ مند کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے محروم رکھتا ہے، پھر اس سے بندے کیسے خوش ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے کہ جہان میں گرد و غبار اور گرمی سے کیسے ناامید تھے۔ (۳) یرسل کو بلفظ مضارع بیان فرمایا کہ ایک بار نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہم یوں ہی کیا کرتے ہیں۔ (۴) پھر اس نعمت سے مسئلہ معاد کو کس لطف کے ساتھ ثابت کیا کہ جس طرح ہم زمین کو زندہ کر دیتے ہیں، جس کا ہر سال تم معائنہ کرتے ہو، اس طرح لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ہم مردوں کو زندہ کردیں گے۔ ہم ہر بات پر قادر ہیں، اس کے بعد انسان کی ناشکری کرنے کی عادت بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا الخ کہ اگر ہم ایسی ہوا چلادیں کہ جس سے کھیتی خشک ہو جاوے تو پھر کیسے ناشکر ہو جاتے ہیں اور کیا کیا منہ سے بکنے لگتے ہیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾
وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا
ع فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

سو آپ نہ مردوں کو اور نہ بہروں کو آواز سناتے ہیں۔ (خصوصاً) جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں اور نہ آپ اندھوں کو گمراہی سے ہدایت کر سکتے ہیں۔ آپ تو صرف انہی کو سناتے ہیں۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔

کیف یشاء فی الاطوار المختلفۃ والمقادیر المتفاوتۃ والاشکال العجیبۃ وذلک اشارۃ الی بطلان القول بالصیغۃ المستقلۃ کما توہم الطبیعیون وذلک اظہر دلیل علی وجود صانع العلیم القدیر السمیع البصیر۔ حقانی

ترکیب : لاتسمع خبران اذا متعلق بتسمع ۔ مدبرین حال من فاعل ولوا انت اسم ما بہٰد، العمی خبرہ والباء زائدۃ۔

تفسیر : یہاں تک توحید و نبوت و معاد کے مسائل کو براہین قاطعہ و حجج ساطعہ سے ایسا ثابت کیا تھا کہ جو کوئی ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہو غور کرلے اور جو اس سے بھی بلید الذہن ہو تو ان کی کیفیت کسی سے سن کر مان لے، مگر کفار مکہ اپنی بدقسمتی اور ازلی محرومی سے اس مرتبہ میں بھی نہ تھے اس پر بھی ان کا وہی اصرار وہی انکار چلا جاتا تھا۔ تو اب ان کی نسبت یہی صادق آگیا تھا کہ وہ حیات انسانی سے بہرہ ور نہیں۔ گویا مردے ہیں اور نہ ان کے حواس سلیمہ بجا ہیں۔ اندھے، بہرے بھی ہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ یہ مردے ہیں۔ آپ مردوں کو سنانے نہیں آئے اور بہرے ہیں، ایسے بہروں کو جو پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھیں تو آپ انہیں بھی نہیں سنا سکتے۔ کاش بہرے ہوتے اور سامنے آتے ہاتھوں کے اشارے سے ہی سمجھ جاتے مگر جبکہ انہوں نے یہ قصدِ مصمم کرلیا کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے تو گویا پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھے اور یہ ازلی اندھے ہیں۔ آپ ان کو کیونکر رہنمائی کرسکتے ہو۔ آپ صرف اُن لوگوں کے سنانے کو آئے ہیں کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت ہے، جس کو الامن یؤمن بآیتنا کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا، ان کی قابلیت و استعداد فعلیت کے مرتبہ کے پاس آگئی ہے۔ پس وہی مانتے ہیں۔ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے لے کر فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ تک یہ مطلب ہوا۔

فانك میں جو ف آئی ہے، وہ اس لیے کہ وہ مردے ہیں۔ حیات انسانی ان میں نہیں، بس آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ الموتی سے مراد وہی کفار ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور الصم سے مراد بھی وہی لوگ ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور العمی سے بھی وہی مراد ہیں کہ جن کو اندھوں سے تشبیہ دی گئی۔ میت، صم، عمی کے الفاظ کا اطلاق حقیقتِ عرفی کے مطابق اسی متعارف مردے، بہرے، اندھے پر ہوتا ہے جو ظاہری جان نہ رکھے نہ ظاہری کان نہ ظاہری آنکھ مگر کنایہ کے طور پر یا مجاز العلاقۃ تشبیہ ایسے لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ کی قید کا فائدہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو بھاگ اُٹھے تو پھر کسی طرح بھی سمجھ نہیں سکتا، سننا تو درکنار اور اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ کے معنی بھی معلوم ہوگئے کہ جن میں ایمان کی قابلیت ہے، پس اب یہ اعتراض بھی اُٹھ گیا کہ جو اللہ کی آیتوں پر خود ایمان لاتے ہیں اُن کو سنانے کی کیا ضرورت؟ تحصیلِ حاصل ہے۔

سماعِ موتی کی بحث : ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماعِ موتی باہمی قیل و قال کا بڑا میدان ہو رہا ہے، اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدمِ سماعِ موتی کا اشارہ تک بھی نہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے، رہے احادیث، اقوال ان سے بھی صاف نہیں معلوم ہوتا کہ میت سن نہیں سکتے، بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ از آنجملہ وہ احادیث جو زیارتِ قبور کی بابت وارد ہیں جن میں مردوں سے خطاب کر کے کلام کیا۔ جیسا کہ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان پر سے گزرے تو یہ فرمایا۔ السلام علیکم یا اہل قبور اور اسی طرح مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع[1] میں جا کر یہ فرمایا۔ السلام علیکم دار قوم مومنین الخ اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔ از آنجملہ احادیثِ عذابِ قبر میں جیسا کہ بخاری و مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر اس کے لوگ واپس پھرتے ہیں تو اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قرع نعالهم وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ الخ از آنجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفارِ قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا حضرت! یہ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دیتے، اس کو بھی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ نقلی دلائل کے جواب

[1] مدینہ کے باہر شرقی رخ ایک قبرستان ہے۔

... رہی بحث عقلی سو عقل سلیم یہی کہتی ہے کہ مر کر جسم سے روح کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ جو حواس کے ذریعہ سے کام لیتا تھا ... تجرد کی وجہ سے ان کے بغیر کام لیتا ہے، خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان کے ادراک کا تو کیا ٹھکانا ہے؟ رہی یہ بات کہ ان کو قاضی الحاجات مستقل بنا کر پوجا جاوے جیسا کہ جہلاء کا دستور ہے وہ ان کی ممات پر کیا موقوف ہے، حیات میں بھی منع ہے، ان کے وجود مقدس سے فیوض و برکات بے شک جاری ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝

اللہ وہی ہے کہ جس نے تم کو کمزوری کی حالت سے پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی قدرت والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گنہگار قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے، ایسے ہی (دنیا میں بھی) بہکے جاتے تھے اور علم اور ایمان والے کہیں گے کہ تحقیق اللہ کے دفتر میں تم قیامت تک ٹھہرے رہے ہو سو یہ ہے قیامت کا دن، لیکن تم تو اس کو جانتے ہی نہ تھے۔ پس اس دن ظالموں کا عذر کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔

ترکیب : الضعف بالفتح والضم لغتان، معن ضعف من للابتدائے ابتداء کم ضعفاء واساس الانسان الضعف کما قال خلق الانسان من عجل ای من العجلۃ ویمکن ان یقال خلقکم من اصل ضعیف وہو النطفۃ علی ان یاول المصدر باسم الفاعل او علی تقدیر المضاف ویوم تقوم الساعۃ والعامل یقسم ای یحلف مالبثوا فی الدنیا او فی القبور فی کتاب اللہ ای فی علمہ او اللوح المحفوظ، فیومئذ ای یوم کان کذا لاینفع المعذرۃ۔ الذین ظلموا فاعل لاینفع معذرتھم مصدر مضاف الی الفاعل والجموع فاعلہ ولاھم یستعتبون ای لایدعون الی مایزیل عتبھم ای غضبھم۔

تفسیر : اللہ الذی الخ یہاں سے پھر دلائلِ توحید شروع ہوتے ہیں، پہلے دلائلِ آفاق تھے۔ یہ دلائل الانفس ہیں کہ جو انسان کی ذات اور اس کے حالات سے متعلق ہیں، فرماتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے تم کو کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، یعنی تمہاری ابتداء نہایت کمزوری کے ساتھ تھی۔ تمہاری بنیاد کمزور تھی، جیسا کہ فرمایا۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا یا یوں کہو تم کو ایک کمزور چیز سے بنایا وہ کیا؟ منی جو ایک قطرۂ آب ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً پھر کمزوری کے بعد تم کو توانائی عطا کی۔ بالغ ہونے کے بعد یا تمہاری ابدان سے روح متعین ہونے کے بعد۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً یہ تیسری حالت ہے کہ قوت کے بعد پھر تم کو کمزور اور بوڑھا کر دیتا ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ وہ جو چاہتا ہے بناتا ہے، اپنے احوالِ مختلفہ ہی میں غور کرلو کہ تمہاری کیسی صورتیں مختلف بنائیں پھر تم کو قوت اور ضعف کے میدان میں کیسی اُلٹی پلٹیاں دیں۔ پھر اس کے علیم و قدیر ہونے میں کیا شک؟ ایسے علیم و قدیر کے نزدیک قیامت قائم کر کے مردوں کو زندہ کر کے ان سے حساب و کتاب لینا، کیا بعید ہے؟ اس لیے فرماتا ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ اس جگہ قیامت کی قدرے کیفیت بیان فرماتا

ہے اور قرآن کی عادت ہے کہ مبدء کے بعد معاد ذکر فرمایا کرتا ہے۔ وہ کیفیت یہ ہے کہ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ کہ مجرم قسم کھا کر کہیں گے: دُنیا میں ہم ایک ساعت سے زائد نہیں رہے تھے۔ قیامت کے شدائد کے مقابلہ میں دُنیا کی زندگی اور سالہا سال کی عیش و کامرانی ایک گھڑی بھر کی معلوم ہوگی، وہاں یہ غلط پنداری جاوے گی۔ کَذٰلِکَ کَانُوْا یُؤْفَکُوْنَ دُنیا میں بھی ایسے ہی خیال غلط اور اوہام باطلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے تھے، دُنیا کی چندروزہ کامرانی کو عیش جاودانی سمجھے ہوئے تھے۔ آخرت سے غافل ہو کر اسی کے فکر میں لگے ہوئے تھے۔ پس جس طرح دُنیا میں ان کی غلط پنداری کو اہلِ علم انبیاء علیہم السلام یا ان کے نائب ظاہر کر کے راہِ حق بتلانے کی کوشش کرتے تھے، پر یہ اُس سچ کو جھوٹ جانتے تھے۔ اسی طرح دارِ آخرت میں اصلی بات بتلا دیں گے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ الخ کہ تم دفترِ الٰہی میں لکھے کے موافق قیامت تک ٹھہرے تھے، پس یہ قیامت موجود ہے جسے تم بھولے ہوئے تھے وَلٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مالبثوا غیر ساعۃ میں مرنے کے بعد عالم برزخ میں ٹھہرنے کی بات کفار کہیں گے۔ جیسا کہ آیا ہے مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہ کس نے ہم کو ہمارے خواب گاہ سے بیدار کر دیا۔ اس تقدیر پر اہلِ علم و ایمان کا جواب بہت ٹھیک ہو جاوے گا کہ تم یوم البعث تک ٹھہرے ہو۔ اول قول یعنی قیامِ دُنیا مراد لینے کی صورت پر بھی یہ جواب ٹھیک ہو سکتا ہے۔ کس لیے کہ ان کا کلام جماعتِ کفار کے مقابلہ میں ہوگا اور گو ہر شخص نہیں جماعتِ کفار تو دُنیا میں یوم البعث تک ٹھہری تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالمِ برزخ کا قیام بھی دُنیا کے قیام کا اثر ہے۔ واللہ اعلم۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الخ فرماتا ہے، اُس روز ظالموں کا کوئی عذر نہ قبول ہوگا۔ وَلَا ھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ لا یطلب منھم العتبی ای الرجوع الی ما یرضی اللہ جلالین یعنی کسی نیک کام کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی مہلت نہ ملے گی۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَھُمْ بِاٰیَۃٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور البتہ اس قرآن میں ہم نے لوگوں کے لیے ہر ایک قسم کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں تو جو منکر ہو گئے ہیں، یہی کہیں گے کہ تم (اے مسلمانو!) محض فریبی ہو۔ اللہ نادانوں کے دلوں پر اس طرح سے مہر کر دیا کرتا ہے پس (اے نبی!) صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور یقین نہ کرنے والے آپ کو خفیف نہ کرنے پائیں۔

ترکیب: من کل مثل فی محل النصب لکونہ مفعولا بضربنا ای بیناہ للناس متعلق بضربنا ای ان القرآن مشحون بالقصص والاخبار بکمال السائر فی غرابتھا وحسن مواقعھا فصار القرآن فی کل ما جاء بہ کالامثال السائرۃ حتی لا تمجھا الطبائع الصافیۃ کذالک ای مثل ذلک الطبع۔

تفسیر: مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ رسالت پر کس لطف کے ساتھ کلام تمام کرتا ہے۔ فقال وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ مسئلہ رسالت کی بابت دو باتیں ہیں۔ اول سب سے بڑھ کر اس کتاب کی خوبی پر نظر کی جاتی ہے کہ جس کو رسول اللہ کا دستور العمل بتلا کر عالم کو اس پر چلنے کا حکم دیتا ہے اور جس کو اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کہتا ہے، کیونکہ اس کتاب میں اگر یہ خوبی نہ ہو تو وہ بندوں کی حاجات کافی نہ ہو اور انسانی جذبات یا اُس کی طبعی جزر و مد میں پوری رہبر نہ ہو، پس وہ کتاب اللہ نہیں، ہر شخص کا کلام خود کہہ دیتا ہے کہ میں کس کا کلام

ہوں؟ بادشاہوں کی بات چیت میں سے وہی شاہی رعب و داب ٹپکتا ہے، حکیم کا کلام حکمت سے پر ہوتا ہے۔ شہوت پرست کے کلام میں شہوانی خیالات ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ کا کلام اُس کے حوصلہ کے موافق ہوتا ہے۔ (دیکھو آج کل جو کتابیں اہلِ کتاب کے ہاتھ میں ہیں یا وہ لوگ جن کو کتاب الٰہی کہتے ہیں، ان کے مطالب پر غور کرو، صاف معلوم ہو جائے گا۔ یہ کلام اللہ کے لائق نہیں بلکہ کسی مؤرخ یا خیالاتِ باطلہ کے پابند کا کلام معلوم ہوتا ہے) اس سے پہلی بات کے لیے یہ جملہ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا ارشاد فرمایا کہ قرآن میں لوگوں کے لیے ہر حاجت کا پورا کرنے والا کلام ہے اور کلام بھی فلسفیانہ اینچ و پیچ میں نہیں بلکہ ایسا کہ جیسے مثالیں ہوتی ہیں کہ جن کو طبائع بشریہ بہت جلد قبول کرتی ہیں۔

دوسری بات جو نبوت اور رسالت کے متعلق ہے۔ معجزات ہیں، جن کو آیات کہتے ہیں اس کی بابت فرماتا ہو۔ وَلَئِنْ جِئْتَھُمْ بِاٰیَۃٍ الخ کہ ان کفارِ مکہ کا انکار اور ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر آپ اُن کے پاس کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی لائیں یا کسی قسم کی کوئی نشانی دکھاویں تو وہ ہرگز نہ مانیں گے، بلکہ آپ کو جھوٹا بتلا دیں گے۔ انسان کی جب یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس کو دلوں پر خدا کی مہر کرنے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہو تو اس کی نسبت صاف یہی کہا جاتا ہے کہ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کہ ان نادانوں سرکش جاہلوں کے دلوں پر خدا نے[1] مہر کر دی اور وہ ایسا ہی کر دیا کرتا ہے، یعنی تقدیرِ ازلی نے ان کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ وہ نبی کی بات مانیں، اس حالت میں خدا تعالیٰ کا دستور یوں جاری ہے، ان کے لیے گو وہ ہزار درخواست کریں، معجزہ نہیں دکھایا جاتا کیونکہ اگر معجزہ دکھایا جاوے اور نہ مانیں تو اور بھی عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے موقع پر معجزات دکھانے سے انکار کیا ہے، دیکھو انجیل متی کے سولہویں باب کے شروع میں یہ ہے۔ فریسیوں اور صدوقیوں نے آ کے آزمائش کے لیے اس سے چاہا کہ ایک آسمانی نشان ہمیں دکھا، اُس نے جواب میں اُن سے کہا الخ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں، پر یونس متی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھایا نہ جائے گا اور اسی طرح انجیل مرقس کے آٹھویں باب کے گیارہویں ورس میں یہ ہے۔ تب فریسی نکلے اور اس سے حجت کر کے اس کے امتحان کے لیے آسمان سے کوئی نشان چاہا، اس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا اور اسی طرح قریتون کے اول باب ۲۲ ورس میں ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں معجزہ دکھانے سے انکار آیا ہے وہ اسی قسم کا ہے۔ پادری آنکھ بند کر کے اعتراض جما دیا کرتے ہیں۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ۔ جب مخالف کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس سے سینکڑوں تکالیف اور بدکلامی کی برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو صبر کا حکم ہوا اور تسلی دی گئی کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ان پر ضرور عذاب آوے گا اور ایماندار دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ وَلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ اور اے نبی! آپ ان کے تمسخر سے دل میں خفیف نہ ہونا یا یہ معنی کہ ان کے مقابلہ میں آ کر آپ کوئی خفیف بات نہ کریں جو شانِ نبوت کے برخلاف ہو۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳﴾

[1] آریہ عیسائی وغیرہ قرآن مجید پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ قرآن خدا تعالیٰ کی ذات میں عیب ثابت کرتا ہے جیسا کہ دلوں پر مہر کر دینا گمراہ کرنا وغیرہ باوجود اصولِ ہدایت کے ایسا فرمانا اور یہی اس کی شان سے بعید ہے۔ اس اعتراض کا جواب ہم بارہا دے چکے ہیں کہ ہر کتاب ہر زبان میں ہر متکلم کے محاورات مخصوص ہوتے ہیں جب تک ان کو نہیں معلوم کیا جاتا ایک سرسری نظر کا شخص حیرت میں پڑ جاتا ہے دلوں پر مہر کر دینا آگے پیچھے گمراہی کی دیوار کھینچ دینا ان کی لاف گوئی اور اس پر ان کے افعالِ ارادیہ سے اسبابِ گمراہی پیدا کر لینا مراد ہے جس کو بطورِ سرزنش کے بیان فرمایا جاتا ہے اور اعتراضات کا بھی ایسا ہی حل ہے۔ ۱۲ منہ

ع معجزات نہ دکھانے کا ثبوت انجیل سے۔ ۱۲ منہ

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴
اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ڰ
وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ۝۷

یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی جو ہدایت و رحمت ہے، نیک بختوں کے لیے وہ جو نماز ادا کرتے اور زکوۃ دیتے اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح بھی پانے والے ہیں اور کچھ ایسے آدمی بھی ہیں جو کھیل کی باتیں (قصہ کہانیاں) خرید اکرتے ہیں تاکہ بے سمجھے بوجھے لوگوں کو اللہ کے رستے سے بہکائیں اور اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ذلت کی سزا ہوتی ہے اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتا ہے، گویا کہ ان کو سنا ہی نہیں، گویا اس کے کانوں میں ٹھیٹیاں ہیں۔ پس (اے نبی!) اس کو عذاب الیم کا مژدہ سنا دو۔

ترکیب : ھدی و رحمۃ حالان عن الآیات والعامل فیھما معنی الاشارۃ وتکریر ضمیر ھم للتوکید ولما فصل بینہ خبرہ۔ الذین مبتداء اولئک الخ الجملۃ خبرہ ویتخذھا بالنصب عطفا علی لیضل والرفع عطف علی یشتری والضمیر یعود الی السبیل وقیل الی الحدیث لانہ یراد بہ الاحادیث وقیل الی الآیات کان لم یسمعھا موضوعہ حال والعامل ولی کان بدل منھا۔

تفسیر : چونکہ اخیر سورۂ روم میں وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فرمایا تھا، جس میں اعجاز قرآن کی طرف اشارہ تھا اور اس کے بعد قوم کی سرکشی بیان ہوئی تھی۔ ان دونوں باتوں کی تاکید اس سورہ کے اوائل میں فرماتا ہے اور سورہ کو انہیں مفردات الم کے ساتھ شروع کیا۔ اس رمز کے لیے کہ جس کا ہم سورۂ عنکبوت کے ابتداء میں ذکر آئے ہیں۔ اس جگہ الف سے اشارہ اللہ کی طرف اور ل سے جبریل علیہ السلام کی طرف اور م سے محمد ﷺ کی طرف ہے جس کے یہ معنی کہ یہ کتاب اللہ نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے محمد ﷺ پر نازل فرمائی، پھر اس کی تصریح تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ میں کردی کہ یہ آیات کتاب پُر حکمت کی ہیں۔

پہلی بات کی تاکید اَلْمُفْلِحُوْنَ تک ہے، ان جملوں میں بظاہر تو کتاب یعنی قرآن مجید کی مدح ہے کہ یہ کتاب پر حکمت ہے جو کچھ اس میں ہے وہ بندوں کے لیے عین حکمت ہے۔ نیک بختوں کے لیے ہدایت ہے، ان کو مقاصد دینی و دنیاوی میں راہِ راست دکھاتی ہے اور نیز رحمت بھی ہے کہ بہ نسبت امم سابقہ کے اس اُمت کے لیے اس میں نہایت سہل احکام ہیں اور نیز یہ بھی ہے کہ اُس کے ماننے والے تلاوت کرنے والے پر خدا کی رحمت ہوتی ہے اور نیز قرآن پر عمل کرنے والے کے دل میں رحمت یعنی نرم دلی پیدا ہوتی ہے۔ یہ کتاب رحم دلی کا برتاؤ سکھاتی ہے، اگر میں اُن آیات اور احادیث کو اس بارے میں نمونہ کے طور پر بھی لکھوں تو ایک جداگانہ کتاب تیار ہو جاوے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے محسنین کا بیان ہوتا ہے کہ محسنین یعنی نیک بخت لوگ کون ہیں؟ وہ ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں۔ زکوۃ دیتے ہیں، اس میں حکمتِ عملیہ کے دونوں جزو بدنی اور مالی عبادت آگئی۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور آخرت پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ یہ

حکمت نظریہ کے جمیع اجزاء کو شامل ہے کس لیے کہ جو دارِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ ضرور اللہ تعالیٰ پر بجمیع صفاتہ بھی ایمان رکھتا ہے جو دار آخرت میں جزاء و سزا کا دینے والا ہے اور اس طرح ملائکہ اور انبیاء اور کتب منزلہ پر بھی ایمان رکھتا ہے جو دار آخرت کے لیے سعادت کے ہادی اور شقاوت سے مانع ہیں۔ اب ایمان اور عمل صالح دونوں کا ہونا نیک بختی میں ضروری ہے اور ایمان میں دار آخرت کا ذکر اس لیے ہوا کہ یہی مسئلہ اہم تھا، مخالف زیادہ تر اس کے منکر تھے اور اعمالِ صالحہ کے بعد اس کا ذکر اس لیے آیا تھا کہ معلوم رہے کہ اعمالِ صالحہ نماز و خیرات آخرت کا توشہ ہے، سورۂ بقرہ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ آیا تھا اور یہاں هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ آیا، ایک تو ہدایت کے بعد رحمت کا لفظ زیادہ ہوا، اس لیے محسنین کا لفظ بھی آیا، کس لیے کہ احسان کا مرتبہ تقویٰ سے بالا ہے کیونکہ حدیث جبریل علیہ السلام میں کہ جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، اسلام و ایمان کے بعد احسان سے سوال ہوا ہے، جس کے معنی آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمائے۔

تعبد الله الخ کہ اللہ کی یہ سمجھ کر عبادت کرو کہ گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو تو یہ سمجھو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پس جس طرح کتاب کے حق میں ازدیاد کیا گیا تو اسی طرح کتاب سے نفع اُٹھانے والے کے حق میں اور زیادہ مدح کا لفظ آیا۔ ولطفه مما لا يخفى على ارباب البصيرة۔ پھر ان کے لیے دو باتیں انعام میں عطاء کرتا ہے۔ اول اولئك على هدى من ربهم کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہدایت پر قائم ہیں نہ وہ کہ جو دیگر اعمالِ بد کرکے ان کو سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ گویا ان کے ہدایت پر ہونے کی اللہ نے شہادت ادا کردی، پورا اطمینان دلا دیا۔ دوسری وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہ یہی فلاح پانے والے ہیں۔ دُنیا میں بھی آخرت میں بھی نہ ان کے برخلاف لوگ، نجات کا بھی پورا اطمینان کر دیا اور میں نے نیک بندوں کو بھی بتلا دیا۔ اس کے بعد اس طریقۂ فلاح کے برخلاف لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ وہ لوگ کہ جن کا ذکر وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ الخ میں آیا تھا کہ جو آیاتِ الٰہی کے منکر ہیں۔ پس فرماتا ہے ومن الناس الخ کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو بیہودہ باتیں لوگوں کو اللہ کے رستہ سے بہکانے کے لیے خریدا کرتے ہیں۔ لھو الحدیث الاضافۃ بمعنی من ای الحدیث الذی ھو لھو ومنکر (بیضاوی) ما یلھی عما یعنی کالاحادیث التی لا اصل لھا والاساطیر التی لا اعتبار فیھا والمضاحیک وفضول الکلام (بیضاوی) کہ لھو الحدیث یعنی اور بے فائدہ کلام جیسا کہ وہ باتیں کہ جن کی اصل نہ ہو اور وہ قصے کہ جن میں کچھ عبرت نہ ہو اور ہنسانے والی باتیں اور فضول کلام۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے کہ لھو الحدیث راگ ہے۔ (مدارک) قرطبی کہتے ہیں۔ لھو الحدیث کی تفسیر میں جو عمدہ بات کی گئی ہے، یہ ہے کہ اس سے مراد راگ ہے اور یہی صحابہ اور تابعین کا قول ہے اور بخاری نے الادب المفرد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد غنا یعنی راگ ہے۔ اس کو وہ قسم کھا کر کہتے تھے۔ طبری کہتے ہیں کہ علماءِ امصار راگ کے ممنوع اور مکروہ ہونے پر متفق ہیں، مگر ابراہیم بن سعد و عبداللہ عنبری جماعت کے مخالف ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لھو الحدیث میں بے فائدہ باتیں اور لغو قصے کہانیاں اور ہنسی مسخرے پن کی باتیں داخل ہیں۔ جن سے محفلیں گرم کی جاتی ہیں، اس میں وہ اشعار بھی داخل ہیں کہ جن میں معشوقوں کے خد و خال اور اعضاءِ مستورہ کی توصیف اور دیگر شہوت انگیز باتیں ہوتی ہیں اور بہت سے علماء کے نزدیک راگ بھی مطلقاً اُس میں داخل ہے اور ستار، سارنگی وغیرہ تو بالاتفاق حرام ہیں۔ فقہاء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ باجوں میں طبل غازی اور عیدین اور شادیوں میں دف مستثنیٰ ہے، مگر نفسِ راگ میں قدرے کلام ہے۔ وہ کہ شہوت انگیز مضامین کا گانا حرام ہے۔ رہے وہ اشعار کہ جن میں دُنیا کی نفرت اور خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔ پس جس طرح ان اشعار کا تصنیف کرنا ممنوع نہیں، اسی طرح کسی خاص وقت میں ان کا سننا بھی ممنوع نہیں، خواہ وہ خوش آوازی کے ساتھ ہو یا بغیر اس کے ان احادیث و اقوال پر نظر کرکے جو اس کی اباحت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ عوارف المعارف اور احیاء العلوم میں اس کا بخوبی فیصلہ کردیا ہے اور اس کی بھی اباحت اہل اللہ کے لیے مخصوص کی ہے۔ جن پر غلبۂ حال اور شوق ہے، پھر اس کے لیے مکان اور زمان اور اہلِ مجلس کے اہل ہونے کی قید لگائی ہے۔ بعض صوفیۂ کرام جو راگ سنتے تھے انہیں احتیاطوں سے نہ اس طور سے کہ جیسا آج کل مروج ہے اس کے ممنوع ہونے میں کسی اہلِ علم کو کلام نہیں۔ تفسیر احمدی وغیرہ۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک قریشی کے بابت نازل ہوئی ہے جو ایک گانے والی چھوکری خرید کر لایا تھا اور جوسر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی ہے جو گانے والی چھوکریاں خرید کر لایا تھا، جس کو سنتا تھا کہ وہ اسلام لانا چاہتا ہے، اُس کے پاس بھیجتا تھا اور گانا سنواتا اور شراب پلاتا تھا اور کہتا تھا، یہ بہتر ہے یا وہ باتیں کہ جن کی طرف تم کو محمد (ﷺ) بلاتا ہے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، جہاد کرو، بعض کہتے ہیں کہ وہ رستم واسفندیار کے قصے بھی لایا تھا جن کو لوگوں کو سنا کر قرآن سے روکتا اور یہ کہتا تھا کہ محمد (ﷺ) عاد و ثمود کے قصے سناتا ہے، میں رستم واسفندیار کے۔ (مدارک)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٩﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا
وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ[1] ﴿١٠﴾ هٰذَا خَلْقُ
اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١١﴾ ع

بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے، ان کے لیے نعمت کے باغ ہیں۔ جہاں ہمیشہ رہا کریں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہو چکا اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اس نے آسمانوں کو بے ستونوں کے بنایا جن کو کہ تم دیکھتے ہو اور زمین میں ثقل پیدا کیا (پہاڑوں کا لنگر ڈالا) تاکہ تم کو لے کر ادھر ادھر نہ جھکے اور اس میں ہر ایک قسم کے جاندار پھیلا دیے اور ہم نے آسمان سے مینہ برسایا۔ پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگائیں۔ یہ (سب کچھ) تو اللہ کا بنایا ہوا ہے، پھر مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا غیر نے کیا پیدا کیا۔ بلکہ ظالم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب : وَيَتَّخِذَهَا والضمير يعود الى السبيل وقيل الى الحديث لانه يراد به الاحاديث وقيل الى الآيات (تبیان)

تفسیر : کہ وہ آیاتِ الٰہی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے۔ اس مجرم کے دو فعل بیان ہوئے۔ اول یہ کہ وہ لہو الحدیث اللہ کے رستے سے روکنے کے لیے خریدتا ہے کہ لوگ اس طرف متوجہ ہوں، اُس کو چھوڑ دیں۔ دوسرا یہ کہ وہ اللہ کے رستے یا اُس کی آیات سے تمسخر کرتا ہے یا ان لہو الحدیث کو مسخری کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس تمسخر کی سزا بیان فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کہ ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ عذاب بمقابلہ لہو الحدیث خرید کر گمراہ کریں گے۔ ذلت تمسخر کے سبب اور تمسخر کا نتیجہ ذلت ہے، ٹھٹھے باز آدمی کا رعب نہیں رہا کرتا۔ نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا الخ یہ اس بدکردار کی تیسری حرکت ناشائستہ ہے کہ جب اس کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منہ موڑ کر اس طرح سے چل دیتا ہے کہ گویا سنا ہی نہیں اور گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے، یعنی بہرا ہے، اس کی سزا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کہ اس کو درد ناک یعنی بڑے دُکھ دینے والے عذاب کا مژدہ سناؤ کہ تجھ کو عذاب الیم ہے، اگرچہ آیات مذکورہ میں ایک شخص کی طرف روئے سخن ہے مگر اس کی کچھ خصوصیت نہیں جو کوئی ایسا ہو۔ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اسلام اور کار خیر سے روکنے کی سینکڑوں تدبیریں کیا کرتے ہیں، کہیں اسلام پر جھوٹے اعتراضات کرتے ہیں، کبھی اہلِ اسلام کے نماز روزہ پر تمسخر کیا جاتا ہے، کہیں ناچ ورنگ کی محفلیں کر کے صدہا

[1] زوج من كل جنس جعدازواج ان النباتات اما يكون شجرا او غير شجر والشجر اما مثمرا او غير مثمر والمثمر كذلك منقسم قسمين كريم وذي كرم لانه ياتي كثيرا من غير حساب اوكرم مثل سمين للمعض من الكبير حسن حقانی

بندگانِ خدا کو آلودہ کیا جاتا ہے، کہیں علومِ اسلام اور علماء کرام کی توہین کر کے علم دین سے روکا جاتا اور کفار کے لایعنی علوم کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ قرآن کی عادت ہے کہ جب اہلِ شقاوت کا ذکر اور ان کی سزا کا بیان ہوتا ہے تو اہلِ سعادت اور ان کے انعام و اکرام کا بھی ذکر آتا ہے، اس لیے یہاں اہلِ سعادت کا ذکر کرتا ہے کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے، ان کے لیے جنات النعیم ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے، مسخرے پڑے تمسخر کیا کریں، لیکن وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ هُوَ الْعَزِيْزُ وہ زبردست ہے اس کو وعدہ پورا کرنے میں کوئی عجز لاحق نہیں ہوتا۔ اَلْحَكِيْمُ حکمت والا ہے۔ ان کے تمسخر پر جو حلم ہے اور مومنوں کو جلدی بدلہ نہیں ملتا، اُس کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ یہاں العزیز الحکیم ہونے پر ایک دلیل لاتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا جن کو تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ آسمانوں کو کروی الشکل بنایا یعنی گول، ستونوں سے بے پروا کر دینا ہے۔ والقى فى الارض رواسى اور زمین میں ثقل یعنی بوجھ ڈال دیا کہ تم کو لے کر ادھر اُدھر نہ ہلے۔ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ آسمانوں اور زمین کو تیار کر کے زمین پر گوناں گوں جانور پھیلائے، دو پاؤں پر چلنے والے بغیر پاؤں کے چلنے والے اور پاؤں سے چلنے والے پھر چار پاؤں سے پھر اس سے بھی زیادہ پاؤں سے چلنے والے جن کی صدہا اقسام ہیں، پھر ان کی روزی کا یہ بندوبست کیا۔ وانزلنا من السماء الخ کہ آسمان سے پانی برسایا اور اُس سے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں اناج اور گھاس اُگائیں۔ پھر ایسے شخص سے زیادہ کون عزیز ہے اور کون حکیم ہے۔

اس موقع پر مسئلہ توحید کے بیان کرنے کا بھی عمدہ قرینہ نکل آیا، اس لیے فرماتا ہے هذا خلق الله یہ سب کچھ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ فارونی ماذا خلق الذين من دونه اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا کسی اور نے کیا بنایا ہے؟ کسی نے کچھ بھی نہیں پھر جب کچھ بھی نہیں بنایا تو ان کی خدائی کیسی اور ان کی عبادت کیا؟ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ کمبخت بدنصیب صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، جو کسی اور کو اس کا شریک کرتے ہیں۔

رد شرک کے لیے کیا عمدہ برہان ہے، جس کو حکیم سے لے کر جاہل تک برابر سمجھ سکتا ہے۔ نقل ہے کہ ایک پادری برسر راہ بڑے زور و شور سے کہہ رہے تھے کہ عیسیٰ مسیح خدا ہے اور خدا کا بیٹا ہے، اتفاقاً وہاں ایک دیہاتی گنوار بھی موجود تھا، اُس نے کہا پادری صاحب اگر عیسیٰ خدا کا پوت یعنی لائق بیٹا ہے تو کوئی آسمان و زمین اس کا بنایا ہوا بھی دکھاؤ اور جو اس نے باپ کی طرح کوئی چیز نہیں بنائی تو کپوت یعنی نالائق بیٹے کا ذکر کیا ہے؟ پادری صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿١٢﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ
وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ وَوَصَّيْنَا
الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ
اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ

النصف

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ
سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾
يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي
السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ
اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي
الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ
ع مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

اور ہم نے لقمان کو دانائی عطاء کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اللہ کا شکر کیا کرو اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی سو اللہ بھی بے نیاز سزاوار حمد وثناء ہے اور (یاد کرو) جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے (یہ) کہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شریک نہ کیجو بے شک شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کی بابت (نیکی کا) حکم دیا، اُس کی ماں نے اُس کو دکھ پر دکھ اٹھا کے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑایا (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گزار رہ میری ہی طرف پھر کر آنا ہے اور اگر وہ تجھ ہی سے اس بات پر اڑیں کہ تو میرے ساتھ شریک بناوے کہ جس کو تو جانتا بھی نہ ہو تو اُن کا کہنا نہ ماننا اور (ہاں) دُنیا میں اُن کے ساتھ نیکی سے پیش آ اور ان لوگوں کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع ہو گئے۔ پھر لوٹ کر تم کو میرے ہی پاس آنا ہے۔ پھر ہم تم کو بتائیں گے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ بیٹا اگر کوئی (عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو پھر وہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں بھی ہو تو اُس کو بھی اللہ لا حاضر کرے گا۔ (قیامت کے دن)' بے شک اللہ باریک بین خبردار ہے۔ بیٹا نماز قائم کیا کر اور نیک بات کی نصیحت کیا کر اور بری بات سے منع کیا کر اور جو کچھ تجھ پر آ پڑے تو اس پر صبر کیا کر۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور لوگوں سے بے رُخائی نہ کیا کر اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل، کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا اور درمیانی چال چل اور دھیمی آواز (سے) بات کر کیونکہ آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔

ترکیب : اَنِ اشْکُرْ لِلّٰهِ تفسیر للحکمۃ لان ایتاء الحکمۃ فی معنی القول یا بنی بیاء التصغیر ویاء ہی لام الکلمۃ والیاء الثالثۃ یاء المتکلم والھا حذفت لدلالۃ الکسرۃ علیھا فرارا من توالی الیایات وبقراء بالفتح وفیہ وجہان احدھما انہ ابدال الکسرۃ فتحۃ فانقلبت یاء الاضافۃ الفا ثم حذفت الالف کما حذفت الیاء مع الکسرۃ لانھا اصلھا والثانی ان الالف حذفت من اللفظ لالتقاء الساکنین۔ وھنا المصدر حال من الام بتقدیر مضاف ای ذات وھن او ھو مفعول مطلق لفعل محذوف ای تھن وھنا معروفا صفۃ لمصدر محذوف ای صحابا معروفا وقیل التقدیر بمعروف۔ انھا الضمیر للقصۃ۔

تفسیر : شروع میں فرمایا تھا کہ یہ آیات پر حکمت کتاب کی ہیں، اس جگہ بعض اہلِ حکمت کے اقوال نقل فرماتا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی توحید کا اعتقاد ان حکیموں کا بھی قول ہے کہ جن کی حکمت کے تم بھی قائل ہو اور جن کے اقوال دلائل عقلیہ پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ قرآن مجید کس قدر حکیم ہے؟ اس لیے یہاں لقمان حکیم کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطاء کی تھی، حکمت کے معنی طبابت کے نہیں بلکہ (الحکمۃ فی عرف الحکماء استکمال النفس الانسانیۃ باقتباس العلوم النظریۃ واکتساب الملکۃ التامۃ علی الافعال الفاضلۃ علی قدر طاقتھا، بیضاوی) حکمت حکماء کے ہاں بقدر طاقت علوم نظریہ حاصل کرنے کے بعد عمدہ افعال عمل میں لانے کا ملکہ تامہ حاصل کر کے نفس انسانیہ کے کامل کرنے کا نام ہے بعض کہتے ہیں، ھی الاصابۃ فی القول والعمل (مدارک) کہ بات اور عمل کرنے میں راہ صواب پر ہونا حکمت ہے۔

لقمان کا حال : لقمان ایک شخص بڑا حکیم اور باخدا شخص تھا عرب میں بھی اس کی حکمت اور دانائی نزول قرآن کے عہد تک ضرب المثل تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لقمان نہ کوئی نبی تھا نہ فرشتہ تھا، ایک سیاہ رنگ کا چرواہا تھا لیکن اللہ نے اُس کو علم و حکمت عطاء کر دیا تھا۔ اس روایت کے موافق اکثر علماء اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ لقمان نبی نہ تھا بلکہ شخصِ باخدا اہلِ علم و حکمت تھا، مگر عکرمہ اور شعبی کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا۔ نیشاپوری، ومدارک، وبیضاوی۔

اب ہم کو یہ تحقیق کرنا ہے کہ وہ کس ملک کے رہنے والے اور کس زمانے میں تھے؟ افسوس ہے کہ اس بارے میں ہم کو آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث نہ ملی، ناچار کتب تاریخ سے پتا لگانا پڑا۔ مورخوں کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ کتب تفاسیر میں یہ ہے کہ باعور کا بیٹا ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کا بھانجا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آذر کی اولاد میں سے تھا، ان کی عمر ہزار برس کی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ تھے۔ عرب میں بھی رہے ہیں اور شام میں بھی اور یونان وغیرہ دوسرے ملکوں میں بھی گئے تھے، اس لیے بعض مورخوں نے کہہ دیا کہ وہ ایک یونانی حکیم تھے، حکیم انبذقلس کے اُستاد تھے۔ حکماء یونان کی تاریخ میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں، یہ لقمان کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے، یمن کا بادشاہ تھا۔ لقمان بن عاد شداد کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ برخلاف شداد کے یہ بڑا نیک اور حکیم تھا، اس کے بعد اس کا بھائی ذوسدو بادشاہ ہوا اس کے بعد ذوسدو کا بیٹا حارث الرائش تخت نشین ہوا۔ یہی تبع اول ہے جو لقمان کا بھتیجا ہے اور تبع کے بعد اس کا بیٹا صعب تخت نشین ہوا، یہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ ذوالقرنین لقمان کے بھتیجے کا بیٹا ہے۔ شداد کے بعد اس خاندان میں لقمان کی دینداری کے سبب تبع اور ذوالقرنین بھی باخدا ہوئے ہیں۔ انہی کے ذکرے عرب میں خورد و کلاں کے زبان زد تھے۔ واللہ اعلم۔

اس باخدا حکیم کی بہت سی دل پسند نصیحتیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں کہ جن کو خدا تعالیٰ اس جگہ بیان فرماتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اگر کتاب الٰہی میں کسی حکیم کی یوں ہی نصیحتیں نقل کر دی جاویں تو اس کتاب الٰہی پر دھبہ لگتا ہے کہ گویا خدا حکیموں سے نصیحتیں سیکھ کر بیان فرماتا ہے اس لیے اس جگہ یہ اسلوب بدل دیا اور کلام اللہ ہونے کی اس میں بھی شان دکھا دی، پس اول یہ فرما دیا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ کہ ہم نے لقمان کو حکمت سکھائی تھی، تاکہ ناظرین کو یہ معلوم رہے کہ لقمان کی یہ نصیحتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام کی ہوئی ہیں، اس کے بعد اس حکمت کی تفصیل کرتا ہے۔ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ الخ کہ اللہ کی شکر گزاری کیا کر۔ دُنیا میں کوئی ایسا بشر نہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں نہ ملی ہوں۔ تندرستی، ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، قوائے ظاہریہ و باطنیہ اس کے بعد عقل و ادراک معاش پیدا کرنے کی تدابیر کا علم، پھر دولت اولاد و زن و فرزند کس کس کو کوئی بیان کرے اور نعمت کے مقابلہ میں منعم کا شکر کرنا چاہیے۔ شکر کیا ہے، زبان سے اُس کی ثناء وصفت بیان کرنا' دل میں احسان ماننا ہاتھ پاؤں کو یا دیگر اعضاء کو اور مال کو اُس کی خوشنودی کے کاموں میں لگانا، پھر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تو کسی کے شکر کی کچھ بھی حاجت نہیں کیونکہ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ کہ جو کوئی شکر کرتا ہو تو اس میں اُسی کا فائدہ ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی کہ نعمت پر شکر کرے گا، ہم اور زیادہ دیں گے۔ شکر کرنے سے بندے کی لائق مندی اور سعادت مندی کا اظہار ہوتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور جو کوئی ناشکری کرتا ہو تو خود اُس کی نالائقی ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تو بے پروا ہے اس کا کوئی اس میں حرج نہیں اور وہ اُس

کی ثناء وصفت کا محتاج نہیں کیونکہ وہ حمید ہے وہ خود بخود لائقِ ثناء وصفت ۔ بے شمار قدوسی آسمانوں میں شب وروز اس کی حمد وثناء کرتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم۔

اس کے بعد لقمان کی وہ نصیحتیں بیان کرتا ہے جو اُس نے بوقتِ فہمائش اپنے پیارے فرزند سے کی تھیں۔ کما قال اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ اور یہ اس لیے کہا تھا کہ ناظرین کو معلوم ہو کہ نصائح مذکورہ ذیل کچھ ایسے ویسے نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو اس نے اپنے فرزند دلبند سے بیان کی تھیں۔ غیر کو جو کوئی نصیحت کرتا ہو تو اس میں یہ بھی گمان ہو سکتا ہے کہ شاید ان میں نفع نہ ہو، بہکا دیا ہو مگر اپنے فرزند دلبند کو جو کوئی حکیم نصیحت کرتا ہو تو وہاں یہ گمان نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ وہ بوقتِ نصیحت بیان کرے تو اُس کا تو اور بھی زیادہ اعتبار کرنا چاہیے، گویا یہ ایسے دُرِ نفیس اور جواہرِ بے بہا ہیں جو بغیر فرزندِ دلبند کے کسی اور کو انسان طبعاً نہیں دیتا (حکیم اور نبی میں یہ بھی فرق ہے کہ وہ تمام مخلوقِ الٰہی کو فرزند سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے، کوئی بات دریغ نہیں کرتا) پھر ان نصائح کا ذکر فرماتا ہے يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ کہ اے میرے پیارے فرزند اللہ کے ساتھ کسی اور کو شامل نہ کیجیو کہ اُس کو بھی خدائی میں یا اُس کے کاروبار یا دیگر اوصاف میں اُس کے ساتھ ملانے لگے، کس لیے کہ شرک بڑا ہی ظلم ہے۔ خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا ذکر تھا اور شرک کرنا بڑی ناشکری ہے، اس لیے اُس کے بعد اس کا ذکر آیا کیونکہ نعمت تو کوئی اور دے منسوب کسی اور کی طرف کی جاوے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنا: حضرت لقمان کے نصائح میں ماں باپ کی شکر گزاری کا ذکر نہ آیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے لقمان کی نصیحت کو کامل بنانے کے واسطے اُس کے نصائح میں بطور جملہ معترضہ ماں باپ کی شکر گزاری کا کس تاکیدِ شدید کے ساتھ حکم دیا۔ فقال وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ سے نیکی سے پیش آئے۔ باپ کے احسانات تو ہوش وحواس کے زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں، کھلاتا پہناتا ہے، ماں کے احسانات اس کی عالمِ بے خبری میں اس سے بھی بڑھ کر تھے، اس لیے ان کو یاد دلاتا ہے۔ فقال حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ای تضعف ضعفاً فوق ضعف فانہا لاتزال یتضاعف ضعفہا، بیضاوی کہ اُس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا۔ ضعف پر ضعف اُٹھائے، کس لیے کہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے، ضعف زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور دو برس تک اُس کے پاس رہا۔ جدا نہ ہوا، دودھ پلاتی اور ساتھ سلاتی رہی۔ اس کے بعد جدا ہوا۔ اس زمانہ میں بھی جو کچھ ماں بے چاری پر تکلیفیں پہنچتی ہیں، اُن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ سردی کی راتوں میں ہگ دیتا ہے، رات بھر میں کئی کئی بار پیشاب کرتا ہے، اس کو سوکھے میں سلاتی ہے، آپ گیلے میں سونا گوارا کرتی ہے، پھر اُس کی ذرا سی تکلیف دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ فصالہ فی عامین میں سب باتیں آ گئیں۔ اس آیت سے امام شافعی وابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ نے استدلال کر کے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دودھ پینے کی مدت جس کو مدتِ رضاعت کہتے ہیں، دو برس تک ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مدت اڑھائی برس تک ہے، کیونکہ ایک آیت میں آ گیا ہے۔ حملہ وفصالہ ثلثون شهرا اور یہاں جو دو برس بیان ہوئے ہیں تو کثیر الوقوع معاملات پر نظر کی گئی ہے، کس لیے کہ اکثر بچوں کا دودھ اس عرصہ میں بڑھ جاتا ہے، یہ کوئی حکم نہیں ہے نہ غایتِ مدت بیان ہوئی ہے۔ اس کی پوری بحث کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

ان کے احسانات جتا کر فرماتا ہے، اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر کیا کر۔ اپنا شکر اس لیے بیان کیا کہ ان سے بھی زیادہ محسن میں ہوں، اور نیز اس میں یہ بھی رمز ہے کہ خدا تعالیٰ کے بعد دُنیا میں ماں باپ کا بڑا حق ہے۔ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ میرے پاس پھر کر آنا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نہایت سرگرمی اور تن دہی سے حقوق اللہ اور حقوقِ والدین ادا کیا کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ اب خدا سے کیا کام پڑے گا؟ نہیں پھر مجھ سے کام پڑنا ہے، میرے پاس آنا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ خدمت اور سلوک کا زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تیری

ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ پھر عرض کیا پھر فرمایا تیرا باپ (متفق علیہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کی خوشنودی میں خدا کی خوشنودی ہے اور ان کی ناراضگی میں خدا کی ناراضی ہے۔ (رواہ الترمذی)

اس اطاعت کے حکم پر یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ماں باپ خواہ بری بات کا حکم دیں، خواہ بھلی کا بہرحال ان کی اطاعت فرض ہے، حالانکہ ان سے زیادہ ایک اور بھی قابلِ ادب واطاعت موجود ہے، یعنی خدا تعالیٰ اگر ماں باپ اس کے ساتھ شریک کرنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ اس لیے اس کا حکم بھی بیان فرما دیا۔ فقال وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا کہ ایسی صورت میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہیے، وہ ہزار زور ڈالیں اور اڑ جاویں کہ تو خدا کے ساتھ اور کو بھی شریک کر کہ جس کو تو جانتا بھی نہیں جہاں گمان ہو سکتا ہے کہ شاید یہ شخص اس قابل ہے کہ اس میں شریک ہونے کا وصف ہو تو اس بات کو نہ ماننا چہ جائیکہ جس کو تو جانتا ہے کہ مخلوقِ الٰہی ہے اور کسی طرح شریک نہیں ہو سکتا۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ماں باپ کی اطاعت فرض نہیں بلکہ اس وقت ان کا حکم ہرگز نہ ماننا چاہیے لیکن ایسی حالت میں بھی وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا کہ دُنیا میں ان سے سعادت مندانہ طریقہ سے پیش آ۔ گو وہ مشرک وکافر ہی کیوں نہ ہوں، مگر تاہم ان کا ادب کر، کھانے پینے کی تکلیف نہ دے۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ زمانہ معاہدۂ قریشِ مکہ میں میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ اُس وقت مشرکہ تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میری ماں آئی ہے اور وہ اسلام سے نفرت رکھتی ہے، پھر کیا میں اُس سے کچھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں اُس سے سلوک کر (متفق علیہ)

مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو اُن کی ماں نے قسم کھائی کہ نہ تو میں دھوپ میں سے اٹھوں گی نہ کھانا کھاؤں گی جب تک کہ سعد اسلام ترک نہ کرے گا اور سعد نے کہا میں ہرگز اسلام ترک نہ کروں گا، اس حالت میں اُس پر کئی روز گزر گئے، آنحضرت ﷺ کو خبر کی گئی، تب یہ آیت ان جاھداک الخ نازل ہوئی کہ اس امر میں اطاعت نہ کر۔

اور ایسی حالت میں کہ ماں باپ گمراہ ہوں تو اُن کی پیروی نہ کرنا چاہیے۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ان کے رستہ پر چلنا چاہیے کہ میری طرف رجوع ہوئے ہیں، یعنی باخدا لوگوں کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام وعلماء عظام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ روحانی باپ دادا ہیں اور اپنے اصلی بزرگ بھی ہیں، پھر ان سب باتوں کی تاکید کے لیے یہ جملہ ارشاد ہوا۔ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ تم سب کو میرے پاس واپس آنا ہے۔ پھر میں تم کو بتلا دوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے؟ ظاہر داری اور خلوصِ نیت سب کا حال معلوم ہو جاوے گا۔

اصول سعادت کی تعلیم: وَصَّيْنَا سے یہاں تک جملہ معترضہ تمام ہوا، اس کے بعد پھر نصائح لقمان شروع ہوئے يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ الخ خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا اول ذکر کر کے جو اصل اصول حکمت ہے اور مابعد کے احکام کے لیے ایک بڑا اُس ہے، اس کے اوصافِ حمیدہ ذکر فرماتے ہیں۔ خصوصاً وہ وصف کہ جس کو اگر انسان پیشِ نظر رکھے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر کبھی جرأت نہ کرے اور نیکی کرنے میں بڑا سرگرم رہے، وہ کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے۔ نہایت باریک بین ہے خبیر ہے، کوئی شے اُس سے مخفی نہیں، یہاں تک کہ رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہو، یعنی ذرہ کی مانند ہو کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔ (رائی کے دانہ کے برابر ایک محاورہ کی بات ہے، قلت بیان کرنے کے لیے اس فقرہ کو استعمال کرتے ہیں) پھر وہ زمین میں خصوصاً پتھر کے پردوں میں یا زمین پر کسی جگہ ہو یا آسمانوں میں اللہ سے مخفی نہیں اور صرف یہی بات نہیں کہ اللہ کو اس کا علم ہے، بلکہ وہ حاضر کرنے پر بھی قادر ہے، وہ اُس کو ہر جگہ سے نکال دے گا، قیامت میں سامنے کر دے گا۔ پھر جب وہ ایسا ہے تو اس بھروسہ پر چھپ کر گناہ کرنے میں جرأت نہ کیجیو کہ اللہ تعالیٰ کو خبر نہ ہوگی اور اس

طرح تیری کوئی نیکی بھی رائیگاں نہ جاوے گی۔ یہ خیال نہ کیجو کہ دُنیا کے بادشاہوں کی طرح شاید اُس کو اس کی خبر نہ ہو پس یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اے فرزند نماز ادا کرتا رہ۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت لقمان کے عہد میں نماز کا کیا دستور تھا، رکوع وسجود قیام وسلام کے ساتھ تھی یا کس طرح سے؟ نماز اُس کے آگے عجز و نیاز کرنے کا نام ہے، اس کے طریقے ہر نبی اور ہر زمانہ کے موافق مختلف رہے ہیں، کہیں صرف دعا و گریہ وزاری تھا، کہیں سجدہ کرنا، کہیں اس کی تسبیح و تقدیس و استغفار کرنا، ہمارے حضرت ﷺ کے عہد میں وہ طریقہ قائم ہوا کہ جس میں یہ سب باتیں آ گئیں۔ تکمیلِ نفس کے بعد تکمیلِ غیر کا بھی حکم دیتا ہے، کس لیے کہ کامل حکیم کے لیے دونوں باتیں ضرور ہیں۔ آپ اچھا ہونا اور لوگوں کو راستی کی طرف لانا، اس لیے فرمایاوَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْكَرِ نیک باتوں کی تعلیم کر اور بری باتوں سے روک، کسی کام کے نیک یا بد قرار دینے میں بھی طبائعِ بشریہ یکساں نہیں، ایک بات ہے کہ اُس کو بعض نیک کام سمجھتے ہیں اور بعض اُس کو برا جانتے ہیں، اس لیے نیک کام کو معروف سے اور برے کو منکر سے تعبیر فرمایا کیونکہ اگر کوئی لوثِ شیطانی نہیں لگا ہے تو فطرتِ انسانیہ خود مفتی ہے۔ اچھی باتیں اظہار کرنے میں دل کو شرمندگی نہیں ہوتی، ان کو سب کے سامنے کر سکتا ہے یا ظاہر کر سکتا ہے، بخلاف بری بات کے کہ اُس کو مخفی کیا کرتا ہے۔ اس لیے نیکی معروف اور بدی منکر اُوپری بات قرار پائی۔

حسنِ معاشرت کی تعلیم : اس کے بعد حسن معاشرت کا طریقہ بتلاتا ہے۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ کہ تجھ پر اگر خدا کی طرف سے یا لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے، کیونکہ جو خلقِ خدا کی خیر خواہی کا بیڑا اُٹھاتا ہے، ناعاقبت اندیش اُس کی ایذا کے درپے ہوا کرتے ہیں، اُس پر کوئی تکلیف پہنچنا بڑی بات نہیں۔ گالی سخت کلامی تو معمولی بات ہے، پس صبر کرنا چاہیے۔ اول شکر کی تعلیم تھی جو نعمتوں کی طرف اشارہ کرتی تھی اور حقیقت میں انسان کو نعمتیں بے شمار دی گئی ہیں اور مصائب کم۔ اس لیے اس کے بعد صبر کی تعلیم کی۔ فرمایا کہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے، اس کے بعد تین باتیں اور تعلیم ہیں۔ اول وَلَا تُصَعِّرْ الخ کہ لوگوں سے تکبر سے پیش نہ آنا' بے رخی نہ کرنا۔ متکبر کے لوگ دشمن ہو جاتے ہیں۔ دوم وَلَا تَمْشِ اترا کر نہ چلنا بلکہ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ درمیانی چال چل۔ اس میں جملہ معاملاتِ دُنیاوی کی طرف بھی اشارہ ہے نہ لکولٹ قلندر بن نہ کنجوس بن وَاغْضُضْ الخ کہ بات چیت دھیمی آواز کے ساتھ کیا کر یہ مہذب لوگوں کا دستور ہے۔ چیخ چلا کر بات نہ کر، جو گدھے کی آواز کے مشابہ ہو جاوے کیونکہ آوازوں میں گدھے کی آواز مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ
عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ
یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ؕ وَاِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾
وَمَنْ كَفَرَ فَلَا یَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ

اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۲۴﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض وہ بھی آدمی ہیں کہ اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں نہ ان کو علم ہے اور نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی بخشنے والی کتاب ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس پر چلو کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریق پر چلیں گے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، بھلا تب بھی چلیں گے جو ان کو شیطان دوزخ کی طرف بلاتا ہو اور (اے نبی!) جس نے نیک ہو کر اپنا منہ اللہ کے سامنے جھکا دیا تو اُس نے مضبوط رسی کو تھام لیا اور آخر کار ہر معاملہ تو اللہ ہی کے حضور میں پیش ہوتا ہے اور جس نے انکار کیا سو اُس کے انکار سے (اے نبی!) آپ کو رنج نہ کرنا چاہیے۔ (انجام کار) ان کو ہمارے پاس آنا ہے، پھر ہم ان کو بتلا دیں گے کہ انہوں نے کیا کیا ہے۔ بے شک اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ دُنیا میں ہم ان کو تھوڑا سا عیش دے رہے ہیں، پھر تو ہم سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کر لے جاویں گے۔

ترکیب : ان اللہ جملہ قایم مقام دو مفعولوں کے کہ جن کو تروا چاہتا ہے واسبغ الاسباغ الاکمال ھو معطوف علی سخر نعمہ بالجمع والاضافۃ وابوعمرو وحفص وقری نعمۃً مفرداً ظاھرۃ وباطنۃً یمکن ان یکون حالاً من النعمۃ ای حال کونھا ظاھرۃً وباطنۃً محسوسۃً معقولۃً تعرفونہ وما تعرفونہ وقد مر شرح النعمۃ وتفصیلھا فی الفاتحۃ ویمکن ان یکون نعتا من یجادل من مبتداء ومن الناس خبرہ المقدم اولو الھمزۃ للاستفہام والواو للعطف ولو شرطیۃ وجوابھا محذوف مثل لا اتبعوہ والاستفہام للانکار والتعجب والجملۃ معطوف علی الکلام السابق۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ لقمان نے شرک کی ممانعت کی تھی اور یہ حکمت کا بڑا خزانہ ہے، اب اس آیت اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الخ سے یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ کچھ لقمان کے کہنے ہی پر موقوف نہیں، ہر شخص دلائل و شواہد آفاقیہ و انفسیہ میں غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا، یعنی ان کے کام میں لگا دیا اور انسان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بھرپور کر دیا۔ ہاتھ پاؤں تندرستی وغیرہ ظاہری نعمتیں ہیں جو محسوس ہیں عقلِ سلیم ادراک اور دیگر قوائے باطنیہ غیر محسوس نعماء باطنیہ ہیں، وَمِنَ النَّاسِ یہاں سے یہ بتلاتا ہے کہ دُنیا میں ایسے ہی کوڑھ مغز لوگ ہیں جو اللہ کے معاملہ میں یعنی اُس کی ذات و صفات کی بابت یا احکام دینیہ کی بابت دلائل کو پس پشت ڈال کر انبیاء اور اُن کے نائبوں سے جھگڑتے ہیں، کوئی اس کو دُنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے امیروں، وزیروں کا محتاج ثابت کرتا ہے اور پھر اس کے امیر و وزیر کہیں ملائکہ کہیں انبیاء و صلحا قرار دیے جاتے ہیں، کہیں عناصر و کواکب اس لیے اُن کی پرستش جائز بلکہ واجب بتاتے ہیں۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ نہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی دلیلِ عقلی ہے نہ کسی بزرگ ہادی کا قول ہے نہ کسی کتابِ الٰہی سے ثابت ہے۔ یعنی نہ عقل سے کہتے ہیں نہ نقل سے صرف تقلیدِ آبائی پر بھروسہ ہے کہ بڑے بزرگوں سے یوں ہی سنتے چلے آئے ہیں، اس پر جو اُن سے کہا جاتا ہے، اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے، اُس پر چلو تو کہتے ہیں بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ہم تو اپنے باپ دادا کی لکیر کے فقیر ہیں۔ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ کہ کیا تب بھی ان کے رستہ پر چلیں گے جب آپ کو معلوم کرا دیا گیا کہ شیطان ان کو جہنم کی طرف لیے جا رہا ہے، یعنی آبائی طریقہ کی قباحت ظاہر ہونے کے بعد بھی کیا اُس پر چلیں گے؟ اب کہاں لقمان کی نصیحت اور کہاں برہانِ عقلی اور کہاں ان کی یہ جہالت۔

وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ یہاں سے سلامت روی کا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے، ان کجرووں کے مقابلہ میں کہ جو کوئی اللہ کے آگے اپنا منہ جھکا دے یعنی اُس کا دل سے فرمانبردار ہو جاوے اور اس کے بعد اس دلی ارادت کے مطابق نیک کام بھی کرے تو اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا یعنی نجات کا بڑا قوی ذریعہ اس کے ہاتھ آ گیا، جس طرح کوئی پستی سے بلندی کی طرف چڑھنے والا مستحکم رسی کو تھام کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہی حال اُس کا ہے اور اُس کا انجام اللہ اچھا کرے گا۔ بیچ میں رسی کو نہ ٹوٹنے دے گا، ہر چیز کا انجام اُسی کے ہاتھ میں ہے یا یوں کہو ہر معاملہ اُسی کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ اور جو اُس کے برخلاف ہوگا، کفر اختیار کرے گا۔ اے نبی آپ اُس سے کچھ غم نہ کریں،

انجام کار ہمارے پاس آتا ہے، وہاں اس کو معلوم ہو جاوے گا اب دُنیا میں چند روز کھا پی لے پھر تو جہنم ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ
الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾
مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾ اَلَمْ
تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ
بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾

اور (اے رسول!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (ان سے) کہہ دو الحمدللہ، بلکہ ان میں سے اکثر (تو بھی) نہیں جانتے۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اللہ بے نیاز (اور) خوبیوں والا ہے اور اگر وہ جو زمین میں درخت ہیں سب قلم ہو جاویں اور دریا سیاہی (اور) اس کے بعد اس دریا میں سات اور دریا[1] سیاہی کے آملیں تو بھی اللہ کی باتیں نہ تمام ہوں۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے تم سب کا پیدا کرنا اور مر کر زندہ کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسا ایک شخص کا، بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک وقتِ معین تک چلتا ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے کام سے خبردار ہے، یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور اُس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں بے اصل ہے اور اللہ ہی سب کے اُوپر بالادست بڑا ہے۔

ترکیب : اقلام جمع قلم خبر ان' ما موصولۃ فی الارض صلتها والجملۃ اسم ان من شجرۃ بیان ما والبحر رفعہ للعطف علی محل ان ومعمولها ویمدہ سبعۃ ابحر الجملۃ مع الفعل یمدہ وفاعلہ سبعۃ ابحر حال او یقال والبحر المبتداء یمدہ والجملۃ خبرہ۔

[1] یقال مد الدواۃ وامدہا ای زاد فی مادہا ماء او سیاہی ای یصیر البحر المحیط بمنزلۃ الدواۃ والسبعۃ الابحر آخر حیث تصب فیہ الابحر السبع مادا۔ ۱۲ منہ

[2] سات یا یعنی سات سمندر سمندر تو تمام زمین کے اردگرد ایک ہی ہے مگر اہلِ جغرافیہ نے اس کے احاطہ کے اعتبار سے اس کے سات حصہ پر تقسیم کی ہے بحر اعظم بحر قلزم جیسا کہ کتبِ جغرافیہ میں مفصل مذکور ہے اس لیے لوگوں کی زبان پر سات سمندر کا لفظ جاری ہونے لگا اور بحر عرب کی زبان میں سمندر ہی کو کہتے ہیں چلتے اور بہتے ہوئے دریاؤں کو جیسا کہ دجلہ فرات نیل ان کو نہر کہتے ہیں یہاں کلام بطورِ تمثیل کے ہے کچھ سات سمندروں سے کام نہیں کہ وہ کون کون ہیں اور کہاں سے کہاں تک یعنی سمندر سیاہی ہو جاوے اور اسی طرح کے اور سات اس کی مدد کریں سیاہی بن کر تب بھی کلمات اللہ نہ تمام ہوں گے بے شک ہو جائیں گے اور کلمات باقی رہ جائیں گے۔ ۱۲ منہ

تفسیر : وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ یعنی گو وہ دلائل پر غور وفکر نہیں کرتے، محض تقلید آبائی میں گرفتار ہیں، لیکن باایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور خالق ہونے کا اور نیز قادر و مالک آسمان وزمین ہونے کا فطری طور پر ایسا علم ہے کہ اگر تو اُن سے دریافت کرے گا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے اس میں کسی کی بھی شرکت نہ بتلائیں گے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تو کہہ الحمدللہ کہ وہ ملزم تو ہوئے اور لاچار ہو کر ایسی بات کے قائل ہو گئے کہ ان کے اعتقادِ فاسد کے برخلاف ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نادان ہیں، نہیں جانتے کہ ان کا اقرار ان کے اعتقاد کو باطل کر رہا ہے یا کہو کہ اکثر تو اُن میں سے اتنا بھی نہیں جانتے جاہلِ محض ہیں۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں تو ان کا حصہ ہے ہی نہیں آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزیں بھی اللہ کی ہیں، ان میں بھی کوئی حصہ نہیں، پھر اللہ کی عبادت وستائش نہیں کرتے۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اللہ کو کچھ پروا نہیں اس کی تعریف خود بخود ہو رہی ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ اُس کی قدرت و کبریائی کا حال تو معلوم ہو گیا، اب اُس کے علم اور دیگر صفات وشیون کا حال سنو کہ دُنیا بھر کے تمام درختوں کے قلم بنائے جائیں اور سات سمندروں کی سیاہی بنا کر اُس کے اوصاف اور شیون اور معلومات کو لکھا جاوے تو وہ کم ہو جاویں گے، مگر وہ کلمات کہ جن سے اُس کے معلومات اور شیون کو تعبیر کیا جاوے ہرگز کم نہ ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کس لیے کہ اللہ زبردست ہے، اُس کے عجائباتِ قدرت اس حد تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے بعد پھر وہ کچھ اور عجائبِ قدرت پیدا نہ کر سکے۔ حکیم ہے کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں نہ اُس کے اسرارِ حکمت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ الغرض بے انتہا علم وقدرت رکھتا ہے اور قلم اور دوات متناہی ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس لیے اس جملہ کو غَنِيٌّ حَمِيْدٌ کے بعد لایا کہ اُس کے غنی اور حمید ہونے کے لیے دلیل ہو جاوے۔ ابن جریر نے عکرمہ سے اور ابن اسحاق نے عطاء بن یسار سے روایت کی ہے کہ جب مکہ میں یہ نازل ہوا کہ مَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور پھر حضرت رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو احبارِ یہود نے آ کر پوچھا کہ یہ کس کی بابت ہے، آپ کی قوم کی نسبت یا سب کی؟ اگر ہماری نسبت ہے تو غلط ہے، کس لیے کہ ہم کو توریت ملی ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے، پھر ہماری نسبت کیونکر صادق آ سکتا ہے کہ تم کو کم علم دیا گیا؟ حضرت ﷺ نے فرمایا سب کی نسبت کس لیے کہ علم الٰہی کی نسبت یہ بھی قلیل ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی ان کے اس اعتراض کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے سورۂ لقمان کی یہ آیت پڑھی جو پہلے نازل ہو چکی تھی، جس کو راوی نے نازل ہونا بیان کیا۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ الخ یہاں سے اپنے بعض عجائبِ قدرت کا اظہار اس لیے فرماتا ہے کہ اس کے منکرین سخت منکر تھے۔ فرماتا ہے سب کا پیدا کرنا اور پھر زندہ کرنا اُس کے نزدیک ایک شخص کے پیدا کرنے اور زندہ کرنے کے برابر ہے، کس لیے کہ جس طرح ایک سے علم وقدرت کا تعلق ہے، اسی طرح سب سے پھر کیوں تعجب کرتے ہو کہ تمام خلائق کی یادداشت کس طرح کر سکے گا؟ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ وہ ہر ایک کی بات سنتا دلی ارادت سے خبر رکھتا ہے۔ بَصِيْرٌ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ الم تر ان اللہ یہاں سے اپنی قدرت کاملہ اور علم پر اور دلیل قائم کرتا ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں گھسا دیتا ہے۔ آفتاب اور ماہتاب اس کے حکم پر چلتے ہیں اور وہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ ذٰلِكَ یہ کہ وہ ایسا قادر اور ایسا عالم ہے اس لیے ہے بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ اللہ ہی برحق اور واجب الوجود ہے۔ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ اور اُس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں وہ غلط ہے۔ فانی الذات ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اور یہ کہ اللہ ہی سب سے بالا دست اور سب سے بڑا ہے، اس کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ یہ دلائل کا نتیجہ ہے، جس پر مخاطبین کو متنبہ کیا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣١﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ؗ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ

مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ

نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۱۲

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی کی عنایت سے دریا میں کشتیاں چلا کرتی ہیں تا کہ تم کو کچھ اپنی قدرت دکھاوے۔ البتہ اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے (قدرت کی) نشانیاں ہیں اور جب پہاڑ جیسے دریا کی موج ان کو ڈھانک لیتی ہے تو اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں۔ اسی کے ہو کر پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو ان میں سے کچھ ہی تو راہ راست پر رہتے ہیں اور ہماری نشانیوں کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر ہر دغاباز ناشکرا۔ لوگو اپنے رب کا خوف کرو اور اس دن سے ڈرو کہ جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آوے گا نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آوے گا۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، پھر دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تم کو اللہ سے دھوکے میں رکھے۔ بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس کو وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ البتہ اللہ علیم (اور) خبیر ہے۔

ترکیب: بنعمت اللہ الباء متعلق تجری ای بسبب نعمۃ ویجوز ان یکون حالا من ضمیر فی تجری فیکون الظرف مستقرا ای مصحوبۃ بنعمۃ اللہ۔ لیریکم علۃ لتجری من آیتہ الی بعض آیتہ الدالۃ علی قدرتہ کالظلل جمع ظلۃ وھی ما اظلک من جبل او سحاب ولا مولود عطف علی والد و یکون ما بعدہ صفۃ لہ ویجوز ان یکون مبتدا و ان کان نکرۃ لانہ فی سیاق النفی وما بعدہ الخبر وعلی الثانی فایراد الجملۃ الاسمیۃ للتوکید والقسم الی ذلک قولہ ھو وقولہ مولود دون ان یقول ولا ولد لان الوالد یقع علی ولد الولد ایضا بخلاف المولود لانہ یطلق علی الابن خاصۃ ومن شانہ ان یکون جازیاً عن والدہ لما علیہ من الحقوق۔ لایجزی لایقضی عنہ مالزمہ من الغرامۃ۔ وقری لایجزی من اجزی اذا اغنی۔ والراجع الی الموصوف محذوف ای لایجزی فیہ۔

تفسیر: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ یہ ایک دوسری دلیل ہے جو اس کی کمال قدرت اور حکمت اور شمول انعام پر دلالت کرتی ہے کہ دریا میں کشتیوں کا اس کی رحمت سے چلنا اس کی قدرت کی نشانی ہے۔ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کشتی اس کی نعمت کو لے کر دریا میں چلتی ہے اناج وغیرہ ہزاروں نعمتیں ایک ملک سے دوسرے ملک میں کشتیوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔ فیکون الباء للتعدیہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ اس کے چلنے میں ایک نشانی نہیں بلکہ لآیت بہت سی نشانیاں ہیں، ایک تو یہ کہ پانی پر اس قدر بھاری بوجھ چلتا ہے، ڈوبتا نہیں۔ دوسری یہ کہ ہوا چلتے ہوئے جاتے ہو، پانی کو تو مسخر کیا ہی تھا، ہوا کو بھی کیا، تیسری یہ کہ تم کو کیسی نافع چیز کی تعلیم کی اور عناصر کے متعلق کیسے کیسے کارآمد علوم سکھائے۔ یہاں تک کہ کشتی کو انجن کے زور سے بھی چلانا سکھا دیا اور اس کے ساتھ برقی چیزیں اس کی حفاظت کے لیے استعمال کرنے کا علم

کھایا، چوتھی باایں ہمہ جب چاہتا ہے طوفان کے گرداب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سب کاری گری دھری رہ جاتی ہے، لیکن پھر تم کو اس خوفناک بھنور سے صحیح وسلامت لے آتا ہے۔ یہ نشانیاں ہر ایک شہوت پرست غافل کے لیے نہیں وہ تو اس کو معمولی بات سمجھتا ہے بلکہ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ہر ایک صبر وشکر کرنے والے کے لیے جو گناہوں سے نفس کو روکتا اور اس کے حملوں پر صبر کرتا ہے اور پھر جو اس کو نعمت الٰہی ملتی ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں نفس کی کدورتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اس آئینہ میں نظر وتامل کر کے ان دلائل کو دیکھ سکتا ہے اور انسان کی حالتیں بھی دو ہیں، مصیبت کی یا راحت کی پھر جو ان دونوں حالتوں میں ثابت قدم رہتا ہے وہ صابر بھی ہے، شاکر بھی ہے اور جس کو ان دونوں حالتوں میں استقامت حاصل ہو گئی وہ کامل اور حکیم ہو گیا۔ اس پر ایسی باتوں کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں، اسی لیے آیا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں صبر اور شکر۔ الغرض انسان کے کمال کی یہ دو حالت ہیں، انہی میں مرتاض اور پختہ کار ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اسرار حکمت منکشف ہوتے ہیں۔ وللہ درمن قال۔

گنج صبر اختیار لقمان ست	ہر کہ صبر نیست حکمت نیست

وقال قطعہ

گہ اندر نعمتے مغرور و غافل	گہ اندر تنگدستی خستہ وریش
چو در سرا وضرا حالت اینست	ندانم کے بحق پردازی از خویش

اس میں اور بھی لطیفہ ہے کہ دریائی سفر میں طوفان وغیرہ کی تکلیفیں اور منزل مقصود تک پہنچنے کی راحتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس کو صبر وشکر سے زیادہ کام پڑتا ہے، اس لیے صبار شکور فرمایا اور بھی لطائف ہیں کہ جن کے ذکر کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ یہ بھی اس سفر دریائی کی ایک حالت ہے جس میں اور بھی زیادہ خدا تعالیٰ کی قدرت ورحمت کے نشان معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ مصائب کے وقت خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح سے دستگیری کرتا ہے اور کس جلدی سے انسان کی دلی حالت پر متنبہ ہوتا ہے اور انسان مصیبت کے وقت اپنی اس فطری حالت پر آ جاتا ہے۔ عوارض اٹھ جاتے ہیں، مگر نجات پانے کے بعد بعض تو پھر بھی اسی راہ راست پر رہتے ہیں، بعض پھر اسی ناراستی پر آ جاتے ہیں۔ خدا کو بھول جاتے ہیں، اس میں صبر وشکر کی پوری آزمائش ہے، فرماتا ہے کہ سفر دریائی میں جب ان کو پہاڑ جیسی موجیں ڈھانک لیتی ہیں اور ہر طرف سے ان پر سائبان کی طرح محیط ہو جاتی ہیں تو دَعَوُا اللّٰهَ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، کس طرح سے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ خاص اسی کی طرف اخلاص اور نیاز پیدا کر کے فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو بعض ان میں سے درمیانی رستہ پر رہ جاتے ہیں اور وہ توحید اور شکرگزاری کا طریقہ ہے۔ (ای مقیم علی طریق القصد الذی ھو التوحید او متوسط فی الکفر لانزجارہ بعض الانزجار۔ بیضاوی) مقتصد کے بیضاوی نے دوسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ درمیانی رستہ سے مراد کفر کا درمیانی رستہ ہے، یعنی اس جوش وخروش سے کفر پر نہیں رہتے، کس لیے کہ اس کو کچھ تو نصیحت ہوگئی ہے۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ اس حالت میں جس نے ناشکری کی تو اللہ کی آیتوں کا انکار کر دیا اور آیتوں سے انکار ختار یعنی غدار عہد شکن ہی کیا کرتے ہیں، جو عہد فطری کو توڑ دیتے ہیں۔ کفور ناشکر یہ پورا مقابلہ ہے۔ صبار شکور کا صبار کے مقابلہ میں ختار اور شکور کے مقابلہ میں کفور آیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ یہاں سے حجت تمام کر کے ایک ایسا حکم دیتا ہے جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے، وہ کیا اتقوا ربکم کہ اپنے رب سے ڈرا کرو، جو اپنے رب سے ڈرے گا کسی معصیت کے پاس نہ جائے گا اور کسی حکم الٰہی کے بجا لانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اوصیکم بتقوی اللہ الحدیث رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کہ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں یعنی بتاکید حکم دیتا ہوں، چونکہ خدا سے ڈرنا بغیر یاد دلانے کسی آنے والی بلائے عظیم کے جو اللہ کے ہاں سے آنے والی ہو مشکل ہے۔ اس لیے اس آنے والی بلا کا ذکر فرماتا ہے۔ وَاخۡشَوۡا يَوۡمًا لَّا يَجۡزِىۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَيۡـئًا کہ اس روز سے ڈرو یعنی قیامت کے دن سے کہ جس دن باوجود شفقتِ پدری کے کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آوے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آوے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، بغیر ایمان اور عملِ صالح کے کچھ چارہ نہ ہوگا، جب باپ بیٹے کا یہ حال ہوگا تو اور کسی کی قرابت یا محبت کا تو کیا ذکر ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اے قریش! اپنی خلاصی ڈھونڈو میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے عباس میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے صفیہ محمد (ﷺ) کی پھوپھی میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ محمد (ﷺ) کی بیٹی مجھ سے جو مال چاہے لے لے اللہ کے معاملہ میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا، یعنی اعمال و ایمان چھوڑ کر یہ تکیہ نہ کر بیٹھو کہ ہم پیغمبر کے اقارب ہیں۔ جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے کفارہ ہونے پر تکیہ کر کے اعمال صالحہ کو بے فائدہ ٹھہرا دیا اور ضمناً ہر قسم کی بدکاری کی اجازت دے دی، اس سے شفاعت کا انکار نہیں نکلتا، کیونکہ وہ ایمانداروں خدا کے فرمانبرداروں کے لیے اُن کے رفع درجات یا قصوروں کی بابت ہوگی۔ سو یہ اور بات ہے، کفار سمجھتے تھے کہ ایسا دن کبھی نہیں آئے گا، کیونکہ وہ قیامت کے منکر تھے اس لیے فرماتا ہے، اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور وہ دن آئے گا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا پھر تم دُنیا کی زندگی پر دھوکا نہ کھاؤ، سدا کوئی نہیں جئے گا وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ اور اسی طرح اللہ کے معاملہ میں بھی دھوکے میں نہ رہو کہ ہم کو دُنیا میں سرداری دی ہے، وہاں بھی دے گا اور جس طرح یہاں ہمارے اقارب اور اعزہ حمایت کرکے چھڑا لیتے ہیں، چھڑا لیں گے یا ہمارے معبود جو اللہ کے گھر کے مختار ہیں، ہمیں بچالیں گے۔ الغرور فریب یا فریب دہندہ الشیطان کہ شیطان تم کو فریب نہ دے۔ اس کے بعد کفار یہ پوچھتے ہوں گے کہ وہ کب آوے گی، اس کی مدت بیان کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ[1] عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ کہ اس گھڑی کا علم اللہ ہی کو ہے اس کو اس مصلحت سے مخفی رکھا ہے کہ بندوں کے دل کو ہر وقت کھٹکا رہے، لیکن اس کے قائم ہونے پر دو دلیلیں بیان فرمائیں۔ اول يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ کہ وہ مینہ برساتا ہے، جس سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ دوم وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ اور رحم میں بچے کو پیدا کرتا ہے اور اس کی کیفیت سے وہی آگاہ ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ نر ہے یا مادہ کس شکل کا ہوگا۔ پس جو ابتداء پر قادر ہے وہ اعادہ پر بھی بطریق اولیٰ۔ دیکھو ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے، اس کا تم کو مفصل علم نہیں، پھر کیا وہ ظہور میں نہیں آتا، اسی طرح قیامت کا معاملہ ہے اور تم تو اپنی معاش اور حیات کے متعلق بھی علم نہیں رکھتے۔ پھر اگر قیامت کا تم کو علم نہ دیا گیا تو کیا ہوا۔ فقال وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا کوئی نہیں جانتا کل کیا کرے گا، کیا پیش آوے گا۔ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اور یہ بھی نہیں کہ کہاں جا کر مرے گا، پھر باوجود اس علم نہ ہونے کے ضرور پچھتا نہ کو کل

[1] اس جگہ ان پر علم کا اختصاص ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارے فرضی معبود اور چیزوں کو تو کیا جان سکتے ہیں یہ پانچ چیزیں جن سے ہر ایک کا تعلق ہے ان کو بھی تو کوئی یقینی طور پر نہیں جانتا نجوم وغیرہ کو جانا علم یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے اسی لیے بارہا اس کے احکام غلط ثابت ہوئے ہیں وہ پانچ چیزیں یہ ہیں۔ (۱) قیامت کا علم کہ کب آئے گی (۲) بارش کا علم قرائن و آلات سے صرف تخمین حاصل ہوتا ہے (۳) ماؤں کے رحم کا حال کہ بچہ ہے یا خالی مادہ فاسد ہے پھر نر ہے یا مادہ نیک ہے یا بد اور پیدا ہو کر کیسا ہوگا۔ اگر آلہ عکسی سے کسی نے دکھا دیا، تو ان باتوں میں سے کوئی بات بھی معلوم نہیں ہو سکتی یہ دکھا دینا ایسا ہے کہ جیسا کہ پیٹ چیر کر دکھا دے۔ (۴) کل کیا پیش آئے گا (۵) کہاں مرے گا۔ نقل ہے کہ خلیفہ عباس اپنی زندگی کا حال دریافت کیا کرتا تھا کہ کب تک ہے کسی نے ۵ برس کسی نے ۵ مہینے کسی نے ۵ روز عمر بتلائی ایک شب خواب میں دیکھا کہ دجلہ سے ایک سوار نے اپنا پنجہ پانی سے نکال کر دکھا دیا آخر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا گیا آپ نے فرمایا فرشتہ نے یہ بتایا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا سوائے باری تعالیٰ کے اور کسی کو علم نہیں۔ حقانی

کرتا ہے اور کہیں نہ کہیں جا کر مرتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ خدا ہی کو ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی خبر ہے اس میں ان کے معبودوں کی عاجزی اور دُنیا بھر کے حکماء کے علم و دانش کی بھی حقیقت بیان کر دی کہ وہ یہ ضروری باتیں بھی نہیں جانتے۔ بخاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ غیب کے پانچ خزانے ہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ الخ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓمّٓ ۞ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ
افۡتَرٰٮهُ‌ ۚ بَلۡ هُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰٮهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ
قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ۞ اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا
فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ‌ ؕ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا
شَفِيۡعٍ‌ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۞ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الۡاَرۡضِ ثُمَّ
يَعۡرُجُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ۞ ذٰلِكَ
عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۞ الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقَهٗ‌
وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِيۡنٍ‌ ۞ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ
مَّهِيۡنٍ‌ ۞ ثُمَّ سَوّٰٮهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ‌ وَجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ
وَالۡاَفۡـئِدَةَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۞ وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِى الۡاَرۡضِ ءَاِنَّا لَفِىۡ
خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ بَلۡ هُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ كٰفِرُوۡنَ ۞ قُلۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ
الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ۞ ع

الٓمّٓ (اس میں) کچھ شبہ نہیں کہ (یہ) کتاب پروردگار کی طرف سے اتری ہے۔ کیا وہ (یہ) کہیں گے کہ اس کو از خود بنا لیا ہے بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے (یہ اس لیے نازل کی گئی) تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنا دیں کہ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ پر آویں۔ اللہ وہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ روز میں بنا دیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ سفارشی، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ ہر ایک کا خدا ہی انتظام کرتا ہے آسمان سے لے کر زمین تک پھر اس دن بھی کہ جس کی مقدار تمہاری گنتی سے ہزار برس کی ہوگی۔ وہ انتظام اس کی طرف رجوع کرے گا، وہ ہی

چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا زبردست مہربان ہے، جس نے عمدگی سے ہر شے کو بنایا اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی۔ پھر اس کی اولاد نچوڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنائی۔ پھر انسان کو ٹھیک کیا اور اس میں اپنے پاس سے رُوح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنایا۔ اس پر بھی تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور کافر کہتے ہیں کیا جب ہم زمین میں مل جل گئے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں۔ کہہ دو (ایک روز) تمہاری جان موت کا وہ فرشتہ قبض کرے گا کہ جو تم پر معین کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔

ترکیب: الم یجوز ان یکون مبتدء و تنزیل خبرہ والتنزیل بمعنی المنزل۔ ھذا اذا جعل الم اسماً للسورۃ او القرآن فعلی ھذا لاریب فیہ حال من الکتاب والعامل تنزیل و من رب متعلق بتنزیل و لاریب ھھنا مبنی۔ وان جعل تعدید الحروف فقط کان تنزیل خبر مبتدء محذوف او مبتدء خبرہ لاریب فیہ فیکون من رب العالمین حالاً من الضمیر فی فیہ ویمکن ان یکون خبراً بعد خبر و لَا رَیْبَ فِیْهِ حال من الکتاب او اعتراض۔ ام منقطعۃ بمعنی بل ما اتٰھم ما نافیۃ والجملۃ صفۃ لقوم من السماء الی الارض الجار متعلق بیدبر علی تضمین معنی النزول[1] ویمکن ان یکون حالاً من الامر۔ مما تعدون یجوز ان یکون صفۃ لالف او لسنۃ۔ الذی احسن خبر مبتدء[2] محذوف۔

تفسیر: اس سے پہلی سورۃ میں توحید اور حشر کے دلائل بیان فرمائے تھے اور وہ دو طرف ہیں، اس لیے اس سورۃ میں امر اوسط یعنی اس رسالت کا ذکر کرتا ہے کہ جس پر قرآن کی برہان قائم ہے۔ فقال تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہ کتاب یعنی قرآن (کہ جس کے برحق ہونے میں عاقل کو غور و تامل کے بعد کوئی بھی شبہ نہیں رہتا) رب العالمین کی طرف سے ہے۔ رب العالمین کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے، روحانی پرورش بھی اسی کا خاص حصہ ہے، اس لیے اس نے دنیا کی شائستگی کے لیے ایک ایسی کتاب نازل کی جو آفتاب کی طرح سے اپنے لیے آپ گواہ ہے، مگر کوڑھ مغزی اور تیرہ باطنی بھی عجب بد بلا ہے، ایسے لوگ یہ کہہ دیتے تھے کہ اس کو محمد (ﷺ) نے از خود بنالیا ہے، خدا نے نازل نہیں کیا ہے۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کہ یہ قرآن برحق ہے تیرے رب کے ہاں سے آیا ہے، اس کی شان ربوبیت کا مقتضی ہے۔ یہ کس لیے نازل ہوا؟ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ تاکہ تو اے محمد (ﷺ) خصوصاً ان لوگوں کو پرحذر کرے اور ان کو آنے والے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا پیغمبر نہیں آیا ہے۔ اس قوم کی خصوصیت نہیں کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے، ان کا نام اس لیے آ گیا کہ سب سے اول انہی سے کلام تھا، کس لیے کہ دوسری جگہ آ گیا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا اور آنحضرت ﷺ نے بھی فرما دیا ہے کہ میں تمام عالم کے لیے نبی کیا گیا ہوں۔ پس اس جملہ سے یہ سمجھ لینا کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب کی قوم کے لیے مبعوث ہوئے تھے بڑی غلطی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ایک عرصہ دراز تک عرب میں کوئی نبی مبعوث ہو کر نہیں آیا تھا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے گمراہ ہونے کے بعد بجز حضرت کے ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ اس میں سب آ گئے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ یہاں سے وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کا پہنچانا رسول پر فرض ہے، جیسا کہ پہلے رسالت اور اس کی ضرورت بیان کی تھی، یعنی اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا نہ وہ لوگ کہ جن کو مشرکین اس کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ، اس میں اس بات کا بھی رد ہے کہ جن

---

[1] اے یدبر امر الدنیا باسباب سماویۃ کالملائکۃ واشعۃ الکواکب وانزال الامطار الی الارض۔ ۱۲ منہ

[2] اے ھو الذی او خبر بعد خبر۔ او العزیز مبتدء والرحیم صفۃ الذی احسن خبرہ۔ وخلقہ بسکون اللام بدل من کل بدل الاشتمال ای احسن خلق کل شیء ویمکن ان یکون مفعولاً ثانیاً وکل شیء مفعولاً اولاً واحسن بمعنی عرف ای علم کیف خلقہ کما قال علی ؓ قیمۃ المرء ما یحسنہ ای یحسن معرفتہ وقرأ نافع والکوفیون بفتح اللام علی انہ فعل ماض فیکون صفۃ لکل او لشیء ومن روحہ اضافۃ الی نفسہ تشریفاً واشعاراً بانہ خلق عجیب ولہ شان یناسب الربوبیۃ۔ ۱۲ منہ ابو محمد عبدالحق عفا اللہ عنہ۔

کہ اس کا شریک سمجھ رہے ہو، وہ خدا تو کیا اس کی اجازت بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے' نہ کسی کے حامی و مددگار بن سکتے ہیں، جس خیال سے کہ مشرکین غیر اللہ کو اس کا شریک سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں جس طرح اس کی اجازت بغیر اوروں کی ولایت و شفاعت کی نفی ہے، اسی طرح اس کی طرف سے ولایت و شفاعت یعنی حمایت کا ثبوت ہے۔ اس میں بت پرستوں کی تجہیل ہے، وہ جو یہ اقرار کر کے کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں' یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کریں گے، جب خلق کو بیان فرما چکا تو اس کے بعد امر کو بیان فرماتا ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ کہ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر ایک کام کی آپ ہی تدبیر کرتا ہے، اس میں اس کا کوئی مشیر و وزیر نہیں۔ آسمانوں یعنی علویات کی کل تدبیر و تصرف آسمانوں کی حرکت' ستاروں کی حسب موقع گردش' ان کے انوار کا تحفظ' پھر وہاں کے رہنے والوں ملک اور روحانیات کے متعلق سب کام وہ آپ ہی کیا کرتا ہے اور اسی طرح زمین یعنی عالم سفلی کے متعلق سب کام آپ ہی کرتا ہے۔ مینہ کا برسانا' ہواؤں کا چلانا' نباتات کا اُگانا' حیوان اور انسان کی بیماری و تندرستی' موت و حیات سب باتیں وہی کیا کرتا ہے، یا یوں کہو ہر ایک کام کی تدبیر اسباب سماویہ کے ساتھ جو آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوا کرتے ہیں، وہی کیا کرتا ہے یہ تو دنیا کے بقا تک کا معاملہ تھا ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ اس کے بعد جب کہ یہ عالم فنا ہو چکے گا اور نیا عالم پیدا ہوگا، جس کو عالم آخرت یا عالم حشر کہتے ہیں، اس روز بھی یہ سب تدبیر و تصرف ثم یعرج الیہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔

الف سنۃ کا بیان: مگر اس عالم کو فی یوم کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کے ساتھ تعبیر فرمایا، ہول دلانے کے لیے اور وہ بڑا ہول کا دن ہے، اس کے دنوں کا کوئی شمار نہیں لیکن اس عالم کے پہلے روز کو ذکر کر دیا، یعنی قیامت کو، یعنی اس عالم کے پہلے دن ہی سے کہ جس کی مقدار تمہارے ہزار برس کے برابر ہے، سب کام وہاں کے اسی کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اب یہ بات رہی کہ کہیں تو اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس کی فرمائی ہے، جیسا کہ سورۂ معارج میں ہے، خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اور کہیں ہزار برس جیسا کہ یہاں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس روز بڑی سختی ہوگی اور نہایت دہشت و ہیبت۔ سو یہ ہر ہر شخص کی نسبت جداگانہ ہوگی، کیونکہ جیسا جرم ویسی دہشت اور مصیبت کے دن کی درازی بمقدار مصیبت ہوا کرتی ہے۔ وہ دن تو ایک معمولی دن ہوگا، مگر کفار کو پچاس ہزار برس کے برابر معلوم ہوگا اور گنہگاروں کو ہزار برس کے برابر اور نیکوں کو فریضہ نماز کے وقت کے برابر۔ پس اس لیے کبھی اس کو پچاس ہزار برس کے برابر کہہ دیا کبھی ہزار برس کے کبھی صلوٰۃ مکتوبہ کے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دن البتہ دراز معلوم ہوگا، تکلیف کے سبب سے اور اس کی درازی کو اعداد کثیرہ کے ساتھ تعبیر کر دیا۔ جیسا کہ جب ہم کو انکار محض منظور ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں تو سو بار بھی کہے گا تو یہ کام نہ کروں گا، پھر تھوڑی دیر بعد اس کے جواب میں کہہ دیتے ہیں تو ہزار بار بھی کہے گا تو نہ کروں گا۔ یہ بات ایک محاورہ کے متعلق ہے یعنی محض کثرت مراد ہے۔

عالم الامر کا بیان: عالم خلق و عالم امر کا مالک و مختار ہونا (اور وہ بھی دنیا و آخرت دونوں عالموں میں) بیان فرما کر کس زور کے ساتھ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ یہی غیب اور ظاہر کا جاننے والا جو تمام کائنات کا خالق اور مدبر ہے۔ دارین میں نہ وہ کہ جن کو تم پوجتے ہو، چونکہ دنیا اور آخرت اور خلق اور امر کا ذکر آیا تھا، ان کے مناسب دو لفظ آئے۔ غیب تو آخرت کے لیے کیونکہ وہ اور وہاں کے سب امور ہماری نگاہوں سے غائب ہیں اور اسی طرح عالم امر کے لیے بھی کیونکہ وہ بھی محسوس نہیں اور شہادۃ دنیا اور خلق کے لحاظ سے اور اسی طرح العزیز الرحیم بھی دونوں کے لحاظ سے آیا بلکہ ہر ایک کے لحاظ سے کس لیے کہ خلق اور امر اور دنیا اور آخرت میں جس طرح عزیز یعنی غالب اور قادر ہونے کی ضرورت ہے اسی طرح رحیم ہونے کی بھی ہے، پھر عزیز و رحیم ہونے کا ثبوت دنیا میں عالم خلق کی ایک اعلیٰ اور عمدہ قسم کو بیان کرنے کے بیان سے کرتا ہے، یعنی حضرت انسان کی پیدائش سے۔ جس سے کلام ہو رہا ہے کہ اس کو کس طرح سے بنایا۔

الَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ کہ اس نے ہر شے کو عمدہ طور سے بنایا ہے، جس چیز کو بغور دیکھے گا تو وہ آپ ثابت کر دے گی کہ

میرے خالق کو اس امر میں وہ کمال ہے کہ جس کو کسی کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دی جا سکتی۔ اُونٹ کو ملاحظہ کیجئے، اگر اس کی گردن دراز نہ ہوتی تو محض بیکار ہو جاتے۔ ہاتھی کو سونڈ نہ ملتی تو بڑا اپاہج تھا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر درند پرند چرند کے ایک ایک عضو اور اُس کے بال اور کھال کو غور کرو گے تو ہر ایک منہ سے یہی بول اُٹھے گا۔

ففی کل شیء له شاهد یدل علیٰ انه واحد

یہ تو ایک تعمیم تھی، اس کے بعد ان میں سے حضرت انسان کی پیدائش کا حیرت انگیز حال بیان فرماتا ہے۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ کہ انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی یعنی اس نوع کا جد اول فرد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اُس کو کسی کے نطفہ سے نہیں بنایا، بلکہ اس کو خاک سے بنایا۔ گرچہ خاک کے ساتھ پانی وغیرہ اور بھی اجزاءِ عنصری تھے، مگر چونکہ یہ زیادہ تھا، اس لیے اسی کا لحاظ کیا گیا اور کل کو جزو غالب سے تعبیر کرنا محاورہ کی بات ہے۔ ہم اس مقام پر اس ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں کہ خاک سے کیونکر بنایا اور کہاں بنایا؟ لفظ بداء نے یہ بھی بتلا دیا کہ انواع قدیم نہیں جیسا کہ حکماءِ یونان کا خیال تھا، چنانچہ ان کا رد علم کلام کی بڑی کتابوں میں بڑے زور سے کر دیا گیا ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ پھر اس کی نسل جاری کرنے کا دستور بتلاتا ہے کہ ہم نے اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے جاری کیا، یعنی منی سے جو تمام انسانی اخلاط کا نچوڑ یا عطر ہوتا ہے اور باوجود اس کے بے قدر ہوتا ہے۔ انسان اس کو چھپاتا ہے۔ جلدیا کپڑے پر لگ جاتی ہے تو دھوڈالتا ہے۔ نسل کو اس لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ جس کی نسل ہوتی ہے اس سے نکلتی ہے، نسل الصوف نسولا سقط (قاموس) نسله ذریته سمیت بہ لانها تنسل منه ای تنفصل (بیضاوی) سلالة سل سے ہے، جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ سیف مسلول۔ سلالہ ای ما استخرج من منی آدم علیہ السلام مجمع بحار الانوار۔ منی کو سلالہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کے جسم میں سے کھنچتی ہے۔ مهين المهين الضعيف والحقیر والقلیل۔ (قاموس)

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اس کے ماں کے پیٹ میں اس کو ٹھیک کیا، سر کی جگہ اس گوشت کے لوتھڑے میں سے سر بنایا، کان کی جگہ کان، آنکھ کی جگہ آنکھ، ناک کی جگہ ناک ہڈی، پٹھے، بال، کھال ایک تناسب طبعی سے بنائیں اور ہر چیز کو اس اندازہ سے بنایا کہ علم تشریح کے واقف ہونے کے بعد عاقل کو اس بات کا اقرار ہی کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی بڑے مدبر حکیم کا فعل اور بڑے باکمال کی کاریگری ہے۔ فتبارک اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اور اس کو ٹھیک کر کے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونکی زندہ کر دیا۔ من روحه کے یہ معنی نہیں کہ اللہ نے اپنی روح یعنی اپنی جان کا کوئی ٹکڑا اس میں ڈال دیا، بلکہ یہ معنی وہ روح کہ جو اللہ کی عمدہ اور لطیف چیزوں میں کی ایک چیز ہے۔ وہ اس میں ڈال دی اور روح کو اپنی طرف اس کی خوبی و لطافت و شرافت کے لیے مضاف کر دیا، جیسا کہ بادشاہ اپنے خاص نوکر کو عزت دینے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا نوکر ہمارا غلام۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی و بینائی یعنی حواسِ ظاہرہ عطا کیے۔ وَالْاَفْئِدَةَ دل دیا، یعنی قوائے باطنیہ و مدرکات باطنیہ عطا کیے، مگر اس پر بھی قلیلا ما تشکرون تم بہت ہی کم خدا کا شکریہ ادا کرتے ہو ان باتوں کو اپنے گھر کی باتیں خیال کرتے ہو۔ روح پھونکنے سے پہلے تک تو غائب کے صیغوں سے تعبیر کیا۔ ثم سواہ فرمایا اور روح پھونکنے کے بعد جعل لکم خطاب کے صیغہ لایا، کیونکہ اب قابل خطاب کے ہو گیا۔

مشرکین مکہ ان چند توہمات باطلہ[1] میں مبتلا تھے۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری کہتے تھے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور چیزوں کو

[1] کفارِ مکہ دو غلطیوں میں مبتلا تھے چونکہ خدا کو مخلوق و محسوس اشیا پر قیاس کر کے خدا کے ساتھ اور چیزوں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اس کا رد آیات اولیٰ نہایت واضح طریق پر کر دیا دوسری غلطی یہ تھی کہ وہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا عذاب و ثواب پانا حق نہیں جانتے تھے قیامت کے قائل نہ تھے بلکہ ایسا خیال ہے کہ انسانوں کو اکتسابِ سعادت سے روکنا اور لذات و شہوات اور طرح طرح کی بدکاری میں مبتلا کر دیتا ہے اس کا رد ان آیات میں کیا گیا۔

بھی شریک کرتے تھے، ان دونوں باتوں کا یہاں تک جواب شافی دے دیا گیا۔ (۳) حشر ممکن نہیں، اس کا جواب ان کے شبہ کو نقل کر کے دیتا ہے۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ کہ وہ کہتے ہیں، کیا ہم جب مر کر زمین میں گم ہو جاویں گے، یعنی بدن کے اجزاء متفرق ہو کر نیست و نابود ہو جاویں گے تو پھر کیا زندہ ہو جاویں گے؟ جواب سے پہلے فرماتا ہے۔ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ کہ ان کا زمین میں ملنے کے بعد زندہ ہونے ہی پر تعجب نہیں بلکہ وہ دراصل اپنے رب کے پاس جانے کے منکر ہیں، اب جواب دیتا ہے۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ کہ ان سے کہہ دے ایک روز وہ فرشتہ جو تمہاری جان قبض کرنے پر معین کیا گیا ہے۔ تمہاری جان قبض کرے گا۔ مرنے پر تو تمہارا بھی یقین ہے، اب رہا بار دگر زندہ ہونا، سو جس نے نیست سے ہست کر دیا کیا وہ بار دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ کر سکتا ہے اور کرے گا۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور آپ کبھی دیکھیں جبکہ گناہ گار اپنے رب کے آگے سر جھکائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ اے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا میں پھر بھیج کہ اچھے کام کریں، ہم کو یقین آگیا اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت پر لے آتے لیکن ہماری بات پوری ہو کر رہی کہ ہم جنوں اور آدمیوں سب سے جہنم بھر کر رہیں گے، پس (مزہ) چکھو اس لیے کہ تم آج کے دن پیش آنے کو بھول بیٹھے تھے۔ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا (ثواب) اور عذاب دائمی چکھو، اپنے کیے کے بدلہ میں۔ ہماری

* ہے کہ تمہاری جانوں کو ملک الموت قبض کر کے خدا کے پاس لے جاتا ہے مرنے سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کے زمانہ میں بھی انسان نیک و بد اعمال کا بدلہ پاتا ہے جس کو عذاب و ثواب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر قیامت کا حال اگلی آیات میں بیان فرماتا ہے۔ اذا المجرمون ناکسوا رءوسہم کہ مجرم خدا کے سامنے سرنگوں کھڑے ہوں گے اور بار دگر دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے یہ بات عالم برزخ کو عذاب پر بھی صادق آتی ہے پس یہ خیال غلط ہے کہ روح نیست ہو جاتا ہے یا کسی اور جسم میں جاتا ہے۔ حقانی

[2] فرشتہ اللہ کی طرف سے موکل ہے اس کا قبض کرنا اللہ ہی کا قبض کرنا ہے دونوں باتوں میں تعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

آیتوں پر تو وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان سے سمجھایا جاتا ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی ستائش کرتے ہیں، اس کی خوبیاں بیان کرتے اور وہ تکبر نہیں کرتے، (شب کو) اپنے بستروں سے اُٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیتے بھی ہیں۔ پھر کوئی شخص کچھ نہیں جانتا کہ ان کے لیے ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے، ان کے عمل کے بدلے میں۔

ترکیب : ولو ترى حو من رؤية العين والمفعول محذوف اى ولو ترى المجرمين۔ واغنى عن ذكره المبتدا۔ واذ هنا يراد بها المستقبل واتقدير يقولون ربنا وموضع المحذوف حال والعامل فيها ناكسوا۔ فذوقوا بما اى فذوقوا العذاب ويجوز ان يكون مفعول فذوقوا اللقاء على مذهب الكوفيين فى اعمال الاول۔ ويجوز ان يكون هذا۔ تتجافى موضع الحال وجواب لو محذوف اى لرأيت امر افظيعا ويكن ان يكون للتمنى خوفا وطمعا مفعول له والعامل يدعون۔ ما بمعنى الذى ويجوز ان يكون للاستفهام۔

تفسیر : ولو ترى یہاں سے وہ حال بیان کرتا ہے جو خدا کے پاس رجوع ہونے کے بعد یعنی اس کے پاس جانے کے بعد ظہور میں آئے گا کہ اے محمد (ﷺ) یا اے ہر شخص مخاطب! اگر تو ان کافروں کو اس وقت دیکھے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے شرمندگی اور خوف سے جھکائے کھڑے ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اے رب! اب ہم نے آنکھ سے حشر کا معاملہ دیکھ لیا اور تجھ سے رسولوں کا برحق ہونا سن لیا یا یہ کہ وہ وہاں جا کر اپنے جرم کا اقرار کریں گے کہ ہم نے رسولوں اور ان کے معجزات کو دنیا میں دیکھ لیا تھا اور ان کے کلام کو سن لیا تھا۔ جیسا کہ آیا ہے قد جاء نا نذیر اب ہم کو بار دگر دنیا میں بھیج کہ وہاں جا کر اپنے کام کریں۔ اب ہم کو یقین آ گیا، مگر اب کیا ہوتا ہے، کیونکہ ولو شئنا لاتینا الخ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کرتے۔ ایماندار نیک کردار کر دیتے، مگر ان میں صلاحیت نہ تھی، ان کو رسولوں نے بہت کچھ سمجھایا پر نہ مانا، کس لیے کہ اللہ کا نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم میں جاویں گے۔ مطلب یہ کہ اگر بار دگر بھی دنیا میں جاویں تو بھی راہ پر نہ آویں۔ پس حکم ہوگا کہ آج کے دن فراموش کرنے کا مزہ چکھو، اب ہم نے تم کو بھلا دیا، یعنی ہمارے دل میں تمہاری جگہ باقی نہیں رہی۔ یہ محاورہ کی بات ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو بھول جاوے گا، کس لیے کہ وہ سہو ونسیان سے پاک ہے وَذُوقُوا اب عذاب دائمی کا مزہ چکھو اپنے اعمال بد کے سبب۔ تم دائم ان میں گرفتار تھے، اس لیے عذاب دائمی میں گرفتار ہوئے۔ انما یومن الخ یہاں سے یہ بات جتلاتا ہے کہ یہ بدنصیب کیا ایمان لاویں گے۔ ایمان لانا آیات الٰہی پر تو ازلی نیک بختوں کا کام ہے، پھر ان کے علامات اور عاداتِ حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ (۱) کہ جب ان کو آیات الٰہی سنا کر سمجھایا جاتا ہے تو خوف الٰہی کے مارے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ سُبۡحَانَ اللّٰهِ بِحَمۡدِهٖ کہتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے، نہ تو دنیا میں کسی سے تکبر پیش آتے ہیں نہ اللہ کے رسولوں اور اس کے احکام سے تکبر کرکے سرتابی کرتے ہیں، یعنی ان میں کمال صلاحیت ہے۔ اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا لازم ہے۔

(۲) نمازِ تہجد : تتجافى جُنُوبُهُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ اى ترتفع وتتنحى عن الفرش وموضع النوم (بیضاوی) کہ وہ رات کو اپنے بستروں اور خواب گاہوں سے اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، اس میں خوف اور امید کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں، دعا کرتے ہیں، مناجات میں مشغول ہوتے ہیں۔

احادیثِ صحیحہ میں نمازِ تہجد کی تاکید اور فضائل بہت کچھ وارد ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ اور صالحین اُمت کا قدیم دستور ہے کہ وہ نصف شب کے بعد اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ بارہ رکعت میں دو دو کی نیت سے حضرت پر یہ نماز فرض تھی، تمام اُمت کے لیے مسنون ہے۔ ابی امامہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ رات کا اُٹھنا لازم کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کی عادت ہے، اس سے تمہارے رب کی نزدیکی پیدا ہوتی ہے۔ یہ گناہوں کو مٹاتا ہے، گناہوں سے روکتا ہے۔ رواہ الترمذی اور فرمایا کہ یہ بڑا قبولیت کا وقت ہے۔ (۳) ومما رزقناهم ينفقون کہ اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں، یعنی خیرات بھی کرتے ہیں۔ پھر ان کے اجر کی بابت فرماتا ہے۔ فلا تعلم نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ

مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ الخ کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی فرحت وسرور کی چیزیں جو کچھ ہم نے چھپا رکھی ہیں، ان کی پوری تعداد اور کیفیت کوئی نہیں جانتا ہے، یعنی وہ بے حساب چیزیں ہیں اور یہ ٹھیک ہے، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم جنت اور اس کی کسی نعمت سے واقف نہیں۔ خصوصاً وہ کہ جن کو قرآن اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا۔ جس نے یہ مطلب سمجھ کر نعماءِ جنت اور حور وقصور کا انکار کیا بڑی غلطی کی ہے۔

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ ۝۱۸ اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى ۙ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۹ وَاَمَّا
الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا
وَقِيۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۝۲۰ وَلَـنُذِيۡقَنَّهُمۡ
مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰى دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝۲۱ وَمَنۡ
اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ
مُنۡتَقِمُوۡنَ ۝۲۲ ع

کیا مومن اس کے برابر ہو جائے گا جو بدکاری کر رہا ہو۔ وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ لیکن وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو ان کے ان کاموں کے سبب جو کیا کرتے تھے مہمانی میں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں اور جنہوں نے بدکاریاں کیں سو ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ جب چاہیں گے کہ وہاں سے نکلیں تو اس میں پھر ڈال دیے جاویں گے اور ان کو کہا جاوے گا آگ کا وہ عذاب چکھو کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور البتہ (دنیا میں بھی) ہم ان کو تھوڑا سا عذاب چکھا دیں گے بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ رجوع کریں اور بھلا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جس کو اس کے رب کی آیتوں سے سمجھایا جاوے، پھر وہ ان سے منہ موڑے ہم تو گنہگاروں سے ضرور بدلہ لینا ہے۔

ترکیب : افمن الاستفهام للانكار اى ليس المومن كالكافر۔ لايستون تاكيد لما تضمنه الاستفهام والجمع لرعاية معنى من وهو مفرد لفظا جمع معنى۔ اما الذين الخ هذا التفصيل تقرير لايستون جنت الماوى اى التى فيها المساكن والدور والغرف العالية (ابن كثير) الماوى ما ياوى اليه وقيل الماوى اسم للجنة۔

تفسیر : مومنوں کے درجاتِ آخرت سن کر ایک خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اللہ کے مومن وکافر نیک وبد سب بندے برابر ہیں۔ اس کو نہ نیک سے فائدہ نہ بد سے نقصان پھر نیکوں کے لیے یہ کچھ درجات بدوں کے واسطے یہ مصائب اس کے عدل وانصاف کے خلاف ہے اور کچھ عجب نہیں کہ کفار بھی اپنی بت پرستی اور دیگر کوششوں پر اپنے تئیں ان نعمتوں کے مستحق سمجھتے ہوں، اس کا جواب اس آیت میں دیتا ہے۔ اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسۡتَوٗنَ کہ بھلا مومن اور فاسق دونوں برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر اس کی اور بھی توضیح کرتا ہے۔ اما الذين اٰمنوا الخ کہ وہ جو ایمان لائے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں۔ نیک کاموں کی شرح پہلی آیتوں

میں آچکی ہے۔ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی کہ ان کا مقام جنت میں ہے۔ وہی ان کا اصلی مقام ہے، دُنیا ایک کوچ کر جانے کی منزل ہے۔ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ مقام قدس اُن کی مہمانی میں دیا جاوے گا، ان کے ان کاموں کے بدلہ میں جو وہ دُنیا میں کیا کرتے تھے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اور وہ جو فاسق ہو گئے یعنی خدا کے حکم سے نافرمان ہو گئے۔ یہ عام ہے کفر و معصیت دونوں فسق ہیں۔ فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ ان کا گھر ہے۔ یہ دُنیا کے عمدہ محل اور نفیس باغ تو چند روز کے لیے ہیں۔ دُنیا میں شہوت کی آگ میں جلا تھے، وہی آتشِ شہوت نارِ جہنم ہیں بن جائے گی۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا جب وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر وہیں دھکے دے کر پہنچا دیے جائیں گی، یعنی نکلنے نہ پاویں گے کس لیے کہ وہ دنیا میں اس آگ سے نہ نکلے تھے۔ وَقِيْلَ لَهُمْ الخ اور ان سے کہہ دیا جاوے گا کہ آج اس آتش کے عذاب کا مزہ چکھو کہ جس کو تم دُنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ جب کوئی کہتا تھا کہ اس فعل بد کی سزا جہنم ہے تو کہہ دیتے تھے، یہ جنت اور جہنم سب فرضی باتیں ہیں۔ بے وقوفوں کے ڈرانے کے لیے اس پر وہ اپنی دولت و حشمت کے گھمنڈ پر قہقہے لگایا کرتے تھے، چنانچہ کسی بدکردار شاعر نے اس پر بہت کچھ مضحکہ کیا ہے اور آج کل عیاش ملحد منش اپنی محفلوں میں بہت کچھ قہقہے اڑایا کرتے ہیں، وہاں ان کو کہا جاوے گا۔ یہ وہ آگ ہے کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى الخ اب یہ بات ارشاد فرماتا ہے کہ اس خیال میں نہ رہنا کہ آخرت ہی میں عذاب آوے گا۔ دُنیا میں تو مزے سے گزرتی ہے بلکہ آخرت کے عذاب سے پہلے دُنیا میں بھی ہم ان کو عذاب دیں گے، گو یاوہ کتنا ہی بڑا ہو مگر عذاب آخرت کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے، چنانچہ اس پیشین گوئی کے موافق اہلِ مکہ پر عذاب ادنیٰ آیا سات برس تک وہ قحط[1] پڑا کہ مردار اور کتوں کے کھانے کی نوبت آگئی۔ اگرچہ آیت میں روئے سخن اہلِ مکہ کی طرف ہے، مگر سب فاسقوں کی طرف اشارہ ہے۔

کتبِ تواریخ شاہد ہیں کہ دُنیا میں جس قوم نے بدکاری شہوت پرستی اختیار کی وہ دُنیا ہی میں برباد اور تباہ کیے گئے۔ سلطنتیں چھین لی گئیں، لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ ان کی جورو اور بیٹیوں کو بے حرمت کیا گیا۔ یہ عذاب ان کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ کہ کاش وہ خدا کی طرف رجوع کریں توبہ کر کے صلاحیت اختیار کریں، مگر افسوس کہ جو اس کے بعد بھی رجوع نہیں کرتے۔ جان لو کہ وہ خدا کی بارگاہ سے راندے ہوئے ہیں، ان کو کبھی خوش وقتی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اہلِ اسلام کے امراء کو عبرت کرنا چاہیے۔ ومن اظلم الخ میں یہی بات بتلاتا ہے کہ اس سے زیادہ کون بدبخت ظالم ہے کہ جس کو اللہ کی آیتوں سے سمجھایا جاتا ہے، پھر وہ اُس سے اعراض کرتا ہو، پھر ہم ایسے مجرموں سے کیوں نہ انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ
هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا
صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

[1] نسائی نے عذاب الادنیٰ کی تفسیر میں بھی روایت کی ہے اور ابن عباس کہتے ہیں اس سے مصائب دنیا مراد ہیں ابن کثیر ۱۲ منہ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ
مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور بے شک موسیٰ کو بھی ہم نے کتاب دی تھی، پھر تو اس کے ملنے میں شبہ نہ کریں اور ہم نے ہی اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما بنایا تھا اور ہم نے اُن میں سے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا تھا۔ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا کہ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، کیا ان کو اس سے بھی رہنمائی نہ ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنے قرن غارت کر دیے کہ لوگ جن کے گھروں میں (چلتے) پھرتے ہیں، البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ پھر کیا وہ سنتے بھی نہیں، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف رواں کر کے اس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ جس کو ان کے چارپائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، پھر کیا وہ دیکھتے بھی نہیں اور کافر کہتے ہیں کب ہے یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو، کہہ دو فیصلہ کے دن تو کافروں کو ایمان لانا کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ پس ان سے کنارہ کرو اور انتظار کرتے رہو۔ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

ترکیب : من لقائه یجوز ان یرجع الضمیر فی لقاء الی اللہ ای من لقاء موسیٰ اللہ فالمصدر مضاف الی المفعول۔ وان یرجع الی موسیٰ ای من موسیٰ الکتاب او الشدة والانکار من قومہ فیکون المصدر مضافا الی الفاعل۔ وقیل یرجع الی الکتاب ای فلا تکن فی شک من لقاء الکتاب من اللہ فان کا قال وانک لتلقی القرآن وقیل من لقاءک موسیٰ۔ کما وقع فی لیلۃ المعراج او فی القیامۃ لما بالتشدید ظرف والعامل یھدون او جعلنا۔ وبالتخفیف مصدریۃ۔

تفسیر : وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ الخ یہاں سے پھر مسئلہ رسالت کا ثبوت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، پھر اے محمد (ﷺ) آپ کتاب کے ملنے میں شبہ نہ کریں کیونکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں گمراہی بڑھ گئی تھی، بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے توریت نازل کی گئی، اسی طرح آپ کے عہد میں تمام عالم گمراہ ہو گیا تھا، ان کی ہدایت کے لیے تم کو بھی ضرور ہم کو کتاب دینا ضرور ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا۔ کتاب یعنی قرآن پا چکے تھے، بلکہ یہ اور لوگوں کے لیے فرمایا کہ تم اس میں شبہ نہ کرو بعض مفسرین کہتے ہیں۔ جیسا کہ مجاہد وکلبی وسدی کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد (ﷺ) ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے، چنانچہ شبِ معراج میں آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے بیت المقدس یا آسمان میں ملاقات کی۔ جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج میں ملاقات کی ہے، وہ بلند قامت گھنگر والے بالوں والے تھے۔ جیسا کہ شنوۃ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی طرح بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو سرخ ڈھیر کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، بعض کہتے ہیں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے تکلیف پائی، آپ بھی پائیں گے۔ اس میں شک نہ کرنا چاہیے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی ہم نے یہ سلسلہ جاری رکھا کہ انہی سے پیشوا لوگوں کی ہدایت کے لیے قائم کیے، وہ برداشت کر کے ہدایت کیے جاتے تھے، پھر محمد (ﷺ) کا رسول بنانا اور اُس پر قرآن نازل کرنا کون سی نئی بات

ہوگئی، جس پر کفار اس قدر تعجب و انکار کرتے ہیں؟ ان ربک مگر موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے آنے پر بھی لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور ان کی کتاب میں تحریف شروع ہوئی جس کا فیصلہ ہم کردیں گے کہ کون حق پر تھا؟ کون ناحق پر؟ اس جملہ میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کی ضرورت کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کے طریقہ میں اختلاف پڑ جانے کے سبب آنحضرت ﷺ کو اصلاح کے لیے نبی کر کے بھیجا گیا۔

اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ یہاں سے اپنی قدرت کاملہ اور دُنیا کے بے ثبات ہونے پر دو دلیلیں پیش کر کے یوم الفتح کے آنے کا وعدہ دے کر حضرت کو اس دن کے انتظار کا متوقع کر کے سورہ[1] کو تمام کرتا ہے۔ اول تو یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے سے پہلوں کے مکانات شکستہ پر سے گزرتے ہیں جو عبرت کا نمونہ ہیں، پھر کیا اس سے ان کو ہدایت نہیں ہوتی۔ غور نہیں کرتے کہ ان کے بنانے والے کون تھے، کہاں گئے، ان کے دل میں کیا کیا امیدیں ہوں گی؟ اسی طرح ایک دن تمہارے لیے ہے۔ دوسری دلیل اَوَلَمْ یَرَوْا کہ خشک زمین کو نہیں دیکھتے کہ اس کو ہم پانی سے کس طرح شاداب کرتے ہیں۔ ان کی اور ان کے چارپایوں کی روزی پیدا کرتے ہیں۔ اناج گھاس پھر کیا ہم بار دگر پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ پہلی دلیل میں افنا، دوسری میں ایجاد کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی دلیل کے بعد اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ فرمایا تھا۔ کس لیے کہ گزشتہ لوگوں کا حال سننے سے علاقہ رکھتا ہے، دوسری کے اخیر میں اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ کس لیے کہ زمین کا خشک ہونے کے بعد شاداب دیکھنا بصارت سے متعلق ہے۔ اہل اسلام ان کے انکار پر آیندہ بلاؤں کا آنا ایک دن پر محول کرتے تھے، جس پر کفار نے پوچھا مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ کہ وہ فیصلہ کا دن کب ہے، اس سے مراد قیامت[2] کا دن ہے (مجاہد) قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ جواب دیتا ہے کہ اس کی تعیین دریافت کرنے سے تم کو فائدہ۔ اگر یہ غرض ہے کہ اس دن ایمان لے آویں گے تو اُس دن ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا نہ ان کو مہلت ملے گی، پس اے نبی! ان سے کنارہ کرو بحث نہ کرو اور منتظر رہو وہ بھی منتظر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ﴿۱﴾

وَّ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾

وَّ تَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۳﴾

اے نبی اللہ سے ڈرا کرو اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا البتہ اللہ جو ہے سو خبردار حکیم ہے اور جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے اسی پر چلا کرو، البتہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کیا کرتے ہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کارسازی کے لیے بس ہے۔

ترکیب : من ربک متعلق بیوحی و کیلا تمیز للکفی باللہ فاعلہ والباء زائدۃ۔

1. بخاری نے کتاب الجمعہ میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ ھل اتی پڑھا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں بھی یہی آیا ہے۔ احمد دارمی و ترمذی و نسائی و حاکم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ بغیر سورہ سجدہ اور سورہ تبارک الذی کے پڑھے نہ سویا کرتے تھے ان کے فضائل میں اور بھی احادیث ہیں۔ ۱۲ منہ

2. فراء و قتبی کہتے ہیں فتح مکہ سدی کہتے ہیں بدر کا دن۔ ۱۲ منہ

تفسیر : احزاب حزب کی جمع جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں، اس سورہ میں ان جماعتوں کا بھی تذکرہ ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ پر چڑھ کر آئی تھیں اور چاروں طرف سے مدینہ طیبہ کو گھیر لیا تھا، جس کی مدافعت کے لیے حضرت ﷺ نے شہر کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا تھا، اس واقعہ کو غزوۂ خندق کہتے ہیں جو شوال کے مہینے میں اُحد کی لڑائی کے ایک برس بعد ہجرت کے پانچویں سال میں واقع ہوا تھا، اس لیے اس سورہ کا نام سورۂ احزاب ہوگیا۔

یہ سورہ بقول ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض روایتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ اس سورہ میں سے بعض آیات آنحضرت ﷺ کے عہد میں منسوخ التلاوۃ ہوگئی ہیں۔ گو اس سے بھی قرآن مجید پر تحریف کا الزام قائم نہیں ہوسکتا، کس لیے کہ تحریف جب ہوتی ہے کہ جب آپ کے بعد قرآن میں کمی کی جاتی ...... یا آپ کے بغیر اجازت اور جبکہ مُنزلِ قرآن ہی نے کسی قدر اجزاء کو کسی حکمت سے کم کردیا تو پھر کسی کو کیا مجال گفتگو ہے، اس بحث کو ہم تعریف القرآن جواب تحریف القرآن میں خوب بیان کرچکے ہیں، مگر ابو مسلم وغیرہ محققین اس کے سرے سے قائل ہی نہیں، وہ ان آیاتِ منسوخ التلاوۃ کو قرآنی آیات نہیں کہتے بلکہ وہ جملہ بطور تفسیر کے آنحضرت ﷺ نے پڑھے تھے، جس کو لوگوں نے آیت سمجھ کر اپنے مصاحف میں لکھ لیا، مگر جب قرآن اصلی حالت پر لکھوایا گیا عرضۂ اخیرہ کے مطابق اس میں درج نہ ہونے دیا۔

سورہ سجدہ کے اخیر میں آنحضرت ﷺ کو انتظار کا حکم دیا گیا تھا اور نصرت کا وعدہ بھی تھا، ایسی حالت میں کچھ عجب نہیں کہ کفار و منافقین نے آنحضرت ﷺ کو اپنی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا ہو کہ آپ فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ کے دین میں آجاتے ہیں، ورنہ ہم آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو ستائیں گے۔ گو آپ سے یہ بات متوقع نہ تھی مگر ایسی خطرناک حالتوں میں طبیعت انسانی کا مائل ہوجانا کچھ بعید نہیں، اس لیے بنظر احتیاط آنحضرت ﷺ کو اول ہی آگاہ کردیا۔ فقال یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی! اس میں آنحضرت ﷺ کی کمال عزت ہے کہ قرآن مجید میں کسی جگہ آپ کا اسم مبارک لے کر نہیں پکارا گیا، بلکہ بلقب نبی یا رسول یا مزمل یا مدثر یاد فرمایا گیا اتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈرا کرو اور کسی سے نہ ڈرو۔ اگرچہ آپ اللہ ہی سے ڈرتے تھے مگر یا اس پر دوام کے لیے یا ازدیاد کے لیے یہ حکم دیا کہ تقویٰ کا بے نہایت میدان ہے۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا۔ واحدی کہتے ہیں کافروں میں سے ابوسفیان و عکرمہ و ابو الاعور اور منافقوں میں سے عبداللہ بن ابی و عبداللہ بن ابی سرح آپ سے طرح طرح کی باتیں دھمکی دے کر کہا کرتے تھے کہ ایسا کر۔ ان کا کہنا نہ ماننا کہ وہ یہ باتیں کہتے ہیں جس کو مصلحت الٰہی نہیں چاہتی تھی، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا البتہ اللہ عالم ہے۔ ہر بات کی ابتداء و انتہا شروع و انجام جانتا ہے، اس نے جو کچھ حکم دیا ہے اس میں سراسر حکمت ہے۔ پس وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اللہ نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی ہے اسی پر چلو اور نہایت استحکام اور صدق دل سے وحی کا اتباع کرو، کس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا جو کام کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے، اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔ ان سرکشوں کی دھمکیوں سے نہ ڈرو وَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ اللہ پر بھروسہ رکھو، وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا وہ کافی ہے، سب کار وہی کردے گا، کوئی دشمن تم پر غلبہ نہ پاوے گا۔

حاصل کلام جب قومیں ورطۂ ضلالت میں غرق ہوں اور جہالت کی تاریک اندھیریوں میں بند ہوں، اس وقت خدا کے ہادی کو جو قوانین و احکام سیاسیہ کا سرچشمہ اس کا الہام ہو بڑا مستقل رہنا چاہیے، لوگوں کی بے ہودہ خواہشوں کی تعمیل اور خلاف ایذاء و تکلیف کی کچھ بھی پروا نہ کرنا چاہیے۔ قرآن نے لوگوں کو ہمیشہ[1] کے لیے کیا عمدہ قانون بتلا دیا ہے۔

1. یعنی کلام عام بھی اور خطاب بھی ہے۔ لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ
الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ
ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④
اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى ع
بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى
اَوْلِيٰٓـئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥

اور اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور نہ اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو کہ جن سے تم ظہار کر بیٹھتے ہو تمہاری ماں بنایا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اپنا بیٹا بنایا ہے۔ یہ تمہارے منہ کی بات ہے اور اللہ سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ بتاتا ہے۔ ان کو ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے۔ اگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں اور بھول چوک میں تم پر کچھ گناہ بھی نہیں ہاں دل سے قصد کر کے کہنے میں (گناہ ہے) اور اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ نبی ایمانداروں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ اقرب ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور اہل قرابت آپس میں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں، ایمانداروں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ تم اپنے رفیقوں سے (کچھ) احسان کرو۔ یہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔

تفسیر...... کسی کے دو دل نہیں : پہلے فرمایا تھا کہ خلوص کے ساتھ وحی کا اتباع کرو، اب ماجعل اللہ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ مقتضائے خلوص یہی ہے کہ ایک طرف کا ہو جائے، دو دلی اچھی نہیں۔ اس دو دلی کو اس جملہ میں رد کیا۔ دو دلی یا دورنگی کے باطل کرنے کے لیے یہ جملہ ضرب المثل ہے۔ محاورۂ عرب میں اس محل پر یہی جملہ بولا کرتے ہیں کہ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے ہیں، دل ایک ہی ہوتا ہے، اب اس میں محبت و اطاعت بھر لو یا بغض و عناد۔ فرمائی۔ یہ نفاق کی قطع و برید کے لیے بڑا پر اثر جملہ ہے، عرب کے شاطر و فہیم تھا فریبہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہمارے دو دل ہیں اور اسی لیے ابی عرب جمیل بن معمر کا یہ لقب ہو گیا تھا، اسی چالاکی پر مدینہ کے منافق دو طرفہ باتیں کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اسی پر متفرع کر کے دو باتیں اور ارشاد فرماتا ہے جو احکامِ آیندہ کے لیے تمہید ہیں اور جن سے مخالفوں کے طعن اٹھانے منظور ہیں۔ اول وَ مَاجَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الخ کہ تم جن بیویوں کو غصہ میں ماں کہہ بیٹھتے ہو، وہ تمہاری مائیں نہیں بن جاتیں۔ جاہلیت میں عرب

دستور تھا کہ وہ خفا ہو کر بیوی کو کہہ دیتے تھے۔ انت کظہر امی تو مجھ پر اس طرح حرام ہے کہ جیسی میری ماں کی ظہر یعنی پشت مجھ پر حرام ہے۔ پشت کے نام سے کنایہ سترِ خاص کی طرف ہوتا تھا، مگر شرم و تہذیب کے سبب سترِ خاص کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ یہ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھی۔ اسلام میں ایسی تشبیہات کو ظہار کہتے ہیں، اس کا حکم مفصل سورۂ مجادلہ میں آوے گا۔

اسلام میں متبنّٰی کوئی چیز نہیں : دوسری بات وَمَاجَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ کہ جن کو تم خوشی میں بیٹا کہہ لیتے ہو وہ درحقیقت تمہارے بیٹے نہیں بن جاتے، جس طرح وہ غصہ کی بات بیوی کو ماں نہیں کر دیتی اسی طرح خوشی کی بات کہ کسی کو بیٹا کہہ لو یا بیٹا بنا لو غیر کو بیٹا نہیں بنا دیتی۔ جاہلیت میں دستور تھا کہ کوئی کسی کو بیٹا بنا لیتا تھا، یعنی متبنّٰی کر لیتا تھا جس طرح کہ ہنود گود لے لیتے ہیں، پھر وہ شخص اصلی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور اسی کی میراث بھی پاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی وحی سے پہلے زید بن حارثہ کلبی کو بیٹا کر لیا تھا، لوگ اس کو زید بن محمد کہا کرتے تھے، چنانچہ بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ ہم زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن میں آ گیا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ الخ۔ تب آنحضرت ﷺ نے خود کہہ دیا کہ تو زید بن حارثہ بن شراحیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس الحاق اور اس نسبت جاہلیت کو بھی رد کر دیا، اب اسلام میں متبنّٰی بنانا کوئی چیز نہیں رہا۔ فقال ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ یہ صرف تمہاری منہ کی باتیں ہیں۔ عند اللہ ان کی کچھ بھی اصل نہیں نہ کسی کے لیے دو دل ہیں، نہ کوئی بیوی کسی کی ماں ہے، نہ کوئی غیر کا بیٹا بیٹا ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ سچی بات اللہ کہتا ہے اور وہی سیدھا رستہ بتاتا ہے نہ وہ کہ جو تم کہتے ہو۔

تیسری بات کی بابت سیدھا رستہ بتانے کے لیے یہ حکم دیتا ہے۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ الخ کہ ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہتر اور انصاف کی بات ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو بھائی یا مولیٰ فلاں کہہ کے پکارا کرو۔ قال الزجاج موالیکم ای اولیاء وکم فی الدین اور بعض کہتے ہیں اگر آزاد ہے اور اس کے باپ کا نام معلوم نہیں تو بھائی کہہ کے پکارو اور اگر غلام ہو تو مولیٰ فلاں اس کے آقا کے نام سے پکارو۔ موالی مولیٰ کی جمع ہے جو ولاء سے مشتق ہے جس کے معنی قرابت اور نزدیکی کے ہیں۔ قرابت نسبی کے علاوہ اسلام میں قرابت سببی بھی معتبر ہے، پھر اس کی دو قسم ہیں۔ ایک موالاۃ و مواخاۃ کہ باہم دو شخصوں کا ایسا عقد دوستی مستحکم ہو جاوے کہ ایک دوسرے کے نیک و بد میں شریک ہونا لازمی سمجھے۔ ابتداءً اسلام میں اس سے وراثت بھی دلائی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ مدینہ میں اسی طرح سے ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیتے تھے جو ایک دوسرے کے رنج و راحت کا شریک ہوتا تھا۔ خصوصاً پردیسیوں کے لیے اس سے بڑا فائدہ تھا، اب بھی گو توریث نہ ہو، مگر اس قسم کی موالاۃ بڑی عمدہ بات ہے اور اسی طرح قبائلِ عرب میں موالاۃ ہوا کرتی تھی۔ خصوصاً پردیس اور غیر برادری کے لوگ کسی قبیلہ کے ساتھ ایسی برادری قائم کر کے بڑی عافیت سے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ وہ شخص انہی کی طرف منسوب ہوا کرتا تھا، کہتے تھے مولیٰ فلاں، دوسری ولاءِ عتاقت کہ جو کوئی کسی کو آزاد کرتا تھا تو آزاد کردہ اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ اس کو بھی مولیٰ فلاں کہتے تھے، اسی طرح جو کوئی کسی کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا وہ بھی اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا، اس کو بھی مولیٰ فلاں کہتے تھے۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ عجمی لوگوں کے بزرگ جب اسلام لائے اپنے مرشدوں کے مولا کہلائے، جس کو بعض نے غلطی سے غلام ہونا سمجھ لیا۔ حاصل کلام یہ کہ جس قسم کی موالاۃ پائی جائے تو جس کے حق میں وہ موالاۃ ثابت ہو اس کی طرف منسوب کر دو یہ بات عرب میں تحقیر کا سبب نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس قسم کا انتساب باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ ہاں اس اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام دور دراز ملکوں میں پھیل گیا اور بزرگوں کی طرف موالاۃ کا جو انتساب چلا آتا تھا، وہ نسب کی طرف رجوع کر گیا۔ پچھلوں نے اپنے آپ کو انہی کی اولاد مشہور کر دیا۔ ہزاروں سید سینکڑوں صدیقی، سینکڑوں فاروقی ہزاروں عثمانی، ہندوستان میں اسی قسم کے ملیں گے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی غیر باپ کو باپ جان کر بناوے تو کافر ہے اور اسی وجہ سے طعن فی الانساب کا دستور آج ہندوستان میں ہو گیا اور نئی قوم میں جو

اسلام میں داخل ہوتی ہیں خواہ دور جاہلیت میں شریف ہی کیوں نہ ہوں، ان کو یہ نالائق طعن کرنے لگے جو اسلام کے لیے ایک بدنما دھبہ بن گیا، فرماتا ہے۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اگر غلطی[1] سے تمہارے منہ سے نکل جاوے اور غیر کی طرف اس کو منسوب کر دیا جاوے تو تم پر کچھ گناہ نہیں، ہاں عمداً کرو گے تو گنہگار ہو گے وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

چونکہ اخوت فی الدین اور ولایت کا ذکر تھا اور ضمناً زید بن حارثہ کا بیٹا ہونا بھی باطل کر دیا گیا تھا جس سے وہم گزرتا تھا کہ نبی کو اب کسی امتی سے کوئی تعلق نہیں رہا، اس لیے اس آیت اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں نبی ﷺ کا رشتہ بتلا کر اس وہم کو دفع کر دیا گیا کہ نبی کا رشتہ قرابت مسلمانوں کے لیے ان کی ذات سے بھی زیادہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ہر ایک مومن کے لیے میں سب سے زیادہ ولی ہوں، دُنیا اور آخرت میں اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ دیکھو، اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى الآیۃ جو کوئی مسلمان مال چھوڑ کر مرے تو اس کو اس کے قرابت دار لیویں جو کوئی ہوں، اگر قرض چھوڑے یا عیال چھوڑے تو میرے پاس قرض خواہ آوے کہ میں اس کا متولی اور کارکن اور متکفل ہوں اور اسی طرح اس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب استقراض میں روایت کیا ہے اور اسی کے معنی میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ ابو مسعود کی قرأت میں اس کے بعد وھو اب لھم بھی آیا ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کا باپ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ ہر نبی اُمت کا باپ ہے اور اسی لیے سب اہل ایمان بھائی ہیں، ایک روحانی باپ کے بیٹے آگے جو آئے گا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الآیۃ کہ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں تو وہ اس کے مخالف نہیں ہے، کس لیے کہ یہاں باپ ہونے سے اور اسی طرح حضرت کی بیویوں کے ماں ہونے سے روحانی ماں باپ ہونا مراد ہے اور اس آیت میں جو باپ ہونے کا انکار ہے تو جسمانی باپ ہونے کا انکار ہے، جس کو عرف میں باپ کہتے ہیں۔

اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ نبی روحانی باپ ہے۔ عرفی باپ کے سبب دنیا کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور اس باپ کے طفیل کہ جس پر سینکڑوں ماں باپ کو قربان کر دیا جاوے حیات ابدی نصیب ہوتی ہے۔ پس عرفی باپ کا جس قدر ادب اور اس کی اطاعت فرض ہے اس سے لاکھ درجے بڑھ کر اس روحانی باپ کی اطاعت و محبت فرض ہے اور ہر طرح سے ادب واجب ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ الخ کہ تیرے رب کی قسم وہ ایماندار نہ ہوں گے، جب تک کہ دل سے تیرے فیصلہ کو تسلیم نہ کریں گے۔ صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بخدا تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے جان اور مال اور اولاد سب لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور روحانی باپ کی جب تک اس قدر محبت نہ ہوگی، کبھی سعادت نصیب نہ ہوگی، اس محبت سے مومن اس کے مقابلہ میں ماں باپ امیر غریب کسی کی پروا نہیں کرتا۔ نفسی فداک یا محمد (ﷺ) باوجود اس نص قطعی جاننے کے آنحضرت فداہ ابی وامی کو بڑے بھائی سے تشبیہ دینا گستاخی اور بدنصیبی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں، یعنی جس طرح ماں کا ادب اور تعظیم واجب ہے اسی طرح ان کا بھی اور جس طرح ماں سے نکاح حرام ہے، ان سے بھی مگر اس میں نبی کی بیویوں کی بیٹیاں شامل نہیں، کس لیے کہ ان سے نکاح درست ہے۔ حیف ہے ان لوگوں پر کہ جو حضرت ﷺ کی بیوی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے گستاخی کرتے ہیں، اسی طرح حضرت ﷺ کی اولاد اور خاندان کی محبت و تعظیم لازم ہے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ ابن عباس و سعید بن جبیر وغیرہ رحمہم اللہ سلف سے خلف تک یہ کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جبکہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آتے تھے، ان کے خویش و اقارب کفر کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے تو مہاجرین و انصار میں ایک دوسرے کا اسلام و ہجرت اور باہمی بھائی چارہ کی وجہ سے وارث قرار دیا جاتا تھا۔ پھر جب لوگوں کے اقارب بھی اسلام میں داخل ہوئے تو یہ حکم اس آیت سے منسوخ

[1] یہ جناح کا ترجمہ ہے جو صحیح معجمہ ہے۔

ہو گیا۔ اس آیت میں صاف حکم ہو گیا کہ ایماندار و مہاجر اقارب زیادہ تر ولی ہیں اور مہاجروں، ایمانداروں سے کہ جن سے مواخاۃ قائم ہوئی تھی، یہی وارث ہوں گے۔ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تم اپنے ان انصار و مہاجرین بھائیوں سے اور کوئی نیکی کرو، ہمدردی محبت اور مرتے وقت وصیت کر جاؤ كَانَ ذٰلِكَ الخ یہ حکم اس کتاب ازل میں مندرج ہو چکا جو کبھی نہ بدلے نہ متغیر ہو، یعنی کتاب قضاء و قدر میں۔

ابحاث: اول من قلبین مفعول لجعل ومن زائدۃ۔ فی جوفہ متعلق بجعل او صفۃ لقلبین۔ لرجل متعلق بجعل او مفعول[1] اول ویمکن ان یکون المعنی ای قلبین فی جوف رجل۔ ازواجکم موصوف الٰی جمع التی والاصل اثبات الیاء ویجوز حذفہا اجتزاءً بالکسرۃ مضارع ظاھر وقری مضارع ظاھر والاصل تتظاھرون وقری تظہرون والاصل تتظہرون فادغمت التاء الثانیۃ فی الظاء بعد ابدالہا طاء، والجملۃ مع الموصول والصلۃ صفۃ لازواجکم وھی مفعول اول لجعل امہتکم مفعول ثان۔ وکذا ادعیاءکم مفعول اول وابناءکم مفعول ثان لہ ادعیاء، جمع دعی فعیل بمعنی مفعول من الدعوۃ بالکسر۔ فی القاموس الدعوۃ بالکسر الادعاء فی النسب وھذا الجمع علی خلاف القیاس لان القیاس ان یکون جمع الفعیل المعتل اللام اذا کان بمعنی فاعل افعلاء کتقی واتقیاء وغنی واغنیاء وھھنا وان کان فعیل معتل اللام لان اصلہ دعیو فادغم لکنہ لیس بمعنی فاعل بل انہ بمعنی مفعول فکان القیاس بعد علی فعلی کقتیل وقتلی وجریح وجرحی، مریض ومرضی، فکانہ شبہ بفعیل بمعنی فاعل فجاء جمعہ شذوذا علی افعلاء کاسیر واساری۔ کذا قیل ھو اقسط الضمیر المصدر ادعوا فاخوانکم بالرفع ای فھم اخوانکم وبالنصب ای فادعوھم اخوانکم ولکن ما ما فی موضع جر عطفا علی ما ویمکن ان یکون فی موضع رفع علی الابتداء والخبر محذوف بعضھم یجوز ان یکون بدلا وان یکون مبتدا وفی کتب اللہ یتعلق باولی وافعل یعمل فی الجار والمجرور ویجوز ان یکون حالا والحال فیہ معنی اولی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ یجوز ان یکون متصلا باولی الارحام فینتصب علی التبیین ای اعنی فیکون المعنی واولوا الارحام من المومنین والمہاجرین اولی بالمیراث من الاجانب ویجوز ان یکون صلۃ لاولی فیکون المعنی اولوا الارحام بحق القرابۃ اولی بالمیراث من المومنین المہاجرین بحق الدین والہجرۃ۔ الا ان تفعلوا استثناء اما متصل من اعم العام والتقدیر اولی ببعض فی کل شیء من الارث وغیرہ الا فی فعل المعروف من صدقۃ او وصیۃ فان ذلک جائز للاولیاء واما منقطع والتقدیر لکن فعل المعروف للاولیاء لا باس بہ۔

دوم: ان آیات میں علاوہ کمال بلاغت و فصاحت کے امور سیاسیہ و اسرار حکمت کی نہایت رعایت کی گئی ہے۔ اول یہ کہ امور قدرت کی عادت اللہ کو کس محل پر بیان فرمایا کہ وہ ایک ظرف میں دو دل نہیں بناتا، کس لیے کہ قلب معدن ہے روح حیوانی کا جو نفس انسانی سے سب سے اول متعلق ہوتی ہے اور منبع ہے تمام قوی کا اگر جسم میں دو دل ہوں تو تناقض پیدا ہو جاوے، کیونکہ اگر ایک کو ان سب باتوں کے لیے کارآمد قرار دیں گے تو دوسرا بیکار ہو جاوے گا۔ انسان قدرتِ الٰہیہ کا آئینہ ہے، اس میں ایسی چیز کا بیکار رہنا حکیمِ مطلق کی حکمت کے خلاف ہے۔

دوم یہ کہ قدرتی باتوں کے علاوہ عادی اور عرفی باتوں میں بھی اس نے اپنے ہی قانون قدرت کو غالب رکھا ہے۔ انسان کے نام بدل لینے سے امور واقعیہ کی حقیقت نہیں بدل سکتی، اس کی نظیر میں دو باتیں پیش کیں۔ بیوی کو ماں کہنے سے ماں نہیں ہو جاتی، غیر کا بیٹا کہنے سے اپنا بیٹا نہیں ہو جاتا، اس کے بعد بول چال میں ادب کی تعلیم فرمائی۔ واقعات کا لحاظ رکھ کر اور محبت کا برتاؤ بتلایا کہ یہ کہہ کر پکارو اور اس کے بنی آدم کے باہمی سچے رابطے بھی بیان کر دیے، وہ کیا دینی برادری، قرابتِ نسبی، موالاۃ، مواخاۃ، پھر اُمت سے جو رسول کو رابطہ ہے وہ بتلایا کہ وہ دینی باپ ہے۔ تمہارے حال پر عرفی باپ سے زیادہ مہربان ہے، نہ صرف وہی بلکہ اس کی بیویاں بھی تم پر تمہاری ماؤں سے زیادہ شفیق ہیں، یعنی اس کا پاک خاندان بھی اُمت کے لیے رحمتِ الٰہی ہے ان کی ذاتِ بابرکات سے بھی بے شمار فوائد اُمت کو پہنچتے ہیں اور اسی

[1] ای ما جعل اللہ لرجل من قلبین۔ ۱۲ منہ

لیے نبی ﷺ نے اپنی اہلِ بیت کو نوح علیہ السلام کی کشتی سے تشبیہ دی ہے۔ اُمت کو ان سے محبت و ادب ہی کرنا واجب نہیں بلکہ ان کے طریقے کی بھی پیروی بھی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى
وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ
صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام سے بھی اور ان سے ہم نے پکا عہد لیا تھا تا کہ (قیامت کے دن) اللہ سچوں سے ان کے سچ کی بابت پوچھے اور کافروں کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : واذ مقدر باذکر میثاقھم مفعول لاخذنا ومن النَّبِیّٖنَ متعلق بہ و منك معطوف علی النبیین عطف الخاص علی العام ومن نوح وکذا ما بعدہ عطف علی منك باعادۃ الجار لیصح العطف علی الضمیر المتصل واخذنا منھم الخ الجملۃ معطوف علی الجملۃ السابقۃ لبیان ہذا الوصف واعد عطف علی اخذنا او علی ما دل علیہ لیسئل کانہ قال فاثاب المؤمنین واعد للکافرین۔ بیضاوی

تفسیر : اتباعِ وحی کے حکم کو اول مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ سے مؤکد کیا تھا کہ دل ایک ہے دو نہیں جو دو طرف لگاؤ پس خاص اللہ ہی کی طرف لگانا چاہیے۔ اب اسی حکم کو وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ سے مؤکد کرتا ہے کہ تم کو وحی کا اتباع کرنا پر ضرور ہے، کس لیے کہ تم اے محمد (ﷺ) اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے سب نبیوں سے عہد لیا خصوصاً آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے اور عہد بھی کیسا بڑا مستحکم عہد لیا۔

اب گفتگو اس میں ہے کہ وہ کیا عہد تھا اور کب لیا تھا؟ دوسری بات کی بابت ابو جعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انہوں نے ابوالعالیہ سے اور انہوں نے کعب سے یوں نقل کیا ہے کہ یہ عہد اس وقت لیا تھا کہ جب روزِ میثاق میں لوگوں کو آدم کی پشت سے باہر نکالا تھا اور تمام بنی آدم سے عہد لیا تھا جیسا کہ فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الآیۃ اور وہاں انبیاء سے بالخصوص عہدِ موثق لیا تھا اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ اور جگہ بھی اس عہد کا ذکر آیا ہے۔ کما قال اللہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ، مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ عہد انبیاء سے دُنیا میں رسول بنا کر بھیجے جانے کے بعد لیا تھا۔

اول بات کی بابت مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ انبیاء سے جو عہد لیا گیا تھا وہ اس بات کا تھا کہ دینِ الٰہی کو قائم رکھیں، احکامِ الٰہی لوگوں کو سناویں۔ خدا تعالیٰ کی رضامندی ہر بات میں مقدم رکھیں اور باہم اتفاق رکھیں اور ایک دوسرے کی مدد کرے۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یہ دوسرا جملہ کوئی جدا جملہ نہیں کہ جس سے دوسرا عہد سمجھا جاوے بلکہ یہ پہلے جملہ کی تاکید اور اس کا بیان ہے کہ وہ عہد ایسا ویسا نہیں بلکہ بڑا سخت عہد لیا تھا۔ نبی کو جب اسرارِ غیب کا راز داں بنایا جاتا ہے تو اس سے اس قسم کا سخت عہد بھی لیا جاتا ہے۔

فائدہ: اول تو جمیع انبیاء کا ذکر عام طور سے کیا کہ ہم نے ان سے عہد لیا تھا، پھر ان میں سے پانچ نبیوں کا نام لیا جو بڑے اولوالعزم اور صاحبِ شریعت تھے، اگرچہ دُنیا میں حضرت ﷺ کا ظہور سب نبیوں کے بعد ہو کر آپ ہی پر سلسلۂ نبوت تمام کر دیا گیا، مگر آپ عالمِ ازل میں سب سے پہلے نبی ہیں، چنانچہ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی شرح میں فرمایا ہے کہ میں سب نبیوں سے

پیدا ہونے میں اول ہوں اور بھیجے جانے میں سب سے اخیر ہوں، اس لیے سب سے اول اللہ نے میرا ذکر کیا۔ اس روایت کے سلسلہ میں سعید بن بشیر راوی ضعیف ہے، مگر اس کی مؤید اور بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ اس عہد لینے کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ یہ اس لیے لیا گیا کہ قیامت کے دن انبیاء سے سوال کرے جو اپنے عہد کے پورا کرنے میں صادق تھے کہ تم نے اپنے کام کو انجام دیا اور عہد کو سچا کر دیا۔ لوگوں کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ اس سے منکرین کا الزام دینا مقصود ہوگا اور ممکن ہے کہ صادقین سے انبیاء کی تصدیق کرنے والے لوگ مراد ہوں کیونکہ صادق کا مصدق بھی صادق ہے اور مومنین بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جنہوں نے دنیا میں اپنا عہد پورا کر دیا اور منکروں کو دردناک عذاب ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَاۗءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹
اِذْ جَاۗءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ
الْقُلُوْبُ الْحَـنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲

ایمان والو! اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہوا جبکہ تم پر لشکر چڑھ آیا، پھر ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا کہ جس کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ دیکھ رہا تھا، جبکہ وہ لوگ تم پر تمہارے اُوپر کی جانب اور نیچے کی جانب سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے تھے اور اللہ سے تم طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس موقع پر ایماندار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیے گئے اور جبکہ منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا صرف دھوکا ہی تھا۔

ترکیب : علیکم صفت لنعمۃ اللہ۔ اذ جاء تکم ظرف اذکتم اعداء وقد ذکر فی آل عمران اذ جاء وکم بدل من اذ الاولی وجنود معطوف علی ریحا لم تروھا صفۃ الجنود والظنونا بالالف فی المصاحف ووجھہ انہ راس آیۃ فشبہ باواخر الآیات وقرء بغیر الالف علی الاصل۔

تفسیر : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا یہاں سے اپنی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے۔ اپنا احسان اور فضل یاد دلا کر کہ اے ایماندارو اس سخت وقت کو یاد کرو جبکہ تمہارے اُوپر لشکر چڑھ آئے اور تمہاری سخت حالت ہوگئی تھی، ہم نے ان کو ہزیمت دے کر تم سے ٹال دیا۔

غزوۂ خندق کا واقعہ : یہ غزوۂ خندق کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو موافق قولِ[۱] صحیح کے شوال کے مہینے میں ہجرت کے پانچویں سال واقع ہوا تھا اور اس کا باعث یہ ہوا تھا کہ مدینہ کے پاس یہود کا ایک قبیلہ بنی النضیر رہتا تھا۔ ان کی بدعہدی اور شرارت کی وجہ سے نبی ﷺ نے ان کو وہاں سے نکال دیا تھا، ان میں سے بہت لوگ خیبر[۲] جا رہے تھے ان لوگوں میں سے سلام بن ابی الحقیق و سلام بن مشکم و

[۱] لیکن موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کہتے ہیں۔ چوتھے سال ہوا تھا۔ ۱۲ ابن کثیر
[۲] یہ ایک پہاڑی سلسلہ میں مدینہ سے کئی منزل جنوب و شمال کے رخ ایک گڑھی ہے اور چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں باغات اور چشمے بھی ہیں۔ ۱۲ منہ

کنانہ بن الربیع مکہ میں آئے اور قریش کو حضرت ﷺ کے اوپر چڑھائی کے لیے آمادہ کیا اور ان کی مدد کا وعدہ کیا، پھر وہاں سے نکل کر غطفان[1] کے قبیلہ کو بہکایا۔ یہ لوگ اول ہی سے حضرت سے بھرے بیٹھے تھے لڑائی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان صخر بن حرب اور غطفان کا عیینہ ابن حصن تھا۔ سب کا مجمع قریب دس ہزار کے تھا۔ جب حضرت ﷺ کو خبر ہوئی کہ یہ لوگ آتے ہیں تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کے شرقی جانب میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودنے میں لوگوں نے بہت سے معجزات اور آیات بینات کا مشاہدہ کیا۔ پس مخالفین میں سے کچھ تو مدینہ سے شرقی جانب میں اُحد پہاڑ کے قریب آ اترے اور کچھ مدینہ سے بلندی کے رخ اتر پڑے کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ، مدینہ کے ایک رخ بلند سطح ہے، ایک رخ نشیب ہے، بلند سطح پر اترنے سے مراد اوپر سے آنا ہے۔ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے مراد نشیب کے سطح میں اترنا ہے۔ مدینہ کے لوگ چاروں طرف سے سخت محاصرہ میں آگئے، ہر طرح کی تکلیف اور ہر وقت کے خوف سے لوگوں کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جس کو اللہ تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں جیسا کہ ڈر کے وقت ہوا کرتا ہے۔ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور دل گلوں تک پہنچ گئے تھے۔ یہ ایک محاورہ عرب کی بات ہے۔ شدت خوف کے وقت یہ کہا کرتے ہیں، جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں۔ ناک میں دم آگیا تھا یا کہا کرتے ہیں دل باہر نکل پڑے تھے۔ کلیجہ پانی ہو گیا تھا، اس پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے۔ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور تم اللہ سے طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، بس سچے ایماندار تو یہی کہتے تھے هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور اسلام فتح یاب ہوگا اور منافق کہتے ہم مصیبت میں پڑ گئے اور برے گمان دل میں پیدا کرتے تھے۔

الغرض ایسا سخت وقت تھا کہ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا کہ ایماندار آزمائے گئے اور سخت زلزلہ میں پڑے پر کھرے اور مخلص نکلے اور منافق لوگ کہ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا یہ کہنے لگے مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا سب جھوٹ تھا۔ القصہ یہ کفار قریب ایک مہینے کے محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے۔ باہم کوئی صف بستہ ہو کر لڑائی نہیں ہوئی، البتہ تیر باری اور سنگ باری ہوتی رہی، البتہ ایک بار عمرو بن عبدود[2] عامری چند سواروں کو لے کر خندق سے نکل کر مسلمانوں کے قریب آگیا تھا، اس کے مقابلہ کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نکلے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ آخر کار اللہ نے فضل کیا اور آسمانی لشکر بھیجا، ایک سخت آندھی چلائی اور سردی کے ایام تھے، اس میں سردی بھی نہایت تھی۔ کما قال فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا اس سے وہ نہایت پریشان ہو گئے۔ وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ملائکہ کا لشکر بھی بھیجا جو مسلمانوں کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آخر سب ہراساں ہو کر بھاگے، یہاں تک کہ طلیحہ بن خویلد اسدی نے کہا محمد (ﷺ) نے تم کو سحر میں گرفتار کر لیا، ہوا کے سوا گھوڑوں اور سواروں کی آہٹ ہر طرف سے معلوم ہوتی ہے۔ بھاگو بھاگو کہہ کر سب بھاگ گئے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ
مع فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ
يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

1. عرب میں بڑا قبیلہ تھا۔ ۱۲ منہ
2. فان الریۃ تنتفخ من شدۃ الروع فترتفع بارتفاعہا الی راس الحنجرۃ وھی مدخل الطعام والشراب بیضاوی اس تقدیر پر بھی کچھ اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ سخت خوف میں پھیپھڑا پھول کر گلے تک آجاتا ہے۔ ۱۲ منہ

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ
قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ
اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ
ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا
يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ
مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً
عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ
كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ
حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

اور جب ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی کہ مدینہ والو تم (مقابلہ میں) ٹھہر نہ سکو گے سو پھر چلو اور ان میں سے بعض لوگ نبی سے رخصت مانگنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور حالانکہ وہ اکیلے نہ تھے۔ وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے اور اگر کسی طرف سے کوئی ان پر گھس آتا پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاتی تو فساد پر آمادہ ہو جاتے اور دیر نہ کرتے مگر بہت ہی کم۔ حالانکہ اس سے پہلے اللہ سے عہد بھی کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے عہد کرنے کی پرسش ہوتی رہے گی۔ کہہ دو اگر تم موت یا قتل (کے خوف) سے بھاگو گے تو یہ تم کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور اگر بھاگ کر بچ گئے بھی تو چند روز اور دنیا میں رس بس لو گے۔ اے نبی ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہارے ساتھ بدی کرنا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے (تو کون منع کر سکتا ہے) اور ان کو اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی حمایتی ملے گا اور نہ مددگار، البتہ اللہ جانتا ہے تم میں سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائی بندوں سے (یہ) کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور وہ خود جنگ میں حاضر نہیں ہوتے مگر بہت ہی کم تمہاری بخیلی سے پھر جب خوف کا وقت آجائے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ آپ ہی کی طرف تکنے لگتے ہیں، ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح پھر رہی ہیں کہ جس پر سکرات موت طاری ہو، پھر جب خوف دور ہو جاوے تو تم سے زبان تیز کر کے ملیں گے۔ مال کے لالچ میں، یہ لوگ ایمان بھی نہیں لائے سو اللہ نے ان کے اعمال حبط کر ڈالے اور یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے۔

ترکیب: یثرب غیر منصرف للتعریف ووزن الفعل وفیہ التانیث، یقولون حال اوتفسیر لیستاذن عورۃ ای ذات عورۃ وقریٔ بکسر الواو والفعل منہ عور فھو اسم فاعل، لاٰتوھا بالقصر جاؤھا وبالمد اعطوھا ما عندھم من القوۃ الا یسیرا اللبث یسیر او زمانا یسیرا ای قلیلا۔ لا یولون الادبار جواب القسم لان عاھدوا بمعنی اقسموا ھلم ذکر فی الانعام الا انہ ھھنا متعد وھذا لازم اشحۃ جمع شحیح بمعنی بخیل ونصبھا علی الحال من فاعل یاتون او علی الذم واشحۃ الثانی حال من الضمیر فی سلقوکم ینظرون حال من رایتھم بمعنی ابصرتھم تدور حال من فاعل ینظرون۔

تفسیر: ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں کے ظنونِ فاسدہ اور اقوال کاذبہ کو نقل کرتا ہے جو اس حادثہ میں بجائے صبر واستقلال کے ان سے ظہور میں آئے اور اس واقعہ میں ان کی لاف زنی کا امتحان ہوگیا۔ تاکہ وقتِ مصائب اہل اسلام ایسے خیالاتِ فاسدہ دل میں نہ لائیں۔ آیات میں کوئی بات چنداں تفسیر کرنے کے لائق نہیں، صاف ہیں۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یعنی منافقوں کی ایک جماعت نے یہ کہا مقاتل کہتے ہیں وہ بنو سالم کے منافق تھے۔ سدی کہتے ہیں عبداللہ بن ابی اور اس کے یاروں نے کہا تھا، بعض کہتے ہیں بن قیظی اور اس کے دوستوں نے کہا تھا کہ یا اہلِ یثرب لا مقام لکم کہ اے مدینہ والو تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں یا تم دشمن کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔ میدان جنگ چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلو یا تم دینِ اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے، دین چھوڑ کر کفر کی طرف رجوع کرو کہ دشمنوں سے پناہ پاؤ۔ یثرب ابوعبیدہ کہتے ہیں یثرب زمین کے ایک قطعہ کا نام ہے اور مدینہ اس کے ایک گوشہ میں آباد ہے، بعض کہتے ہیں خاص مدینہ کا پہلا نام یثرب ہے۔ بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا مجھے ایسے شہر میں رہنے کا حکم ہوا جو اور شہروں کو کھا جاوے، اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے۔ الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ یثرب مدینہ ہے اور آپ نے پھر یثرب نام لینے سے منع کیا، جیسا کہ امام احمد نے روایت کیا ہے تو اس لیے کہ یثرب کے نام میں سرزنش کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لیے مدینہ نام لینا بہتر ٹھہرایا۔ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ اور ایک جماعت منافقوں کی آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگتی تھی کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں، اجازت دیجئے کہ میدان چھوڑ کر گھر جاویں۔ یہ لوگ بنو حارثہ بنو سلمہ کے تھے۔ خدا تعالیٰ ان کے عذر کو باطل کرتا ہے کہ یہ صرف انہوں نے بھاگنے کے لیے بہانہ بنایا ہے۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ یعنی ان کے گھروں میں یا مدینہ میں مخالف داخل کئے جاتے۔ مِّنْ اَقْطَارِهَا ای جوانبھا یعنی ہر طرف سے آجاویں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ
فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ
الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا
مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۚ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ
اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِىَ
اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ

۱ یحسبون حال من احد الضمائر السابقۃ بادون جمع باد واسوۃ بالکسر والضم مصدر بمعنی التاسی ہو اسم کان ولکم خبرہ وفی رسول اللہ حال او ظرف متعلق بالاستقرار لا باسوۃ ولمن کان بدل من ضمیر المخاطب باعادۃ الجار ومنعہ الاکثر فعلی ہذا یجوز ان یتعلق بحسنۃ او بمحذوف یجوز ان یکون مفعولا او حالا ولم ینالوا حال من اہل الکتاب حال من ضمیر الفاعل فی ظاہروہم ومن صیاصیہم متعلق بانزل فریقا منصوب بتقتلون ۱۲ ابو محمد عبدالحق

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا
خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ
ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا
تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا
ع لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

سمجھتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر (پھر) فوجیں آجائیں تو آرزو کریں کہ کاش ہم باہر گاؤں میں جا رہیں (دور سے) تمہاری خبریں پوچھا کریں اور اگر (کسی مجبوری سے) تم میں بھی رہنا پڑے تو بہت ہی کم لڑیں، البتہ تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہتر تھی، اس کے لیے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے اور جب (اے نبی!) ایمان داروں نے فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے کہ جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور فرمانبرداری اور زیادہ ہوگئی۔ ایمان والوں میں سے ایسے بھی آدمی ہیں کہ جنہوں نے جس کا اللہ سے عہد کیا تھا، پھر ان میں سے کچھ اپنا کام پورا کر چکے اور کچھ منتظر ہیں اور انہوں نے عہد میں کچھ بھی خلاف نہیں کیا تا کہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب دے یا ان کو توبہ نصیب کرے، بے شک اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا لوٹا دیا ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کے لیے آپ کافی ہوگیا اور اللہ قوی زبردست ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کی گڑھیوں سے اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کرنے لگے اور ایک فریق کو قید اور تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں میں اور ان کے مالوں اور اس زمین کا وارث کردیا کہ جس پر تمہارے قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

تفسیر: ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ پھر ایسی حالت میں ان سے دین سے پھر جانے کی یا مسلمانوں سے لڑنے کی درخواست کی جاوے تو آمادہ ہو جاویں، پھر گھروں کے اکیلے ہونے کا کچھ بھی عذر نہ کریں وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ حالانکہ اس سے پہلے یعنی غزوۂ خندق سے پیشتر بدر کی لڑائی کے بعد جبکہ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہوئے اور مسلمانوں کو اللہ نے کامیاب کیا تو اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ اب بھی جنگ ہوگی دل سے لڑیں گے۔ اس کے بعد قضاء وقدر کے مسئلہ سے متنبہ کرتا ہے۔ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ کہ اگر تقدیر میں مرنا اور قتل ہونا لکھا ہے تو اس بھاگنے سے کچھ فائدہ نہیں اور بالفرض اگر بھاگ کر بچے بھی تو کب تک؟ اور اللہ کے سوا دنیا میں کوئی مددگار کارساز نہیں، اگر وہ بھلائی یا برائی دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ تعویق ٹالنا دیر کرنا کچھ منافق ایسے ہی تھے جو جنگ میں شریک ہونے سے حیلے بہانے کرتے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ اپنے بھائیوں سے بھی کہتے تھے کہ ہماری طرف آؤ جنگ میں نہ جاؤ۔ یہ ان کا شریک نہ ہونا اور تم کو روکنا ان کی بخالت کی وجہ سے ہے جو اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں اور خوف کی حالت میں ان پر غشی کی طاری ہو جاتی ہے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اے محمد (ﷺ) تمہاری طرف دیکھتے ہیں، یعنی آپ ہی کو ماویٰ و ملجا جانتے ہیں اور جب خوف کا وقت جاتا رہتا ہے تو بھلائی میں شریک ہونے کے لیے بڑی چرب زبانی کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کے عمل برباد کر دیے وہ بے ایمان ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ یہاں سے ان کی اور بزدلی بیان کرتا ہے کہ لشکروں کے چلے جانے پر بھی ان بزدلوں کو یقین نہیں ہوتا کہ کفار کے لشکر بھاگ گئے ہیں، جانتے ہیں کہ ابھی گھیرے ہوئے پڑے ہیں اور اگر بار دگر کفار کے لشکر چڑھ آئیں تو یہ نامرد یہ آرزو کریں کہ اس

وقت ہم مدینہ سے نکل کر باہر جنگلوں میں چلے جاویں اور وہاں سے تمہارا حال دریافت کیا کریں اور اگر وہ تمہارے پاس بھی رہیں تو بہت کم مخالف سے لڑیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یہاں سے منافقوں پر تعریض کر کے ان کے مقابلہ میں مخلصین کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ اس واقعہ میں ایسے ثابت قدم رہے۔ اسوۃ خصلۃ حسنۃ (بیضاوی) بکسر الھمزۃ وضمھا اقتداء بہ فی القتال والثبات فی مواطنہ (جلالین) یعنی تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنی عمدہ بات تھی، دیکھو وہ ان مواقع میں کیسے ثابت قدم رہے ہیں وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ الآیۃ یہاں سے لے کر غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تک انہیں کا حال ہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ نذر و کہ بعض قول کے سچے دین داروں میں سے وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں شہید ہو چکے ہیں۔ اور بعض منتظر ہیں اور عہد جو انہوں نے کیا تھا پورا کر دیا، اس میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہاں سے اپنی عنایت اور فضل کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ان کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا رد کر دیا، ہزیمت دے کر ان کو فائدہ نہ پہنچا اب لوگ دم بھاگے اور اللہ آپ اس جنگ کا کارساز ہو گیا۔ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ ان کفار کے جو مددگار اہل کتاب تھے، یعنی بنی قریظہ جو مدینہ کے پاس رہتے تھے اور حضرت ﷺ سے عہد تھا، پھر عہد توڑ کر اس واقعہ میں کفار کے شریک ہو گئے تھے، ان کو ان کی گڑھیوں میں بند کر دیا۔ صَيَاصِيْ جمع صیصۃ وھی الحصون جب ابوسفیان وغیرہ بھاگ گئے تو یہ یہود مسلمانوں کے ڈر سے اپنی گڑھیوں میں جا بیٹھے۔ پندرہ دن تک ان کا محاصرہ مسلمانوں نے کیا، ان کے دل میں خدا نے رعب ڈال دیا۔ آخر کار گڑھیوں سے باہر نکلے جوان مرد قتل کیے گئے اور عورتیں اور بچے غلام بنائے گئے اور ان کی جائیداد و املاک بے تکلف مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، یہ اس کی قدرت کاملہ کا ایک کرشمہ تھا۔ کما قال وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ۔ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا اور اس کے سوا تم کو اے مسلمانو اور زمین کا بھی وارث کیا جو تمہارے پاؤں تلے ابھی تک نہیں آئی۔ اس زمین کا وارث ہونا بطور پیشین گوئی کے فرمایا ہے چنانچہ اس کے مطابق خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سے ملکوں کا مالک کیا جیسا کہ فارس اور روم اور خیبر اور مکہ بلکہ کل عرب کا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک بختوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے گی تو اس کو دو گنا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

ترکیب: ان شرطیۃ وجوابھا فتعالین اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ بالجزم علی انہ جواب للامر فتعالین وبالرفع علی الاستئناف للمحسنات متعلق باعد منکن حال من المحسنات او بیان لا تبعیض اجراء عظیما مفعول لاعد یضاعف جواب من یات۔

تفسیر: اس سورہ میں پیشتر اخلاق انسانی کی اصلاح ہے اور اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ معاشرت کے متعلق سب سے اول بات احکام الٰہیہ کا اتباع ہے۔ کس لیے کہ عقولِ عالیہ جو مؤید بالالہام ہیں، معاشرت و تمدن میں رسم و رواج سے جو تغیرات واقع ہوئے ہیں ان کا فیصلہ انہی کے ہاتھ ہے، اس لیے سب سے اول خود آنحضرت ﷺ کو اتباع وحی کا حکم بڑی تاکید سے دیا، اس کے بعد ان لوگوں کی روش کی جو سخت حوادث میں احکام الٰہیہ کی مخالفت کر بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ غزوۂ احزاب میں منافقوں سے ظہور میں آیا، جن کی مذمت پچھلی آیتوں میں کی گئی۔ کس لیے کہ رسولِ الٰہی کی مخالفت سخت محرومی کا باعث ہے۔ اب ایک بات اور اخلاق کے متعلق رہ گئی تھی، جن کو ان آیات يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ الخ میں ارشاد فرماتا ہے۔ وہ مسئلہ معاشرت ازواج کا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ایلاء: منافقوں کی تکلیف آنحضرت ﷺ کو دلی عداوت اور پوشیدہ کفر کی وجہ سے تھی، مگر حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی طرف سے دنیاوی تجمل اور مرفہ الحالی کے سامان طلب کرنے سے بھی آنحضرت ﷺ کو سخت تکلیف پہنچتی تھی، گو دل سے محبت اور ایمان رکھتی تھیں اور آپ کو اللہ کا رسول برحق جانتی تھیں، لیکن باایں ہمہ اپنا شوہر بھی سمجھتی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کی جبلت اور طینت ہے آپ سے دنیاوی معاملات میں وہی برتاؤ برتتی تھیں کہ جو معمولی عورتیں اپنے خاندانوں سے برتا کرتی ہیں، یہ لاؤ وہ لاؤ ہمارے پاس فلاں چیز نہیں فلاں کے پاس یہ کچھ ہے، اس پر متعدد بیویوں کی باہمی رقابت اور رشک اور بھی افروختگی کا باعث ہوتا تھا، اس لیے ایک بار آنحضرت ﷺ سب سے خفا ہو کر ایک مہینے تک الگ مکان میں بیٹھ گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی تشریف نہ لائے، تب یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ازواج مطہرات کو تعلیم و تہدید و ترغیب دی گئی۔ اس آیت میں ازواج مطہرات کو دو باتوں میں اختیار دیا گیا اور اس لیے اس آیت کو آیتِ تخییر کہتے ہیں کہ اگر تم کو حیات دنیا اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے[1] کر بالکل چھوڑ دوں، طریق سنت پر طلاق دے دوں، پھر تم جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کرو اور اگر تم کو اللہ اور اس کا رسول اور دارِ آخرت منظور ہے تو اللہ نے تم نیک بخت بیویوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس آیت کے بعد ازواج مطہرات نے طلاق لینا منظور نہ کیا اور آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور عہد کیا کہ آئندہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کے سوال نہ کریں گی۔ بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب سے اول حضرت ﷺ نے مجھے فرمایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا اپنے ماں باپ سے صلاح لے کر کرنا۔ میں نے کہا وہ کیا ہے، فرمایا تو مجھے اختیار کرتی ہے اور آخرت کو یا دنیا کو۔ میں نے کہا، اس بارے میں اُن سے کیا پوچھوں گی، میں نے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔ اسی طرح سب بیویوں نے کہا، اسی مضمون کو مسلم نے اور ابن جریر اور احمد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا

[1] حد طلاق جو مہر کی جگہ دیا جاتا ہے۔ کپڑوں کا جوڑا ۱۲ منہ

مَعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ

الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ

عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ

بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو دوبار اس کا بدلہ دیں گے اور اس کے لیے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم کسی عام عورتوں جیسی نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو، کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا اور (بے رکاوٹ) دستور کے موافق کلام کیا کرو اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو اور (بناؤ سنگھار) دکھاتی نہ پھرا کرو جیسا کہ اگلے جاہلیت کے زمانہ میں دکھاتی پھرا کرتی تھیں اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو۔ اللہ بھی چاہتا ہے کہ اے گھر والو تم میں سے ناپاکی دور کردے اور تم کو خوب پاک کردے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو بے شک اللہ جو ہے تو بھید جاننے والا خبردار ہے۔

ترکیب : ومن شرطیۃ یقنت بالیاء رعایۃ للفظ من وبالتاء رعایۃ لمعناها۔ تعمل معطوف علی یقنت نؤتها، جوابها واعتدنا معطوف علی نؤتها کاحد اصل احد وحد بمعنی الواحد ثم وضع فی النفی العام مستویا فیہ المذکر والمونث والواحد والکثیر والمعنی لستن کجماعۃ واحدۃ من جماعات النساء فی الفضل، اهل البیت منصوب علی النداء والمدح من آیات بیان لما یتلی والحکمۃ معطوف علی آیات اللہ۔

تفسیر : اس آیت کے متعلق یہ بات باقی رہ گئی، وہ یہ کہ علماء کی اس بارے میں بحث ہے کہ یہ اختیار کیا تفویض طلاق تھی کہ نفس اختیار سے طلاق واقع ہو جاتی تھی یا نہیں؟ حسن اور قتادہ اور اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ بات نہ تھی، بلکہ اس بات میں اختیار دیا تھا کہ دنیا کو اختیار کرتی ہو تو آؤ طلاق لے لو یا آخرت کو منظور کرتی ہو، خود طلاق لے لینے میں بھی اختیار نہ دیا تھا۔ بدلیل قولہ تعالیٰ فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا اور عائشہ رضی اللہ عنہا و مجاہد و عکرمہ و شعبی و زہری و ربیعہ وغیرہم علماء کہتے ہیں کہ ان کو از خود طلاق لے لینے میں بھی اختیار دے دیا تھا۔ یہاں تک کہ جو بیوی یہ کہہ دیتی کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو بغیر آپ کے طلاق دینے کے اس پر طلاق پڑ جاتی۔ پہلا قول بہت ٹھیک ہے۔ مسئلہ جو کوئی اپنی بیوی کو اختیار دے دے کہ خواہ تو مجھے اختیار کرلے، خواہ طلاق لے لے، پس اگر وہ اپنے خاوند کو اختیار کرلے تو جمہور کے نزدیک طلاق نہیں پڑتی، مگر زید بن ثابت اور علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ زوج کے اختیار کر لینے پر بھی ایک طلاق بائن پڑ جاوے گی اور یہی قول حسن اور لیث اور خطابی اور نقاش کا ہے جو اس نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے۔ قوی اول بات ہے، کیونکہ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اختیار دیا لیکن ہم نے حضرت ﷺ کو اختیار کرلیا، پھر اس سے ہم پر کوئی طلاق نہ واقع ہوئی اور قیاس بھی اسی کو چاہتا ہے کہ محض اختیار دینے سے طلاق واقع ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو جمہور کے نزدیک طلاق پڑ جاوے گی، مگر عمر و ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم و ابن ابی لیلیٰ اور ثوری اور شافعی رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، ایک طلاق بائن پڑے گی اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔

اس کے بعد ازواج مطہرات کے لیے اور حکم سناتا ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ الخ کہ اے نبیؐ کی بیویو! جو کوئی تم میں سے صریح گناہ کرے گی تو دو چند عذاب دی جاوے گی اور یہ بات اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ فاحشہ مبینۃ زنا، اللہ تعالیٰ نے نبیوں

کی بیویوں کو اس سے محفوظ و معصوم رکھا ہے اور ان کو پاک اور طاہر کیا تھا، پس یہ صرف تہدید ہے۔ جیسا کہ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ہے۔ یہ شرط ہے اور شرط وقوع کی مقتضی نہیں۔ بعض کہتے ہیں فاحشہ کا لفظ جب معرفہ ہو کر مستعمل ہوگا تو اس سے مراد زنا ہوگی یا لواطت اور جب نکرہ ہو کر مستعمل ہوگا تو اس سے مراد ہر ایک قسم کا گناہ اور جو اس کی نعت بھی آوے گی۔ جیسا کہ اس جگہ تو اس سے مراد خاوند کی نافرمانی اور سرکشی۔ یُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ گناہ کوئی کرے، گناہ ہے، مگر پھر بھی فرق ہے ایک عالم اس کی برائی سے واقف ہو کر کرے، ایک جاہل کرے دونوں میں فرق ہے۔ نبی ﷺ کی بیویاں بڑے رتبہ کی تھیں اور جو کوئی بلند مرتبہ ایسا کام کرے، اس کو دو چند سزا ہے۔ اس سزائے دو چند سے مراد عذاب آخرت ہے کہ وہاں دو چند عذاب ہوگا (مقاتل) ابن جریر کہتے ہیں۔ معاذ اللہ اگر ان سے یہ خطا سرزد ہوتی تو دو بار حد ماری جاتی، جیسا کہ لونڈی کی بہ نسبت آزاد عورت کو زیادہ حد ماری جاتی ہے اور عذاب سے مراد حد ہے۔ کما قال ولیشهد عذابهما طائفۃ من المؤمنین ومن یقنت منکن الخ القنوت الطاعۃ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گی اور نیکی کرے گی تو اس طرح اس کو دو چند اجر ملے گا، کیونکہ وہ تمام عورتوں سے اشرف ہے، چنانچہ خود اللہ ان کی بزرگی بیان فرماتا ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کہ اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو، تمہارا مرتبہ بلند ہے۔ آنحضرت ﷺ پر اس موقع میں مخالفین اسلام یہ اعتراض کیا کرتے ہیں اور حضرت ﷺ کی سیرت پاک پر دھبہ لگایا کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے کثرت ازواج پر اعتراض اور اس کا جواب : **قولهم** محمد باوجود اس دعوے کے کہ میں خاتم المرسلین ﷺ ہوں عورتوں کی طرف بڑے حریص تھے۔ قانونِ قدرت کے مطابق ہر مرد کو ایک عورت کافی ہے جو علاوہ حاجتِ انسانی پورا کرنے کے اس کی ضروریات خانہ داری کو بھی بخوبی انجام دے سکتی ہے، پھر متعدد عورتیں رکھنا ایک قسم کی شہوت پرستی ہے جو اولوالعزم لوگوں کی شان کے بالکل مخالف ہے۔ محمد (ﷺ) نے اور مسلمانوں کے لیے تو چار عورتوں کی حد لگادی اور اپنے لیے کوئی حد ہی نہیں رکھی اور ایک وقت نو بیاں اور کئی ایک حرمیں موجود تھیں اور ان کے لیے تو نکاح کرنے کی بھی قید تھی اور اپنے لیے تو یہ بھی قید نہ رکھی بلکہ جیسا کہ اگلی آیتوں میں آتا ہے جو کوئی عورت نبی کو اپنا نفس بخش دے[1] تو وہ نبی کو حلال ہے۔ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اور خود زید کی بیوی کو بغیر نکاح کے رکھ لیا اور کہہ دیا کہ میرا نکاح آسمان پر فرشتوں نے پڑھا دیا ہے اور بھی ایسے واقعات گزرے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کا شہرۂ حسن سن کر کسی کو بھیج کر اس کو بلایا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ڈر سے اس کو باہر باغ میں اتارا اور جب آپ نے اس پر ہاتھ دراز کیا تو اس نے کہا، میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، یعنی آپ کو پسند نہیں کیا۔ پھر آپ کو برا معلوم ہوا، جس لیے اس سے صحبت نہ کی، اس کے علاوہ اور مسلمانوں کو تو عورتوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا کہ باری سے ہر ایک کے پاس رہا کریں اور اپنے لیے یہ بھی فرض نہ تھا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ اسی لیے عائشہ جل کر کہتی ہیں کہ کیا کوئی عورت اپنا نفس بھی ہبہ کرتی ہے اور جب یہ آیت ترجی اتری تو کہا کہ اللہ اے محمد! تیری خواہشوں کو بہت جلد پوری کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اس لیے محمد ﷺ کی بیویوں میں بڑا جھگڑا رہا کرتا تھا، چنانچہ ایک بار سب عورتیں آپ سے چمٹ گئیں، ایک کہتی تھی مجھ سے صحبت کر، دوسری کہتی تھی مجھ سے یہاں تک کہ حجروں اور حجروں کے باہر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کی یہ بے ہودہ باتیں سن کر کہا کہ اے محمد! نماز کو آیئے اور ان کے منہ میں خاک ڈالیے۔ اس بات کو بھی بخاری نے نقل کیا ہے تو بہ توبہ یہ شہوت پرستی اور یہ دعویٰ اور لطف یہ کہ اتنی تو بیویاں کیں اور اس قدر ان پر سخت احکام مقرر کیے، اس پر پھر ان کو کپڑا مانگنے سے منع کردیا۔ پہلے انبیاء نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت مسیح نے تو سرے سے کوئی بھی عورت نہیں کی اور دنیا میں جس قدر کامل لوگ آئے ہیں وہ عورتوں سے نفرت ہی کرتے آئے ہیں۔ ان کو شہوت پرستی سے کیا علاقہ؟

[1] بغیر گواہ اور مہر کے وہ نبی کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

جوابِ تحقیق : اس کا جواب اگر منصف مزاج ذرا بھی انصاف کرے تو سب اعتراض اُٹھ جاویں۔ یہ بات تمام اہلِ تاریخ کے نزدیک مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں عین جوشِ جوانی کے وقت جو انسانی قویٰ کے موجیں مارنے کا زمانہ ہوتا ہے، ایک بڑھیا عورت سے نکاح کیا، یعنی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے جو حضرت سے عمر میں بہت زیادہ تھیں، وہی پاک باز عورت آپ کو غارِ حرا کے خلوت خانہ میں دو چار روز کا کھانا پانی دے آیا کرتی تھیں، اُن کے انتقال کے بعد ایک اور عورت عمر رسیدہ سیاہ فام سے نکاح کیا جن کا نام حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھا۔ پچاس برس کی عمر تک جو انتہاءِ جوشِ جوانی کا موقع تھا کے بعد دیگرے انہیں بیویوں کے ساتھ زندگانی بسر کی، باوجودیکہ آپ خاندانی تھے، نہایت خوبصورت بھی تھے اور قریش آپ کو حسین مہ جبین عورتوں کا لالچ بھی دیتے تھے اور عرب کے دستور کے موافق مکہ جو آپ کا وطن تھا، متعدد حسین نوجوان عورتوں کا میسر آجانا کچھ بھی مشکل نہ تھا، کم مرتبہ کے آدمیوں کے پاس مکہ میں متعدد عورتیں رہتی تھیں اور یہ بات عرب کے نزدیک کچھ معیوب بھی نہ تھی، مگر آپ نے مطلق توجہ بھی نہ فرمائی۔ ہجرت سے کچھ دنوں آگے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی التجا کے ساتھ اپنی دختر نیک اختر عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو چھ برس کی لڑکی تھی، صرف نکاح کر دیا تھا۔ جو بمنزلہ منگنی کے تھا، رخصت نہ کی تھی اور کرتے بھی تو یہ نہایت صغیر تھیں۔ مدینہ میں آکر جہاں ہر طرف سے مصیبت کے دروازے کھل گئے اور تمام عرب دشمن ہو گیا۔ ادھر مہاجروں کی فکر بھی آپ ہی کے سر پر پڑ گئی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جوان ہونے پر رخصت کیا، اب اس پردیس میں اور اس مصیبت کے زمانہ میں اور اس تنگدستی میں کہ بعض دفعہ بے روٹی کے گزر جاتے تھے، کھجور کے چند دانوں اور پانی پر بسر اوقات ہوتی تھی اور اس عمر میں کہ پچاس سے تجاوز ہو گئی، جوانی کے زور جاتے رہے۔ بڑھاپا آگیا، کون دانشمند کہہ سکتا ہے کہ آپ نے اتنی بیویاں شہوت پرستی کے لیے کی تھیں؟ اور معاشرت کا طریقہ نفرت انگیز اختیار کیا تھا؟ پردیس میں تو اپنی عزت بڑھانے کے لیے خصوصاً اس قوم میں جا کر جو مددگار اور خاص مرید ہوں، کوئی نفرت کی بات ہو تو لوگ چھوڑ دیا کرتے ہیں کہ مبادا لوگ بد اعتقاد نہ ہو جاویں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ سے کوئی انصار و مہاجر بد اعتقاد نہ ہوں، پس عقلِ سلیم تاریخی واقعات پر نظر کر کے صاف صاف کہہ دے گی کہ اتنی بیویاں اور ان کے ساتھ یہ برتاؤ شہوت پر مبنی نہ تھا اور جو ہوتا بھی تو یہاں آکر اس قدر عورتوں نے کیوں ازواجِ مطہرات میں داخل ہونے کی رغبت کی، مکہ میں جوانی کے وقت نہ کی؟ معلوم ہوا کہ یہ اور بات تھی وہ یہ کہ حضرت ﷺ جس طرح خاتم المرسلین بنائے گئے تھے، اسی طرح آپ کے دین میں حلت و حرمت، طہارت و نجاست، مرد و عورت کے سب احکام تھے۔ مردوں میں سے تو علمِ دین سیکھنے کے لیے ایک جماعت اس کام کی ہو کر در دولت پر آپڑی تھی، جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے، اسی طرح عورتوں کی جماعت بھی اس کام کے لیے پُر ضرور تھی کہ وہ عورتوں کو تعلیم دیا کریں۔ خصوصاً وہ مسائل جو عورتوں سے متعلق ہیں اور جن کا ذکر غیر مرد سے سننا شرم کی بات ہے۔ اب یہ جماعتِ نساء اگر محض شاگردوں کے سلسلہ میں ہوتی۔ اول تو آپ ان اجنبی عورتوں سے وہ شرم کے متعلق مسائل حیض و نفاس غسل و جنابت بیان کرتے شرم کرتے اور وہ بھی ان کے دریافت کرنے سے شرم کرتیں۔ مقصود فوت ہو جاتا۔ دوم شاگردوں کا خلوت و جلوت میں رہنا ضروری بات ہے۔ جو قولاً و فعلاً ہر قسم کی تعلیم پاسکیں اور اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو اجنبی عورتوں کے ساتھ رہنے سے بدگمانی پیدا ہوتی۔ سوم مردوں کی جماعت تعلیم پانے کے وقت صبر اور محنت کشی سے اپنے رزق کا فی الجملہ آپ بندوبست کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو لکڑیوں کا گٹھا لا کر بیچ سکتے ہیں۔ بخلاف عورتوں ضعیف البنیان کے اس لیے ان کا بندوبست رزق و حاجات بھی حضرت ﷺ ہی کے ذمہ ٹھہرا اس لیے ان تلامذہ کو سلسلۂ نکاح میں داخل کرنا پڑا۔ اگر غیر کی بیویاں ہوتیں تو ان کے خاوند ان کو اس قدر مہلت کیوں دیتے اور نیز اس میں یہ بھی مقصود تھا کہ آپ لوگوں کو صفتِ توکل تعلیم کریں کہ عورتوں کی کج خلقی پر برداشت کرنے کے عادی ہو جاویں جو بے رحمانہ برتاؤ کیا کرتے تھے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ آنحضرت ﷺ اس عیالداری پر کسی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک بیوی کر کے سو کا غلام بننا پڑتا ہے اور بہت سی باتوں میں حق سے چشم پوشی کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس لیے اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نیک بیویوں کو جو دینی مدرسہ کی طالب علم تھیں اور وجوہ مذکورہ سے بضرورت ان کو سلسلۂ زوجیت میں لایا گیا تھا۔ یہ سنایا یا نساء النبی لستن کاحد من النساء کہ تم اور عورتوں جیسی عورتیں نہیں ہو، تم خالص دین کے لیے اس بیت العلوم میں داخل کی گئی ہو اور اسی لیے وہ زوجیت معمولی سمجھ کر اور عورتوں کی طرح آرائش و تجمل کے سوالات کر کے حضرت ﷺ کو تکلیف دیتی تھیں، ان کو جتادیا گیا۔ جس پر وہ سمجھ گئیں، جب یہ بات تھی تو پھر آپ کے اس مدرسہ یا بیت العلم میں داخل ہونے کے لیے کس لیے تعداد مقرر ہوتی؟ پھر کسی قدر کیوں نہ آویں، بشرط صلاحیت لینا ہی پڑتا تھا اور اسی لیے اس داخلہ کے لیے نکاح کا لفظ خاص نہ ہوا، نفس کے بخشنے اور دیگر امور غرض ان کی توسیع کے لیے جائز قرار پانے ضرور ہوئے اور اسی لیے پھر اور گواہوں کی بھی وہبت نفسی میں ضرورت نہ ہوئی اور اس لیے بیویوں کی طرح باری کے ساتھ ان کے پاس رہنا ضروری نہ ہوا، گو آپ اس پر بھی باری سے رہتے تھے اور اُن کی اطمینانِ قلبی کی باتیں ملحوظ رکھتے تھے اور اگر کوئی عورت دُور سے آئی ہو اور پھر اُس کو مصائبِ دُنیا دیکھ کر اس بیت العلم میں داخل ہونا منظور نہ ہوا تو آپ نے داخل نہ کیا اور باغ میں اُتار نا کوئی عیب کی بات نہیں۔ رہا عورتوں کا باہمی جھگڑا سو یہ ان کی جبلی بات ہے اور معاذ اللہ اس شب میں وہ پاک باز بیویاں ہر خاص کے لیے آپ سے خواستگار نہ تھیں۔ بات یہ تھی کہ آپ ایک کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ﷺ کے انفاسِ متبرکہ کو ہر ایک غنیمت جانتی تھیں اور بھی آگئیں، گھر والے کو ناگوار گزرا جو ایک طبعی بات ہے، اس پر باہم کچھ قیل و قال تھی۔ جس کو سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے کہ اُن کی صاحبزادی بھی ان میں شامل تھیں۔ عورتوں پر بزرگانہ طور پر خفا ہوئے۔ اصل بات یہ تھی، اب مخالف اس کو جس پیرایہ میں چاہے ڈھالے۔

جوابِ الزامی : حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام کی بیویاں اور حرمین تو سینکڑوں تھیں، پھر عیسائی اور یہودی ان کی کتابوں کو الہامی مانتے ہیں اسی طرح ہنود کے ہاں کرشن جی کے چودہ سو گوپیاں ناچا گایا کرتی تھیں، اب خواہ اُس کو آریہ لوگ بھجن کہیں یا کچھ اور ہم کچھ نہیں کہتے۔ رہا تعددِ ازواج کا اعتراض سو اس کا جواب کئی بار ہو چکا کہ انسانی ضرورتیں بعض اوقات ایک بیوی سے پوری نہیں ہو سکتیں اور پہلی کا بغیر قصور چھوڑ دینا انسانی مروت کے خلاف ہے اور فرض کرو مرض یا کسی وجہ سے اولاد جننے کی اس میں صلاحیت نہیں، پس اسلام نے بضرورت تعددِ ازواج کی اجازت اور وہ بھی مشروط دی کہ عدل پورا ہو۔ آمدم برسرِ مطلب، اس تمہید کے بعد پھر ازواجِ مطہرات کو چند احکام کی تعلیم دیتا ہے۔ ان اتقیتن اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو۔ یہ جملہ اس لیے فرمایا کہ صرف اسی بات پر بھروسہ نہ کر لینا کہ ہم نبی کی بیویاں ہیں، بلکہ یہ فضیلت تقویٰ کی وجہ سے ہے، چنانچہ ازواجِ مطہرات ہمیشہ زیورِ تقویٰ سے آراستہ تھیں۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ
وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ
وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ
وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا
عَظِيمًا ۝٣٥ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝٣٦

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ
اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ
فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ
اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ
عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ
يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

بے شک اللہ نے مسلمان مردوں اور عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے لیے اور فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتوں کے لیے اور راست باز مردوں اور عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں کے لیے اور خدا سے ڈرنے والے مردوں اور عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں اور پاک دامن مردوں اور پاک دامن عورتوں کے لیے اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں اور بہت یاد کرنے والی عورتوں کے لیے بخشش کا (صلہ) اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے نہ کسی ایماندار مرد اور نہ کسی ایماندار عورت کو یہ لائق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو اُن کو اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا اور (یاد کرو) جبکہ آپ اس کو کہ جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اب اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اپنے دل میں وہ بات مخفی رکھتے تھے کہ جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور لوگوں سے ڈر رہے تھے اور ڈرنا تو زیادہ اللہ ہی سے چاہیے، پھر جب زید اُس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا تو اس کا ہم نے آپ سے نکاح کر دیا تاکہ ایمانداروں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں ممانعت نہ رہے، جبکہ وہ ان سے بے تعلق کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔ نبی پر اس بات میں کچھ بھی ممانعت نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے۔ جیسا کہ اللہ کا پہلے لوگوں میں دستور تھا (ان پر نکاح کرنے میں کوئی ممانعت نہ تھی) اور اللہ کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔ وہ پہلے لوگ جو اللہ کا پیام پہنچاتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتے تھے اور کافی ہے اللہ حساب لینے کو۔

ترکیب : اعد اللہ الجملۃ خبران۔ والخیرۃ ما تخیر وجمع الضمیر الاول لعموم مؤمن ومؤمنۃ لانھما فی حیز النفی وجمع الضمیر فی من امرھم للتعظیم واللہ والواو للحال سنۃ اللہ نصب علی المصدر ای سن ذلک سنۃ الذین یبلغون وصفۃ للذین خلوا ومدح لھم منصوب او مرفوع۔ الوطر الحاجۃ۔

تفسیر ...... پہلا حکم : حضرت ﷺ کی حیات میں بھی اور آپ کے بعد بھی، جواب شرط کا محذوف ہے، فَلَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا جواب فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ لوگوں سے جو بات چیت کرنے کا اتفاق ہو تو بات میں نرمی اور لگاوٹ نہ کرو۔ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ تاکہ ناپاک آدمی کہ جس کے دل میں شہوت اور بدکاری کا مرض ہے طمع نہ کرے۔ وقلن قولا معروفا کھری بات کہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو عورتیں مہین مہین باتیں اور بڑے اخلاق سے اور ہنس ہنس کر کیا کرتی ہیں خواہ وہ پاک اور صاف دل ہی کیوں نہ ہوں، مگر ناپاک آدمی کے دل میں گدگداہٹ اور تحریک باطل پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ ایک حکم تھا۔

دوسرا حکم : وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ وقرن اہل مدینہ اور عاصم نے وقرن بفتح قاف پڑھا ہے اور لوگوں نے بکسر قاف پہلی قرأت کے موافق یہ معنی ہوں گے۔ اقررن ای الزمن بیوتکن من قولھم قررت بالمکان قرارا والحذفت الراء الاولی ھی عین الفعل لثقل التضعیف ونقلت حرکتھا الی القاف کما فی ظللت ظلت وعلی الثانی فقیل ھو من قررت اقررت اقر معناہ اقررن بکسر الراء لحذفت الاولی ونقلت حرکتھا الی القاف وقیل ھو من الوقار من قولھم وقر فلان یقر وقورا اذا اسکن واطمئن فھو امر کعدن من الوعد حلن من الوصل یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو، بغیر ضرورت باہر نہ جایا کرو۔

پردہ کا حکم : یہاں سے پردہ فرض ہوا۔ سامنے ہونے کی جیسا کہ پہلے جاہلیت میں دستور تھا۔ ممانعت ہو گئی، جیسا کہ اخیر جملہ میں فرماتا ہے وَلَا تَبَرَّجْنَ تبرج اظہار زینت اور مواقع زینت، مجاہد کہتے ہیں کہ پہلے عورتیں لوگوں کے سامنے آیا جایا کرتی تھیں۔ پس یہی تبرج جاہلیت ہے۔ (ابن کثیر) جاہلیتِ اولیٰ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ کے زمانہ کو جاہلیت اولیٰ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ نوح و ابراہیم علیہما السلام کا درمیانی زمانہ بعض کہتے ہیں۔ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کا، مگر ابن عطیہ کا قول بہت صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ سے اسلام سے پہلے کا زمانہ مراد ہے اور اس کو اولیٰ زمانہ اسلام کے لحاظ سے کہا نہ اس لیے کہ کوئی جاہلیتِ آخری اسلام کا وہ زمانہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں فسق و فجور رواج پایا گیا۔

ان آیات سے نبی ﷺ کی بیویوں کے لیے بلا ضرورت باہر جانا حرام ہو گیا تھا، ضرورت شرعیہ میں سے حج وعمرہ ہے۔ اُمت کی بیویوں کو گھر میں رہنا باہر نہ نکلنا، اس آیت سے بعض کے نزدیک واجب ہے، قوی تر یہی ہے کہ پردہ میں رہنا مستحب ہے اور اگر بضرورت باہر جائیں تو برقعہ میں یا ایسے چادرے میں کہ جس سے کوئی ستر کی چیز دکھائی نہ دے۔ یہ پردہ فرض ہے۔ اس میں جو کچھ حکمتیں ہیں، غیر قوموں کی بے پردہ عورتوں کے بیجا حالات دیکھ کر بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

تیسرا حکم : تیسرا حکم واقمن الصلوۃ نماز ادا کریں۔

چوتھا حکم : چوتھا حکم واتین الزکوۃ زکوۃ دیں، اس میں صدقہ وخیرات بھی داخل ہے۔

پانچواں حکم : اس کے سوا اور جس قدر احکام شرعیہ ہیں، اُن کو بھی بجا لاویں۔ کما قال وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یہ پانچواں حکم جمیع احکام کو شامل ہے، اس میں حج اور رمضان کے روزے بھی آ گئے، مگر نماز اور زکوۃ کو تاکید واہتمام کے لیے جداگانہ بیان کر دیا۔ یہ وہ احکام ہیں جو اصول و اخلاق اور معاد اور حسنِ معاشرت کے اصل الاصول ہیں اور تہذیب و شائستگی کا عطر اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا کہ اے اہل بیت نبی کے گھر والو یعنی بیویو ان احکام سے اللہ تم کو پاک کرنا اور تمہاری ناپاکی دُور کرنا چاہتا ہے۔ الرجس الاثم والذنب، میل کچیل ظاہری کے سوا انسان کی اخلاقی بھی میل کچیل ہوتی ہے، جو مکارم اخلاق اختیار کرنے اور ذکرِ الٰہی اور اُس کے احکام پر عمل کرنے سے دُور ہوتی ہے، وہ کسی دریا یا کنوئیں کے پانی یا کسی صابن سے دُور نہیں ہوتی۔

اہل بیت کی تحقیق : اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں اور اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے، گو گھر میں بیٹا، بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر خادم بھی اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے۔ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اور عرب بولتے ہیں، کیف اھلک یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہلِ خانہ گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔ اس

لیے علماءِ اسلام کا ایک جمِ غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں، جس کو قرآنی مذاق کو بھی ہے۔ وہ سیاق وسباق میں نظر کر کے اس بات کو جلد تسلیم کر سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ وعکرمہ وعطاء وکلبی ومقاتل وسعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں، میں اس بات پر مباہلہ کر سکتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں، اول میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے۔ کما قال قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اور یہاں تک انہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں بھی انہی کی طرف خطاب ہے۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور بیت سے مراد آنحضرت ﷺ کا گھر ہے، جو حضرت ﷺ کی بیویوں کی رہنے کی جگہ ہے، جہاں آپ شب باش ہوتے تھے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ومجاہد وقتادہ اور کل اہلِ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد اس جگہ علی وفاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم ہیں، ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عنکم ویطھرکم مذکر کے صیغہ ہیں جو ازواج مطہرات پر اطلاق نہیں کیے جاتے۔ اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ لفظ اہل کی رعایت سے تذکیر کے صیغے کلام میں آجایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر اہل البیت کا اطلاق ہوا ہے، وہاں بھی علیکم مذکر کا صیغہ ہے۔

اب فریقین کے وہ دلائل کہ جن سے ہر ایک نے اپنے مطلب کو ثابت کیا ہے، روایات واحادیث واقوال ہیں، جن کا ہر ایک فریق نے ڈھیر لگا دیا ہے۔ پھر ہر ایک نے دوسرے کے راویوں میں کلام کیا ہے اور پھر ہر ایک فریق نے اس کا جواب دیا ہے، اگر اس سب کو نقل کروں تو یہ جلد بھی کافی نہ ہو، اس لیے سب کو ترک کرتا ہوں، مگر فریق ثانی کی ایک حدیث بڑی زور آور ہے۔ جس کو ام سلمہ وعائشہ وواثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بطرق مختلفہ ترمذی وابن المنذر وحاکم وابن مردویہ بیہقی وابن ابی حاتم وطبرانی وابن ابی شیبہ واحمد ومسلم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، گو اس کے بعض طرق محدثین کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فاطمہ وعلی، حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو ایک سیاہ کملی میں لپٹا کر کہ جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے۔ یہ آیت پڑھی اور پھر یہ کہا اللھم ھولاء اھل بیتی اللھم اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا کہ اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ ان کی ناپاکی دُور کر دے اور ان کو پاک کر دے اور ایک حدیث انہی لوگوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی نماز کو جب مسجد میں جاتے تھے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر کھڑے ہو کر یا اہل البیت الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر یہ آیت پڑھتے تھے اور مسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ میں تم کو اپنے اہل بیت کے حق میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں، یعنی ان کی مراعات رکھنا زید سے کسی نے پوچھا۔ اہل بیت کون ہیں، کیا حضرت ﷺ کی بیویوں میں ان کے اہل بیت نہیں ہیں؟ کہا آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت ہیں، لیکن آپ کے اہل بیت وہ لوگ ہیں کہ جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی اور عقیل اور جعفر اور عباس کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ ان تینوں حدیثوں کو صحیح مان لینا چاہیے، مگر ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ خاص علی وفاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم ہی اہل بیت ہیں اور حضرت کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں۔ بلکہ پہلی حدیث تو یہی کہہ رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فاطمہ وعلی، حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بھی کملی میں لے کر اہل بیت میں شامل فرمایا اور ان کے لیے دعا کی ورنہ کیا اللہ کو معلوم نہ تھا کہ یہی لوگ اہل بیت ہیں؟ پھر ھولاء اھل بیتی کہنے کی کیا حاجت تھی؟ اور اسی طرح دوسری حدیث سے پایا جاتا ہے اور تیسری حدیث تو ان دونوں کے مخالف ہے۔ اس کے علاوہ یہ قول زید کا ہے جو جعفر وعقیل علی وعباس کی اولاد رضی اللہ عنہم کو اہل بیت کہہ رہے ہیں۔

قولِ فیصل: یہ ہے کہ دراصل اہل بیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں اور ان میں حضرت ﷺ نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرمالیا اور کیوں نہیں بال بچے اور بہت قریب کے عزیز واقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ پس اعتقاد صحیح اور محبت خالص یہی ہے کہ ازواج مطہرات اور ان پاک باز لوگوں کو بھی اہل بیت سمجھ کر ان کا تہ دل سے ادب کرے، جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور فاطمہ زہرا اور

حسنین بھی داخل ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

فائدہ: کیا حضرت علی وجعفر وعقیل وعباس کی اولاد بھی جو سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئی اور ہوگی، سب اہل بیت ہیں؟ حقیقت میں اہل بیت اور آل وہی لوگ تھے جو حضرت ﷺ کے سامنے موجود تھے اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کو جو اہل بیت اور آلِ نبی کہا جاتا ہے تو مجازاً اور اولاد ہونے کے باعث اس لیے کہ نہ یہ حضرت ﷺ کے گھر میں کبھی رہے ہیں نہ حضرت ﷺ ان کی عیالت کرتے تھے۔ حق بات یہی ہے باقی افراط و تفریط ہے جو تعصب یا فرطِ محبت پر مبنی ہے۔

چھٹا حکم: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا۔ یہ چھٹا حکم ہے کہ اے نبی کی بیبیو! وہ جو تمہارے گھروں میں آیات اللہ اور حکمتِ الٰہیہ کا درس ہوتا ہے۔ اس کو خوب یاد رکھو لوگوں کو سمجھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزاءِ خیر دے گا، کیونکہ وہ لطیف یعنی مہربان لطف کرنے والا اخبردار ہے۔ اس پر تمہاری کوشش مخفی نہیں۔ یہ وہی اصلی حکم ہے کہ جس کے لیے یہ پاک بازخدا بیبیاں مدرسہ علم دینیہ میں داخل کی گئیں اور ان کو نبی کی زوجیت کا شرف عطاء کیا گیا۔ پہلے احکام تو خود ان کی تہذیب وشائستگی اور ادب ومحبت اور حسن معاشرت کے لیے تھے اور یہ اس خاص مقصد کے لیے کہ جس کے لیے یہ بیویاں بنائی گئیں۔ آیات اللہ قرآن کی آیات اور حکمت سنت، یہ قرطبی کا قول ہے اور ممکن ہے کہ حکمت سے بھی قرآن ہی مراد ہو یا اسرارِ شریعت ورموزِ طریقت جو نبی ﷺ کی صحبت سے وقتاً وقتاً ان کو حاصل ہوتے تھے اور یہ حاصل ہونا گویا ان پر پڑھا جانا یعنی پڑھ کر سنایا جاتا ہے، چنانچہ ازواجِ مطہرات شب وروز اسی میں مصروف تھیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بالخصوص اور بھی مرد اور نیک عورتیں ایسے تھے کہ جو دین کی اشاعت میں بڑے سرگرم تھے۔ گویا انہوں نے اپنی جان ومال کو اسی کام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جیسا کہ عشرہ مبشرہ اور اصحاب الصفہ اور ابو ہریرہ وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمرو ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں سے انصار ومہاجرین کی بہت سی عورتیں۔ ان آیاتِ مذکورہ سے شاید ان کے دل میں یہ خطرہ گزرتا ہوگا کہ ازواج مطہرات ہی کی مساعی جمیلہ خدا کے ہاں پسند ہیں، جن کا آیات مذکورہ میں بیان ہوا اور ہماری کوشش چنداں قابلِ التفات نہیں، پس ان کی تسلی کے لیے یہ آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ نازل ہوئی اور اسی کی مؤید یہ روایت ہے کہ جس کو عبداللہ بن حمید وطبرانی نے روایت کیا ہے کہ ام عمارہ انصاریہ نے حضرت ﷺ کے پاس آکر یہ عرض کیا کہ مردوں ہی کا قرآن میں ذکر ہے، عورتوں کا کچھ بھی نہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی اور اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے احمد ونسائی وابن جریر وابن المنذر وطبرانی نے روایت کیا ہے اور ایسا ہی طبرانی وابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے۔ جس کے اسناد کو سیوطی نے حسن کہا ہے۔ اس آیت میں مسلمان اور ایماندار مرد اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے اور ان کے لیے یہ چند اوصاف اس وعدہ کے لیے شرط قرار پائے ہیں۔ اسلام، ایمان، گرچہ عرف علماء میں اول لفظوں کا مصداق ایک ہی ہے مگر قرآن واحادیث میں مقاماتِ متعددہ میں لغوی معنی کا لحاظ کر کے اسلام سے مراد انقیاد یعنی احکام ظاہریہ کا بجا لانا مراد لیا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ جبرئیل سے ثابت ہے، جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وتقیم الصلوٰۃ وتوتی الزکوٰۃ و تحج البیت و تصوم رمضان اور ایمان میں اعمال کا ذکر نہیں، صرف اللہ اور رسول اور ملائکہ اور کتب الٰہیہ اور اس کے رسولوں اور تقدیر کی تصدیق کرنا اور یقین کرنا، اسی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ قنوت یعنی عبادت واطاعت، صبر یعنی شہوات وتکالیف کی برداشت کرنا۔ اس میں اشاعتِ دین کی تکالیف بھی آگئیں۔ خشوع اللہ سے عاجزی کرنا سرنگوں دنیا میں رہنا تکبر اور سرکشی نہ کرنا، صدقہ دینا، زکوٰۃ وخیرات اور دیگر نیک کاموں میں مال صرف کرنا، صوم روزہ رکھنا، عفاف پاک دامن رہنا۔ ذکرِ الٰہی کرنا اور بہت کرنا کہ کسی وقت اس کو دل سے نہ بھلانا، یہاں تک کہ دست بکار دل بیار رہے۔

اس کے بعد علی العموم مرشدِ برحق یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ فقال وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا کہ کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور رسول کے حکم دینے کے بعد یہ مجاز باقی نہیں رہتا کہ اس کو عمل میں نہ لاوے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو صریح گمراہی میں پڑتا ہے، کیونکہ مرشدِ کامل اور ہادی برحق کے خلاف کرنا گمراہی میں پڑنا ہے۔ یہ ایک عام حکم ہے جو احکامِ سابقہ کے لیے بمنزلہ تمہید ہے، نہ اس میں زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ذکر ہے نہ کسی اور کا، مگر مفسرین نے اپنی عادت کے موافق (کہ وہ آیت کے معنی سے چسپاں کرنے کے لیے کوئی قصہ یا واقعہ خواہ مخواہ گھڑ کر اس آیت کو اسی پر ڈھال دیا کرتے ہیں۔ گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے نازل ہوئی ہے) یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنے کے لیے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے پیغام دیا جو حضرت ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا نے زید کو حقیر جان کر انکار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب زینب نے زید سے نکاح کرنا منظور کر لیا اور ان کی باہم شادی ہوگئی، مگر مؤرخین کہتے ہیں کہ زید سے زینب کا نکاح ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہو چکا تھا اور یہ سورہ ہجرت کے پانچویں برس نازل ہوئی ہے۔ پھر اس میں زینب کے نکاح کی طرف کیونکر اشارہ ہو سکتا ہے؟ نبی کی نافرمانی یا کہو اللہ اور رسول کی کسی بات میں نافرمانی اگر انکار کے طور پر ہے تو کفر ہے اور اگر قبول ہے مگر سستی سے یا خواہشِ نفسانی سے ہے تو فسق ہے۔

لوگوں کی ہدایت کا دار و مدار نبی علیہ السلام کی عظمت پر ہے، اس لیے مخالفوں کے بعض مطاعن کو جو حضرت ﷺ پر کیا کرتے تھے (اور ایسا ہوتا ہی آیا ہے کس لیے کہ کوئی شخص دُنیا میں ایسا نہیں آیا ہے کہ جس کی کسی بات پر بھی لوگوں نے اپنی کجرائی بد باطنی کی وجہ سے انکار نہیں کیا ہے) دفع کرتا ہے۔ منجملہ اُن مطاعن کے ایک طعن زید کی بیوی زینب سے نکاح کر لینے کے بارے میں تھا جو حضرت ﷺ نے زید کے طلاق دیے اور عدت گزر جانے کے بعد ایک حکمِ آسمانی اور مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے کیا تھا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۴۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۴۱ ع
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۴۲ هُوَ الَّذِیْ يُصَلِّیْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۴۳ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۴۴ يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۴۵ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۴۶ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۴۷ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۴۸

محمد تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں (زید کے بھی نہیں) لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔ ایمان دارو اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور اس

کی صبح و شام پاکی بیان کیا کرو۔ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لائے اور وہ ایمان والوں پر بڑا مہربان ہے۔ جس دن مومنین خدا سے ملیں گے ان کے لیے سلام کا تحفہ ہوگا اور ان کے لیے عزت کا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے اور خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف لوگوں کو بلانے کو اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے اور نبی خوشخبری دو ایمانداروں کو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا اور ان کی ایذا سے درگزر کرتے رہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ کافی ہے کارسازی کو۔

ترکیب : ولکن بالتشدید فخبرہ محذوف ای ولکن رسول اللہ اب من غیر وراثۃ۔ او یقال ولکن کان رسول اللہ، بکرۃ واصیلا ظرفان للتسبیح تحیتہم اضافۃ المصدر الی المفعول مبتداء و سلام خبرہ یوم یلقونہ ظرف لہ۔ ای تحیون یوم لقاء تعالٰی عند الموت او الخروج من القبر اودخول الجنۃ بالسلام یقال لھم السلام علیکم او تخبر بالسلامۃ من کل مکروہ و آفۃ فضلا کبیرا اسم ان لھم خبرہ و من اللہ صفۃ والجملۃ معطوف علی محذوف ای فذاتِ احوال امتک۔

تفسیر.....زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ کی تحقیق اور مخالفوں کا جواب : فقال اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ اس آیت میں ضرور ایک واقعہ گزشتہ کی طرف اشارہ ہے اور باتفاق مفسرین وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جھگڑے کی طرف اشارہ اور اسی پر آیت کے الفاظ چسپاں ہیں۔ وہ قصہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی ضمانت و کفالت اور بڑی کوشش سے زینب کا نکاح زید سے ہوا۔ زینب قوم کی قریش اور اس پر تند خو تھیں، اکثر معاملات میں میاں بیوی کی تو تو میں میں رہتی تھی۔ آخر ناچار ہو کر زید نے حضرت ﷺ سے شکایت کی اور بجز آپ کے اس کا تھا کون اور یہ بھی ظاہر کیا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں، اس کی بدمزاجی سے میرا اس کا نباہ ہو نہیں سکتا۔ حضرت ﷺ نے زید کو کہ جس پر اللہ نے انعام کیا، اس کو مشرف باسلام کیا اور خود حضرت ﷺ نے بھی اس پر انعام کیا کہ اس کو آزاد کیا۔ منع کیا اور کہا طلاق نہ دے، کیونکہ جانتے تھے کہ پھوپھی کی بیٹی ہے، میں نے ہی اس کا نکاح کروایا ہے۔ آخر پھر مجھ کو ہی اس کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جاوے گا اور میں جو اس سے نکاح کروں گا تو لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بات تھی کہ جس کو حضرت ﷺ دل میں مخفی رکھتے تھے۔ یعنی سوچے ہوئے تھے اور اسی سبب سے لوگوں کی طعنہ زنی سے ڈرتے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو خبر کرتا ہے کہ لوگوں سے کیا ڈرتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ لوگوں سے ڈرنا اور ایک ناجائز رسم کے توڑنے میں رسول کو دل میں لوگوں کے طعنہ کا خوف کرنا، خدا کے نزدیک ناپسند بات تھی کہ جس کی نسبت فرماتا ہے۔ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ تو اپنے دل میں جو بات رکھ کر چھپاتا اور لوگوں سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کو ظاہر ہی کر کے رہے گا، چنانچہ خدا نے اس کو ظاہر کر دیا۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا کہ جب زید رضی اللہ عنہ اس عورت یعنی زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی حاجت پوری کر چکا، نکاح کر کے گھر میں رکھ کے طلاق دے دی تو اس کا نکاح ہم نے اے نبی تجھ سے کر دیا۔ یعنی ہم نے اس کے نکاح کرنے کا تجھ کو حکم دیا۔ بخاری و ترمذی و احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ زید بن حارثہ زینب کی شکایت لے کر آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو یہی سمجھایا کہ نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔ اس پر یہ آیت وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ الخ نازل ہوئی، پھر اس سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا اور اس کا ایسا ولیمہ کیا کہ جو کسی بیوی کا ولیمہ نہیں کیا۔ سب لوگوں کو گوشت اور روٹی کی دعوت کھلائی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ خود خدا نے یا آسمان پر فرشتے نے نکاح پڑھا دیا تھا اور چپ چاپ زینب کے پاس چلے گئے تھے۔ جیسا کہ معترض روایات میں غور نہ کرنے سے سمجھتا ہے۔ زوجنا کا فرمانا حضرت ﷺ کے دلی خوف کا اظہار کر دینا ہے کہ جس کو آپ دل میں لوگوں کے ڈر سے مخفی رکھتے تھے اور اے نبی! تجھ سے اس کا نکاح ہم نے کیوں کر دیا۔ لِكَیْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا کہ مسلمانوں کے لیے منہ بولے بیٹوں کی

بیویوں سے نکاح کرنے میں جبکہ وہ ان کو طلاق دے چکیں کوئی ممانعت نہ رہے۔ یعنی یہ عورت اسلام میں محرمات میں سے نہیں ہے اور ایک رسم کی وجہ سے لوگ اس کو حرام جانتے ہیں۔ یہ رسم اور الحاق جاہلیت مٹ جاوے۔ درحقیقت ایسے رسوم کے توڑنے میں لوگوں پر بڑے حملے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چچی اور ممانی سے نکاح کرنا بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس رسم کے توڑنے کے لیے کر لیتا ہے تو دیکھیے اس پر کیسے کیسے بہتان باندھے جاتے ہیں اور کیسے حملے ہوتے ہیں؟ فرماتا ہے یہ بات ہو کر رہنے والی تھی، خدا کو اس کا منانا منظور تھا۔ مَاكَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ کوئی اگر شبہ کرے کہ اس رسم کو نبی ﷺ سے کیوں متوایا، کسی اور کا نکاح کر کے اس کو توڑ دیتا تھا، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبی پر کیا عیب ہے اور کیا تنگی اور ممانعت ہے اس کام کے کر لینے میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا یا اس کو اس پر مامور کر دیا۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اگلے انبیاء اور صلحاء میں بھی اللہ کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ سے رسوم جاہلیت کو تڑوایا کرتا ہے، انہی کو اس کے توڑنے پر مامور کیا کرتا ہے، کیونکہ نشانۂ ملامت بننا انہیں مردانِ خدا کا کام ہے۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور اللہ کی بات مقرر ٹھہرائی گئی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ٹلتی نہیں ہو کر رہتی ہے اور یہ دستور رسم شکنی کن لوگوں کا ہے؟ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ان کا جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، کسی کے طعن و تشنیع اور برا بھلا کہنے کی ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو جو ان پاک بازوں پر طعن کرتے ہیں۔ ان سے وہ ضرور حساب لے گا، باز پرس کرے گا۔ یہ ہیں ان آیات کے صاف صاف معنی جن پر کوئی بھی خدشہ کسی مخالف کا وارد نہیں ہو سکتا۔ واضح ہو کہ اسلام میں ظاہر ہو کر مخالف ہمیشہ سے اپنی کاریگری کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے بہت سی جھوٹی حدیثیں بھی گھڑی ہیں، جن سے اسلام اور پیغمبر پر بدنما دھبہ لگانا مقصود ہوتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں بھی وہ ایسی روایات شامل کر دیتے ہیں کہ جن سے آیات کا مطلب اُلٹ پلٹ ہو جائے اور اسلام پر کوئی عیب لگے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر انہوں نے ایسا کیا ہے۔ منجملہ ان کے یہاں بھی عجیب و غریب روایات گھڑی ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ زینب رضی اللہ عنہا اچھے کپڑے پہنے کھڑی تھی۔ پیغمبر ﷺ جو زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے، زینب کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور اللھم مقلب القلوب پڑھ کر چلے آئے۔ زینب رضی اللہ عنہا اس لگاوٹ کو بھانپ گئی اور اس نے زید سے کہہ دیا، زید کو غیرت آئی طلاق دے دی آپ نے جھٹ پٹ نکاح کر لیا، بلکہ بے نکاح کے شوق میں آ کر اس کے گھر میں گھس گئے اور اس سے ہم بستر ہوئے اور جو کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ میرا نکاح اس سے آسمان پر ہو چکا ہے۔ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ کے معنی زینب کی محبت اور اس کا عشق مراد لیا ہے اور بعض نے کہا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دل میں تو یہ تھا کہ زید اس کو چھوڑ دے، لیکن اس کو لوگوں سے ڈر کر ظاہر نہیں کرتے تھے اور بظاہر زید کو کہتے تھے کہ اس کو طلاق نہ دے۔ معاذ اللہ نبی علیہ السلام پر کیا کیا بہتان باندھتے ہیں۔ زینب تو آپ کی پھوپھی زاد بہن تھی، لڑکپن سے آپ کے سامنے ہوتی تھی اور کون عورت تھی کہ جو حضرت ﷺ سے پردہ کرتی تھی، پھر کیا آج ہی حضرت ﷺ نے زینب کو دیکھا تھا اور اگر ابتداء سے محبت تھی تو زید سے کیوں نکاح کروایا، جو بمشکل اس کے ورثاء راضی ہوئے تھے۔ آپ ہی کیوں نہ کر لیا جو بڑی خوشی سے اس کے وارث منظور کرتے۔ ان بے دینوں سے تو یہ بہتان بندی کچھ بھی تعجب نہیں مگر تعجب تو اپنے بعض سیدھے سادھے بھولے بھالے مفسرین سے ہے کہ جنہوں نے ان کی روایات کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا اور ان کے اس کہنے سے دھوکے میں آ گئے۔ حدثنا فلان عن فلان۔ یہ حضرات تو بس اس حدثنا پر غش ہیں، پھر نہیں دیکھتے کہ اس کے راوی کیسے ہیں اور یہ روایت کیسی ہے۔[1] مخالفین اسلام ان روایات یا ان سادہ لوح مفسرین کے اقوال سے آنحضرت ﷺ پر عیب لگاتے ہیں، وہ عیب دراصل آنحضرت ﷺ کو

[1] برخلاف محققین مفسرین کے اللہ ان کو جزاء خیر دے انہوں نے اس مقام پر ہمارے موافق معنی لکھے ہیں ابن کثیر نے ان روایات پر ذرا بھی توجہ نہ کی اور کہہ دیا کہ یہ چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

بھی نہیں لگتا، بلکہ اُن راویوں پر۔ نہ ہم ان بے ہودہ روایات کی صحت کے قائل ہیں نہ ان پر جو اعتراضات پڑتے ہیں، ان کے جواب کے ذمہ دار ہیں۔ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اب ان کے اس طعن کا جواب دیتا ہے کہ محمد ﷺ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ ہی نہیں کیونکہ اس وقت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعض صاحبزادیاں تھیں، وہ مرد نہیں اور صاحبزادے قاسم و طیب وغیرہ لڑکپن میں انتقال کر چکے تھے، رہے حسن و حسین رضی اللہ عنہما گو وہ حقیقی بیٹے نہ تھے بلکہ نواسے مگر مرد یعنی بالغ جوان وہ بھی اس وقت نہ تھے بچے تھے۔ مطلب یہ کہ زید کے آپ باپ نہیں پھر کس وجہ سے طعن کرتے ہو؟ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے پچھلے ان کی نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں۔ ابن عامر و عاصم نے خاتم کو فتح تاء پڑھا ہے جس کے معنی ہیں مہر کے کہ آپ سب نبیوں کی مہر ہیں۔ جب کسی چیز پر بند کر کے مہر لگا دیتے ہیں تو اس میں اور نہیں داخل ہوتی۔ اسی طرح آپ سے سلسلہ نبوت کو تمام کر کے اس پر مہر کر دی گئی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا اور دوسرے قراء نے بکسر تاء اسم فاعل کا صیغہ قرار دیا ہے، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

خاتم النبیین پر دلیلِ عقلی : احادیث صحیحہ میں بھی تصریح آ گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ قصر نبوت میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی سو وہ اینٹ آپ ہیں۔ اس کو بخاری و مسلم و احمد و ترمذی وغیرہ نے مختلف صحابیوں سے روایت کیا ہے، مختلف عبارات میں اور اسی پر تمام امت کا اتفاق ہے اور اجماع اور **دلیلِ عقلی** اس پر یہ ہے کہ آپ سے پہلے سینکڑوں انبیاء دنیا میں آئے اور گمراہی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی طرح بطرح احکام کے تبدیل و تغیر کرنے سے اصلاحیں ہوتی رہیں، آخر جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے عہد میں پوری کر دی گئی، آئندہ پیش آنے والی ضرورتیں ان کی تدبیر بھی کتاب و سنت میں رکھ دی گئی ہے، وقتاً فوقتاً مجدد یا مجتہد یا حکیم اُمت کتاب و سنت سے وہ حاجت برآری کر سکتے ہیں۔ نئے نبی بھیجنے میں سیاستِ ملیہ میں بڑا انقلاب واقع ہوتا ہے جس میں ہزاروں گمراہ ہو جاتے ہیں، اس لیے اس شفقت اور رحمت کو اپنے بندوں سے دور کر دیا، جس کی طرف وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا میں اشارہ ہے کہ عواقب امور اللہ کی نظر میں ہیں اس کی مصلحت وہ خوب جانتا ہے اور نیز آئندہ آیات میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت ﷺ کے بعد قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آویں گے، جیسا کہ اہلِ اسلام بلکہ عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے، پھر آپ خاتم کیونکر ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نئے نبی نہیں ہیں، بلکہ آپ سے پہلے ہو چکے ہیں اور زمین پر آ کر حضرت ﷺ کے دین کی اشاعت کریں گے۔ آپ کے نائب ہو کر بندوں پر خدا نے ایسے نبی کے بھیجنے سے بڑا احسان کیا ہے، اس لیے اس نعمت کے شکریہ میں حکم دیتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا کہ اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کیا کرو، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور بعثت انبیاء سے مقصود بھی یہی ہے کہ بندے اپنے اللہ کو یاد کیا کریں وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العظیم کہو۔ بری باتوں سے اس کی پاکی بیان کرو کہ وہ سب عیبوں سے پاک ہے، بعض علماء نے اس سے صبح اور عصر کی نماز مراد لی ہے، ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل کے بہت کچھ فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ انسان کا دنیا کی کمائی میں سے یہی بڑا حصہ ہے، پھر جس کو خدا نصیب کرے۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ صلوٰۃ کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور جب ملائکہ کی طرف تو استغفار مگر یہاں مراد معنی مشترک ہیں، وہ عنایت و توجہ بطرف اصلاح کار بندگان یہاں سے یہ بات جتلاتا ہے کہ اللہ اور عالم بالا کو تمہارے حال پر مہربانی ہے، اس لیے اس نے رسول بھیجا۔ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ تم کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لاوے۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا وہ مومنوں پر نہایت مہربان ہے، یہ دنیا کی رحمت ہے اور آخرت میں تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جس دن ملیں گے یا مرنے کے بعد وہ ان سے السلام علیکم کہے گا جس کے معنی یہ کہ تم پر سلامتی ہو۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا عَظِيْمًا اور ایمانداروں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی شرح کرتا ہے کہ نبی کریم کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ

نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا کہ اے نبی! ہم نے (یہ نہیں کہ از خود بن گیا) تجھ کو بھیجا ہے شاہد اور مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر۔ شاہد نبی ہے عقول و آرا لوگوں کے تعارض میں اور عادات و رسوم کے اختلاف میں اور تجارب کی کشمکش میں کہ جہاں کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ رائے لگاتا ہے، خدا کی طرف سے اصلی اور سچی بات کے حق ہونے کی شہادت یعنی گواہی دیتا ہے، اس کی شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے۔ وہی لوگوں کو نیک کاموں کے عمدہ نتیجہ کا مژدہ اور بشارت دے کر کرہمت بندھوا دیتا ہے۔ سعادت حاصل کرنے میں سرگرم کر دیتا ہے۔ وہی بارگاہ کبریائی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، اس کے حکم سے اس کے گھر میں جا کر نعمتیں حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ صلائے عام پکارتا ہے، ادھر آؤ شہنشاہِ حقیقی کی بارگاہ میں تم کو میں لے چلوں میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ، کوئی مانع نہ ہوگا۔ وہی سراج منیر چراغ روشن ہے۔ (سراج منیر محاورہ عرب میں آفتاب کو کہتے ہیں، تمام دُنیا ظلماتِ اور اندھیروں میں ٹکراتی پھرتی تھی، جب اللہ تعالیٰ کا یہ جہاں آفتاب مکہ کے پہاڑوں پر جلوہ گر ہوا اس نے مشرق سے مغرب تک کو منور کر دیا، جس نبی میں یہ اوصاف ہوں اور اس نے دُنیا کو منور کر دیا ہو اس کے بعد اور نبی آ کر کیا کرے گا، ایک آفتاب کے بعد دوسرے کی کیا ضرورت؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

ایماندارو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت[1] نہیں کہ جس کی تم کو گنتی پوری کرنی پڑے، بس ان کو کچھ دے دو اور خوش اسلوبی سے چھوڑ دو۔ اے نبی ہم نے آپ کے لیے وہ بیبیاں حلال کر دیں کہ جن کو آپ نے ان کا مہر دے دیا اور وہ عورتیں بھی جو آپ کے ہاتھ لگیں، اس غنیمت سے جو اللہ نے تم کو عنایت کی ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی جو آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں اور وہ ایماندار عورت بھی جو اپنی جان نبی کو بخش دے، بشرطیکہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے (یہ) خاص آپ کے لیے ہے اور مسلمانوں کے لیے نہیں۔ ہم کو معلوم ہے جو کچھ ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں مقرر کر دیا ہے تاکہ آپ پر کوئی دقت نہ رہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

[1] والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء۔ وقولہ تعالیٰ واللائی یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر ان آیتوں میں جو طلاق دی ہوئی عورت کے لیے تین حیض یا تین مہینے کی عدت بیان فرمائی ہے۔ ان سے مراد وہ عورت ہے کہ جس سے صحبت نہ کی ہو اس لیے صحبت نہ کی ہوئی عورت کی عدت کا حال اس آیت میں بیان کر دیا کہ اس کے لیے کوئی عدت نہیں۔ ابن التمری کہتے ہیں یہ آیت پہلی ←

ترکیب : وامراة منصوب بفعل محذوف یفسره ما قبلہ ای حللنا لک امراة مؤمنة ویمکن ان یکون معطوفا علی ما سبق ولا یمنعہ ان التی للاستقبال فی قولہ ان وهبت لان المراد بالاحلال الاعلام بالحل اذا وقع الفعل علی ذلک کما یقال ابحت لک الکلام بزید ان سلم علیک خالصة یجوز ان یکون حالا من الضمیر فی وهبت وان یکون صفة المصدر ای هبة ویجوز ان یکون مصدرا ای اخلصنا لک ذلک اخلاصا وقد جاءت فاعلة مصدرا مثل العاقبة۔

تفسیر..... اول حکم : اس کے بعد خود اس صلائے عام کا نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے۔ فقال وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ ایمانداروں کو خوشخبری دے کہ اللہ کا ان پر بڑا فضل ہے۔ دُنیا میں ان کو ہر طرح سے سرفرازی دے گا۔ آخرت میں اجرِ عظیم دے گا۔ اب رہے کافر و منافق جو تصدیق نہیں کرتے اور طرح بطرح کے بہتان باندھتے اور طعن کرتے ہیں اور آپ کو اپنی مرضی کے موافق کرنا چاہتے ہیں۔ پس وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ان کا کہنا نہ مان ودع اذاهم اور ان کی تکلیف اور ایذا سے درگزر کرو وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ پر بھروسہ رکھو یہ تمہارا کیا کر سکتے ہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ کارسازی کے لیے بس ہے۔ آپ کو ان کی کیا احتیاج ہے جو نہیں مانتا نہ مانے۔ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا حضرت سے پچھلی آیتوں میں تذکرہ تھا، اس لیے کچھ احکام نکاح و طلاق و عدت کے متعلق بیان فرماتا ہے۔ فقال یا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ یہ ایک حکم ہے کہ جس ایماندار عورت سے نکاح ہوا، پھر اس کے پاس جانے سے پہلے اُس کو طلاق دینے کی ضرورت پڑ جاوے تو اس عورت کے لیے کوئی عدت نہیں کہ جس کو تم گنو۔ اس کو اختیار ہے کہ طلاق کے بعد فوراً اور سے نکاح کر لے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ہاتھ لگانے سے پہلے، اگر اس کے معنی صحبت کرنا لیا جاوے تو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دینے میں عدت نہیں، اس سے یہ بات پیدا ہوگی کہ صحبت نہیں کی اور خلوت ہوئی تب بھی عدت نہیں، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اور اگر اس لفظ کو عام لیا جاوے کہ جس میں خلوت بھی آگئی تو یہ معنی ہوں گے کہ صحبت اور خلوت سے پیشتر طلاق دینے میں عدت نہیں، پس اگر خلوت کا اتفاق ہوا اور صحبت نہ کی اور طلاق دے دی تو عدت بھی لازم ہوگی اور مرد کو پورا مہر بھی دینا پڑے گا، کیونکہ خلوت بمنزلہ صحبت کے ہے اور اس بات کا امتیاز کہ خلوت کے بعد صحبت کی یا نہیں مشکل ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا یہی قول ہے اور قرطبی اور ابن کثیر نے اس بات پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ مسئلہ اجماعی ہے۔ عدت تین حیض تک نکاح کرنے سے رُکا رہنا اس عرصہ میں عورت اور سے نکاح نہ کرے اور جو حیض نہیں آتا تو تین مہینے تک بند رہے۔

المؤمنات کا لفظ یہ کہتا ہے کہ حکم مسلمان عورت کے لیے ہے، مگر حکم عام ہے۔ اگر اہلِ کتاب کی عورت سے نکاح کر کے صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو اس کے لیے بھی عدت نہیں، مگر مومنات کا لفظ اس لیے آیا کہ مسلمان کو بہتر یہی ہے کہ مسلمان ہی عورت سے نکاح کرے اور ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ پس یہ قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے کہ یونہی اتفاق ہوا کرتا ہے۔ نکاح کے لغوی معنی صحبت کرنے کے ہیں، مگر قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے تو اس سے مراد عقد ہے، خواہ بطور حقیقت خواہ بطور مجاز۔ فما لکم کا لفظ یہ کہہ رہا ہے کہ عدت میں عورت کو مرد کا حق ہے، اگر وہ عدت میں نکاح کرنا چاہے تو یہ اُس کو روک سکتا ہے، تعتدونها من عددت الدراهم اس کے معنی گنتی کے ہیں اور کسی نے اس کو بالتخفیف بھی پڑھا ہے تو یہ اعتداء بمعنی ظلم سے ہوگا، جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اس صورت میں عدت نہیں کہ جس کے اندر تم ان پر زیادتی کرو۔ والاول اقویٰ۔

شریعت نے عورت کے لیے عدت اس لیے مقرر کی ہے کہ حمل کا حال معلوم ہو جائے۔ اگر فوراً نکاح کر لے یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے کا، جب صحبت نہیں تو پھر عدت سے کیا فائدہ؟

← دونوں آیتوں کے عموم کی تخصیص ہے۔ ۱۲ منہ

بیویوں سے نکاح کرنے میں جبکہ وہ ان کو طلاق دے چکیں کوئی ممانعت نہ رہے۔ یعنی یہ عورت اسلام میں محرمات میں سے نہیں ہے اور ایک رسم کی وجہ سے لوگ اس کو حرام جانتے ہیں۔ یہ رسم اور الحاقِ جاہلیت مٹ جاوے۔ درحقیقت ایسے رسوم کے توڑنے میں لوگوں پر بڑے حملے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چچی اور ممانی سے نکاح کرنا بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس رسم کے توڑنے کے لیے کر لیتا ہے تو دیکھئے اس پر کیسے کیسے بہتان باندھے جاتے ہیں اور کیسے حملے ہوتے ہیں؟ فرماتا ہے یہ بات ہو کر رہنے والی تھی، خدا کو اس کا مٹانا منظور تھا۔ مَاكَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ کوئی اگر شبہ کرے کہ اس رسم کو نبی ﷺ سے کیوں مٹوایا، کسی اور کا نکاح کرکے اس کو توڑ دینا تھا، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبی پر کیا عیب ہے اور کیا تنگی اور ممانعت ہے اس کام کے کر لینے میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا یا اس کو اس پر مامور کر دیا۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اگلے انبیاء اور صلحاء میں بھی اللہ کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ سے رسومِ جاہلیت کو تڑوایا کرتا ہے، انہی کو اس کے توڑنے پر مامور کیا کرتا ہے، کیونکہ نشانۂ ملامت بننا انہیں مردانِ خدا کا کام ہے۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا اور اللہ کی بات مقرر ٹھہرائی گئی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ٹلتی نہیں ہو کر رہتی ہے اور یہ دستور رسم شکنی کن لوگوں کا ہے؟ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ان کا جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، کسی کے طعن و تشنیع اور برا بھلا کہنے کی ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا اور اللہ کافی ہے حساب لینے جو ان پاک بازوں پر طعن کرتے ہیں۔ ان سے وہ ضرور حساب لے گا، باز پرس کرے گا۔ یہ ہیں ان آیات کے صاف صاف معنی جن پر کوئی بھی خدشہ کسی مخالف کا وارد نہیں ہو سکتا۔ واضح ہو کہ اسلام میں ظاہر ہو کر مخالف ہمیشہ سے اپنی کاریگری کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے بہت سی جھوٹی حدیثیں بھی گھڑی ہیں، جن سے اسلام اور پیغمبر پر بدنما دھبہ لگانا مقصود ہوتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں بھی وہ ایسی روایات شامل کر دیتے ہیں کہ جن سے آیات کا مطلب الٹ پلٹ ہو جائے اور اسلام پر کوئی عیب لگے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر انہوں نے ایسا کیا ہے۔ منجملہ ان کے یہاں بھی عجیب و غریب روایات گھڑی ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ زینب رضی اللہ عنہا اچھے کپڑے پہنے کھڑی تھی۔ پیغمبر ﷺ جو زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے، زینب کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور اللّٰہم مقلب القلوب پڑھ کر چلے آئے۔ زینب رضی اللہ عنہا اس لگاوٹ کو بھی تاڑ گئی، اس نے زید سے کہہ دیا، زید کو غیرت آئی طلاق دے دی، آپ نے جھٹ پٹ نکاح کر لیا، بلکہ بے نکاح کے شوق میں آ کر اس کے گھر میں گھس گئے اور اس سے ہم بستر ہوئے اور جو کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ میرا نکاح اس سے آسمان پر ہو چکا ہے۔ تُخْفِي فِي نَفْسِكَ کے معنی زینب کی محبت اور اس کا عشق مراد لیا ہے اور بعض نے کہا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دل میں تو یہ تھا کہ زید اس کو چھوڑ دے، لیکن اس کو لوگوں سے ڈر کر ظاہر نہیں کرتے تھے اور بظاہر زید کو کہتے تھے کہ اس کو طلاق نہ دے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ نبی علیہ السلام پر کیا کیا بہتان باندھتے ہیں۔ زینب تو آپ کی پھوپھی زاد بہن تھی، لڑکپن سے آپ کے سامنے ہوتی تھی اور کون عورت تھی کہ جو حضرت ﷺ سے پردہ کرتی تھی، پھر کیا آج ہی حضرت ﷺ نے زینب کو دیکھا تھا اور اگر ابتداء سے محبت تھی تو زید سے کیوں نکاح کروایا، جو بمشکل اس کے ورثاء راضی ہوئے تھے۔ آپ ہی کیوں نہ کر لیا جو بڑی خوشی سے اس کے وارث منظور کرتے۔ ان بے دینوں سے تو یہ بہتان بندی کچھ بھی تعجب نہیں مگر تعجب تو اپنے بعض سیدھے سادھے بھولے بھالے مفسرین سے ہے کہ جنہوں نے ان کی روایات کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا اور ان کے اس کہنے سے دھوکے میں آ گئے۔ حدثنا فلان عن فلان۔ یہ حضرات تو بس اس حدثنا پر غش ہیں، پھر نہیں دیکھتے کہ اس کے راوی کیسے ہیں اور یہ روایت کیسی ہے؟[1] مخالفین اسلام ان روایات یا ان سادہ لوح مفسرین کے اقوال سے آنحضرت ﷺ پر عیب لگاتے ہیں، وہ عیب دراصل آنحضرت ﷺ پر

[1] برخلاف محققین مفسرین کے اللہ ان کو جزائے خیر دے انہوں نے اس مقام پر ہمارے موافق معنی لکھے ہیں ابن کثیر نے ان روایات پر ذرا بھی توجہ نہ کی اور کہہ دیا کہ یہ چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

ہو ہی گئی، بلکہ ان راویوں پر۔ نہ ہم ان بے ہودہ روایات کی صحت کے قائل ہیں نہ ان پر جو اعتراضات پڑتے ہیں، ان کے جواب کے ذمہ دار ہیں۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اب ان کے اس طعن کا جواب دیتا ہے کہ محمد ﷺ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ ہی نہیں کیونکہ اس وقت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعض صاحبزادیاں تھیں، وہ مرد نہیں اور صاحبزادے قاسم اور ابراہیم وغیرہ لڑکپن میں انتقال کر چکے تھے، رہے حسن و حسین رضی اللہ عنہما گو وہ حقیقی بیٹے نہ تھے بلکہ نواسے مگر مرد یعنی بالغ جوان وہ بھی اس وقت نہ تھے بلکہ بچے تھے۔ مطلب یہ کہ زید کے آپ باپ نہیں پھر کس وجہ سے طعن کرتے ہو؟ وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے پچھلے ان کی نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں۔ ابن عامر و عاصم نے خاتم کو بفتح تاء پڑھا ہے، جس کے معنی ہیں مہر کے کہ آپ سب نبیوں کی مہر ہیں۔ جب کسی چیز پر بند کر کے مہر لگا دیتے ہیں تو اس میں اور نہیں داخل ہوتی۔ اسی طرح آپ سے سلسلہ نبوت کو تمام کر کے اس پر مہر کر دی گئی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا اور دوسرے قراء نے بکسر تاء اسم فاعل کا صیغہ قرار دیا ہے، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

خاتم النبیین پر دلیلِ عقلی : احادیث صحیحہ میں بھی تصریح آگئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ قصر نبوت میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی سو وہ اینٹ آپ ہیں۔ اس کو بخاری و مسلم و احمد و ترمذی وغیرہ نے مختلف صحابیوں سے روایت کیا ہے، مختلف عبارات میں اور اسی پر تمام امت کا اتفاق ہے اور اجماع اور **دلیلِ عقلی** اس پر یہ ہے کہ آپ سے پہلے سینکڑوں انبیاء دنیا میں آئے اور گمراہی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، طرح بطرح احکام کے تبدیل و تغیر کرنے سے اصلاحیں ہوتی رہیں، آخر جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے عہد میں پوری کر دی گئی، اور آئندہ پیش آنے والی ضرورتیں ان کی تدبیر بھی کتاب و سنت میں رکھ دی گئی ہے، وقتاً فوقتاً مجدد یا مجتہد یا حکیم امت کتاب و سنت سے وہ حاجت برآری کر سکتے ہیں۔ نئے نبی بھیجنے میں سیاست ملیہ میں بڑا انقلاب واقع ہوتا ہے، جس میں ہزاروں گمراہ ہو جاتے ہیں، اس لیے اس شفقت اور رحمت کو اپنے بندوں سے دور کر دیا، جس کی طرف وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا میں اشارہ ہے کہ عواقب امور اللہ کی نظر میں ہیں، اس کی مصلحت وہ خوب جانتا ہے اور نیز آئندہ آیات میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت ﷺ کے بعد قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آویں گے، جیسا کہ اہلِ اسلام بلکہ عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے، پھر آپ خاتم کیونکر ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نئے نبی نہیں ہیں، بلکہ آپ سے پہلے ہو چکے ہیں اور زمین پر آ کر حضرت ﷺ کے دین کی اشاعت کریں گے۔ آپ کے نائب ہو کر [illegible] پر خدا نے ایسے نبی کے بھیجنے سے بڑا احسان کیا ہے، اس لیے اس نعمت کے شکریہ میں حکم دیتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا کہ اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور بعثتِ انبیاء سے مقصود بھی یہی ہے کہ بندے اپنے اللہ کو یاد کریں۔ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہو۔ بری باتوں سے اس کی پاکی بیان کرو کہ وہ سب عیبوں سے پاک ہے، بعض علماء نے اس سے صبح اور عصر کی نماز مراد لی ہے، ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل کے بہت کچھ فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ انسان کا دنیا کی کمائی میں سے یہی بڑا حصہ ہے، پھر جس کو خدا نصیب کرے۔ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ صلوٰۃ کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور جب ملائکہ کی طرف تو استغفار مگر یہاں مراد معنی مشترک ہیں، وہ عنایت و توجہ بطرف اصلاح کار بندگان یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ اللہ اور عالم بالا کو تمہارے حال پر مہربانی ہے، اس لیے اس نے رسول بھیجا۔ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّورِ تم کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لاوے۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا وہ مومنوں پر نہایت مہربان ہے، یہ دنیا کی رحمت ہے اور آخرت میں تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جس دن ملیں گے یا مرنے کے بعد وہ ان سے السلام علیکم کہے گا جس کے معنی یہ کہ تم پر سلامتی ہو۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا عَظِيمًا اور ایمانداروں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی شرح کرتا ہے کہ نبی کریم کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ

دوسرا حکم: فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یہ دوسرا حکم ہے کہ ان کو متعہ دو اور صاف طور سے چھوڑ دو، پھر ان سے کوئی دعویٰ نہ رکھو، یہ نہ ہو کہ اُدھر میں لٹکائے رکھو۔

متعہ: اس عطیہ کا نام ہے جو خاوند کی طرف سے طلاق کے بعد بیوی کو دیا جایا کرتا ہے، جس کی تعیین میں علماء کا کس قدر اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ اور ابن عباس ؓ کے نزدیک تین کپڑے ہیں اور وہ کس قیمت کے ہوں؟ یہ غنی اور تنگدست کے حال پر چھوڑا گیا ہے۔ کما قال عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ، سورہ بقرہ، مگر اس کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہوں۔ امام شافعی ؒ نے اس کی مقدار حاکم کی رائے پر ٹھہرائی ہے۔ اب کلام ہے تو اس میں ہے کہ ایسی عورت کو کہ جس کو صحبت سے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کو متعہ دینے سے کیا مراد ہے؟ کیا واجب ہے یا مستحب اور اس کے سوا اس کو اور بھی کچھ ملنا چاہیے یا نہیں؟ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے۔ کما قال وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ الآیہ ان دونوں آیتوں پر نظر کر کے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر اس عورت کے لیے مہر معین نہیں ہوا اور صحبت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو اس کے لیے صرف متعہ دینا واجب ہے، مہر کچھ نہ ملے گا۔ اس آیت احزاب میں غالباً یہی مراد ہے اور اگر مہر[1] معین ہو چکا ہے تو نصف مہر ملے گا، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں ہے اور متعہ دینا اس صورت میں مستحب ہے نہ واجب، یہ اس لیے واجب ہوا کہ آخر اس عورت سے نکاح ہوا ہے۔ گو صحبت نہیں کی اور اس بیچاری کا مہر بھی معین نہیں اور اس پر طلاق کی عار عائد ہوتی ہے، ضرور اس کو کچھ دینا شرط مروت ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ یہاں سے وہ احکام بیان فرماتا ہے جو خاص نبی ﷺ سے نکاح کی بابت متعلق ہیں، ہم کہہ چکے ہیں بلکہ ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے یہ متعدد نکاح جو مدینہ میں آ کر ہوئے، ان سے غرض یہی تھی کہ اپنی بیویوں کی ایک جماعت بنا کے ان کو دینیات کے سکھنے پر مامور کریں۔ دراصل یہ بیویاں دینی مدرسہ کے طالب العلم تھیں اور اسی نیت سے ان کو زوجیت میں لیا جاتا تھا کہ ان کو نان ونفقہ سے فراغ بالی ہو جائے اور خلوت وجلوت میں آپ سے مسائل سیکھیں، اس لیے ان کے اقسام اور اس مدرسہ کے داخلہ کے دستور اور پھر ان کے اسی غرض کے لحاظ پر حقوق بیان فرماتا ہے۔ ان بیویوں کی کئی قسم تھیں، یعنی کئی ایک طور سے آپ کے زنانہ مدرسہ میں ان کا داخلہ ہوا تھا۔

قسم اول: وہ بیویاں ہیں کہ جن کا معمولی طور پر نکاح ہوا اور آپ نے اُن کا مہر ادا کر دیا، جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اجور جمع اجر بمعنی مہر۔ اتیت کے یہ معنی نہیں کہ جن کے مہر ادا کئے گئے، وہی آپ کو حلال تھیں اور جن کے ادا نہ ہوئے وہ حلال نہ تھیں، کیونکہ اگر مہر کا ذکر بھی بوقتِ نکاح نہ آوے یا ادا نہ کیا جاوے یا مؤجل قرار پاوے سب صورتوں میں بیوی بالاتفاق حلال ہے بلکہ قید اتفاقی ہے، کس لیے کہ عرب میں مہر کم ہوتے تھے اور شوہر ان کو پہلے سے ادا کر ہی دیا کرتا تھا۔ یہ لاکھوں اور ہزاروں کے مہر نہ تھے، جو محض فخراً باندھے جاتے ہیں، جن کا میاں تو کیا اُس کے خاندان سے بھی ادا ہونا مشکل ہے۔ اس آیت کی بابت ابن زید وضحاک یہ کہتے ہیں کہ اس میں عام اجازت ہے کہ آپ محارم کے سوا جس سے چاہیں بلاتعداد نکاح کر لیں۔ مہر ادا کر دیں، وہ مباح ہیں، جمہور کا یہ قول ہے کہ یہ حضرت ﷺ کی موجودہ بیویاں کی حلت بیان کی گئی ہے کہ جن کا آپ مہر ادا کر چکے تھے۔ اگر تعمیم ہوتی تو ہنات عمك الخ جو آگے آتا ہے بیکار ہو جاتا ہے۔

قسم دوم وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وہ عورتیں جو آپ کے ہاتھ کا مال تھیں، غنیمت میں ہاتھ آئی تھیں، جیسا کہ صفیہ

---

[1] توریت سفر خروج کے بائیسویں باب ۱۶۔ ۱۷ اور اس میں عورتوں کو مہر دینے کا ذکر ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں۔ قول البتہ وہ مہر دے کہ اس سے نکاح کرے۔ وقولہ وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقد دے یعنی مہر مثل یہ وطی بالشبہ وغیرہ کے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ ؑ کی شریعت میں بھی مہر دینا ضروری بات تھی۔ ۱۲ منہ

جویریہ جن کو آپ نے آزاد کر کے اُن سے نکاح کیا اور اسی طرح ماریہ تھیں کہ جن کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ یہ بھی آپ کے مکارم اخلاق میں سے تھا کہ لونڈیوں کو اس مرتبہ علیا پر پہنچا دیا۔ مما افاء الله کی قید بھی اتفاقی ہے، ورنہ جو لونڈی خریدی جاوے یا ہبہ سے حاصل ہو وہ بھی حلال ہے۔

قسم سوم: وَ بَنَاتِ عَمِّكَ وَ بَنَاتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنَاتِ خَالِكَ وَ بَنَاتِ خٰلٰتِكَ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں بھی حلال ہیں، اگر آپ ان سے چاہیں نکاح کریں، مگر اس میں یہ شرط تھی۔ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ کہ وہ ہجرت کر کے تیرے ساتھ بھی آئی ہوں، کیونکہ ہجرت میں شریک نہیں۔ گو مومنہ ہوں، اُن سے آپ کا نکاح درست نہ تھا۔ ترمذی وابن جریر وطبرانی نے اُم ہانی بنت ابی طالب ؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے مجھ سے نکاح کی درخواست کی مگر میں نے ہجرت نہ کی تھی، اس لیے آپ کو منع کر دیا گیا۔

قسم چہارم: وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ وہ عورت جو اپنا نفس نبی کو بخش دے یعنی وھبت لک نفسی کے صیغہ سے نکاح میں آئے، وہ بھی آپ کے لیے حلال تھی مگر صرف اس کا یہ کہہ دینا آپ کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا تھا کہ آپ اس کو خواہ مخواہ اپنی زوجیت میں داخل ہی کر لیں، بلکہ آپ کی مرضی پر منحصر تھا۔ کما قال اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا بشرطیکہ نبی کو اس سے نکاح کرنا بھی منظور ہو۔ تب اس کا وھبت نفسی کہنا ایجاب نکاح تھا اور آپ کا قبلت فرمانا قبول انہیں لفظوں سے عقد ہو جاتا تھا، مگر اس میں بھی یہ شرط تھی کہ وہ عورت مومنہ ہو یعنی مسلمان۔ کتابیہ حضرت ﷺ کے نکاح میں نہیں آتی تھی۔ گو امت کے لیے کتابیہ سے نکاح درست ہے، مگر آپ کے بلند مرتبہ کے لائق یہ ناپاک باطن درست نہ تھی۔ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ نکاح بلفظ ہبہ وبغیر مہر وشہود خاص حضرت ﷺ کے لیے تھا کہ اور کسی مسلمان کے لیے۔ بعض علماء نے جیسا کہ سعید بن المسیب وزہری ومجاہد وعطاء وابن ربیعہ وشافعی ومالک ہیں۔ خَالِصَةً لَّكَ میں نکاح بلفظ ہبہ کو بھی لیا ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ یہ خصوصیت حضرت ﷺ کی تھی، مگر اور علماء خصوصاً کوفہ کے علماء جن میں ابراہیم نخعی وابوحنیفہ ؒ ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اوروں کا نکاح بھی ہبہ اور تملیک کے لفظ سے ہو سکتا ہے اور آپ کی اس میں خصوصیت نہیں۔ خصوصیت صرف مہر اور گواہ نہ ہونے میں تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خود حضرت ﷺ کا بھی کوئی نکاح بلفظ ہبہ نہیں ہوا، کس لیے کہ ہبہ عورت کے بارہ میں اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا کا لفظ وارد ہے، جو کوئی عورت یہ لفظ کہتی تھی تو گویا اپنا منشاء ظاہر کرتی تھی کہ میں نے اپنی جان کو دینی کاموں کے لیے نبی کی خدمت گزاری کے واسطے ہبہ کر دیا، اس کے بعد آپ اس میں صلاحیت دیکھ کر اس کو زوجیت میں داخل کرتے تھے۔ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے۔ عبداللہ بن عباس ؓ ومجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کے گھر میں ایسی کوئی عورت نہ تھی کہ جو صرف نفس کو ہبہ کر کے آئی ہو، بلکہ جس قدر عورتیں آپ کے پاس تھیں یہ وہی تھیں کہ جن سے نکاح کیا تھا اور یہ بات بطور شرط وجزاء کے آیت میں ہے کہ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو جائز ہے نہ یہ کہ ایسا کسی نے کیا بھی تھا اور علماء کہتے ہیں ہاں ایسی عورتیں تھیں، پھر کسی نے کہا ہے وہ زینب بنت خزیمہ ؓ ہلالیہ تھی، جس کو ام المساکین کہتے تھے۔ عروہ کہتے ہیں وہ خولہ بنت حکیم ؓ تھی۔ قبیلہ بنی سلیم کی۔

بحث قد علمنا ما فرضنا: چوتھی قسم کے سوا ان احکام نبویہ میں اور مسلمان بھی شریک ہیں، البتہ تعداد میں شریک نہیں، یہ چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے۔ اس لیے فرماتا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ کہ ان باتوں میں اور مومنین تجمیع وجوہ شریک نہیں ہیں۔ نہ چار سے زیادہ جمع کر سکتے ہیں، نہ بغیر مہر کے نکاح باندھ سکتے ہیں۔ ان کے اوپر جو کچھ حقوقِ زوجیت ہم نے مقرر کئے ہیں، وہ ہم کو معلوم ہیں، ہم ان کو بھول نہیں گئے ہیں کہ ان کو بھی ان کے حقوق مقررہ کو نسیاً منسیاً کر کے نبی کے ساتھ شریک کر دیا جاوے اور نہ صرف بیویوں ہی کے حق بلکہ وفی ملکت ایمانھم ان کی لونڈیوں کے بارہ میں جو حقوق ان پر مقرر ہیں۔ اہل الذمہ کی عورت لونڈی نہیں ہو سکتی حربی کی ہو سکتی ہے اور ان کے کھانے پینے کے رعایات اور حسن سلوک وغیرہ وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے، درمیان خالصة لك من دون

المؤمنین کے اور درمیان لکیلا یکون علیک حرج کے اور کیلا بیان سابق سے متعلق ہے کہ یہ احکام مذکورہ بالا ہم نے تیرے لیے اے نبی اس لیے نافذ کیے کہ تجھ پر تنگی نہ ہو اور کوئی حرج واقع نہ ہو، بلکہ سہولت اور وسعت ہو جاوے۔ وکان اللہ غفورا رحیما اور اللہ ہے تو بخشنے والا مہربان ہے۔ بندوں سے جو احکام کی تعمیل میں کوئی قصور ہو جاوے تو اس پر بھی ہم معاف کر دیتے ہیں۔ مہربانی کرتے ہیں اور ہماری مہربانی تھی جو تم پر سہل احکام نازل کیے۔ اس مقام پر کتب اصول فقہ میں ایک دلچسپ بحث کی ہے جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار شرع نے قائم نہیں کی، زیادہ سے زیادہ کہیں تک ہو اور کم سے کم پیسے دو پیسے تک کا ہو سکتا ہے، جو چیز معاملات بیع و شراء میں قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ مہر ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ اہل ظواہر کے نزدیک قرآن مجید کی تعلیم بھی مہر ہو سکتی ہے اور ایسی قسم کی خدمات بھی، ان کے دلائل بہت سی صحیح احادیث و اقوال صحابہ ہیں مگر علماء کا ایک فریق کہ جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں، مہر کی مقدار کمی کی جانب میں شارع کی طرف سے دس درہم ٹھہراتے ہیں کہ زیادہ کا شوہر کو اختیار ہے، مگر کم دس درہم سے نہ ہو، کیونکہ یہ کمی کی حد شرع نے مقرر کر دی ہے، ان کے پاس بھی بہت سے دلائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے۔ فرض کے لغت میں معنی قطع کے ہیں، اس کا استعمال کبھی بمعنی ایجاب ہوا ہے اور کبھی بمعنی تقدیر یعنی اندازہ کرنا اور عرف شرع میں اس کا اخیر معنی میں اس قدر استعمال ہوا ہے کہ منقول ہونے کے بعد گویا حقیقت عرفیہ ہے، فرض کے معنی اندازہ کرنا اور جب اس کو متکلم کی طرف مستند کیا تو یہ معنی ہوں گے کہ ازواج کے بارہ میں جو کچھ ہم نے ٹھہرا دیا ہے، یعنی اُس کا اندازہ مقرر کر دیا ہے، وہ ہم کو معلوم ہے اور کلام مہر میں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مہر اللہ نے ٹھہرا دیا اور اس کی حد مقرر کر دی، زیادہ کی حد کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، البتہ کم سے کم کی حد مقرر کی اور یہ مہر ایک عضو مخصوص کا عوض ہے اور شرع نے کم سے کم اعضاء کے قطع میں جو مقدار قائم کی ہے وہ دس درہم ہے۔ دس درہم سے کم پر چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کٹتا، معلوم ہوا کہ اس عضو کی قیمت یہ ہے، پس اس عضو کو اس پر قیاس کر لیا۔ اس کی بھی دس درہم سے کم قیمت نہ ہونی چاہیے اور آثار صحیحہ میں بھی اس کا بیان آ گیا ہے اور صحابہ اور تابعین میں سے بھی اس طرف لوگ گئے ہیں، مگر اس دلیل میں فریق ثانی کو بہت کچھ کلام ہے۔

دوسری بحث: لونڈی غلاموں کی بابت : اس وقت کے نو تعلیم یافتہ یہ کہتے ہیں، غلام لونڈی رکھنا انسانی ہمدردی کے برخلاف اور نہایت مکروہ کام ہے، پھر تعجب ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس فعل کو روا رکھا اور بہائم کی طرح سے لونڈی غلاموں کو خدمات پر مامور کرنے کی اجازت دی، لونڈیوں سے مباشرت کرنا جائز سمجھا۔ یہ بات پہلے انبیاء کے بھی برخلاف ہے۔ اس کا جواب بعض آزاد لوگوں نے قرآن و احادیث میں تاویل و تحریف کر کے یہ دیا ہے کہ اسلام میں یہ فعل ہرگز درست نہیں ہے، مگر عقلاء کے نزدیک یہ جواب ہو نہیں سکتا کس لیے کہ وہ کہاں تک قرآن و احادیث کی اُلٹ پلٹ کریں گے، پھر بھی یہ فعل اسلام میں ثابت ہی رہے گا۔ خصوصاً یہ آیات بہ آواز بلند کہہ رہی ہیں کہ اسلام نے لونڈیوں کی معاشرت کی بابت کچھ حقوق مقرر کر دیے ہیں اور لونڈیوں سے صحبت کرنا جائز ہے، کما قال تعالیٰ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ اور اس سے پہلے کی یہ آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ الخ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک آسمانی سلطنت قائم کی ہے، جس کا وعدہ اگلے انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوا تھا۔ اس سلطنت کا بادشاہ یا دُنیا میں قائم کرنے والا حضرت محمد ﷺ ہیں۔ دُنیاوی سلطنتیں خاص جہانداری اور حقوق عباد کے لیے ہیں۔ اس سے بڑھ کر خداوندی حقوق کا وہ مطالبہ نہیں کرتیں بلکہ آج کل کی شائستہ سلطنتیں ایسے حقوق کے مطالبہ کو برا جانتی ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی خدا تعالیٰ کو اور اُس کے جمیع برگزیدہ انبیاء و اولیاء کو برا کہے بت کو پوجے اُس کا انکار کرے، کچھ پروا نہیں۔ لیکن آسمانی سلطنت سب سے اول انہیں حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، اس کا فرض ہے کہ ایسے جرموں کی سزائیں دے اور خصوصاً کفر و شرک کے جرم کا مطالبہ سخت کرے مگر رحم دلی کے ساتھ اس سلطنت میں برتاؤ کیا گیا ہے۔ اول ان لوگوں کو سمجھایا جاتا

ہے اگر نہ مانیں تو اس سلطنت کے خلاف میں ہونے سے ممانعت کی جاتی ہے اور ماتحتی پر مامور کیا جاتا ہے، اگر پھر بھی وہ مقابلہ پر آویں تو جنگ ہوتی ہے جس میں بجز قتل طرفین کے اور کیا ہوا کرتا ہے مگر عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو اس جوش کے وقت میں بھی اس سے محفوظ رکھا ہے، پھر جو لوگ کہ قتل سے آزاد کیے جاتے ہیں، ان کو لونڈی غلام بنایا جاتا ہے۔ پھر ان کے آزاد کرنے کی یہاں تک تاکید اور ثواب بتلایا گیا ہے کہ بہت کو آزادی دلا دی جاتی ہے اور غلامی کی حالت میں ان کے وہ حقوق قائم کیے ہیں کہ جو اور قوموں میں آزاد لوگوں کے لیے بھی نہیں، یہ داغ غلامی صرف اس جرم آسمانی کی یادگاری ہے۔ اب بتلاؤ اس میں بے رحمی ہے یا ان کے قتل کر ڈالنے میں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہوا، کیا اس میں دُنیاوی جرائم کے قیدوں سے زیادہ بے رحمی ہے؟ موسیٰ[1] کی شریعت میں بھی غلام لونڈی رکھے جاتے تھے۔ دیکھو توریت سفر احبار ۲۵ باب درس ۴۴۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ
اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝۵۱
لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ
حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝۵۲ ع

آپ ان بیویوں میں سے جس کو چاہیں الگ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا، اپنے پاس بلاؤ تو بس اس پر کچھ بھی گناہ نہیں یہ اس لیے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ رنج نہ کریں گی اور جو کچھ بھی آپ اُن کو دیں اُس پر سب خوش رہیں اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا تحمل والا ہے۔ نہ اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال ہیں اور نہ یہ کہ اُن کو بدل کر اور عورتیں کر لو، گو آپ کو ان کی صورت بھلی معلوم ہو مگر آپ کے ہاتھ کا مال (لونڈیاں درست ہیں) اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

ترکیب: ومن ابتغیت من موضع نصب بابتغیت وھی شرطیۃ والجواب فلا جناح علیک ویمکن ان یکون مبتداء والعائد محذوف ای والتی ابتغیتھا والخبر فلا جناح کلھن منصوب علی توکید الضمیر فی اتیتھن والرفع علی توکید الضمیر فی یرضین من ازواج من مزیدۃ لتاکید الاستغراق و ولو اعجبک حال من فاعل تبدل والتقدیر مفروضا اعجابک بھن الا ما ملکت استثناء من النساء وھو فی موضع رفع بدلا من النساء او فی موضع نصب علی اصل۔

تفسیر: ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو ان بیویوں کی بابت معاشرت کے متعلق احکام سناتا ہے اور ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بیبیاں دراصل مدرسہ دینیہ کی طالب علم تھیں جو بوجہ مذکورہ ان کو ازواج میں داخل کیا گیا تھا، احکام آیندہ کے لیے اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ فقال تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ترجی مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح سے آیا ہے۔ ارجاء تاخیر ارجہ اخرہ اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت شب باشی کے بارہ میں ہے کہ آپ کو اختیار ہے جس کو چاہے مؤخر

[1] توریت سفر احبار کے ۲۴ باب ۱۶ درس میں کفر بکنے والے کو ضرور مار ڈالنے کا حکم ہے۔ ۱۲ منہ

کیجئے، ساتھ نہ سوئیے اور جس کو چاہے اپنے پاس بلائیے۔

ایک حکم : یہ ایک حکم خاص آنحضرت ﷺ کے لیے تھا، آپ پر شب باشی میں برابری رکھنا واجب نہ تھا، بلکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں، جس کے پاس چاہیں نہ رہیں۔ بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ان عورتوں پر جو اپنے نفس کو ہبہ کر دیتی تھیں، عیب رکھتی تھی، پھر جب یہ آیت ترجی الخ نازل ہوئی تو میں نے کہہ دیا کہ یا حضرت اللہ تعالیٰ تیری خاطر رکھنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔ یسارع فی ھواك کے یہ معنی ہیں کہ جو بات تجھ پر شاق گزرتی ہے، اللہ اس کو تجھ سے دُور کر دیتا ہے، اُس کو تیری خاطر بہت منظور ہے۔ ابن رزین کہتے ہیں کہ جب امہات المومنین نے حضرت ﷺ کو نان نفقہ کے بارہ میں تنگ کرنا شروع کیا اور آپ خفا ہو کر ایک مہینے تک سب سے الگ ہوئے، تب آیت تخییر نازل ہوئی اور آپ نے سب کو کہہ دیا، اگر دار آخرت منظور ہے (کہ جس کے لیے تم کو بیوی بنایا گیا) تو جس حال میں رکھا جاوے اُس پر رہنا منظور کرو اور جو دُنیا مقصود ہو تو آؤ تم کو طلاق دے دوں سب بیویوں نے دار آخرت کو منظور کیا، تب باری سے رہنا بھی واجب نہ رہا یہ آیت اس بارہ میں ہے، کیونکہ جب ان کو سمجھا دیا گیا کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو تم خاص ایک دینی کام کے لیے بیویوں میں شامل کی گئی ہو، بیویوں نے بھی سمجھ لیا کہ ہم اسی لیے ہیں، تب سب اس بات پر راضی ہو گئیں اور یہی ہونا چاہیے، کیونکہ اگر یہ آزادی پیغمبر ﷺ کو حاصل نہ ہو تو اور سینکڑوں اہم مقاصد دینی میں فرق آجاوے، رات دن بیویوں ہی کے جھگڑے سے فرصت و مہلت نہ ملے، مگر اس کے بعد بھی حتی المقدور آنحضرت ﷺ ان کے حقوق میں اپنی طرف سے برابری رکھتے تھے، جیسا کہ ابن العربی وغیرہ علماء کہتے ہیں اور اسی پر سب کا اتفاق ہے اور اُس حدیث سے کہ جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے، یہی سمجھا جاتا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ہماری باری کے دن جو آپ اور بیوی کے پاس رہنا چاہتے تھے تو ہم سے اجازت لیتے تھے۔ اس آیت نازل ہونے کے بعد۔

شعبی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاق کے بارہ میں ہے کہ جس کو آپ چاہیں طلاق دیں، جس کو چاہیں رکھیں، آپ کو اختیار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

اور حسن کہتے ہیں کہ یہ آیت نکاح کے لیے ہے کہ جس سے چاہیں آپ نکاح کریں جس سے چاہیں نہ کریں، آپ کو نکاح کی عام اجازت دی گئی ہے، اس تقدیر پر علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت ناسخ ہے، اگلی آیت لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ۔ کے وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ اور تو جس کو چاہے پاس بلا لیوے ان میں سے کہ جن کو الگ کر چکا ہے، ساتھ سونے سے یعنی جن کے ساتھ سونا ترک کر دیا ہے ان میں سے اگر کسی کو بلاوے اور ساتھ سلاوے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ تتمہ ہے ترجی من تشاء کا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ یہ اختیار اور تفویض تجھ کو اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں اور جو کچھ آپ ان کو دیں اس سے ہر ایک خوش رہے۔ کس لیے کہ جب ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارا شب باشی میں کوئی حق مقرر نہیں ہے، پھر جس قدر آپ جس سے التفات کریں گے وہ اس کو احسان سمجھے گی، مگر آپ نے اس پر بھی برابری رکھی۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ اور تمہارے دلوں کے حالات کو اللہ خوب جانتا ہے کہ کس طرف زیادہ رغبت ہے، کس کی طرف کم وَکَانَ اللّٰهُ علیمًا حلیمًا اور اللہ خبردار ہے ہر چیز کا ظاہر و باطن اور ہر چیز کی حکمت و علت اس کو معلوم ہے، جو حکم دیتا ہے اس میں مصلحت دیکھ کر دیتا ہے۔ حلیم بھی ہے کہ جو بندوں سے احکام کی بجا آوری میں تقصیر ہوتی ہے تو وہ اس پر جلد عتاب نہیں کرتا۔

دوسرا حکم : لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ یہ حضرت ﷺ کو دوسرا حکم ہے کہ آپ کو اور کوئی عورت حلال نہیں۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ و مجاہد و ضحاک و قتادہ و حسن و ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کو ان موجودہ نو بیویوں کے سوا جو آپ

کے پاس تھیں جنھوں نے اللہ اور رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا تھا اور بیویوں سے نکاح کرنا منع ہو گیا تھا، ان کی اس نیکی کے بدلے میں اور وہ بیویاں یہ تھیں۔ عائشہ، حفصہ بنت عمر، اُم حبیبہ بنت ابی سفیان، سودہ بنت زمعہ اُم سلمہ بنت ابی امیہ، صفیہ بنت حی بن اخطب، جو خیبر کی ایک یہودی کی بیٹی تھیں۔ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ، زینب بنت جحش اسدیہ، جویریہ بنت حارث مصطلقیہ، رضی اللہ عنہن حضرت ﷺ کی وفات تک یہی موجود ہیں۔ ان کے بعد اور کی اجازت تو درکنار ان کی جگہ اور عورت کا قائم کرنا ممنوع تھا کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ اور دوسری کو لاویں اور نو کے عدد کو پورا رکھیں۔ کما قال وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ مگر لونڈی رکھنے کی اجازت تھی۔ کما قال الا ما ملکت یمینك مگر وہ جو تیرے قبضہ میں لونڈی آ جاوے۔ یہ آیت محکم ہے اسی پر اخیر تک حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل رہا اور اس کے بعد ایک لونڈی آپ کے پاس آئی جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ مقوقس بادشاہ مصر نے ہدیۃً آپ کی خدمت میں بھیجی تھی اس سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ آٹھویں سال ہجری میں ذی الحجہ کے مہینہ میں جو شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال کر گئے، انہی کی وفات پر حضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔ وانی بفراقك یا ابراهیم لمحزون کہ میں تیری جدائی سے اے ابراہیم غمگین ہوں۔

بعض علماء اس تقدیر پر اس آیت کو منسوخ کہتے ہیں۔ سنت سے اور آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ سے چنانچہ احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ کو اجازت عام ہو گئی تھی اور ابی بن کعب و عکرمہ ابورزین وغیرہ کہتے ہیں کہ النساء سے مراد وہ نو بیویاں نہیں بلکہ وہ چاروں اقسام جو پہلے مذکور ہوئے ان کے سوا اور کسی سے آپ کو نکاح کی ممانعت تھی اور تعداد اور تبدل میں آپ مختار تھے اور اقسام ابدی کے تبدل سے منع کیے گئے تھے اور انہی کی تائید کرتا ہے وہ قول کہ النساء سے مراد کتابیات و مشرکات ہیں کہ آپ کو شرک اور اہل کتاب یعنی غیر مذہب والی عورتیں درست نہیں، ہاں غیر مذہب والی لونڈیوں کا مضائقہ نہیں کس لیے کہ ام المومنین ہونے کا شرف مسلمان عورت ہی کو ہے اور یہی قوی ہے کس لیے کہ مدرسہ دینیہ کے لائق کافر نہیں ان کو نکاح میں لانے سے کیا فائدہ؟ اس صورت میں آیت کو منسوخ کہنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا اللہ ہر شے پر محافظ ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے جو کام کرو اس بات کا خیال رکھو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ
نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ
لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ
اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ
تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا
شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تمہیں کھانے کھانے کے لیے اجازت دی جائے، بغیر اس کے کہ اس کے پکنے کا انتظار کرو، لیکن جب بلائے جاؤ تو

داخل ہو جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ جایا کرو اور باتوں کے لیے جم کر نہ بیٹھا کرو، کیونکہ اس سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے اور حق بات کہنے سے اللہ شرم نہیں کرتا اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے اور تم کو یہ نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ لائق ہے کہ اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، البتہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔ اگر تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ تو ہر بات جانتا ہے۔

ترکیب : الا ان یؤذن فی موضع الحال ای لا تدخلوا الا ماذونا لکم الی طعام متعلق بیؤذن لانہ فی معنی یدعو غیر ناظرین بالنصب علی الحال من الفاعل فی یدخلوا او من المجرور فی لکم وبقرء بالجر علی الصفۃ للطعام وھو غیر جائز عند البصریین لانہ جری علی غیر ماھو لہ فیجب ابراز الفاعل فیکون غیر ناظرین انتم ۔ ولا مُسْتَاْنِسِيْنَ معطوف علی ناظرین او مقدر بفعل ای ولا تدخلوا ولا تمکثوا مستانسین۔

تفسیر : ازواج مطہرات کے حقوق جو نبی علیہ السلام پر تھے، ان کو بیان فرما کر اب وہ حقوق بیان فرماتا ہے جو لوگوں پر ہیں اور نیز بزرگوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کا کیا طریقہ ہے۔

ایک حکم : فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ الخ یہ ایک حکم ہے، اس میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ نبی ﷺ کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے۔

دوسرا حکم : کھانے کی قید بھی اتفاقی ہے، کس لیے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہی سبب تھا کہ حضرت ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر لوگوں کی دعوتِ ولیمہ کی' لوگ کھا پی کر باتوں میں مشغول ہو گئے، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ چلے جاویں، شرم کے مارے کہہ نہ سکے، کئی بار اُٹھے کہ لوگ اُٹھ جاویں مگر تین آدمی پھر بھی باتوں میں مصروف ہی رہے، جب وہ اُٹھ گئے تو حضرت ﷺ گھر میں آرام کے لیے تشریف لائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے تو جاؤ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ پہلے ہی سے جا کر پکنے کے انتظار میں نہ بیٹھ جایا کرو۔ (اناہ نضجہ وادراکہ یقال انی یانی اذا حان وادرک) جیسا کہ عرب کا دستور تھا، ہاں جب تم کو بلایا جاوے تو جاؤ پھر جب کھا چکو تو اُٹھ جاؤ، باتیں کرنے کو نہ بیٹھ جایا کرو۔ (یہ دوسرا حکم ہے) کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ شرم کے مارے نہیں کہتے، لیکن اللہ کو حق بات بیان کرنے سے کوئی شرم نہیں، عام مسلمانوں کے گھروں کی بابت بھی یہی حکم ہے۔

تیسرا حکم : وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ یہ تیسرا حکم ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں سے جو کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے باہر سے آواز دے کر مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی صفائی کے لیے عمدہ بات ہے۔ کس لیے کہ جوان عورت کے آمنے سامنے ہونے میں خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس آیت کو آیتِ حجاب کہتے ہیں۔

حجاب کا حکم : ابن جریر وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ شب کے وقت حضرت ﷺ کی بیویاں حاجتِ ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں اور عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت ﷺ سے پردہ کرنے کے بارے میں عرض کیا کرتے تھے۔ ایک بار سودہ رضی اللہ عنہا بھی نکلیں، لمبے قد کی عورت تھیں، عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا اے سودہ! ہم نے پہچان لیا، اس غرض سے کہ پردہ کا حکم نازل ہو، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن سعد نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پانچویں سال ہجری میں پردہ کا حکم ہوا اور میں اس وقت پندرہ برس کا تھا۔ بخاری نے بھی نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کئی بار عرض کیا کہ آپ کے پاس نیک و بد سب طرح کے آدمی آتے ہیں، اگر امہات المؤمنین کو پردہ کا حکم ہو جاوے تو بہتر ہے۔ پس یہ آیت حجاب نازل ہوئی اور سودہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں جو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ بخاری کی کتاب التفسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت حجاب کے بعد سودہ رضی اللہ عنہا باہر نکلی تھیں اور یہی حدیث اس اسناد سے کتاب الطھارۃ باب خروج النساء میں موجود ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

حجاب سے پہلے کا معاملہ ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ اس حدیث میں جو آیا ہے خرجت سودۃ بعد ما ضرب الحجاب اس حجاب سے مراد بدن ڈھانکنا ہے جس کا ذکر سورۂ نور میں آچکا ہے، اس کے بعد کسی غیر قوم نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو نہیں دیکھا اور یہ حکم گو وقرن فی بیوتکن سے بھی سمجھا جاتا تھا جو اس سے پہلی آیتوں میں آیا تھا مگر یہاں بالکل تصریح ہو گئی۔

اور یہی حکم سب مسلمانوں کی عورتوں کے لیے ہو گیا اور اس وقت سے مسلمانوں میں پردہ کا رواج ہوا۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی عمدہ بات ہے کہ جس کو غیرت مند لوگ ہی جانتے ہیں۔ ہاں جن قوموں میں یہ رسم نہیں۔ (اور بجز اسلامیوں کے اور قوموں میں نہیں اور ہے تو انہی کی حبت سے اور عہدِ آدم سے لے کر اب تک کسی قوم میں مروج نہیں) ان کی آزاد طبیعتیں جو چاہیں اس پر طعن کریں اور عورتوں کو قید میں ڈالنا بتاویں مگر غیرت اور عصمت پسند طبائع اس کو بہت عمدہ رسم کہتی ہیں۔

چوتھا حکم : وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ چوتھا حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی قسم کی ایذا اور دُکھ دینا مسلمانوں پر حرام ہے، خواہ زبان سے ایذاء دی جاوے یا آپ سے مخالفت کی جاوے اور آپ کے دین پاک میں کوئی بدعت ایجاد کی جاوے یا آپ کی یا آپ کے اقارب خصوصاً اہلِ بیت علیہم السلام کی توہین کی جاوے حضرت ﷺ کے ازواجِ مطہرات پر کوئی عیب لگایا جاوے، سب حرام ہے، جس کی سزا جہنم ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔

پانچواں حکم : وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا یہ پانچواں حکم ہے کہ نبی کے بعد یا آپ کے طلاق دینے کے بعد کسی مسلمان کو آپ کی بیویوں سے نکاح کرنا ابداً حرام ہے، ایک تو اس لیے کہ وہ مسلمانوں کی دینی مائیں ہیں جو حقیقی ماؤں سے بھی تعظیم و تکریم میں بڑھ کر ہیں اور ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، دوسرا یہ کہ بیوی مرد کا فراش اور محکوم ہوتی ہے۔ اس کی خدمت کے لیے اس کو آمادہ رہنا پڑتا ہے، اگر ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کیا جاوے تو یہی ذلت ان کے لیے بھی ظہور میں آوے اور یہ شانِ نبوت کی پوری توہین، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا کہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے اور بڑا گناہ ہے۔

اور وجہ : اگر کوئی کہے اس میں بیویوں کی بڑی حق تلفی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی حق تلفی نہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کے بعد ان کا نان و نفقہ تو بیت المال کے ذمہ کر دیا تھا اور آپ نے بھی اپنی حیات میں ان کو اس سے مطمئن فرما دیا تھا، اب رہی خواہش نفسانی سو اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو مستغنی فرما دیا تھا، انہی کے دل میں یہ ہوس باقی نہیں رکھی تھی۔ حضرت ﷺ کے بعد خود ان کو کسی کی بیوی بننا گوارا نہ تھا، اس صحبت کے بعد ان کو کس کی صحبت پسند آسکتی تھی۔

ذوقِ الطاف تو اے کاش نمی یافت دلم   یاد ہر لحظہ تو اکنوں سبب صد الم ست

اور وجہ : اور سب سے بڑھ کر ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہونے کی ایک اور وجہ ہے وہ یہ ہے کہ جس کام کے لیے یہ حضرت نبی علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھیں، یعنی علوم دینیہ سیکھنے اور پھر اس کو پھیلانے کے لیے یہ کام ان سے فوت ہو جاتا، کس لیے کہ یہ خانہ داری کے جھگڑوں میں اور بال بچوں کے جنجال میں پھنس کر اور دوسرے مرد کی پابند اور محکوم رہ کر کبھی اس کام کو سرانجام نہ دے سکتی تھیں اور ایک وجہ اور بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گو موتِ عرفی عارض ہوئی انک میت و انھم میتون، مگر اس پر بھی ایک ایسی حیاتِ ابدی حاصل تھی اور ہے کہ جو شہیدوں سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے، اس ہادیٔ برحق کا تعلق اب بھی دنیا میں امت سے وہی ہے اور اسی لیے جسم اطہر کو خاک نہیں کھا سکتی اور اسی لیے بہت سے آثارِ غریب لوگوں نے مشاہدہ کئے ہیں۔ ان لحاظات سے آپ زندہ ہیں اور حیات النبی مشہور ہیں، پس زندہ کی بیوی کسی سے کیونکر نکاح کر سکتی ہے؟

اور وجہ : ایک اور بھی وجہ ہے کہ بزرگوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنا ان کی گستاخی ہے، اس کو طبائع سلیمہ برا جانتی ہیں اور اسی لیے ہندوؤں میں یہ مسئلہ مہاراجوں اور پیشواؤں کے لیے ایجاد ہوا تھا جو ان کے دیکھا دیکھی اور شرفاءِ اہلِ ہند میں بھی رواج پایا گیا۔ غلط فہمی سے برہمنوں نے ازواجِ ثانی کو حرام کہہ دیا، مگر اسلام نے یہ بات خاص ازواجِ مطہرات ہی کے لیے رکھی ہے اور کے لیے نہیں ہاں طبیعت کا اختیار ہے، کچھ نکاح ثانی کے لیے مجبور بھی نہیں کیا ہے، مگر رسم ہنود اس کو ترک کرنا بھی ممنوع ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ جو بیوی آپ کے نکاح میں آ گئی، اس کا نکاح غیر سے حرام ہو گیا۔ خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو...... بعض کہتے ہیں اگر صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو درست ہے کیونکہ اس مستعیذہ نے کہ جس کو صحبت سے پہلے آپ نے طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمر ﷺ کی خلافت میں اشعث بن قیس سے نکاح کیا جس کے سنگسار کرنے کا قصد کیا گیا، مگر جب یہ معلوم ہوا تو چھوڑ دیا گیا۔ (بیضاوی) اور لونڈیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر حضرت ﷺ نے ان سے صحبت کی تو ان سے نکاح حرام ہے ورنہ نہیں، اس بارہ میں خطراتِ قلبی سے دل پاک رکھنے کے لیے فرماتا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي
النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ
احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع

ان عورتوں پر کچھ گناہ نہیں، اپنے باپ کے سامنے ہونے میں نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے ہاتھوں کے مال کے (یعنی غلاموں سے) اور اللہ سے ڈرتی رہا کرو۔ بے شک اللہ کے سامنے ہر چیز (موجود) ہے، البتہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ ایمان والو تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجا کرو اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو ایماندار مردوں اور عورتوں کو ناکردہ گناہوں پر ستاتے ہیں تو انہوں نے بہتان اور بڑا گناہ اٹھایا۔

ترکیب : لا جناح استیناف، فی اباء ھن متعلق بمحذوف ای الدخول او مثلہ مایناسب المقام، واتقین اللہ استیناف او معطوف علی الکلام السابق لانہ فی معنی الانشاء، وان ترکناہ علی ظاہرہ فیجوز عطف الجملۃ الانشائیۃ علی الجملۃ الخبریۃ عند الفصحاء، تسلیما مصدر موکد۔

تفسیر: کن مردوں سے پردہ نہیں : آیتِ حجاب بظاہر عموم الفاظ کے لحاظ سے یہ کہتی تھی کہ ازواجِ مطہرات کے باپ بھائیوں وغیرہ محارم سے بھی پردہ ہے اور اس میں بڑی دقت تھی، اس لیے اس آیت لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآئِهِنَّ الخ میں اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں

سے پردہ نہیں۔ اس آیت میں ہے کہ ازواجِ مطہرات کے باپوں اور ان کے بیٹوں سے عام ہے کہ حضرت سے ہوں یا ان کے پہلے خاوندوں سے ہوں اور ان کے بھائیوں سے عام ہے کہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی اور ان کے بھتیجوں سے اور ان کے بھانجوں سے اور ان کی خدمت گار عورتوں سے اور ان کے مملوک لونڈی غلاموں سے پردہ نہیں۔ خدمت گار عورتوں سے مراد علماء نے مسلمان عورتیں لی ہیں۔ بقرینہ اضافت نسائھن اور کافر عورتیں جو ازواجِ مطہرات کے سامنے جاتی تھیں تو ازواجِ مطہرات ان سے بجز منہ اور ضروری اعضاء کے سب بدن چھپاتی تھیں اور ماملکت میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، صرف لونڈیاں مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں لونڈی اور غلام دونوں بعض نے فیصلہ کیا ہے کہ نابالغ غلاموں کو اندر جانے کی اجازت تھی، اس مسئلہ کی کامل شرح سورۂ نور میں ہو چکی۔

اب کلام اس میں ہے کہ چچا اور ماموں کا کیوں ذکر آیت میں نہیں آیا، حالانکہ ان سے بھی پردہ نہیں؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ اباءھن میں داخل ہیں، یعنی یہ بھی باپ عرف میں شمار کیے جاتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمیع محارم کا ذکر سورۂ نور میں آ چکا ہے۔ یہاں بعض کا ذکر کیا۔ اس حکم کی تائید کے لیے فرماتا ہے۔ واتقین اللہ اور اللہ سے ڈرتی رہو۔ سب باتوں میں خصوصاً پردہ کے امر میں کیونکہ ان اللہ کان علی کل شیء شھیدا اللہ کے نزدیک ہر شے حاضر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں، درحقیقت احکامِ الٰہی پر سرگرمی سے عمل جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب انسان اس کو ہر وقت حاضر و ناظر سمجھے گا۔

اس حکم میں بھی اور عورتیں شریک ہیں، ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ پردہ میں رہا کریں اور بجز محرموں کے اور کوئی اندر نہ جایا کرے اور نہ آواز دے کر۔ آنحضرت ﷺ کے ازواجِ مطہرات و اہلِ بیتِ اطہار کی تعظیم آنحضرت ﷺ کی تعظیم پر مبنی ہے، اس لیے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی عزت و عظمت کا حال بیان فرما کر مسلمانوں کو اس کی رغبت دلاتا ہے۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی کا بیان : فقال اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجا کرتے ہیں۔ بخاری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد ملائکہ کے روبرو آپ کی ثنا و صفت کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مراد دعا کرنا ہے اور ترمذی نے اپنی سنن میں سفیان ثوری وغیرہ بہت سے اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے استغفار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ مرتبہ بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اور ملاءِ اعلیٰ میں ہے کہ اللہ اس کی ثناء و صفت ملاءِ اعلیٰ میں بیان کرتا ہے اور آپ پر رحمت بھیجا کرتا ہے اور ملائکہ آپ کے لیے دعائے خیر کیا کرتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بھی یہی کرنا چاہیے۔

مقصد یہ کہ حضرت ﷺ کے ازواج اور ان کے متعلق احکام اور مخالفوں کے طعن سے یہ نہ سمجھ لینا کہ حضرت ﷺ بھی ایک معمولی آدمی ہیں ہماری طرح سے آپ کے ساتھ بھی دنیاوی جھگڑے لگے ہوئے ہیں۔ نبی کو دنیاوی باتوں زن و فرزند سب سے الگ تھلگ رہ کر ملائکہ کی طرح رہنا چاہیے۔ یہ خیال نہ کرنا یہ باتیں بشریت کے لوازمات میں سے ہیں، روحانی طور پر آپ ملائکہ سے بھی بڑھ کر ہیں، کیونکہ عالم ملکوت کے بادشاہ اور اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ وہ ملائکہ کے بھرے دربار میں آپ کی ثنا و صفت کرتا ہے اور دربار کے ملائکہ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اور مدح میں شریک ہوتے ہیں۔

ابحاث (۱) صلوٰۃ کے معنی بلحاظ اللہ اور ملائکہ کے مختلف ہیں اور کتبِ اصولِ فقہ میں اس بات کو بڑے زور سے ثابت کیا ہے کہ ایک لفظ کو ایک ہی استعمال میں نہ تو حقیقی و مجازی دونوں معنی مراد لے سکتے ہیں، نہ ایک لفظ مشترک المعانی کے ایک سے زیادہ معنی مراد لے سکتے ہیں اور اس لفظ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شریک ہیں اور لامحالہ دو معنی لینے پڑتے ہیں۔ پس اس کا جواب صاحبِ توضیح وغیرہ نے یہ

دیا ہے کہ اس مقام پر ایک معنی مجازی ایسے وسیع مراد ہیں کہ جو حقیقی اور مجازی دونوں معنی کو شامل ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں اور یہی حقیقت لغوی ہے اور اس کے علاوہ مجازی اور وہ معنی مجازی ارادۂ خیر ہیں جو رحمت الٰہی اور استغفار و دعا، ملائکہ کو بھی شامل ہیں اور اسی معنی میں مسلمانوں کو اقتداء کرنے کا حکم ہوا ہے اور بعض[1] نے دوسر الفظ یصلون محذوف مانا ہے۔ وفیہ ومافیہ۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ ضمیر واحد اور کلام واحد میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو ملانا جائز نہیں، مگر محققین کہتے ہیں اگر ملانا اس طرح سے ہو کہ جس سے دونوں کی برابری سمجھی جاوے تو ممنوع ہے، جیسا کہ آپ نے اس خطیب کو کہ جس نے ومن یعصہما کہا تھا۔ بئس الخطیب فرمایا کہ برا خطیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا۔ ومن یعص اللہ ورسولہ اور اس طرح سے نہیں تو جمع کرنا جائز ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ صیغہ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شامل ہیں اور نیز صحیح بخاری میں آیا ہے کہ خیبر کے مقام پر آپ نے منادی سے کہا کہ یہ پکار دے ان اللہ و رسولہ ینہیانکم عن لحوم الحمر الاھلیۃ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ جب اللہ اور ملائکہ آپ کی تعظیم کرتے ہیں تو ایماندارو تم بھی حضرت ﷺ پر درود بھیجو اور سلام۔ بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ پر سلام کہنا تو ہم کو معلوم ہو گیا ہے۔ صلوٰۃ تم پر کس طرح سے پہنچنی چاہیے، آپ نے فرمایا یوں کہو اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید اور ابن ابی شیبہ وعبداللہ بن حمید واحمد ونسائی نے طلحہ بن عبیداللہ سے آل ابراہیم بھی دونوں فقروں میں نقل کیا ہے اور دیگر احادیث صحیحہ میں اور طور سے بھی صلوٰۃ کا کہنا آیا ہے اور اسی طرح حضرت ﷺ کے صفاتِ مختلفہ کو بھی اس میں شامل کیا ہے، مگر اکثر احادیث میں حضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ﷺ کے آل پر بھی درود بھیجنے کا ذکر ہے۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں صلوا امر وجوب کے لیے آیا ہے، اس لیے سب کے نزدیک حضرت ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، مگر اس کے اوقات وتعداد میں اختلاف ہے۔ مالک وطحاوی کے نزدیک عمر بھر میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اور باقی مندوب اور بعض کہتے ہیں جس مجلس میں حضرت ﷺ کا ذکر آوے درود بھیجنا لازم ہے اور کرخی فرماتے ہیں، جب آپ کا نام سنے درود بھیجے اور اس میں احتیاط ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے (مدارک) اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھنا واجب ہے، اول میں سنت ہے۔ درود کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ گو حضرت ﷺ کو اس کی کچھ احتیاج نہیں بلکہ لوگوں کے فائدے کے لیے اس کا حکم دیا، خدا کے برگزیدہ لوگوں پر رحمت بھیجنے اور دعا کرنے سے اللہ اس دعا کرنے والے پر رحمت و برکت نازل کرتا ہے۔

دیکھو توریت سفر الخلیقہ کے بارہویں باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔ قولہ "اور میں تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت ہوگا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتا ہے لعنتی کروں گا"۔ الحمدللہ کہ یہ امت پنجگانہ نماز میں ابراہیم علیہ السلام پر بھی برکت دیتی ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ صلوٰۃ وسلام کا لفظ خاص آنحضرت ﷺ کے لیے ہے۔ تبعاً غیر پر بھی درست ہے، جیسا کہ عزوجل کا لفظ اللہ کے لیے مخصوص ہے اور رضی اللہ عنہ صحابہ اور اہل بیت کے لیے اور رحمہ اللہ اوروں کے لیے۔

---

[1] اور ہمارے نزدیک آیت میں دو معنی مراد نہیں بلکہ ایک کیونکہ اللہ صلوٰۃ بھیج رہا ہے جو اس کے مناسب ہے یعنی ثناء وصفت کرتا ہے اور ملائکہ اس کے ساتھ اس میں ہاں ہاں اور بجا بجا کرتے ہیں گویا دونوں مل کر ثناء وصفت کرتے ہیں ۱۲ منہ

[2] وہ تشہد میں آپ نے تعلیم فرمایا ہے یعنی التحیات میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ابن کثیر) ۱۲ منہ

اس کے بعد حضرت ﷺ کو ایذا دینے والوں کی سزا بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ الخ کہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کو آخرت میں ذلت کا عذاب ہوگا اور آپ کے ساتھ نبیین کا بھی رتبہ بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الخ کہ وہ جو ناحق مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں، ان پر بہتان لگتے ہیں اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِھِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْھَآ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے مونہوں پر نقاب ڈالا کریں، اس میں یہ ہوگا کہ وہ پہچانا جایا کریں گی، پھر ستائی نہ جاویں گی اور اللہ بخشنے والا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں غلط خبریں اڑانے والے باز نہ آئیں گے تو آپ کو ہم ان کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہ اس شہر میں تیرے پاس نہ رہ سکیں گے مگر بہت کم۔ پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مارے گئے۔ جیسا کہ اللہ کا دستور چلا آیا ہے، پہلی امتوں میں اور اللہ کے دستور کو تو کبھی بدلا ہوا نہ پاوے گا۔

ترکیب: ادنٰی خبر ذٰلک یدنین جواب شرط مقدر قولہ قل لعبادی یقیموا الصلوٰۃ فی ابراھیم فتذکرہ من جلابیبھن للتبعیض فان المرأۃ ترخی بعض جلبابھا والبعض علی راسھا ثم لایجاورونک عطف علی لنغرینک وثم للدلالۃ علی ان الجلاء اشد علیھم من سائر المصائب۔ الاقلیلا زمانا او جوارا قلیلا، ملعونین نصب علی الحال والاستثناء یتناولہ لایجاورون الا ملعونین۔

تفسیر: پیغمبر علیہ السلام اور مومنین کی ایذاء کی برائی کے بعد ایذاء کے بعض اسباب دور کرنے کی تدبیر بتلاتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ ابن سعد نے طبقات میں ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ کی بیویاں حاجتِ ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں۔ (جب تک گھروں میں پاخانے نہ بنے تھے) اور منافق لوگ رستہ میں ان پر آوازے کستے تھے، یعنی چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، اس کی بیویوں نے شکایت کی تو ان لوگوں سے کہا گیا کہنے لگے کہ ہم تو لونڈیوں کو چھیڑا کرتے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی، پردہ کے بعد بھی حاجتِ ضروریہ شرعیہ کے لیے پردہ کے ساتھ عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ جیسا کہ بخاری کی اس حدیث سے سمجھا جاتا ہے کہ جس میں شب کو سودہ رضی اللہ عنہا کے باہر جانے اور عمر رضی اللہ عنہ کے باہر جانے کا ذکر ہے۔ پاخانے کو بھی جاتی تھیں، شب کے وقت نماز میں شریک ہوتی تھیں، رستہ میں منافق چھیڑا کرتے تھے۔ یہ بھی بڑی ایذا تھی۔

---

[1] ان پر ابھار دیں گے۔

اس آیت میں حکم دیا گیا کہ نبی کی بیویاں اور بیٹیاں اور مسلمانوں کی عورتیں جو بضرورت باہر نکلیں تو چادر میں چھپ کر نکلیں، تا کہ معلوم ہو جاوے کہ لونڈیاں نہیں بیویاں ہیں، کیونکہ لونڈیوں کا لباس اور ہوتا ہے، وہ کپڑا اس طرح سے اوڑھ کر نہیں نکلتی ہیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی لونڈی کو چادرے میں لپٹے ہوئے جاتے دیکھ کر فرمایا کہ کمبخت بیویوں کے مشابہ ہوا چاہتی ہے، اس کپڑے کو اتار۔ پھر بیوی سمجھ کر کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ جلابیب جمع جلباب بڑا کپڑا اوڑھنا وغیرہ کہ جس سے تمام بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جاوے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور جو پردہ کے بارہ میں کچھ قصور ہو جاوے بشریت سے تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ منافقوں کی ایک اور بھی ایذا رسانی تھی، وہ یہ کہ مدینہ میں طرح طرح کی خوفناک خبریں اُڑا کر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے کہ فلاں بادشاہ چڑھ کر آتا ہے وہ آ کر یوں قتل عام کرے گا۔ فلاں قوم آتی ہے، ان سب کی نسبت فرماتا ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ کہ اگر یہ منافق اور وہ لوگ کہ جن کے دل میں مرض ہے، شک وشبہ یا مرض زنا کاری ہے اور وہ جو افواہیں اڑایا کرتے ہیں، باز نہ آویں گے تو لنغرینک بھم تو اے نبی! تجھ کو ہم ان پر ابھاریں گے اور مسلط کریں گے۔ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا کہ پھر وہ تیرے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔ مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا اور مدینہ سے باہر نکل کر بھی خوش حال نہ رہیں گے، بلکہ ذلیل وخوار ہو کر جہاں کہیں پاویں پکڑے جاویں اور قتل کیے جاویں۔ یہ جملہ بطور تہدید کے ہے کہ اگر منافق اس بات سے باز نہ آویں گے تو جہاں پائے جاویں گے قتل کیے جاویں گے۔ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اور اس کے بعد جو جملے بطور عطف کے آئے ہیں، ان سے منافق ہی مراد ہیں۔ واؤ زائد ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں۔

الی الملک القرم و ابن الہمام ولیث الکتیبۃ فی المزدحم

بعض کہتے ہیں کہ منافق کئی قسم کے مدینہ میں تھے۔ بعض وہ تھے کہ جن کے دل میں مرض تھا زنا کاری کا وہ اسی لیے رستہ میں آتے جاتے عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور بعض غلط افواہیں اڑایا کرتے تھے۔ الارجاف من الرجفۃ وھی الزلزلۃ سمی الاخبار الکاذب لکونہ متزلزلا غیر ثابت۔ بیضاوی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ کہ ہمیشہ سے اللہ کا دستور یوں ہی چلا آتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو غارت ہی کرتا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور اللہ کا یہ دستور کبھی نہیں پلٹے گا، اس کے بعد منافق اپنی اس حرکت بد سے باز آ گئے تھے۔

ع يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝۶۳ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝۶۴ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۶۵ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ
يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝۶۶ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا
ع فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝۶۷ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝۶۸

لوگ آپ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہی آ لگی ہو۔ اللہ نے کافروں پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا، جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ کوئی حمایتی پاویں گے اور نہ مددگار، اس دن کہ آگ میں ان کے منہ اُلٹ جاویں گے، کہیں گے

کہ اے کاش! ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے اے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہم کو گمراہ کر دیا۔ اے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

قریبًا [1] ای شیئا قریبا وانتصابہ علی انہ خبر کان، قریب فعیل وھو اذا کان فی معنی المفعول کما فی ھذہ الایۃ فیستوی فیہ المذکر والمؤنث کما فی قولہ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ فلا یقال قریبۃ۔ وقیل المعنی تکون الساعۃ عن قریب ای فی زمان قریب وانتصابہ علی الظرفیۃ وذکر لکون الساعۃ فی معنی الیوم اوالوقت مع ان الساعۃ لیس مونثا حقیقیا یوم ظرف فیقولون الرسولا لرعایۃ الفواصل۔

تفسیر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی عذاب کے سوا قیامت کے عذاب سے بھی ان بدکاروں، سرکشوں کو خوف دلایا کرتے تھے، لیکن وہ لوگ اس بات کو کب باور کرتے تھے۔ ہنسی اور تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے کہ وہ قیامت کب آوے گی، چنانچہ ان آیتوں میں انہی باتوں کا ذکر ہے۔ فقال یسئلک الناس عن الساعۃ کہ لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ وہ کب ہو؟ یہ سوال کرنے والے وہی لوگ منافق تھے اور ان کے ساتھ اور کافر بھی شریک تھے۔ اس طرح سے سوال کرنے کا قرآن مجید میں بہت جگہ ذکر آیا ہے، کیونکہ منکر نظام عالم کا بگڑنا محال جانتے تھے اور قدم دہری کے قائل تھے اور پھر اس کو ابدی بھی جانتے تھے۔ جیسا کہ آج کل ہنود کے فرقے قائل ہیں اور فلاسفروں میں یہ عقیدہ مدت سے چلا آتا ہے۔ قیامت کا وقت ایک مصلحتِ سماویہ کی وجہ سے مخفی رکھا گیا ہے، اس لیے اس کا تو کچھ بھی جواب نہیں دیا نہ یہاں نہ قرآن مجید میں اور کسی جگہ مگر اس آنے والی مصیبت کا حال بیان کر دیا اور یہی مواقع انذار میں مناسب تھا اور اس جگہ گو تعیین تو نہ بتلایا مگر یہ بات بتلا دی کہ اس کا وقت بہت دور نہیں بلکہ قریب ہے، فقال اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا۔

حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ (متفق علیہ) یعنی جس طرح سے یہ دونوں ملی ہوئی ہیں، اسی طرح قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ غرض یہ کہ نزدیک زمانہ آ گیا ہے۔ واضح ہو کہ احادیث میں کہیں موت کو بھی قیامت کہا ہے اور یہ قیامت صغریٰ ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ اور کبھی انقراض قرن کو بھی قیامت کہا ہے، اس کو قیامت وسطی کہتے ہیں۔ اگر قیامت صغریٰ و وسطی ہی مراد ہوں تو اس کا قرب آنکھوں کے سامنے ہے۔ انسان کی زندگی حباب کی بقاء سے کمتر ہے مرتے ہی اس پر دارو گیر آخرت شروع ہو جاتی ہے۔ خود ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے، اس کا وقت کیا پوچھنا؟

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ الخ یہاں سے ان غفلت شعار لوگوں کا وہ معاملہ بیان فرماتا ہے جو آخرت میں بہت جلد ان کے سامنے آنے والا ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ان کو اس بلا سے وہاں کوئی نہ چھڑا سکے گا، اس روز آگ میں ان کے منہ اُلٹے پلٹے جاویں گے۔ منہ سے مراد ان کی ذات ہے، یعنی وہ اُلٹے پلٹے جاویں گے کہ جس طرح کباب کو بھونتے وقت اُلٹا پلٹا کرتے ہیں، یہ دنیا میں ان کے اُلٹنے پلٹنے کی سزا ہے کہ کبھی کچھ کبھی کچھ کرتے تھے جو نفاق کی شان ہے اور وہاں ان کو اپنے مذہب اور اس کے پیشواؤں کا حال معلوم ہوگا کہ انہوں نے ہم کو غلط بدراہ کیا، اس لیے جل کر کہیں گے کہ خداوند ان کو دوگنا عذاب دے، ایک ان کی گمراہی کا دوسرا ہمارے گمراہ کرنے کا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ
عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝۶۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا

---

[1] ای شیئا قریبا ای الشئ الموصوف۔

سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ کہ جنہوں نے موسیٰ کو ستایا، پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کی باتوں سے بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک عزت دار تھے۔ ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور راستی کی بات کہا کرو تاکہ وہ تمہارے اعمال کو درست کر دے اور تمہارے گناہ معاف کر دے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا وہ بڑی مراد کو پہنچا۔

ترکیب: کالذین خبر کان، مما متعلق ببراہ و کان الجملۃ معطوفۃ علی فبراہ اللہ ویمکن ان تکون حالا من الضمیر فی فبراہ یصلح و یغفر مجزوم جواب للامر و مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ شرط۔ فقد فاز جوابہ۔ سدیدا قاصدا ای مستقیما صالحا صوابا من سد یسد سدودا وجیھا ذا وجاھۃ۔

تفسیر: منافقوں کو تو تہدید کی ہی تھی جو رسول کریم ﷺ کو طرح طرح ایذائیں دیا کرتے تھے، مگر کچھ نادان مسلمان بھی بعض مواقع میں بے سوچے سمجھے بے ہودہ باتیں کہہ گزرتے تھے، جن کو ان آیات میں منع کیا گیا اور حکم دیا کہ منہ سے اچھی باتیں کہا کرو تاکہ تمہارے اعمال درست ہوں، یعنی مقبول ہوں اور تمہارے گناہ بخشے جاویں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس لیے ان آیتوں میں اسی بات کا تذکرہ کرتا ہے۔ فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا کہ ایمان والو! تم ان نادان لوگوں جیسے نہ ہو جایا کرو کہ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی لیکن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے الزامات سے بری کیا اور وہ اللہ کے نزدیک ذی مرتبہ تھے، یعنی ان الزامات کے قابل نہ تھے۔

ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت مشابہت تھی۔ شریعت میں احکام الٰہی کے جاری کرنے، قوم کو ورطۂ ضلالت سے نکال کر سرفرازی بخشنے میں۔ پس بعض نادان مسلمانوں نے بھی حضرت ﷺ پر ایسے ہی الزام لگائے کہ جو موسیٰ علیہ السلام پر ان کے لوگوں نے لگائے تھے۔ اب اس آیت کی تفسیر میں دو باتوں کی تشریح ضرور ہوئی۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو کیا ایذا دی تھی؟ دوم یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیا ایذا دی تھی؟ پہلی بات کی بابت محدثین کی ایک جماعت نے کہ جن میں امام احمد اور بخاری اور مسلم اور داؤد و ترمذی ہیں، مختلف راویوں اور مختلف اسناد سے یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے مال آیا تھا، جس کو آپ نے لوگوں کو تقسیم کر دیا، لیکن کسی انصاری نے اپنے کسی دوست سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے یہ تقسیم اللہ کے لیے نہیں کی، یعنی اس میں رو رعایت کی ہے، یہ خبر آپ کو پہنچی سن کر فرمایا کہ چھوڑو موسیٰ علیہ السلام کو اس کی قوم نے اس سے زیادہ ایذا دی جس پر انہوں نے صبر کیا۔

دوسری بات کی بابت بھی ہمارے راویوں نے یہ نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شرم کے آدمی تھے، نہاتے تو پردہ کر کے، اس پر بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ موسیٰ کو نہانی کوئی عارضہ ہے جس کو وہ چھپاتا ہے، جس کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کو رنج ہوا۔ ایک بار موسیٰ علیہ السلام پتھر پر کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے کہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا اور جہاں بنی اسرائیل کا مجمع تھا، وہاں لایا لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ دیکھ کر یقین کر لیا کہ کوئی عارضہ نہیں ہے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ روایت ہے کہ ہارونؑ جو موسیٰ کے ساتھ پہاڑ پر گئے تھے اور وہیں مر گئے، ان کے کپڑے لا کر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے بیٹے کو دیے، اسرائیلیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپ بھائی کو مار ڈالا جس سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت صدمہ ہوا لیکن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس اتہام سے بری کر دیا۔

پچھلی بات کا تو کسی قدر توریت سے پتا لگتا ہے مگر پہلی بات کا کچھ بھی پتا نہیں لگتا، اس لیے ہم کو توریت کو دیکھنا پڑا۔ اس کو جو دیکھا تو ایسے ... واقعات ... ملے کہ جن میں بنی اسرائیل نے حملے کیے اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برأت کی۔ منجملہ ان کے ایک قادح لطعن

ہارون کا حملہ ہے جس کی پوری تفصیل ہم اسی جلد میں کر آئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک واقعہ توریت سفر عدد کے بارہویں باب میں مذکور ہے، یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک حبشی عورت لی تھی جس کی نسبت آپ کی بہن مریم اور ہارون علیہ السلام نے کوئی الزام لگایا، اس میں اس سبب سے کہ ہارون علیہ السلام کو کوئی سزا نہ ملی، صرف مریم کو کہ وہ مبروص ہو گئی۔ ہارون علیہ السلام کی شرکت نہیں معلوم ہوتی ممکن ہے کہ اور بنی اسرائیل بھی اس میں شریک ہوں جس سے خدا تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور خدا کا جلال بدلی میں سے نمودار ہوا، مریم کو برص ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا، وہ میرے سارے گھر میں امانت دار ہے۔ وکان عند الله وجیها اس کے قریب قریب ہے اور یہی قصہ زیادہ تر چسپاں ہے کیونکہ اسی سورہ میں حضرت علیہ السلام پر بھی زینب سے نکاح کرنے میں لوگوں نے طعن کیا تھا اور الزام لگایا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی، پھر اس کے اٹھانے سے انہوں نے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اس کو انسان نے اٹھا لیا، البتہ وہ بڑا ظالم جاہل تھا تاکہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: الامانۃ مفعول لعرضنا علی السموات متعلق بہ ان یحملنہا ان مصدریہ والجملۃ بتاویل المصدر مفعول لابین من ابی یابی بمعنی لیعذب اللام متعلق بحملہا ویتوب معطوف علی یعذب منصوب لدخول لام کی۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کو دارین میں کامیابی حاصل ہوئی، اس جگہ اس طاعت باعث کامیابی کا حال بیان فرماتا ہے کہ یہ اس امانت کے ادا کرنے کے لیے ہے جو انسان کو سپرد ہوئی اور زمین و آسمان اس کو نہ لے سکے۔ پس جو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو اس امانت الٰہی کو ادا کرتا ہے۔ فقال اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ ہم نے وہ امانت آسمانوں اور زمین کے آگے پیش کی روز ازل میں فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا ان میں اس کے لینے اور اٹھانے کا مادہ نہ تھا، اس لیے وہ اس سے ڈر گئے اور لینے سے انکار کیا، مگر حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ انسان نے اس کو اٹھا لیا، اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کیونکہ یہ اس کے انجام کار سے بے خبر اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ کہ جس نے اس امانت کو ادا نہ کیا۔ نفاق اور شرک وغیرہ قبائح میں مبتلا ہوا اس کو اللہ اس خیانت کی سزا دے گا۔ عذاب کرے وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور جس نے اس امانت کو ادا کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت کہ وہ صدق دل سے ایمان لا کر متبع شریعت ہوا تو اس پر مہربانی کرے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور اللہ تعالیٰ کی صفت مہربانی کرنا اور معاف کرنا ہے۔

یہ آیت کے معنی ہیں جو ظاہر الفاظ قرآن مجید سے سمجھے جاتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق چند بحثیں ناظرین کے افادہ کے لیے درج کرتے ہیں۔

امانت کے معنی : (بحث اول) امانت کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ قیل وقال کی ہے۔ عوفی ابن عباس ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اطاعت ہے اور مجاہد وسعید بن جبیر وضحاک وحسن بصری وغیرہم یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرائض اور طاعت کرنا ہے کہ جس کے بجالانے اور ادا کرنے پر ثواب اور ترک کرنے اور خیانت کرنے پر عذاب ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ جمہور کا یہی قول ہے پھر ادائے فرائض کو بنظر اہتمام شان مختلف اقوال میں امانت سے تعبیر کیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں۔ پنجگانہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور روزہ رکھنا اور حج کرنا' سچ بولنا' قرض ادا کر دینا' انصاف کرنا' ماپ تول میں کمی نہ کرنا۔ یہ سب امانت الٰہی ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے، اس سے باز رہنا اور جس کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بجالانا امانت ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کہتے ہیں کہ سب سے اول خدا نے انسان کی پیشاب گاہ بنائی ہے اور یہ اس کی امانت ہے، پس اگر اس کو بدکاری سے محفوظ رکھا تو امانت ادا کر دی، پس شرمگاہ امانت ہے کان امانت ہیں' آنکھ امانت ہیں' زبان امانت ہے، پیٹ امانت ہے۔ ہاتھ امانت ہیں ان کو کسی بری بات میں نہ لگاوے۔ الغرض یہ سب اقوال اور فرائض وطاعت کی تفاصیل ہیں۔ یہ مذہب ہے قدماء کا۔

آسمان وزمین کو ان فرائض کے ادا کرنے پر مامور نہیں کیا، ان میں مادہ افعال اختیاریہ کے بجالانے کا نہیں تھا۔ یہ مادہ نہ ہونا زبان حال سے گویا اس کی ذمہ داری سے انکار کر دینا ہے اور انسان میں اس کا مادہ ہونا گویا اقرار کرنا ہے اور یہ اقرار اس کے مادہ کی وجہ سے ہوا کہ جس میں قوت غضبیہ وشہوانیہ بھی ہیں کہ جو ظلم وجہل کی جڑ ہیں۔

(۲) بیضاوی ونیشاپوری نے اس آیت کے معنی یوں بیان کئے ہیں کہ طاعت جو بندوں پر فرض کی گئی، اس کو واجب الادا ہونے کی وجہ سے امانت کہا گیا ہے، اب یہ معنی ہوئے کہ عظیم الشان ہونے کی وجہ سے اگر ایسے ایسے بھاری اجرام پر بھی دھرے جاتے اور ان کو عقل وشعور ہوتا تو وہ اس کے اُٹھانے سے انکار کرتے اور ڈر جاتے۔ کس لیے کہ عبادت وطاعت ایک تکلیف ہے اور تکلیف خلاف طبیعت کام پر مامور ہونے میں ہوتی ہے۔ پس اس قسم کی تکلیف اٹھانے کی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں میں طاقت نہیں ہے، کیونکہ آسمانوں سے خلاف طبع کام جو ہبوط ہے، ہو نہیں سکتا اسی طرح زمین سے صعود اور پہاڑوں سے حرکت بھی سرزد نہیں ہوتی، یہ جس کام پر قضاء وقدر نے لگا دیے ہیں اسی پر لگے ہوئے ہیں اور اسی طرح ملائکہ سے بجز تسبیح وتقدیس کے اور کوئی خلاف بات سرزد نہیں ہو سکتی، لیکن باوجود ضعیف البنیان ہونے کے انسان نے اس کو اٹھالیا، پس جو اس کو بجالایا امانت ادا کر دی۔ دارین میں فلاح کو پہنچا اور جس نے اس کو ادا نہ کیا وہ ظلوم وجہول ہے۔ پس امانت کے پیش کرنے کے ان اجرام پر یہ معنی ہیں اور ان کا اس اٹھانے سے انکار کرنا یہ ہے کہ ان میں اس کی صلاحیت نہیں اور کلام میں حقیقی معنی سے گفتگو نہیں بلکہ ایک تصویر وتمثیل ہے، یعنی استعارہ تمثیلیہ ہے انسان کی حالت اور اس کی ہیئت تکلیفیہ کو ایک حالت مفروضہ سے تشبیہ دی گئی کہ اگر وہ ان اجرام پر پیش کی جاتی تو اس سے انکار کر بیٹھتے کما قال وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ ظاہر تو یہی بات ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے کہ جس پر ہر ایک مخلوق مجبول کی گئی اور حمل امانت سے مراد خیانت کرنا اور نہ کرنا۔ کما یقال فلان رکب علیہ الدین، پس جس نے اس کو قوت کے مرتبہ پر پہنچا دیا، اس نے ادا کر دی ورنہ وہ اس کے ذمہ پر باقی ہے اور وہ اس کا حامل ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ آسمان اور ستارے امر الٰہی کے ہر وقت مسخر ہیں۔ کما قال اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ وَكُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى وقال تعالٰی وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ وقال وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالدَّوَآبُّ الآیۃ اور اسی طرح ملائکہ کا حال ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم اسی طرح قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں۔ برخلاف حضرت انسان کے یہ ثابت قدم نہ رہا اس

لیے ظلوم یعنی ظالم اور جہول نادان ٹھہرا۔ ظلوم اس لیے کہ اس نے استعداد کو خلاف بات میں صرف کیا اور جہول اس لیے کہ اس نے استعداد کے بیکار کرنے کا نتیجہ نہ جانا یا اپنے علم پر عمل نہ کیا، اس سے کچھ ثمرہ نہ اٹھایا کیا خوب کہا ہے۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ الْاِنْسَانُ میں لام جنس کے لیے ہے جو اس کے بعض افراد پر صادق آنے کی وجہ سے جنس پر صادق آ گیا اور وہ بعض افراد فاسق و منافق وکفار ومشرکین ہیں۔ نیشاپوری وغیرہ۔

(۴) اس آیت کے متعلق کاتب الحروف کے دل پر بھی ایک معنی القاء ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں، جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ عالم علوی وسفلی ذرہ سے آفتاب تک اسی کے ہاتھ کی کاریگری ہے، اسی کے جمال جہاں آراء کا آئینہ ہے، اس نے اس عالم میں کسی چیز کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے۔ ہر ایک شے کو اپنی ایک صفت کا مظہر بنایا اور ہر ایک کو ایک خاص کام پر لگایا ہے۔ یہ نظام عالم اس بات کا مقتضی تھا کہ اس میں ایک شخص ایسا بھی ہو جو تمام عالم کا مجموعہ بن کر خدا تعالیٰ کی جمیع صفات کا مظہر اور اس کے جمال باکمال کا کامل آئینہ صافی ہووے۔ پس وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اسی لیے صحیح بخاری میں ایک حدیث شریف آئی ہے کہ ان الله خلق آدم علی صورته اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، صورت سے مراد سیرت ہے اور اس معنی میں یہ لفظ زبان عرب اور ان کے اسلوب کلام میں بہت وارد ہے، ورنہ خدا تعالیٰ صورت وشکل سے پاک ہے۔ آیات تنزیہات اس بات کی صاف گواہی دے رہی ہیں اور اسی لیے قرآن مجید میں جیسا کہ آیات الٰہی کے ملاحظہ کے لیے آفاق کے صحیفہ کے مطالعہ کا حکم دیا ہے، اسی طرح انسان کو اپنے نفس میں غور وتامل کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں وجوہ سے انسان کو عالم کبیر کہا جاتا ہے، پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم میں ہر ایک طرح کی قوت ودیعت رکھی ہے۔ قوت ادراکیہ، قوت غضبیہ، قوت رحمانیہ وغیرہا اور ان قویٰ کی ترکیب اور ان کی اصلاح سے اس میں وہ وہ صفات پیدا ہوئے کہ جو نہ آسمان وزمین کو حاصل ہیں نہ کسی فرشتہ کو منجملہ ان کے ایک درد دل اور محبت اور جذب ہے جو کسی میں نہیں۔ یہی سوز نہانی ہے جو شب بیداروں کو رات بھر جگاتا اور صبح کو خاک میں سر رکھوا کر پھوٹ پھوٹ کر رلواتا ہے اور اسی لیے شیطان نے بہت سی عبادت کر کے ایک گناہ کیا بخشا نہ گیا، برخلاف آدم علیہ السلام کے کہ اس قدر عبادت بھی نہ کی تھی، اس کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا۔ دار الخلد میں بسایا گیا، ان انعامات پر گناہ کر لیا جس کی جس قدر سزا ہوتی تھوڑی تھی اور ابد تک بخشش نہ جاتی تو بجا تھا مگر آدم علیہ السلام کے درد دل نے جب اس کو جوش دلایا اور ابر کی طرح رولایا اور منہ سے رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ نکلوایا تو فوراً دریائے رحمت الٰہی جوش میں آیا۔ ایک گناہ تو کیا اگر ایسے ہزار گناہ آسمان وزمین بھر کے ہوتے تو سب معاف ہو جاتے۔

واہ رے شور محبت خوب ہی چھڑکا نمک استخوان میرے ہما کس مزے سے کھائے ہے

ملائکہ نے صرف قوت غضبیہ وشہوانیہ پر نظر کر کے بارگاہ کبریائی میں عرض کیا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا چونکہ اس مجموعہ خوبی و مرکز محبوبی کے اسرار کی خبر نہ تھی جواب ملا اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہ تم وہ کچھ نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں۔

پس وہ امانت الٰہی یہی درد دل ہے اور یہی اس کے قوائے مودوعہ ہیں، جن کے قابل نہ آسمان وزمین تھے نہ حجر وشجر نہ ملائکہ نہ کوئی اور اسی کو گویا سب کے سامنے کر کے دکھایا گیا کہ کون ہے جو ہماری اس امانت کو لیتا ہے؟ پھر کس میں کیا قابلیت تھی جو اس کو لیتا اور اس بار گراں کو آدم علیہ السلام ہی کے حصہ میں آیا اسی نے اس کو اُٹھایا اور کیوں نہ اُٹھاتا، یہ اسی لیے پیدا ہوا تھا، سب سے اول اسی نے سر جھکا دیا اور کہا کیا مجھے دیجیے آپ دیں اور میں نہ لوں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ملائکہ و دیگر لوگوں پر تعریض ہے کہ یہ وہی ہے کہ جس کو تم ظالم و جاہل سمجھتے تھے۔
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے بارگراں کا اٹھانا اور اس بلا و محنت کو گلے میں ڈالنا دانشمند اور دور اندیش سے کب ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جو اپنی جان پر مصیبت گوارا کر لیں اور دور اندیشی نہ کریں۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں   مانمی خواہیم ننگ و نام را

ان آیتوں میں خدا تعالیٰ بنی آدم کو اس سر تہائی کو یاد دلا کر طاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس امانت کے پورا نہ کرنے کی صورت میں عذاب اور پورا کرنے میں ثواب کا وعدہ و وعید فرماتا ہے اور اس سورہ میں بیشتر احکام ہیں، ان کے خاتمہ میں یہ ذکر ایک نمک ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤

سب خوبیاں اللہ ہی کو ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور آخرت میں بھی اسی کی ستائش ہے اور وہ حکمت والا خبردار ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر آتا ہے اور وہ جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھ جاتا ہے، سب کو جانتا ہے اور وہی مہربان بخشنے والا بھی ہے اور منکر کہتے ہیں کہ ہم پر وہ گھڑی (قیامت میں) نہ آئے گی کہہ دو ضرور آئے گی، مجھے اپنے اس رب کی قسم جو غیب کا جاننے والا ہے جس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز ذرہ کے برابر بھی غائب نہیں ذرہ سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو، قیامت اس لیے آئے گی تا کہ خدا ان لوگوں کو کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے۔ یہی وہ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی تیار ہے اور جو ہماری آیتوں کے رد کرنے میں کوشش کرتے پھرتے ہیں، ان کے لیے ان عذاب ہے۔

ترکیب : فی السمٰوٰت متعلق یثبت فی الآخرۃ یجوزان یتعلق بالحمد یعلم مستانف وقیل حال موکدۃ عالم الغیب بالجر صفۃ لربی او بدل وبغیرہ بالرفع ای ھو عالم اصغر بالرفع عطفا علی مثقال، وبالجر عطفا علی ذرۃ، لیجزی متعلق بمعنی لایعزب فکانہ قال یحصی ذلک لیجزی، الیم بالجر صفۃ لرجز وبالرفع صفۃ لعذاب۔ والرجز مطلق العذاب۔

تفسیر : ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ سبا مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس قسم کی سورتیں کہ جن کے اول میں الحمد للہ ہے، پانچ ہیں ان میں سے دو نصف اول میں ہیں۔ انعام و کہف اور دو اخیر قرآن میں ہیں۔ ایک یہ دوسری ملائکہ، پانچویں الحمد کہ جس کو چاہو نصف اول میں شمار کرو خواہ نصف اخیر میں اور سر اس میں یہ ہے کہ خدا کی بے شمار نعمتیں دو قسم کی ہیں، ایک نعمت ایجاد ہے کہ اس نے معدوم سے ہم کو موجود کر دیا دوسری نعمت بقاء ہے کہ ہم کو باقی رکھا اور زندہ رہنے کے سامان عطاء کئے اور بندہ کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ابتداء جو اس عالم سے متعلق ہے دوسری اعادہ کہ بارد گر ہم کو زندہ کر کے وہاں کے سامان عطا کرے گا۔ پس ان پانچوں سورتوں میں کہیں ایجاد کی نعمتیں یاد دلائی ہیں، کہیں بقاء کی پھر کہیں اس عالم کی کہیں اس عالم کی، اس سورہ میں بھی مَا فِي الْاَرْضِ تک تو نعمت بقاء کا ذکر ہے کہ جو اس عالم میں آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو پیدا کرنے میں ہے، کیونکہ اگر آسمان و زمین کے اندر کی چیزیں بارش، ہوا، رزق وغیرہ نہ ہوں تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ میں آخرت کی جمیع نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عالم کی یہ نعمتیں کہ جن کو لوگ معمولی باتیں سمجھتے ہیں، خود بخود پیدا نہیں ہو گئی ہیں نہ ان کو بے سوچے سمجھے خدا نے پیدا کیا ہے بلکہ ہر ایک کو حکمت و علم سے بنایا ہے۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ الخ میں اپنے علم و حکمت کو دکھاتا ہے کہ جو کچھ زمین میں گھستا ہے پانی، اموات، تخم وغیرہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو اشیاء زمین سے پھر باہر نکلتی ہیں جڑی بوٹیاں اور پانی چشموں کا اور جواہر اور معدنیات جو اسی کی اس اندھیرے میں کاریگریاں ہیں، ان کو بھی خوب جانتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے۔ پانی اور ملائکہ اور وحی و دیگر برکات ان کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ پھر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ اعمال صالحہ اور ملائکہ سب کو جانتا ہے، یہ سب تدبیر و تصرف اسی کی رحمت سے ہے اور اسی کی مغفرت ہے کہ گناہوں سے ان چیزوں کو بند نہیں کرتا، اس میں اس کی کمال قدرت کا ثبوت ہے۔

اس کے بعد مشرکین مکہ کا قول نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں قیامت برپا نہ ہوگی، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ کہہ دو خدا کی قسم وہ ضرور آئے گی اور پھر اس کے برپا کرنے کی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس سے آسمان و زمین کی کوئی چیز اور کوئی ذرہ غائب نہیں وہ تمہارے مردہ بدن اور اس کے ذرات کو جمع کر دے گا، پھر قیامت کے برپا کرنے کی دلیل بیان فرماتا ہے کہ دنیا تو دار تکلیف ہے دار جزاء نہیں اور جزاء نیک و بد کی دینی اس کی خدائی کا لازمہ ہے۔ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے لے کر مِنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ تک میں یہی ذکر ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ⑧ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨

اور جن[1] کو وہ علم دیا گیا ہے جو آپ کی طرف اس کے رب کے ہاں سے نازل ہوا ہے تو وہ اس کو برحق جانتے ہیں اور وہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے اور کافر کہتے ہیں کہ (کہو تو) ہم تم کو ایک ایسا شخص بتلائیں جو تم کو کہتا ہے کہ جب تم مر کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ بنا لیا ہے یا اس کو جنون ہے (یہ کچھ بھی نہیں) بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں (خود) مصیبت اور بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا وہ آسمان اور زمین کو جو ان کے آگے اور پیچھے سے محیط ہے نہیں دیکھتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں خدا کی طرف رجوع کرنے والے بندے کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : ویری معطوف علی لیجزی ویمکن ان یکون مستانفا الذی انزل مفعول اول الحق مفعول ثانی ھو الضمیر للفصل، وقری الحق بالرفع علی الابتداء والخبر ، ویھدی فاعلہ الضمیر یرجع الی الذی انزل والمراد بہ القرآن ای القرآن یھدی، ویمکن ان یرجع الی اللہ ویمکن ان یعطف علی موضع الحق بتقدیر ان اذا مزقتم عاملہ محذوف دل علیہ ما بعدہ ای تبعثون ممزق مصدر بمعنی تمزیق ویحتمل ان یکون مکانا، جدید بمعنی فاعل من جد، افتری الھمزۃ للاستفہام وہمزۃ الوصل حذفت استغناء، افلم یروا والمعنی افلم ینظروا الی ما احاطہ بجوانبھم من السماء والارض ولم یتفکروا اھم اشد خلقا ام ھی وانا اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ قطعا من السماء لتکذیبھم الآیات۔

تفسیر : ویری الذین اس جملہ کو اگر لیجزی پر معطوف کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ قیامت برپا کرنے میں، ایک اور حکمت ہے۔ وہ یہ کہ اہل علم جو انبیاء ﷺ پر نازل ہوئی باتوں کو صدق دل سے مانتے ہیں۔ جب قیامت کو برپا ہوتے دیکھیں گے تو ان کو اور بھی یقین کامل ہو جاوے گا اور عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جاوے گا۔ جیسا کہ آیا ہے۔ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ، هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔ وَيَهْدِیْ کا عطف یری پر ہو کر یہ معنی ہوں گے کہ قیامت اس لیے برپا کریں گے کہ وہ (ایمانداروں کو معقول محذوف) ان کا زبردست کا رستہ دکھاوے گا۔ یقین کامل پیدا کرے گا۔ پہلے جملہ کی تاکید ہے اور اگر اس کو جملہ مستانفہ کہیں تو یہ معنی ہوں گے کہ جو اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا علم رکھتے ہیں ان کو اللہ نے علم کتاب اللہ دیا ہے، وہ اس بات کو یعنی اللہ کے کلام کو برحق جانتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ کلام اللہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے، کسی کے شبہ سے ان کے دل میں شبہ نہیں پڑتا۔ مطلب یہ کہ کفار تو آیات الٰہی کے مٹانے میں ساعی ہیں اور ایماندار اہل علم صحابہ و تابعین یا جو کوئی ہو ان کو برحق اور ہادی راہ خدا جانتے ہیں۔

وقال الذین کفروا اس جگہ ان اہل علم و ایمان کے برخلاف احمق لوگوں کا قول نقل کرتا ہے کہ منکر یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص بھی دیکھا ہے کہ جو مرنے کے بعد جبکہ جسم کے ریزے ریزے ہو جاویں گے، دوبارہ زندگی ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ایسے شخص سے ان کا اشارہ حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف تھا، ھَلْ نَدُلُّكُمْ کہو تو ہم بتلا دیں۔ یہ عرب کے محاورہ میں ایسی بات ہے کہ جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی ہے؟ یعنی وہ اس بات کے خبر دینے سے کہ مر کر زندہ ہوں گے، سخت تعجب کرتے ہیں اور رسول کو جھوٹا یا دیوانہ کہتے ہیں۔ افترا بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے، یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور ایک بات بنا لینا، کوئی نئی قسم نہیں جس سے جھوٹ اور سچ میں کوئی واسطہ یعنی تیسری چیز اور ثابت ہو جاوے، ہر کلام کہ جس میں کسی بات کی خبر دی جاوے، اگر واقع کے مطابق ہے تو سچا کلام ہے ورنہ جھوٹا، کفار کا مقصد یہ تھا کہ یا تو یہ شخص جھوٹا ہے اور بڑا جھوٹا ہے جو عمداً جھوٹی بات کہتا ہے یا دیوانہ ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ وہ تو ایسا نہیں بلکہ کافر عذاب دینے والی بات اور بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امکان حشر پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے۔ افلم یروا کہ وہ آسمان و زمین میں غور کر کے نہیں دیکھتے کہ جس نے ایسی چیزیں

[1] اور جن کو اس چیز کا علم دیا گیا ہے جو تیرے رب کے ہاں سے بھیجی گئی۔

بنائی ہیں، کیا وہ قیامت برپا کرنے پر قادر نہیں؟ ان کے انکار پر ہم صبر کرتے ہیں، اگر چاہیں تو ان کو زمین میں غرق کر دیں یا کوئی آسمانی چیز ان پر ڈال کر ہلاک کر دیں جو ان کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ
الْحَدِيْدَ ⑩ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ⑪ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ
الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا
نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ
كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ
الشَّكُوْرُ ⑬ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ
تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي
الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ⑭

اور البتہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بزرگی دی تھی (ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑو ان کی تسبیح کی آواز کا جواب دیا کرو اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اور ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا کہ فراخ زرہیں بنائے اور اندازہ سے کڑیاں جوڑا کرو اور ان کے خاندان کو ہم نے حکم دیا تھا کہ اچھے کام کیا کرو ہم جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہے ہیں اور ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا کہ جس کی صبح کی منزل مہینے بھر کی راہ اور شام کی منزل مہینے بھر کی راہ تھی اور ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور کچھ جن ان کے آگے کام کیا کرتے تھے، اس کے رب کے حکم سے تھا اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تھا تو ہم اس کو آگ کا عذاب چکھاتے تھے اور وہ جو چاہتا تھا محرابیں اور صورتیں اور لگن حوض جیسے بنایا کرتے تھے اور بڑی بھاری دیگیں بھی (جو ایک جا جمی رہتی تھیں ہلتی نہ تھیں اور ہم نے کہہ دیا تھا) کہ اے داؤد کے لوگو شکر کیا کرو اور میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں، پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم دیا تو ان کو اس کی موت کسی نے نہ بتائی مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا رہا، پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر وہ غیب کی باتیں جانتے تو ذلت کی مشقت میں نہ پڑے رہتے۔

ترکیب : داؤد مفعول اول فضلا مفعول ثانی لاٰتینا یاجبال تفسیر للفضل والطیر بالنصب لانہ معطوف علی محل جبال وفیہ وجوہ اخری، بالرفع عطفا علی لفظھا ای جعلنا الجبال والطیر منقادین لامرہ فی نفاذ مشیتہ فیھما، ان اعمل ای امرناہ ان اعمل وان مفسرۃ و مصدریۃ۔ الریح بالنصب ای سخرنا الریح وبالرفع علی الابتداء غُدُوُّهَا الغد مصدر ولیس بزمان ای سیرھا من الغد بمعنی الصباح ای الزوال شہر والجملۃ فی موضع الحال من الریح، من یعمل من فی موضع نصب مِنْسَاَتَهٗ والمنساۃ العصی علی مفعالۃ کمیضاۃ من نسات البعیر اذا طردتہ لانھا تطرد بھا۔

تفسیر...... داؤد علیہ السلام کا تذکرہ : پہلے فرمایا تھا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ اب اس جگہ بعض رجوع کرنے والوں بندوں کا ذکر کرتا ہے، جن کو عبد منیب کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتلاتا ہے کہ ایسے بندوں پر ہمارے انعام و افضال بھی بے حد ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے

ایک حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ فرماتا ہے کہ داؤد علیہ السلام پر ہم نے بڑا فضل کیا تھا کہ پہاڑ اور پرند اس کے تسبیح کرنے میں شریک ہوتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ و مجاہد وغیرہ علماء کہتے ہیں۔ اوبی کے معنی ہیں، کچی کہ اس کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ لغت میں تاویب کے معنی ترجیح کے ہیں۔ اٹھارہویں زبور کے شروع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے، میں نے تنگی کے وقت خداوند کو پکارا اور اپنے خدا کے آگے چلایا، اس نے میری آواز اپنے ہیکل میں سے سنی اور میری فریاد اس کے سامنے اس کے کانوں تک پہنچی، تب زمین کانپی اور لرزی سارے پہاڑ جڑ مول سے ہل گئے۔ الخ قرآن مجید میں داؤد علیہ السلام کی مناجات کا بیان ہے کہ اس کی مناجات کے وقت پہاڑ اور طیور موافقت کرتے تھے۔

بیضاوی فرماتے ہیں۔ وذلک اما بخلق صوت مثل صوتہ فیہا او بحملہا ایاہ علی التسبیح اذا تامل مافیہا کہ یا تو پہاڑوں میں بھی داؤد کی تسبیح کی آواز جیسی آواز پیدا ہوا کرتی تھی (یعنی پہاڑ گونج اُٹھتے تھے) جیسا کہ کنویں یا گنبد میں آواز دینے سے ویسی ہی آواز سنائی دیا کرتی ہے یا پہاڑوں میں غور کرنے سے داؤد علیہ السلام تسبیح کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔

اول بات قوی ہے کہ اس وقت پرندوں اور پہاڑوں پر بھی ایک حالت طاری ہو جاتی تھی۔ داؤد علیہ السلام کی تسبیح اور سوز دروں کا ان پر بھی اثر پڑتا تھا، وہ بھی اس کے ساتھ اس میں شریک ہو جاتے تھے، اس سے داؤد علیہ السلام کا کمال اور خلوص اور تصرف باطنی ثابت ہوا اور اسی لیے اس کے فضائل میں یہ بات بیان ہوئی ورنہ پہاڑ تو ہر ایک بلند آواز سے گونج اٹھا کرتے ہیں۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ یہ داؤد کی دوسری فضیلت ہے کہ اس کے لیے لوہا نرم ہو گیا تھا، اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ در وعاسعات کہ بڑی لمبی چوڑی زرہیں، بناو قدر فی السرد سرد درز دوختن او یم تسرید مثلہ وزرہ بافتن، والسرد اسم جامع للدروع وسائر الحلق، بصراح کہ زرہ کے حلقے ایک اندازہ سے جوڑ، مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم دیا تھا، یعنی سامانِ جنگ بھی عطاء کئے تھے۔ جیسا کہ اسی زبور کے ۲۳ ورس میں آیا ہے، جس طرح ان کو کمالات درویشی عطا ہوئے تھے، اسی طرح شاہی اور جنگی قوت بھی دی گئی تھی۔ ان دونوں نعمتوں پر ان کو یہ حکم ہوا تھا۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا کہ نیک کام کیا کرو، کیونکہ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ہم تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں، قوت و سلطنت پا کر شرارت اور بدکرداری نہ کرنا اور یہی نعمت کا شکریہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ : وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ یہ دوسرے بندۂ خالص حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے اور جانشین تھے۔ خدا تعالیٰ نے جس طرح ان کے باپ کے لیے لوہا مسخر کر دیا تھا، ان کے لیے ہوا مسخر کر دی تھی کہ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ کہ وہ ہوا صبح سے لے کر دوپہر تک ایک مہینے بھر کی راہ طے کرتی تھی اور شام کو یعنی پچھلے پہر کو بھی مہینے بھر کا رستہ طے کرتی تھی۔

تختِ سلیمان : دوم کتاب التواریخ کے نویں باب ۱۷ ورس میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہاتھی دانت کا ایسا تخت بنایا تھا کہ جو زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا تھا، پھر کچھ اس کے حالات لکھے ہیں۔ اگرچہ عہد عتیق و جدید سے نہیں ثابت ہوتا کہ یہ تختِ سلیمان علیہ السلام ہوا پر چلا کرتا تھا اور اول دن میں مہینے بھر کی راہ اور آخر میں مہینے بھر کی راہ طے کرتا تھا، مگر اہلِ اسلام کے اکثر مورخ اس بات کے قائل ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں، ریل کے جاری ہونے سے پہلے ریل کی یہ تیز روی اور اس قدر بار کشی اور بے بیل اور گھوڑوں کے روانگی نہایت عجیب بات معلوم ہوتی تھی۔ اب چند روز سے غبارہ اُڑانے کا فن جاری ہوا ہے، اگر ترقی کر جاوے تو کیا کچھ ہو جاوے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہ کرنا چاہیے کہ زمانہ نے بھی عجیب رنگ پلٹے ہیں، اس کا جز رومد تواریخ اور زمین کے نیچے سے عجائب آلات اور مکانات برآمد ہونے سے بخوبی ثابت ہے، پھر کیا تعجب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ایسے صناع لوگ پیدا ہوئے ہوں کہ تخت کو غبارہ کی طرح سے ہوا پر اڑانے جانے کا کام جانتے ہوں، پھر جس طرح اور صدہا چیزیں اور سینکڑوں علوم و فنون مٹ گئے یہ بھی جاتا رہا اور کتاب التواریخ سے جو اہلِ کتاب کے نزدیک الہامی کتاب ہے یہ ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد میں عمدہ صناعی اور دیگر فنون کا رواج تھا۔

ہمارے بعض ہمعاصر جو اپنی فہم شریف کے تابع تمام عجائب صنع باری کو کرتے ہیں، ان آیات کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہوا کے مسخر ہونے سے اور اس قدر جلد چلنے سے جہازوں کے بیڑے کی طرف اشارہ ہے جو سلیمان علیہ السلام کے لیے دور سے لکڑیاں وغیرہ چیزیں لاد کر لایا کرتے تھے۔ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ، قطر بالکسر مس[2] بصراح یہ دوسرا انعام ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب بادشاہوں پر حکمران کیا تو ہیکل کی تعمیر شروع کی اور بڑے بڑے پیتل کے حوض اور ستون اور دیگر ظروف ڈھلوائے جیسا کہ دوسری کتاب التواریخ کے چوتھے باب میں مشرح مذکور ہے اور ان چیزوں کے ڈھالنے والے شہر صور کے کاریگر آئے تھے، جن کو شاہ حورام نے بھیجا تھا اور ہر ایک ڈھلا ہوا بحر بنایا جو اردگرد گول تھا۔ غرض ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک دس ہاتھ تھا اور بلندی پانچ ہاتھ اور اس کا گھیر تیس ہاتھ اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں تھیں، وہ بارہ بیل ڈھلے ہوئے تھے جن پر وہ بحر قائم تھا اور اسی کتاب کے تیسرے باب میں ہے اور اس نے پاک ترین مکان میں دو کروبیوں کو تراش کر بنایا اور ہیکل بھی بنائی جس میں محرابیں اور پھاٹک اور کواڑ اور بڑی صناعی خرچ کی تھی اور سلیمان علیہ السلام نے اسرائیل کے ملک میں پردیسیوں کو گنوایا تو ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو تھے، ان میں سے ستر ہزار کو بار برداری پر اور اسی ہزار کو سنگتراشی پر مقرر کیا اور تین ہزار ان کے افسر مقرر کئے کہ ان سے کام لیتے تھے۔

پیتل یا تانبے کے چشمے جاری کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ پیتل اس کے لیے اتنا فراہم ہوا اور ڈھالا گیا کہ گویا اس کا چشمہ جاری ہو کر بہہ نکلا یہ ایک محاورہ کی بات ہے اور ممکن ہے کہ کسی پہاڑ میں سے یہ مادہ ان دنوں بہہ نکلا ہو جس کو سلیمان علیہ السلام کے کاریگروں نے لے کر صرف کیا۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ یہ ایک اور نعمت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے آگے جن کام کرتے تھے۔ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ اور باوجود سرکشی کے کوئی نافرمانی نہ کرتا تھا اور جو کرتا تھا تو سخت سزا پاتا تھا۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ، محاریب جمع محراب لغتِ عرب میں بلند مکان کو کہتے ہیں۔ ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں، محاریب سے مراد بیت المقدس ہے۔ وَتَمَاثِيْلَ جمع تمثال یعنی مورتیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ کروبیوں اور بیلوں وغیرہ کی مورتیں پیتل کی ڈھالی گئی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں ان کا ڈھالنا اور زینت کے لیے مکان میں رکھنا ممنوع نہ تھا۔ شریعتِ مصطفوی میں بت پرستی کی جڑ مٹانے کے لیے منع ہو گیا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ وَجِفَانٍ جمع جفنۃ لگن، کَالْجَوَابِ جمع جابۃ حوض کبیرۃ وقیل الحوض الکبیر، یہ ان حوضوں اور بحر کی طرف اشارہ ہے۔ وَقُدُوْرٍ جمع قدر رّٰسِيٰتٍ ثابتات اور بڑی بڑی دیگیں بھی بنائیں جو ایک ہی جگہ دھری رہتی تھیں، بڑی ہونے کی وجہ سے ہلتی نہ تھیں۔ ان نعمتوں پر ان کو حکم ہوا تھا۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا اے داؤد کے گھرانے اس کے شکریہ میں نیک کام کرو یا یہ معنی کہ اس کا شکر کرو وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ مگر میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔

من الجن کے ظاہری معنی یہی بتلا رہے ہیں کہ قوم جن کے لوگ سلیمان علیہ السلام کے آگے یہ کام کرتے تھے۔ وجودِ جن تسلیم کرنے کے بعد اس بات میں کچھ بھی تعجب نہیں رہتا کہ جن سلیمان علیہ السلام کے مسخر تھے اور جو لوگ وجود نہیں مانتے وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ شہ زوری اور غیرت کے اعتبار سے ان پردیسیوں کو جن سے تعبیر کیا ہے جو ان کاموں پر مامور تھے اور سخت اور قوی آدمی کو جن کہہ دینا ایک محاورہ کی بات ہے۔ مقدمہ تفسیر میں یہ بات آچکی ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ

1 صور کے بادشاہ حورام کی طرف سے صنوبر اور سرو اور صندل کے تختے لبنان پہاڑ سے مسجد کی تعمیر کے لیے جہازوں میں لاد کر بحر شام سے آیا کرتے تھے اور یافا میں بیڑا اترتا تھا وہاں سے یروشلم پہنچاتے تھے۔ ۱۲ منہ

2 کہ کہتے ہیں قطر سے مراد صفر یعنی پیتل ہے۔ ۱۲ منہ

مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ یہاں سے دنیا کی بے ثباتی بیان کرنے کے لیے سلیمان علیہ السلام کی موت اور اس کے جاہ و حشم کا اختتام بیان کرتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام مر گیا اور اس کی موت کا حال ایک کیڑے نے ظاہر کیا جو اس کے عصا کو کھاتا تھا، پھر جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو سب کو معلوم ہو گیا اور جنوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ ہم غیب نہیں جانتے، اگر جانتے تو اب تک سلیمان علیہ السلام کی قید میں نہ پڑے رہتے۔

مفسرین کے اس میں دو قول ہیں۔ اول عام مفسرین کا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت کے لیے مہینوں تخلیہ میں بیٹھا کرتے تھے، اخیر بار جو بیٹھے تو ٹھوڑی کے نیچے عصا لگا ہوا تھا۔ عبادت ہی میں روح نکل گئی، خدا تعالیٰ کی اس میں چند مصلحتیں تھیں کہ سلیمان علیہ السلام کے جسم پر آثار موت ظاہر نہ ہونے دیے۔ از انجملہ یہ کہ لوگ جنوں کو غیب دان سمجھا کرتے تھے، ان کی غیب دانی پر پتھر پڑ گئے۔ از انجملہ کچھ انتظام ملک بنی اسرائیل سے تمام کرانا مقصود تھا۔ لوگ یہی سمجھا کیے کہ سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں، اندر کوئی جانے نہیں پاتا تھا، باہر سے بیٹھا ہوا آنکھ بند کیے لکڑی پر سہارا دیے بیٹھا ہوا مشغول بحق دیکھتے تھے، کئی مہینوں کے بعد جب خدا کو اس بات کا اظہار منظور ہوا تو دیمک یا گھن نے لکڑی کو کاٹ ڈالا، سلیمان علیہ السلام گر پڑے سب کو معلوم ہو گیا، مگر سلیمان علیہ السلام کی موت کی بابت یہ بیان اہل کتاب کی کتب موجود میں نہیں۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت مقرر کر دی تھی کہ فلاں وقت مریں گے، اس بات کو کوئی نہیں جانتا تھا مگر دابۃ الارض دیمک یا گھن سے معلوم ہوا جو سلیمان علیہ السلام کے عصائے حیات کو کھا رہا تھا، پھر جب وقت خاص آ گیا اور وہ عصائے حیات کٹ گیا۔ سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو سب نے جان لیا اور جنوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم غیب دان نہیں، اگر سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت معلوم ہوتا تو اس کی اطاعت میں نہ پڑے رہتے۔ دابۃ الارض سے مراد بطور استعارہ کے انقراض عمر ہے اور منساتہ سے اس کی عمر و اقبال جس کے زور پر حکومت کرتے تھے۔ افسوس ہر ایک کے عصائے حیات کو دیمک یا گھن لگ رہا ہو مگر عصا کٹ جانے سے پہلے ہم بے خبروں کو معلوم نہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ
رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا
عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ
وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾
وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا
فِیْهَا السَّیْرَ ؕ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ
اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ
اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ

بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾ ربع

البتہ قوم سبا کے لیے ان کے وطن میں دو باغ دائیں اور بائیں قدرت کی نشانی تھی (اور حکم دیا تھا) کہ اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کیا کرو، پاکیزہ شہر رہنے کو اور رب معاف کرنے والا۔ پس انہوں نے نافرمانی کی، پھر ہم نے ان پر بند کا پانی چھوڑ دیا اور ان کے ان دو باغوں کے بالعوض اور دو باغ بدمزہ پھل کے اور جھاؤ کے اور کچھ تھوڑی سی بیریوں کے بدل دیے یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم ناشکروں ہی کو برا بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہم نے ان بستیوں میں کہ جن میں برکت رکھی تھی (یعنی شام کے قریات) دکھلائی دینے والی بستیاں قائم کی تھیں اور ان میں منزلیں مقرر کی تھیں۔ (حکم دیا تھا) کہ رات دن امن سے پڑے پھرا کرو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہماری منزلوں کو دور دور کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ستم کیا، پھر تو ہم نے ان کو افسانہ ہی بنا دیا اور ان کو تباہ و (پریشان) کر دیا، البتہ اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے عبرت ہے اور البتہ شیطان نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا سوائے ایمانداروں کے ایک فریق کے سب اس کے تابع ہو گئے، حالانکہ اس کا ان پر کچھ زور بھی نہ تھا مگر یہی کہ ہم کو معلوم کرنا تھا کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس سے شک میں پڑا ہوا ہے اور آپ کا رب ہر شے کا نگہبان ہے۔

ترکیب : آیۃ اسم کان و جنتان بدل منہا او خبر مبتداء محذوف وقری بالنصب علی المدح، والمراد جماعتان من البساتین بلدۃ ای ہذہ بلدۃ ورب ای وربکم رب غفور وقد یقرء بلدۃ وربا بالالف شاذا علی انہ مفعول اشکروا، العرم جمع عرمۃ وھو ما یمسک الماء من بناء وغیرہ ای وقت حاجتہ (بند) خمط فی الصراح خمط نوعے از اراک کہ میوہ دارد۔ والتقدیر اکل اکل خمط فحذف المضاف ای الاکل الثانی لان الخمط شجرہ الاکل ثمرۃ واقیم المضاف الیہ مقامہ ای خمط فی کونہ بدلا من الاکل الاول او عطف بیان لہا کل الاول ویقرء بالاضافۃ ھو ظاہر باعد و بعد علی السوال و قرء بعد علی لفظ الماضی ممزق مصدر او مکان صدق بالتخفیف والتشدید ابلیس فاعلہ وظنہ مفعول من بمعنی الذی فینصب بنعلم ویجوز ان یکون استفہامًا فی موضع رفع علی الابتداء منہا امّا للتعیین ای الشک منہا واما للحال من شک۔

تفسیر قصہ سباء : شکر کرنے والے بندوں کے ذکر کے بعد ناشکری کرنے والوں اور ان کی مصیبت کا ذکر کرتا ہے، اس لیے سباء کا ذکر کرتا ہے۔ فقال لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ الخ ان آیات کی تفسیر ایک تاریخی واقعہ کے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ یمن کے ملک میں جو عرب کا جنوبی حصہ سمندر سے ملا ہوا ہے۔ قحطان بن عامر بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا یعرب ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا یشجب ہوا۔ ابن سعید مغربی کہتے ہیں، اسی کو سباء کہتے ہیں اور مورخین کے نزدیک سباء اس کے بیٹے کا نام ہے، اسی کے نام سے اس کی اولاد نامزد ہو گئی، اس تمام خاندان یا قبیلہ کو سباء کہتے تھے۔ یہ لوگ متعدد مقامات میں بستے تھے، ان کی بستیوں کو اب مآرب کہتے ہیں۔ شہر صنعاء سے تین دن کے فاصلہ پر۔ احمد و عبد بن حمید و طبرانی و حاکم و ابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کسی نے پوچھا سباء ملک ہے یا کسی عورت کا نام ہے؟ فرمایا نہ ملک کا نام ہے، نہ عورت کا بلکہ وہ ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ تو ان میں سے ملک یمن میں رہے اور چار شام میں جا رہے۔ یمن میں جو بسے ان کے یہ نام ہیں۔ ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مذحج، انمار اور شام والوں کے یہ نام ہیں۔ لخم، جذام، غسان، عاملہ ہر ایک کی اولاد اسی کے نام سے مشہور ہے اور ان کے قبیلوں کے یہی نام ہو گئے۔

بخاری و مسلم میں اسی طرح آیا ہے۔ حمیر کے خاندان میں ملک یمن کی سلطنت رہی۔ شداد بن الملطاط بن سباء بھی اس ملک کا بادشاہ ہوا جو بڑا جبار تھا، اس کے بعد اس کا بھائی لقمان بن عاد ہوا۔ (بعض نے اسی کو وہ لقمان کہا جس کا سورۂ لقمان میں ذکر ہے) اس کے بعد اس کا دوسرا بھائی ذوسدد تخت نشین ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا حارث الرائش بادشاہ ہوا، یہی تبع اول ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا صعب ہوا، یہی ذوالقرنین ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقش بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاذعار اس کے

بعد اس کا بھائی شرحبیل اس کے بعد اس کا بیٹا الہد ہاد ہوا، اس کے بعد اس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی تھی۔ ابو الفداء۔

سباء کی اولاد میں سے جو یہ سلاطین گزرے ہیں، ان میں بعض خدا پرست اور نیک بھی تھے۔ جیسا کہ تبع اور ذوالقرنین اور بعض بت پرست اور بعض کی سلطنت عرب سے تجاوز کر کے مصر اور شام اور ایران اور ہند تک پھیلی تھی، ان شاہانِ تبع کے یادگار عمارات غمدان وغیرہ اب تک باقی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بند ہے جس کی مفصل کیفیت مسلمانوں کی کتبِ جغرافیہ میں موجود ہے۔ کتاب المسالک والممالک اور کتاب البلدان اور احسن التقسیم فی معرفۃ الاقالیم اور مسالک الممالک وغیرہ کو دیکھو۔

اسی بند کی مجمل کیفیت یہ ہے کہ انہیں سلاطین میں سے کسی نے (کہ جس کو بعض بلقیس کہتے ہیں، بعض ذوالقرنین) برسات کا پانی روکنے کے لیے ایک مستحکم بند تیار کیا، تمام برساتی نالوں کا پانی یہاں سال بھر جمع رہتا تھا، پھر اس میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالیں جن سے ملک میں کھیتیاں اور باغ سیراب ہوتے تھے اور سیدھے راستوں کے دو طرفہ باغ تھے اور پاس پاس بستیاں آباد تھیں اور یہ آبادی اور شادابی منزلوں تک تھی۔ سفر بھی ان بستیوں کی وجہ سے بڑے آرام سے ہوتا تھا اور امنِ عام بھی تھا، اس نعمت کو لوگوں نے ایک معمولی بات سمجھنا شروع کیا اور بدکاری اور کفر بکنے میں دلیر ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے انتقام کا وقت آ گیا، ایک بار اس بند سے پانی ٹوٹا اور تمام آبادیوں اور باغوں اور کھیتیوں کو غرق کر دیا یا سب باغ برباد ہو گئے اور یہ حادثہ حضرت عیسیٰ اور محمد ﷺ کے درمیان کے زمانہ میں گزرا ہے، پھر بجائے باغوں کے جھاؤ کے دیگر نکمے جھاڑ جھنکار درخت رہ گئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ کہ قوم سباء کے لیے ان کے مسکن یعنی وطن یا بستیوں میں اللہ کی طرف سے ایک بڑی نشانی تھی، وہ کیا؟ جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ کہ ان کے رستوں کے دائیں اور بائیں باغوں کی دو قطاریں تھیں، اس لیے ان کو اجازت تھی۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اپنے رب کی عطاء کی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو، بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ شہر کہ جس میں تم رہتے ہو۔ پاک ہے نہ اس میں کوئی بیماری ہے نہ اور کوئی پسو کھٹمل دشمن وباء وغیرہ کی مصیبت ہے اور رب تمہارا معاف کرنے والا ہے، تمہاری خطاؤں اور قصوروں پر تم پر کوئی بلا نہیں بھیجتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ اس عہد میں کون نبی وہاں تھا اور کس شریعت پر عمل تھا؟ فَاَعْرَضُوْا پھر انہوں نے شکر گزاری سے انکار کیا، بجائے طاعت و نیکوکاری کے کفر و بدکاری میں مبتلا ہو گئے۔ کمبخت انسان کی عادت ہے کہ جب سختی کے بعد ان پر کوئی راحت آتی ہے تو چند روز کے بعد بھول جاتے ہیں۔ اس عیش و آرام میں پڑ کر بدکاری کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس نعمت کو ایک معمولی بات اور اپنے باپ دادا کی میراث سمجھ لیتے ہیں۔

ہندوستان کے امراء اور ان کی بدکاری کو دیکھ لو، اس پر جو برباد ہو گئے ہیں اس سے عبرت نہیں بلکہ اور بھی غفلت ہے توبہ توبہ۔

جب ان کا یہ حال ہوا تو فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ[2] الْعَرِمِ ان پر ہم نے بند کا پانی چھوڑا اور بند کو توڑ کر سخت رو آئی جس سے سینکڑوں ڈوب گئے اور باغ جن میں انگور اور طرح طرح کے میوے تھے برباد ہو گئے۔ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ

۱ جس کا نام عرم ہے جو اب تک بے مرمت موجود ہے بڑے مربع ترشے ہوئے پتھروں سے بنا ہے چونے اور لوہے کی میخوں سے پتھروں کو جمایا ہے کئی میل تک طول اور تخمیناً اسی ہاتھ بلند ہے اور پندرہ بیس گز کا عرض ہے اس میں کھڑکیاں اوپر نیچے رکھی ہوئی ہیں کہ پانی کے اتار چڑھاؤ سے وہ کھولی جاتی تھیں۔ ۱۲ منہ۔ ابو عبد الحق

۲ قال السدی العرم المسد وقال عطاء العرم اسم الوادی قال ابن الاعرابی العرم السیل الذی لا یطاق وروی عنہ العرم من اسماء الفار قال مجاہد العرم ماء احمر ارسلہ اللہ فی السد فہدمہ وشقہ ۱۲ منہ۔

وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ اور ان کے ان دو رویہ باغوں کے بدلہ میں ہم نے اُن کو اور دو رویہ کڑوے بے مزہ اور جھاؤ اور کچھ بیریوں کے درخت دیے، یعنی ایسے نکمے درخت اُگے اور ان پیڑوں کو باغ تحکم اور مشاکلت کے طریق پر فرمایا۔ جیسا ہمارے محاورے میں کہتے ہیں، پلاؤ قورمے کی دعوت کے بدلے جوتیوں اور لکڑیوں کی دعوت کی۔ اثل جھاؤ بعض کہتے ہیں۔ فراش سدر بیری اور اس کی دو قسم ہیں، ایک بیری جو باغوں میں لگائی جاتی ہے، اس کے بیر عمدہ چیز ہوتے ہیں۔ ایک جنگلی بیری جس کو جھاڑی بوٹی یا جھڑبیری کہتے ہیں، اس کے بیر کسیلے اور بے مزہ ہوتے ہیں، اس جگہ یہی مراد ہے اور اسی لیے سدرہ کے بعد قلیل کا لفظ آیا۔ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ہم نے یہ سزا ان کو ان کے کفر اور ناشکری کے بدلہ میں دی، وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ اور ہم کافروں اور ناشکروں ہی کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں۔ اس بات کا تجربہ ہو گیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کی ناشکری کی گئی وہ نعمت اس سے چھین لی گئی، خواہ جلدی خواہ دیر میں، تاریخ کھول کر دیکھ جاؤ کہ اس ناشکری اور بدکاری کے سبب دُنیا میں کتنے خاندان برباد ہوئے، حال میں شاہانِ دہلی اور ان کے عیاش امراء کو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا؟ جن محلوں میں رقص اور زناکاری اور شراب خوری کی محفلیں ہوتی تھیں، اُن کو اُکھیڑ کر بنیادوں سمیت گرا دیا گیا اور اُن کی نحوست سے اور بھی برباد ہو گئے۔ اُن کے ننگ و ناموس برباد ہوئے، نانِ شبینہ سے محتاج ہوئے، بے رحمی سے مارے گئے۔

اس کے بعد ان کی آبادی اور سیر اور امن کی کیفیت بیان فرماتا ہے اور اس پر ان کی سرکشی سے جو بلا نازل ہوئی، اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔ فقال وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً کہ ہم نے ان کے وطن سے لے کر اُن بستیوں تک کہ جن میں میوؤں اور باغوں کی وجہ سے برکت دے رکھی تھی، درمیان میں ظاہر بستیاں آباد کر دی تھیں یعنی یہاں سے لے کر وہاں تک درمیان میں آباد گاؤں تھے جو ایک گاؤں سے دوسرا گاؤں دکھائی دیتا تھا۔ آس پاس اور کثرتِ آبادی کی وجہ سے۔

اکثر مفسرین الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا سے مراد شام کی بستیاں لیتے ہیں کہ یمن سے شام تک جو وہ تجارت کے لیے جاتے تھے تو رستہ میں قریب قریب گاؤں پڑتے تھے، مگر عرب کا نقشہ اور جغرافیہ سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیچ میں ریگستان کے جنگل اور خشک پہاڑ بھی منزلوں تک ہیں، جہاں آبادی کے نام و نشان بھی نہیں اور نہ وہاں آبادی ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں آب پاشی کی وجہ سے وہاں ایسی آبادی ہو گئی ہو مگر القری سے شام ہی کے قرا مراد لینا ایک رائے ہے ممکن ہے کہ اس سے مسقط وغیرہ کے وہ گاؤں مراد لیے جاویں جہاں کثرت سے باغات اور شادابی ہے۔ پس مآرب سے لے کر وہاں تک ایسی آبادی کا ہونا قرینِ قیاس ہے۔

ان کو زبانِ حال سے حکم ہوا تھا۔ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ کہ ان بستیوں میں رات دن بے خوف پھرا کرو، کسی رہزن قزاق کا خطرہ نہ تھا، مگر انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ تو کہنے لگے اے رب! ہمارے سفروں میں درازی کر دے۔ سفر کا مزہ نہیں ملتا، سفر میں دھوپ، پیاس، منزلوں، بیابان، دشمن اور درندے کا خوف نہ ہو تو کیا لطفِ سفر ہے اور طرح طرح کی بدکاری بھی شروع کی۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ[1] پھر ہم نے ان کو غارت کر دیا کہ صرف ان کے تذکرے افسانے اور قصے کہانیاں ہی لوگوں کے زبان پر باقی رہ گئیں اور اُن کو پریشان کر دیا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ اس میں صبر کرنے والوں شکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں اور عبرت ہے۔ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ الخ کہ شیطان کو جو اُن کی نسبت ظن تھا کہ میں بہکاؤں گا تو میرے بہکانے میں آ جاویں گے تو اُس نے اپنے گمان کے مطابق پایا اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مگر ایمانداروں کی جماعت اس کے داؤ میں نہ آئی۔ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور شیطان کی ان پر کچھ زبردستی نہ تھی، اس کو صرف امتحان کے لیے چھوڑا گیا کہ کون آخرت پر ایمان لا کر ثابت رہتا ہے اور کون شک کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا محافظ ہے۔

۱ مزق جامہ پارہ کردن مزقناہم کل ممزق محاورہ ہے کہ ہم نے تباہ و پریشان کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ حقانی

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ
قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ
اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ
وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ
يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

اے رسول! کہہ دو جن کا اللہ کے سوا تم کو گھمنڈ ہے ان کو پکارو، وہ نہ تو آسمان ہی میں ذرہ بھر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں بھی اور اُن کا ان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ان میں سے خدا کا کوئی مددگار ہے اور اس کے نزدیک کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہیں دیتی مگر اس کو کہ جس کے لیے اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دل سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، وہ کہتے ہیں سچی بات فرمائی اور وہ بڑا بلند مرتبہ ہے۔ پوچھو وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیا کرتا ہے، کہہ دو اللہ اور ہم یا تم (دونوں میں سے) ضرور ایک نہ ایک یا تو راہِ راست پر ہے یا صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ کہہ دو ہمارے گناہوں سے تم نہ پوچھے جاؤ گے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے ہم بھی نہ پوچھے جائیں گے۔ کہہ دو ہم کو ہمارا رب جمع کرے گا، پھر ہم میں انصاف سے فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ کرنے والا خبردار ہے۔ کہو جن کو تم نے اس سے ملا رکھا ہے (شریک بنا کر) ایسے مجھے بھی تو دکھاؤ، بلکہ وہی اللہ زبردست حکمت والا ہے اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے لیکن اکثر لوگ جانتے بھی نہیں اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ کہہ دو تمہارے لیے ایک دن کا وعدہ ہے کہ جس سے نہ ایک ساعت تم پیچھے ہو سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔

ترکیب : زَعَمْتُمْ ای زعمتموهم آلهة وهما مفعولا زعم حذف الاول لطول الموصول بصلته والثانی لقیام صفته مقامه، قالوا قال القول الحق، لمن اذن یتعلق بالشفاعة فزع مالم یسم فاعله عن قلوبهم قائم مقام الفاعل۔ اَوْ اِیَّاکُمْ معطوف علی اسم ان واما الخبر فیجب ان یکون ل مکررا کقولک ان زیدا وعمرا قائم۔

تفسیر : شکر اور ناشکری کے نتائج بیان فرما کر عرب خصوصاً اہلِ مکہ کی ناشکری کا رد کرتا ہے۔ انسان کے لیے اس سے زیادہ اور کیا ناشکری

ل تقدیرہ ان زیدا قائم او ان عمروا قائم فعلی ھذا لعلی ھدی خبر الاول واو فی ضلال معطوف علیه خبر الثانی وخبر ان محذوف دل علیه المذکور ۱۲ ابو محمد عبدالحق

ہے کہ وہ اپنے معبودِ حقیقی اور منعم کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرے، فقال قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ کہ بت پرستوں سے کہو کہ جن کو تم اس کا شریک سمجھتے ہو ان کو پکارو، دیکھیں وہ تمہاری کہاں تک مدد کر سکتے ہیں؟

اقسامِ شرک : مشرکوں کے اپنے معبودوں کی نسبت کئی طرح کے خیال تھے: (۱) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا تو اللہ نے کیا ہے، مگر ان میں تصرفات کے اختیارات ہمارے معبودوں کو دے رکھے ہیں، اس لیے ہم ان کی دہائی دیتے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ مشرکین اسی خیالِ باطل میں مبتلا ہیں، اس کے رد میں فرماتا ہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ کہ ان کا آسمانوں اور زمین میں کچھ بھی اختیار نہیں۔ (۲) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمان تو خدا تعالیٰ نے خود بنائے ہیں اور زمین اور وہاں کی چیزیں کواکب اور حرکات و طوالع کے وسیلہ سے بنائے ہیں اور اسی کے قریب قریب حکماء یونان کا خیال ہے کہ اس نے عقلِ اول کو بنایا، پھر اسی کے وسیلے اور چیزیں اس کے رد میں فرماتا ہے۔ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ سو ان کا ان میں کچھ بھی حصہ نہیں۔ (۳) بعض یہ خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اور علویات اور ارواحِ عالیہ خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اور روزی دینے اور مارنے وغیرہ حوادث میں مددگار ہیں، ان کی امداد کی اس کو حاجت پڑتی ہے، اس لیے ان چیزوں کے نام سے تانبے اور پیتل اور پتھر اور دیگر فلزات کے بت بنا رکھے تھے اور ان کی پرستش اور نذر و نیاز کے دستورات بھی قائم کر رکھے تھے، ان کے رد میں فرماتا ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ ظَهِیْرٍ کہ اس کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے، سب کچھ آپ ہی کرتا ہے۔ (۴) بعض یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ بلند مرتبہ ہیں۔ خدا تعالیٰ سے کہہ کر ہماری حاجات کو روا کرا دیتے ہیں، اس لیے ان کی نذر و نیاز اور پکارنا ضروری ہے، اس کے رد میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ کہ اس کی اجازت بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ نبی ﷺ کو قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ کی اجازت ہو چکی ہے اور وہاں پھر بھی ہوگی۔ فرماتا ہے کہ جن ملائکہ اور روحانیات کو تم اُس کے گھر کا مختار سمجھتے ہو، ان کی خود خوف کے مارے یہ حالت ہے کہ وہ جب کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔ اذن کے منتظر رہتے ہیں، جب وہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتا ہے کیا حکم صادر ہوا ان میں سے بعض بتلاتے ہیں کہ حق بات کا حکم ہوا یعنی فلاں حکم۔ بخاری و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو ڈر کے مارے فرشتے پر جھاڑنے لگتے ہیں، جب گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا، فرشتے کہتے ہیں۔ حق۔ اکثر مفسرین اس بات کو ملاءِ اعلیٰ اور ملائکہ کے بارہ میں کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں شافع و مشفوع کے بارے میں ہے۔ قیامت کے روز قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ یہاں سے یہ بات سب مشرکوں کو بتاتا ہے کہ کسی کی عبادت اور نذر و نیاز کا کمتر فائدہ یہ ہے کہ رزق دے۔ سو یہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس قدر روزی کے اسباب آسمانی یا زمینی ہیں سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں، بارش کا برسانا، گرمی و سردی کا بدلنا۔ حجت تمام کر کے جاہل مخاطبوں کو قائل کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ مخاطب کو اگر یوں کہا جائے کہ تو غلطی میں ہے تو اس کو جوش آ جاوے اور حق بات کی تحقیق چھوڑ کر مقابلہ کو آمادہ ہو جاوے۔ برخلاف اس کے جب اس کو یوں کہا جائے کہ ہم میں سے ایک نہ ایک تو ضرور غلطی پر ہے اور ہمیشہ غلطی میں پڑا رہنا اچھا نہیں، اس لیے غور کرنا چاہیے ایسی بات سے وہ امید ہے کہ غور کرے اور حق پر آ جائے اس کو حسنِ کلام کہتے ہیں۔ اس بات پر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مامور کیا کہ ان سے یوں کہو باوجودیکہ حضرت ﷺ کو اپنے ہادی و مہتدی ہونے میں کوئی بھی شبہ نہ تھا۔ قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو نرم کرتا ہے، اس لیے جرم کو اپنی طرف منسوب کیا۔

اور یہ کہہ دیا کہ ہر ایک کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی، پس حق کے تلاش کرنے میں اور بھی کوشش کرنی چاہیے۔ قُلْ یَجْمَعُ

بَیِّنَتًا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو حق کی طلب پر آمادہ کرتا ہے، صرف غلطی سے بچنا ہی مقصود نہیں جو ایک عمدہ بات ہے بلکہ قیامت کے دن خدا کے سامنے فیصلہ بھی ہونا ہے۔ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ الخ پھر اصل مدعا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ غیر اللہ کو یا دفع ضرر کے لیے پوجتے ہیں سو اس کا رد پہلے کر دیا تھا۔ بقولہ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ کہ کوئی ضرر دور نہیں کر سکتا یا امید نفع کے لیے سو اس کا ابطال بھی کر دیا۔ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ کہ کوئی نافع نہیں اور بعض لوگ محض مستحقِ عبادت ہونے کی وجہ سے پوجتے ہیں۔ سو ان کا رد اس جگہ کرتا ہے کہ مجھے دکھاؤ وہ کون مستحقِ عبادت ہے؟

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ توحید کا مسئلہ تمام کر کے یہاں سے مسئلہ رسالت شروع کرتا ہے۔ آپ کو ہم نے برائی بھلائی بتلانے کو بھیجا ہے، پھر جو آپ سے الجھتا ہے نادان ہے۔ كافة ای ارسالة كافة عامة لجميع الناس، او يقال كافة تكف الناس انت من الكفر والمعاصي والها للمبالغة مسئلہ رسالت کے بعد مسئلہ حشر کا بیان کرتا ہے۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ الخ کہ وہ جو اس دن کو پوچھتے اور جلدی کرتے ہیں، کہہ دیجیے وہ وقت مقرر ہے۔ ضرور آوے گا، پھر جلدی کرنا بے فائدہ ہے، اس کے لیے کچھ تیاری کرو۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی
اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ
یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ۝۳۱
قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰی
بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ۝۳۲ وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا
بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ
وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ
هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۳۳ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۴ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِیْنَ ۝۳۵ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۳۶

اور کافروں نے کہہ دیا کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس پر جو اس سے پہلے تھا اور اگر آپ دیکھیں جب کہ ظالم اپنے رب کے پاس کھڑے کیے جائیں گے، ایک دوسرے کی بات کا جواب دے رہا ہوگا کمزور سرکشوں سے کہیں گے، اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہو جاتے۔ متکبر (جواب میں) کمزوروں سے کہیں گے کیا جبکہ تمہارے پاس ہدایت آئی، اس کے بعد ہم نے تم کو اس سے روکا تھا بلکہ تم خود ہی مجرم تھے اور کمزور متکبروں سے کہیں گے، جبکہ تم ہم کو اللہ کا انکار کرنے اور

اس کے لیے شریک بنانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ دل میں بڑے پشیمان ہوں گے جب یہ عذاب کو سامنے دیکھیں گے اور منکروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اسی کا تو بدلہ پا رہے ہیں اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا ایسا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر آئے ہو ہم تو مانتے ہی نہیں اور یہ بھی کہا کہ ہم تم سے مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم کو (آخرت میں بھی) عذاب نہیں۔ کہہ دو میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) اندازے سے دیتا ہے، لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں۔

تفسیر: وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ تیاری اور زادِ آخرت حاصل کرنا تو درکنار وہ اس کی جگہ کفر بکتے ہیں کہ قرآن کو کیا ہم اس سے پہلی کسی کتاب کو بھی نہیں مانتے۔ یہ مشرکین کا قول تھا، جہالت اور جوش میں آ کر کہتے تھے۔ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الخ سے حشر کے دن پیش آنے والی مصیبت کا بیان کرتا ہے۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ الخ سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ انکار کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے پیٹ بھرے ایسا ہی کرتے آئے ہیں جو اپنے حق پر ہونے کی دلیل دُنیاوی جاہ و حشم بیان کرتے ہیں۔ کہہ دے یہ قبولیت کی دلیل نہیں، یہ کم زیادہ مصلحت سے ہر ایک کو ملتا ہے اور مال و اولاد کہ جس پر تم کو تفاخر ہے، اللہ کے نزدیک اس سے تمہارا کوئی مرتبہ بلند نہیں ہو جاتا ہے۔ ایماندار اس دُنیا میں مسافر ہے، اس کا گھر اوپر ہے، اس کا عیش و آرام اور اس کی زینت و تجمل کی ہمیشہ رہنے والی چیزیں وہیں ہیں، اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ فرماتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ اور وہ اس غرور میں آ کر یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ ہماری آیات کے ابطال میں کوشش کرتے ہیں، وہ وہاں عذاب دائمی میں گرفتار رہیں گے۔ یہ مال و اولاد کچھ کام نہ آوے گا اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ کفر کرنے سے دُنیا ملتی ہے اور نیکوں کو یہاں کچھ ملتا ہی نہیں بلکہ کہہ دیجیے اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ الخ میرا رب جس کو چاہتا ہے دُنیا میں روزی رزق زیادہ دیتا ہے، جس کو چاہے کم۔ اس میں کافروں کی کوئی خصوصیت نہیں، بہت سے ایمانداروں کو دُنیا میں وہ کچھ دیا ہے کہ جس کا حساب نہیں، داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیکھو اور برخلاف تمہارے ایماندار جو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ وہ اس کے بدلے دُنیا میں بھی اور زیادہ دیتا ہے۔ صحیح بخاری میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم! خرچ کر کہ تجھ پر خرچ کیا جائے گا، یعنی دے تجھے اور ملے گا اور صحیح بخاری میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں۔ ہر صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے یا اللہ دینے والے کو دے، دوسرا کہتا ہے۔ یا اللہ ہاتھ روکنے والے کو برباد کر۔ اس بات کا بارہا تجربہ راقم الحروف نے بھی کیا ہے کہ جب تنگی آئی اور اللہ کی راہ میں کچھ دیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے اُس کو دفع کر دیا۔ یہ میرا عمل مجرب ہے، جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ یہاں سے لے کر تُكَذِّبُوْنَ تک حشر کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ دُنیا میں ملائکہ کو شفاعت کی غرض سے پوجتے ہیں، وہ وہاں صاف انکار کر جائیں گے اور کہیں گے ہم کو نہیں بلکہ جنوں یا ارواحِ خبیثہ کو پوجتے تھے اور انہی پر اکثر کا ایمان تھا۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ یہاں سے مشرکین عرب کی ہٹ دھرمی اور حماقت کا اظہار کرتا ہے کہ جب ان کو آیات بینات سنائی جاتی ہیں کہ جن میں ذرا سے غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ برحق باتیں ہیں تو اس کے جواب میں نہ کوئی دلیل عقلی پیش کرتے ہیں بلکہ جاہلانہ طور سے یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول تمہارے باپ دادا کے طریقہ سے روکنا چاہتا ہے اور یہ جھوٹا ہے اور یہ قرآن اور اس نبی کے معجزات صریح سحر ہیں اور نہ کوئی دلیل نقلی ان کے پاس ہے۔ کس لیے کہ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ کوئی رسول آیا ہے اور نقلی دلیل کتاب اللہ یا رسول کے قول پر مبنی ہوا کرتی ہے۔ ایسے معاملات میں وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ کہ یہ ان کا انکار کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی جھٹلائے جا چکے ہیں، حالانکہ ان کو اس قدر ثروت و عمر ملی تھی کہ اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہیں ملا، پھر ان پر رسولوں کے جھٹلانے سے کیا بلا آئی، پھر یہ تو کیا چیز ہیں؟ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان مشرکین عرب کو قرآن و معجزات ایسے دلائل دیے گئے ہیں جو اگلوں کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا تھا، پھر انکار سے اُن پر بلا ان سے بدرجہ اولیٰ آئے گی۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ
يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ
وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ
الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ
وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ
اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ
اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ
مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ جو ہمارے نزدیک ہمارے لیے تقرب کا درجہ بڑھادیں، مگر وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک کام بھی کیے۔ سو انہی کو ان کے عمل کا دو چند بدلہ ہے اور وہی بہشت کے دریچوں میں اطمینان سے بیٹھے ہوں گے اور وہ جو ہماری آیتوں کے رد کرنے میں کوشش کرتے پھرتے ہیں وہ عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جاویں گے، کہو میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) اندازے سے دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو (زیادہ مقدار میں) اُس کے بدلہ میں وہ اور دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے اور جس دن کہ وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہی کو پوجا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ وہ لوگ، بلکہ وہ جنوں کو پوجا کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہیں۔ پھر آج تم میں سے کوئی کسی کے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور ہم ظالموں سے کہیں گے تم اُس آگ کا عذاب چکھو کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور جب ان کو ہماری کھلی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ ہے کیا مگر ایک ایسا شخص کہ جو تم کو اس کی عبادت سے روکنا چاہتا ہے کہ جس کی تمہارے باپ دادا پوجا کرتے تھے اور یہ بھی کیا ہے یہ قرآن مگر جھوٹ بنایا ہوا اور کافروں نے جب کہ حق ان کے پاس آگیا تو کہہ دیا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو۔ اور ہم نے ان

(مشرکین عرب) کو کتابیں نہیں دیں کہ جن کو وہ پڑھتے اور نہ آپ سے پہلے اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تھا اور ان سے پہلے لوگ جھٹلا چکے ہیں، حالانکہ ان کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا گیا جو ہم نے اُن کو دیا تھا، پھر انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا پھر کیسا عذاب ہوا۔

تفسیر: دلائل قائم کر کے ہٹ دھرم مخاطبوں کو اب ایک اور طریقہ سے ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ فقال قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ کہ میں (تم کو) ایک ہی بات کہتا ہوں، نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ان کو صرف ایک ہی حکم پر مامور کرتے تھے۔ توحید وغیرہ کو باقی شاخیں قرار دی جاویں، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے۔ جیسا کہ کہا کرتے ہیں۔ لو اب تم ایک کام کرو۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ کہ ایک ایک تنہا ہو کر اور باہم مل کر خدا کے لیے یہ تو سوچو کہ تمہارے صاحب کو یعنی مجھے کچھ جنون تو نہیں ہے۔ یہ رسالت کی بابت میں کلام ہے کہ خوب غور کرو کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔ جب دیوانہ نہیں تو کون عاقل ایسی جھوٹی بات کا مدعی بن سکتا ہے کہ جس کے سبب دُنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ سینکڑوں مصائب کا سامنا ہو، پس یہی ہے کہ میں نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ تم کو ایک سخت عذاب آنے والے سے خبردار کرنے والا ہوں۔ انسان کی دو حالت ہیں، ایک تنہا فکر کرنا دوسرے چند اشخاص کا باہم مجتمع ہو کر فکر کرنا اس لیے ان دونوں باتوں کا ذکر کیا۔ ان تقوموا سے مراد یہ نہیں کہ کھڑے ہو کر فکر کرو بلکہ یہ کہ آمادہ ہو جاؤ یہ بھی ایک محاورہ کی بات ہے، قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ جب تم کو غور کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ میں دیوانہ نہیں اور یہ بھی ہے کہ میں تم سے کچھ مانگتا نہیں کہ میرا وعظ و پند کسی غرض دنیاوی پر محمول کیا جاوے بلکہ میری اُجرت اللہ کے ذمہ ہے جو ہر بات کو دیکھ رہا ہے، پھر ایسے شخص کو جھوٹا کہنا اور اس سے نفرت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا
بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ
مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾
قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ
وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ
اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ
قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَّقَدْ
كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾

کہو کہ تم کو صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خدا کے لیے دو دو اور ایک ایک کھڑے ہو کر فکر تو کرو کہ تمہارے اس دوست کو کچھ جنون تو نہیں۔ یہ تو صرف تم

کو ایک بڑی آفت کے آنے سے پہلے متنبہ کرنے والا ہے، سو اس پر جو کچھ میں نے تم سے اُجرت مانگ لی ہو تو وہ تمہارے ہی پاس رہے۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ کہو میرا رب تو حق کو ظاہر کر رہا ہے (اور) وہ غیب کی باتیں خوب جانتا ہے۔ کہو حق ظاہر ہو گیا اور جھوٹے دین سے نہ تو اول ہی سے کچھ کار روا ہے نہ آئندہ ہو گا۔ کہو اگر میں گمراہ ہو گیا تو محض اپنے نقصان کے لیے اور اگر میں راہِ راست پر ہوں تو اس سبب سے کہ میرا رب میری طرف وحی بھیجتا ہے، بے شک وہ سننے والا نزدیک ہے اور کاش آپ اس وقت دیکھیں کہ جب وہ گھبرائے گھبرائے پھریں گے اور بھاگ کر نہ جا سکیں گے اور پاس ہی سے پکڑ لیے جائیں گے اور کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے اور اس دور دراز سے ایمان کو کہاں حاصل کریں گے حالانکہ پہلے سے تو اس کا انکار کرتے رہے اور دور سے غیب کے گولے پھینکتے رہے اور ان میں اور ان کی خواہش میں آڑ کر دی جاوے گی جیسا کہ ان کے ہم جنسوں کے ساتھ پہلے کیا گیا، کیونکہ وہ بڑے قوی شک میں پڑے ہوئے تھے۔

حقیقت میں جب کوئی واعظ محض دردمندی سے وعظ کرتا ہے اور دُنیاوی طمع بھی نہیں کرتا، اس کا وعظ ضرور اثر کرتا ہے۔ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ اب اگر کوئی کہے کہ محمد (ﷺ) تجھے اس خیر خواہی اور دردمندی سے کیا غرض؟ اُس کا جواب دیتا ہے کہ میں مامور الٰہی ہوں۔ عالم بالا اور حق سبحانہ کا یہی منشاء ہے کہ حق بات کو ظاہر کرے۔ اندھوں کی آنکھیں کھولے بیماروں کو شفا دے، وہ علام الغیوب ہے جس قدر پیش آنے والی باتوں کی خبر دی ہے، بجا ہے۔ انبیاءِ سابقین بھی خبریں دیتے چلے آئے ہیں کہ اخیر زمانہ تاریک ہو جائے گا۔ اللہ ایک نبی کو برپا کرے گا، وہ عالم کو منور کر دے گا، اب وہی زمانہ آ گیا ہے، اُن سے کہہ دے جَآءَ الْحَقُّ حق ظاہر ہو گیا۔ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ بت دُوں دُنیا میں بت پرستی ہو چکی۔ اب نہ سرے سے شروع ہوگی نہ وہ زمانہ لوٹ کر آوے گا، پھر ان کو تسلی دیتا ہے کہ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ اگر میں تمہارے خیال کے بموجب گمراہی پر ہوں تو تمہارا کیا حرج اس کا وبال مجھ پر ہے، وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ اور اگر میں راہِ راست پر ہوں (اور ضرور ہوں) تو یہ وحیِ الٰہی کا سبب ہے وہ مجھ سے قریب ہے، میری بات سنتا ہے۔ مجھے مطلع فرماتا ہے۔

مسئلۂ رسالت کے بعد پھر حشر کا مسئلہ بیان کرتا ہے کہ بوقت مرگ یا قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا، جبکہ وہ گھبراویں گے، فلا فوت پھر کہاں جا سکتے ہیں۔ واخذوا من مکان قریب اور دُور نہیں جا سکیں گے، وہیں سے پکڑے جاویں گے اور کہیں گے ہم ایمان لائے وانّی لھم التناوش اور اس بات کو کہاں حاصل کر سکیں گے۔ التناوش من النوش الذی ھو التناول من مکان بعید ایمان لانے کی جگہ جو دُنیا تھی بہت دُور رہ گئی، اس دُور دراز جگہ میں یہ مراد کہاں ملتی ہے۔ دُنیا میں کفر اختیار کر چکے اور یہ عالم وہاں سے بہت دُور تھا۔ یہاں کی بابت غیب کی باتیں بے تُک کیا کرتے تھے۔ اب یہ مراد نہیں حاصل ہو سکتی، جیسا کہ ان سے پہلوں کو حاصل نہ ہوگی اور نہ ہوئی دُنیا میں وہ شک میں تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ②

سب تعریف اللہ کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ فرشتوں کو پیغامبر بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین چار چار بازو ہیں۔ مخلوق کی بناوٹ میں جو

چاہے زیادہ کر سکتا ہے۔ بے شک اللہ ہر بات پر (بڑا) قادر ہے اللہ بندوں کے لیے جو رحمت کھولتا ہے تو کوئی اُس کو بند نہیں کر سکتا اور جس کو وہ بند کرے تو اس کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب : فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ الاضافۃ معنویۃ لانہ بمعنی الماضی فصح وقوع فاطر صفۃ للہ، وکذلک جاعل الملائکۃ قال الطیبی ان جاعل باعتبارانہ یدل علی المضی یصلح کونہ صفۃ للمعرفۃ وباعتبارانہ یدل علی الحال والاستقبال، یصلح للعمل فرسلا مفعول ثان۔ واولی بدل من رسل او نعتہ ویجوزان یکون جاعل بمعنی خالق فیکون رسلا حالا مقدرۃ ومثنی نعت لِاَجْنِحَةٍ یزید فی الخلق مستانف مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ ما شرطیۃ موضع نصب ومِنْ رَّحْمَةٍ بیان لذلک۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں، سب کے نزدیک یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بخاری وغیرہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے اور جو سورتیں الحمد کے ساتھ شروع ہوئی ہیں، یہ ان کا خاتمہ ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ حمد بیشتر کسی نعمت پر ہوا کرتی ہے اور نعماءِ الٰہی دو قسم پر ہیں، ایک عاجلہ دوسری آجلہ یعنی بعد میں آنے والی، پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پیدا کرنا، دوسرا اس کو باقی رکھنا اور وقتاً فوقتاً اس کے ضروریات کو بہم پہنچا دینا۔ اس سورہ میں ہر ایک قسم کی نعمت پر حمد ہے۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ایجاد اور بقاءِ اول کی طرف اشارہ ہے، کس لیے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا جس طرح اس کے یعنی حضرتِ انسان کے ایجاد کے لیے ہے۔ اگر آسمان و زمین پہلے سے نہ ہوتے تو انسان بھی موجود نہ ہوتا، اسی طرح اس کے بقاء اور عیش و آرام کا بھی یہی چیزیں باعث ہیں، اس کی زندگی کے سب سامان یہیں سے پہنچتے ہیں۔ فطر کے لغت میں معنی ابتداء و اختراع کے ہیں۔ فاطر السمٰوٰت آسمانوں کا بنانے والا بغیر کسی نمونہ اور بغیر مادہ کے۔

وَجَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اس سے نعمتِ بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ بقاءِ دنیوی و بقاءِ اخروی۔ بقاءِ دنیاوی اس لیے کہ ملائکہ کا رسول بنانا اور ان کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی بھیجنا اور تمام قوانینِ انتظامی کا جاری کرنا نوعِ انسانی کے قیام و تحفظ کے لحاظ سے بڑی نعمت قابل صد شکر ہے اور پھر انہی کے ذریعہ سے دار آخرت اور سعادت اور حیاتِ ابدی کے متعلق باتیں تلقین فرمانا بقاءِ اُخروی کے اعتبار سے بڑی نعمت ہے۔ سب ملائکہ کو رسول نہیں بنایا گیا، بلکہ بعض کو، ملائکہ میں سے رسول جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام ہیں۔ اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ جمع جناح یہ ملائکہ کی صفت ہے کہ وہ بازو رکھتے ہیں، کسی کے دو ہیں کسی کے تین، کسی کے چار اور اسی میں حصر نہیں بلکہ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ بعض کے چھ سو تک بھی ہیں، وہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ملائکہ کسی کبوتر یا اور کسی پرند کے مانند نہیں ہیں جو اُن کے لیے بھی اسی طرح بازو اور پر ہیں، بلکہ جناح سے مراد جہت ہے، پھر کوئی ذو جہتین ہے کہ ایک جہت اللہ سے نعماء حاصل کرنے کی ہے، دوسری مخلوق میں پہنچانے کی جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ، وَعَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى وَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا اور بعض جو اور ملائکہ کے واسطے سے کار کرتے ہیں، اُن کے متعدد جہات ہیں یا ملائکہ کے صفاتِ متعددہ کی طرف اشارہ ہے اور مدبرات امر کے لیے ضروری بات ہے۔ واللہ اعلم۔

ملائکہ کے رسل اور واسطہ بنانے میں وہم جا سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ بغیر ان کے کچھ نہیں کر سکتا، اس کا دفع کرتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ عاجز نہیں۔ ان نعمتوں کے بعد عام طور سے بتلاتا ہے کہ ہم بندوں پر نعمت کے دروازے کھولتے ہیں تو ان کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ مجملہ ان کے کتاب اور رسول کا بھیجنا ہے اور جو بند کرتے ہیں تو کوئی کھول نہیں سکتا، وہ زبردست حکمت والا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۗ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ اَلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
كَبِيْرٌ ⑦ ع

لوگو تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو تم پر ہے۔ بھلا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہو۔ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو اور اگر وہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہر بات رجوع کرتی ہے۔ (اس کے بس میں ہے) لوگو اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں ڈال دے اور ایسا نہ ہو کہ شیطان دھوکا باز تم کو اللہ سے دھوکے میں ڈال دے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن ہی سمجھو۔ اپنی جماعت کو وہ اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جاویں جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

ترکیب : غیر اللہ یقرء بالرفع وفیہ وجہان احدھما صفة لخالق علی الموضع و خالق مبتداء والخبر محذوف تقدیرہ لکم اولاشیاء والثانی ان یکون فاعل خالق ای هل یخلق غیر اللہ شیئا ویقرء بالجر علی الصفة لفظا یرزقکم یجوز ان یکون مستانفا و یجوز ان یکون صفة لخالق الذین کفروا یجوز ان یکون مبتداء و مابعدہ الخبر وان یکون صفة لحزبہ او بدلا منہ وان یکون فی موضع جر صفة لاصحاب السعیر من التبیان۔

تفسیر : اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی نعماء کو یاد دلاتا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کہ لوگو میری نعمتوں کو یاد کرو، پھر ان نعمتوں کی تفصیل کرتا ہے۔ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی پیدا کرنے والا ہے؟ اس میں نعمت ایجاد ابتدائی کے طرف اشارہ ہے۔ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیوے؟ آسمان سے روزی دینا مینہ برسانا، زمین سے روزی دینا میوے اور غلہ پیدا کرنا، اس میں نعمت بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ اس استفہام کے بعد آپ ہی جواب دیتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں خالق، تو فکون پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو اور اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے ہو۔ الافک بالفتح الصرف پھر بہکانا وبالکسر الکذب لانہ مصروف عن الصدق۔

اصل اول توحید کے بعد دوسری اصل رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ فقال وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ کہ اے نبی اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو اس سے رنج نہ کر، آپ سے پہلے بھی انبیاء جھٹلائے گئے ہیں۔ رسالت اللہ کی نعمت ہے اور نعمت کی ناشکری انسان کی عادت ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور ہر بات اللہ ہی کے طرف رجوع کرتی ہے۔ اس کا فیصلہ بھی اسی کے پاس ہے، دیکھ اس نے ان منکروں کا برا انجام کیا۔ اس کے بعد تیسری اصل کو ثابت کرتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ لوگو اللہ کا وعدہ مرنے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور جنت و دوزخ میں جانے کا برحق ہے اور دنیا کی زندگانی پر فریفتہ ہو کر حق سے غافل نہ ہو۔ انسان موت کو بالطبع مکروہ سمجھتا ہے، لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر مرنا مرنا کہتا ہے، مگر زیادہ لذات و شہوات کے نشہ میں اس کو اپنے مرنے کا خیال بھی نہیں آتا، اس لیے آخرت سے غافل ہو کر شب و روز دنیا اور اس کے لذائذ کی طلب

میں رہتا ہے۔ یہ ہے دھوکا کھانا۔ بعض کم عقل ضعیف الذہن بدرائے ہوتے ہیں۔ ادنیٰ سی بات میں دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعض اس سے ذرا بہتر ہوتے ہیں، وہ دوسرے کے فریب میں ڈالنے سے فریب میں آجاتے ہیں۔ اس لیے اول مرتبہ کے لحاظ سے فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فرمایا اور دوسرے کے لحاظ سے لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ارشاد ہوا۔ وقرئ بضم الغین قال ابن السکیت الغرور بالضم ماغر من متاع الدنیا وقیل مصدر غرہ کاللزوم۔ پھر فرماتا ہے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ الخ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، تم کو فریب دیا کرتا ہے۔ سو اس کو دشمن ہی جان کر اس کا کہنا نہ مانو اور جو اس کا کہا مانتا ہے تو پھر جہنم کی طرف لے جاتا ہے، منکر بنا دیتا ہے، پھر منکروں کو سخت عذاب ہے اور جو اس کے فریب میں نہیں آتے، ایمان لاتے اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے دار آخرت ہے۔ بخشش اور بہتر بدلہ حیات ابدی اور سرور جاودانی۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۗ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧
وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ
جَمِيْعًا ۗ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۗ وَالَّذِيْنَ
يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۗ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۗ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۗ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

بھلا جس کے برے کام بھلے کر دکھائے گئے ہوں پھر وہ ان کو اچھا بھی جانتا ہو (نیک کے برابر ہو سکتا ہے) پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ پھر آپ ان پر افسوس کھا کھا کر ہلاک نہ ہو جائیں، کیونکہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کر رہے ہیں اور اللہ ہی وہ ہے جو ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر ہم اس کو مرے ہوئے شہروں کی طرف رواں کرتے ہیں، پھر ہم اس سے زمین کو زندہ کرتے ہیں اس کو مرنے کے بعد، اسی طرح مر کر جی اٹھنا ہے۔ جو عزت چاہتا ہے (تو اللہ کی طرف رجوع کرے) کیونکہ عزت تو سب اللہ ہی کے پاس ہے۔ کلام طیب (حمد و ثنا) اسی کی طرف چڑھ جاتا ہے اور نیک کام اس کو بلند کرتا ہے اور وہ جو برائیوں کے لیے داؤ کرتے ہیں تو ان کو سخت عذاب ہے اور ان کا مکر بھی برباد ہو جائے گا اور اللہ نے تم کو خاک سے بنایا، پھر نطفہ سے، پھر تم کو جوڑی جوڑی کر دیا اور کوئی مادہ بھی بغیر اس کے خبر کے نہ پیٹ رکھتی ہے نہ جنتی ہے اور نہ کوئی معمر عمر پاتا ہے اور نہ کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر سب کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات اللہ پر آسان ہے۔

خشک زمین کی۔

ترکیب : افمن الخ ھذہ الجملۃ مستانفۃ لتقریر ماسبق من ذکر التفاوت بین عاقب فی الفریقین، ومن فی موضع رفع بالابتداء وخبرہ محذوف قال الزجاج تقدیرہ کمن ھداہ وقیل کمن لم یزین لہ، فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ، تذھب بضم التاء وکسر الھاء من الاذہاب ونصب نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ مفعول لہ وعلیھم صلۃ تذھب کما یقال ھلک علیہ حبا ومات علیہ حزنا۔ ویجوزان ینصب حسرات علی الحال کما روی عن سیبویہ وقال المبرد انھا تمیز وقری تذھب بفتح التاء والھاء من الذہاب ونفسک مرفوعا ومعناہ فلا تھلک نفسک علیھم للحسرات علی تصمیم ولہ الفاعل ضمیر العمل والھاء للکلم ای العمل الصالح یرفع الکلم وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ مبتداء والخبر يَبُوْرُ وھو فصل او تاکید ویجوزان یکون مبتداء و یبور الخبر والجملۃ خبر مکر۔

تفسیر : یہاں سے شیطان کے فریب کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے فریب دیے ہوئے ایسے بھی ہیں کہ بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بت پرستی کو نجات کا باعث جانتے ہیں۔ پیغمبر کی عداوت کو ثواب سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ انسان جب ایسا تیرہ باطن ہو جاتا ہے تو اس پر تاریکی و ضلالت کے بڑے گہرے پردے پڑ جاتے ہیں۔ فرماتا ہے بھلا ایسا شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس کو خدا اُن اندھیریوں کی موجوں سے نکال کر روشنی میں لایا ہو، اس کو نیک و بد میں کامل تمیز ہو؟ ہرگز دونوں برابر نہیں، پس ایسی حالت میں بجز مایوسی کے اور کچھ نہیں، اس لیے فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ الخ کہ اللہ ہی اگر چاہے تو ہدایت ہو سکتی اور اگر وہ نہ چاہے تو اسی گمراہی میں پڑا رہنے دے، اس پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ جب ان کی یہ حالت ہے تو آپ ان پر افسوس و رنج نہ کھاویں۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ الخ یہاں سے پھر اصل مطلب یعنی اثباتِ حشر میں کلام شروع ہوتا ہے اور ہوائیں چلانا اور ان سے بادلوں کا اٹھانا پھر بادلوں کو بلدِ میت یعنی خشک شہر یا زمین کی طرف روانہ کر کے مینہ برسانا اور اس کو شاداب کر دینا اپنے عجائبِ قدرت ذکر فرما کر اس کو قیامت برپا کرنے کا نمونہ بتلاتا ہے، چند وجوہ سے اول یہ کہ جس طرح وہ مردہ زمین نے اپنے قابلِ حیات قبول کر لی، اسی طرح اعضاء بھی قبول کریں گے۔ دوم یہ کہ جو قادر مطلق ہوا سے ابر کو جمع کر لیتا ہے اسی طرح اعضاءِ انسانیہ کو بھی۔ سوم یہ کہ اسی طرح سے ہم روح کو جسم کی طرف رواں کریں گے۔

مشرکین اپنے بتوں کو اس لیے بھی پوجتے ہیں کہ عزت و حرمت حاصل ہو، یعنی ہر بات میں اُن کی پرستش سے کامیاب رہیں، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الخ کہ جو عزت کا طالب ہے تو عزت بھی اللہ ہی کے ہاں ہر طرح کی موجود ہے، پھر اس عزت حاصل کرنے کی ترکیب بتلاتا ہے۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ کہ اچھی باتیں یعنی کلمہ توحید و تمجید و تہلیل امر بالمعروف و نہی عن المنکر اللہ کی طرف بلند ہو کر جاتے ہیں، یعنی مقبول ہوتے ہیں اور عزت حاصل کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بندے کو بھی عزت ہوتی ہے، یعنی نیک بات سے انسان کا بول بالا ہوتا ہے۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اور نیک کام بندے کو بلند مرتبہ کرتا ہے۔ یا یہ معنی کہ نیک کام سے کلمہ طیب بلند ہوتا ہے، کوئی نیک بات بغیر نیک کام کے مقبول نہیں ہوتی۔ زبانی جمع خرچ کچھ کام نہیں آتا۔ حسن، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، ابوالعالیہ ضحاک۔ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ الخ اور جو برے کام کرتے ہیں اور بری تدبیر کرتے ہیں، وہ سب تدبیریں ہو جاتی ہیں۔ ذلت دلاتی ہیں۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ الخ یہاں سے پھر دلائل توحید شروع کرتا ہے۔ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ کی ضمیر معمر کی طرف نہیں پھرتی، اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر انسان کی عمر کا دراز ہونا اور کسی کی عمر کا طبعی عمر سے کم ہونا سب علمِ ازلی میں ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ
وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ

فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۲ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا
يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۱۳ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا
لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۱۴

اور دو دریا برابر نہیں کہ یہ ایک تو شیریں اس کا پانی خوشگوار ہے اور یہ ایک دوسرا کھاری کڑوا ہے، حالانکہ ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت (مچھلیاں) بھی کھاتے ہو اور زیور (موتی) مونگا بھی نکالتے ہو کہ جس کو پہنا کرتے ہو اور (اے مخاطب!) تو دریا میں پانی کو پھاڑتے ہوئے جہاز بھی چلتے دیکھتا ہے تاکہ تم اس کی عنایت کردہ روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو، وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو بس میں رکھا ہے کہ ہر ایک بندھے ہوئے وقتوں پر چلتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہارے پکارنے کو بھی نہیں سنتے اور جو سنیں بھی تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تو تمہارے شرک کا انکاری کر دیں گے اور (اے مخاطب!) تجھ کو اللہ خبردار کی طرح تو اور کوئی بتانے کا بھی نہیں۔

ترکیب : سائغ علی فاعل شرابہ مرفوع لاعتمادہ علی ما قبلہ لتبتغوا اللام متعلقۃ، بمواخر ویجوزان یتعلق بما دل علیہ الافعال المذکورۃ یولج بلا مستانفۃ ذٰلکم مبتداء، اللہ خبرہ ربکم خبر ثان لہ الملک الجملۃ خبر ثالث والذین مبتداء، مَا يَمْلِكُوْنَ خبر مِنْ قِطْمِيْرٍ بیان لمفعول یملکون ای لا یملکون شیئا من قطمیر۔

تفسیر : مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ یہاں سے اُن دونوں شخصوں کی تمثیل بیان کرتا ہے، یعنی اس کی کہ جس کو شیطان نے اندھا کیا، بلکہ برعکس اس کے کر دیا اور اس کی جو سیدھے رستے پر چلا جاتا ہے کہ جس طرح شیریں اور کھاری دریا برابر نہیں گو دونوں میں سے تازہ گوشت مچھلیاں اور زیور پہننے کا موتی اور مونگا نکالتے ہیں اور ہر ایک میں کشتیاں بھی جاری ہیں کہ جن سے روزی حاصل ہوتی ہے۔ تجارت کے ذریعے سے اور یہ شکر گزاری کا موقع بھی ہے اور نیز اس تفاوت میں قادر مختار کی قدرت کا بھی اظہار ہے، اسی طرح مومن و کافر بھی برابر نہیں، گو بہت سے اوصاف میں دونوں مشترک ہیں اور دو دریاؤں کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسانی خیالات دریا کی طرح رواں ہیں، پر دونوں میں فرق ہے۔ مومن کا دریا جو موج زن ہے تو اس میں شیرینی ہے، کافر کے دریا میں انجام کار تلخی۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ الخ یہاں سے اختلافِ زمانہ سے اپنے قادر ہونے پر استدلال کر کے یہ فرماتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کے قبضہ میں زمین و آسمان، رات دن، چاند اور سورج ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ اور جن کو کہ تم اس کے سوا پکارتے ہو، ان کا رب اور خالق ہونا تو درکنار ان کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ اے شیطان کے فریب میں ڈالے ہوؤ! تم ان بتوں سے کیا عزت ڈھونڈتے ہو، اول تو ان کو کچھ اختیار ہی نہیں۔ دوم اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے، کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔ سوم وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ اگر فرض کیا جاوے کہ سنتے ہیں تو بھی کچھ فائدہ نہیں کس لیے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے اور تمہارا کہا نہیں کر سکتے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کرنے کا انکار کریں گے اور کہیں

گے۔ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ اور ممکن ہے کہ اس جملہ میں ملائکہ اور جن اور شیاطین اور انبیاء علیہم السلام مراد ہوں کہ جن کو لوگ دُنیا میں پوجتے اور پکارتے ہیں۔ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ پھر پیش آنے والی باتیں کہ قیامت کو وہ اُن کے برخلاف ہو جاویں گے۔ غیب کی باتیں ہیں جن کو اللہ خبردار نے بتلائیں اور اس خبردار کے برابر کون بتلا سکتا ہے۔

فائدہ: فرات بالضم آب خوش یقال ماء فرات ومیاہ فرات، سائغ سوغ آسان بگلو فرو شدن آب و فرو بردن، ملح بالکسر نمک، ماء ملح لغت منہ ولا یقال مالح الا فی لغۃ ردیۃ، ماء اجاج بالضم آب شور اجوج بالضم مصدر منہ، طرو طری تازہ طراوۃ و طراوۃ تازگی قطمیر بالکسر پوست تنک دانہ خرما یا نقطہ سپید بر پشت دانہ کہ خرما از وے روید۔ صراح

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾

لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے پروا سب خوبیوں والا ہے۔ اگر چاہے تو تم کو مٹا کر اور نئی مخلوق لے آوے اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں اور (قیامت کے دن) کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھاوے گا اور اگر جس پر بار گناہ ہو وہ کسی کو اپنا بوجھ اُٹھانے کو بلاوے تو اس کا کچھ بھی بوجھ نہ بٹایا جاوے گا۔ گو وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ آپ تو صرف انہی کو ڈر سناتے ہو جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کوئی سدھرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو سدھرتا ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا ہے اور برابر نہیں ہو سکتے اندھا اور آنکھوں والا اور نہ اندھیریاں اور نہ روشنی (برابر ہیں) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (برابر ہیں) اور برابر نہیں زندے اور مردے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے سنواتا ہے اور قبر کے مردوں کو تو آپ سنا نہیں سکتے۔ آپ تو صرف ایک ڈر سنانے والے ہیں۔

ترکیب: ان شرطیۃ یشاء شرط مفعولہ محذوف یذہبکم جواب الشرط و یات معطوف علیہ و لا تزر مجزومین، وزر اخری مفعولہ ولا تزر مثقلۃ قال الفراء ای نفس مثقلۃ بالذنوب قال وحد اوقع للمذکر والمؤنث الحمل بالکسر ما تحمل علی الظہر ونحوہ و جمع احمال وحمول والحمل بالفتح ما کان فی البطن وعلی راس شجرۃ، یقال امرءۃ حامل وحاملۃ اذا کانت حبلی وقال الازہری، ولو وصیلیۃ تعلق بلا یحمل انما تنذر مستانفۃ ولا الحرور فعول من الحر غلب علی السموم وقیل السموم ما یہب نہارا والحرور ما یکون باللیل خاصۃ وقیل عکسہ، ولا للتاکید فی الاستواء وتکریرہا لمزید التاکید۔

تفسیر: جبکہ نبی ﷺ کی طرف سے کفار کو ہدایت پر بلانے میں اصرار ہوا اور مخالفوں کی طرف سے سخت انکار ہوا تو کفار کہنے لگے۔ شاید خدا کو ہماری طاعت و عبادت کی سخت ضرورت ہے کہ جس پر مامور کرتا ہے اور ترک کرنے پر عذاب سے ڈراتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ الخ کہ اے لوگو تمہیں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ جو ہے تو بے پروا ہے اور سب خوبیوں والا ہے۔ اس کو کسی کی عبادت و طاعت کی کچھ پروا نہیں، تمہارے ہی بھلے کو تم کو عبادت کا حکم دیا جاتا ہے، جس پر تم کو اس قدر غرور اور سرکشی ہے اور تم کیا غرور کرتے ہو۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ اگر اللہ چاہے تو تم کو نیست و نابود کر کے اور نئی خلق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں اور نبی علیہ السلام کو بھی تم سے کوئی غرض و مطلب نہیں ہے، کس لیے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى الخ قیامت کو کوئی کسی کا بار گناہ نہ اُٹھاوے گا، تم جو کرو گے آپ بھگتو گے اور قیامت کے دن کوئی گناہ گار اپنے بار گناہ کے اُٹھانے کو کسی سے کہے گا تو کوئی نہ اُٹھاوے گا، گو وہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں۔ نفسی نفسی کا بازار گرم ہوگا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی اپنی برادری اور کسی فرضی معبود پر گھمنڈ نہ کرے، وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آوے گا۔ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہمارے گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُٹھا لے گئے اور ہمارے عوض آپ معاذ اللہ تین روز جہنم میں رہے، اس کا بھی ابطال کر دیا کہ یہ خیال غلط ہے، کسی کے جرم میں کوئی کیوں پکڑا جاوے؟ اور یہ آیت اس آیت کے مخالف نہیں۔ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ کیونکہ اس میں جو اوروں کا بوجھ اُٹھانا آیا ہے تو وہ بھی دراصل انہی کا بوجھ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ الخ فرماتا ہے۔ اے نبی (علیک السلام) آپ کا وعظ و پند اور ڈر سنانا انہی کو نافع اور کارآمد ہے جو غائبانہ اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ مَنْ تَزَكّٰى الخ جو کوئی اصلاح پذیر ہوتا ہے اور نیک بختی اختیار کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کے لیے ہے۔ اللہ اور نبی کو کوئی فائدہ نہیں، وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اور اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ وہاں پاوے گا اور یہ گمراہ اپنی گمراہی پر کیا نازاں ہیں۔ کافر و مومن برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ اندھا اور آنکھوں والا اور روشنی اور اندھیرا اور سایہ اور دھوپ اور مردہ اور زندہ برابر نہیں۔ یہ کافر و مومن کی مثالیں ہیں۔

پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ الخ کہ یہ ہدایت اور گمراہی اللہ کی طرف سے ہے، اللہ جس کو چاہے سنا دے، یعنی ہدایت دے اور اے نبی! تو مردوں کو نہیں سنا سکتا، یعنی کفار بمنزلہ مردوں کے ہیں۔ ان میں ہدایت کا مادہ ہی نہیں مگر اتمام حجت کے لیے تیرا کام ہر ایک کو متنبہ کر دینا ہے۔ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

(اے رسول!) ہم نے آپ کو دین حق دے کر خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے اور کوئی فرقہ ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے بھی جھٹلا چکے ہیں۔ ان کے پاس بھی ان کے رسول نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے، پھر ہم نے منکروں کو پکڑ لیا، پھر ہماری ناراضی کا (کیسا انجام ہوا)۔

ل البینٰت معجزات زبر صحیفے جیسا کہ ادریس و ابراہیم و دیگر انبیاء علیہم السلام کو چھوٹی چھوٹی کتابیں حسب ضرورت دی گئیں الکتٰب المنیر بڑی کتاب جس میں شریعت ہی ہو۔ جیسا کہ توریت تھی۔ ۱۲ منہ

انجام (دیکھا) کیسا ہوا میرا عذاب۔

ترکیب : بالحق متعلق بارسلنا ویمکن ان یکون حالا اے متلبسا بالحق، وکذا بشیرا و نذیرا حالان ویمکن ان یکونا مفعولا لاجلہ۔ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ شرط و جواب محذوف ای فاصبر کما صبر الانبیاء فقد کذب الخ دلیل لہ۔ زبر جمع زبور بالفتح، قال فی الصراح زبر بالکسر نوشتہ زبور بضم ج و بالفتح نبشتہ وھو فعول بمعنی مفعول و کتاب داؤد علیہ السلام انتھی۔

تفسیر ہر ملک میں نبی آئے ہیں : جبکہ یہ فرمایا تھا کہ ان انت الا نذیر اس کے بعد یہ بھی فرمایا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا کہ اے نبی آپ اپنی طرف سے نذیر نہیں بن گئے ہیں بلکہ ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ایسا کوئی گروہ اور کوئی قوم نہیں کہ جس میں نذیر یعنی نبی بنا کر نہ بھیجا ہو، وہ قومیں بھی اپنے انبیاء سے اسی طرح سے پیش آئی ہیں۔ جلالین میں ہے۔ نذیر نبی ینذر رہا۔ بیضاوی فرماتے ہیں۔ من نبی او عالم ینذر عنہ والاکتفاء بذکرہ للعلم بان النذارۃ قرینۃ البشارۃ اور کئی جگہ قرآن مجید میں اسی مضمون کی آیتیں آئی ہیں۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ان آیات اور باعث ارسال رسل پر نظر کر کے اہل حق قاطبۃً اس بات کے قائل ہیں کہ بنی اسرائیل اور ملک شام کی کچھ خصوصیت نہیں ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے داعی موجود رہا ہے یا وہ خود نبی ہو یا اس کے جانشین اور علماء اور کتاب ہو۔ عام ہے کہ وہ نبی کے پیرو اس کے مذہب کے داعی اسی خاص طریقہ پر ہوں یا زمانہ کے انقلابات سے ان میں کچھ افراط و تفریط ہوگئی ہو جس کو تحریف و تبدیل کہتے ہیں۔ ہاں جب وہ تحریف و تبدیل اس درجہ کو پہنچ گئی ہو کہ اصل منشاء نبوت کو پورا کرنے سے قاصر ہوگئی تب دوسرا نبی یا کوئی مجدد بھی خدا کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے اور ایسے ہی انتظار کے وقت کو زمانہ فترت کہتے ہیں، یعنی وحی بند ہو جانے کا زمانہ کل امۃ و کل قوم کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ ایک زمانہ میں ایک ملک میں ہر ہر قوم کا ایک ایک جدا نبی ہو گو ایسا بھی ہوا اور اسی لیے ایک قوم میں ایک زمانہ میں کئی کئی نبی پائے گئے ہیں، مگر نذیر اور ہاد کا لفظ خاص نبی ہی کے لیے مختص نہیں، جیسا کہ بیضاوی نے تعمیم کر دی ہے بلکہ اس کے پیرووں کو بھی شامل ہے، البتہ اس بات سے یہ ماننا پڑے گا کہ گو نبی صاحب شریعت و کتاب صدہا برسوں تک اور بہت سی قوموں اور ملکوں کے لیے ایک ہی ہو، مگر ہر قوم میں اس کے پیرو داعی ضرور بھیجے گئے ہیں، ان کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو۔ بس جس قدر انبیاء علیہم السلام کا قرآن احادیث میں ذکر آ گیا ہے، ان کی تصدیق تو یقینی و تعیینی طور پر واجب ہے اور باقی کو اجمالاً برحق کہنا شیوۂ اسلام ہے۔ اس میں ہند، فارس، روم، عرب کوئی ملک کیوں نہ ہو۔ اب رہے ان ملکوں کے مشاہیر اکابر ان کی نسبت ان کے طریقہ کو دیکھ کر بشرطیکہ وہ انہی کا مروج طریقہ ہو، ہم خیال ظاہر کریں گے ورنہ علم الٰہی کے سپرد کریں گے، ہاں ان کے اس طریقہ میں جو مروج ہو رہا ہے اور ان کے پیرو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر کچھ خرابی ہے تو ضرور کہیں گے کہ یہ طریقہ منجانب اللہ نہیں خواہ محرف ہو جانے کے سبب سے یا اس سبب سے کہ اصل ہی خود تراشیدہ ہے مگر خاتم المرسلین ﷺ کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ صرف آپ کے مجدد ہی نذیر اور ہر قوم کے ہادی اور داعی رہیں گے۔ واللہ اعلم۔ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ الخ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی اور منکروں کو تہدید ہے کہ پہلے لوگوں کے پاس بھی ان کے انبیاء معجزات اور صحیفے اور بڑی کتابیں لے کر آئے لوگوں نے جھٹلایا، اس سے ان پر عذاب آیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿٢٧﴾
وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿٢٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ
تَبُوْرَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٣٠﴾
وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا
مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا
دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿٣٥﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ
ع تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾

اے مخاطب! کیا تو نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کئے اور پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے ٹکڑے

سفید اور کچھ سرخ اور کالے بھجنگ بھی ہیں اور اسی طرح آدمیوں اور زمین پر چلنے والے جانوروں اور چار پایوں کی بھی مختلف رنگتیں ہیں۔ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف علم والے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست معاف کرنے والا ہے جو لوگ کہ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز ادا کرتے اور ہمارے دیے میں سے چھپا کر اور ظاہر کر کے دیتے ہیں، وہ ایک ایسے سودے کی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ جس میں کبھی گھاٹا ہی نہیں کیونکہ اللہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے اور بھی بڑھ کر دے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا قدردان ہے اور (اے رسول!) وہ کتاب کہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے وہ سر تا سر ٹھیک ہے۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ البتہ اللہ اپنے بندوں کے حال سے خبردار ہے (اور) ان کو دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم نے اپنی کتاب کا ان کو وارث کیا کہ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کر لیا، پھر ان میں سے کچھ تو اپنے لیے برا کرنے والے ہیں۔ (یعنی گنہگار) اور کچھ ان میں سے درمیانی حال پر ہیں اور کچھ ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں کے کرنے میں پیش قدمی کرنے والے بھی۔ یہی تو خدا کا بڑا فضل ہے۔ (ان کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جن میں وہ داخل ہوں گے وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی دیے جائیں گے اور وہاں ان کی ریشمی پوشاک ہوگی اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا کہ جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ بے شک ہمارا رب معاف کرنے والا قدردان ہے۔ وہ کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو سدا رہنے کی جگہ میں اتارا کہ جہاں ہم کو نہ کوئی رنج پہنچتا ہے اور نہ کوئی تکلیف اور وہ جو منکر ہو گئے ہیں ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان پر قضا آئے گی کہ مر چکیں اور نہ ان کے عذاب ہی میں کچھ کمی کی جائے گی۔ ہم ہر ایک ناشکر کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں اور وہ دوزخ میں پڑے چلائیں گے کہ اے رب ہم کو یہاں سے نکال تا کہ ہم (دنیا میں جا کر) جو کچھ کیا کرتے تھے اس کے سوا اور اچھے کام کریں (ہم کہیں گے کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈر سنانے والا آیا۔ پھر مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

ترکیب : الوانہا مرفوع۔ مختلف وجدد بفتح الدال جمع جدۃ وھی الطریقۃ وقرءا بضمہا وھو جمع جدید کسریر وسرر قال الجوہری الجدۃ الخطۃ التی فی ظہر الحمار تخالف لونہ والجدۃ الطریق والجمع جدد وجدائد، قال المبرد وطرائق وخطوط و غرابیب سود عطف علی بیض وعلی جدد کانہ قیل ومن الجبال ذو جدد مختلفۃ اللون ومنہا غرابیب متحدۃ اللون، وغرابیب جمع غربیب ھو الشدید السواد والذی یشبہ لونہ لون الغراب والغرابیب تاکید تابع وتاکید لسود وحق التاکید التاخیر فقیل فی جوابہ ھو تاکید مضمر یفسرہ سود کما جاء فی قول النابغۃ

المؤمن العائذات الطیر یمسحہا ... الخ عطف بیان للعائذات وھو الشاہد

ومن الجبال مستانفۃ کانہ قال واخرجنا بالماء ثمرات مختلفۃ الالوان وفی الاشیاء الکائنات من الجبال جدد دالۃ علی قدرۃ ویمکن ان یکون معطوفا کذلک فی موضع نصب ای اختلافا مثل ذلک العلمٰؤا مرفوع لکونہ فاعلا لیخشی۔ یرجون خبر ان الذین لیوفیہم متعلق بیرجون۔

تفسیر : یہ ایک اور دلیل اس کی وحدانیت پر ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ کَذٰلِكَ تک اوپر سے پانی برسنا اور اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا ہونا مخاطبین کے نزدیک ایک یقینی اور ظاہر بات تھی، جس لیے الم تر استفہام تقریری کے ساتھ کلام شروع کیا۔ ایک پانی سے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے، مختلف رنگوں کے میوے ہونا صریح دلیل ہے کہ یہ کسی قادر مطلق کی گلکاری ہے، ورنہ طبیعت اور مادہ سب میں یکساں ہے اور علت فاعلیہ بھی ایک ہے، پھر یہ اختلاف کیوں ہو گیا؟! اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اختلاف زمین کی وجہ سے ہے، دیکھو کہیں نباتات پیدا نہیں ہوتے اور کہیں بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے، وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہَا [۱] وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ [۲] کہ اچھا یہ زمین میں اختلاف کس کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کس نے زمین کے ٹکڑوں میں مختلف تاثیریں

---

۱ بہت سیاہ بھی ہیں۔

۲ ترجمہ: قسم اس دینے والی پناہ مانگنے والے پرندوں کو شاعر عذر کرتا ہے کہ مجھے اس اللہ کی قسم جو مکہ میں کبوتروں کو پناہ دیتا ہے جو حرم میں سواروں کے پاس رہتے ہیں میں نے فلاں جرم نہیں کیا اور اس کا اخیر مصرعہ یہ ہے رکبان مکۃ بین الغیل والسند۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

۳ حکماء کا قوس قزح کے اختلاف الوان بیان کرنے میں ہی ناطقہ بند ہے پھر دیکھیں وہ ایک ہی پھول میں مختلف الوان کی کوئی شافی وجہ تو بیان کر دیں۔ منہ

پس زمین کے ایک بڑے سخت حصہ پہاڑوں کو دیکھو جو اپنی صلابت کی وجہ سے دوسرے کے اثر کو بمشکل قبول کرتے ہیں۔
پس کس کا یہ قدرت ہے کہ جس نے رنگ برنگ کے ان بلند پہاڑوں میں دھاریاں ڈالی ہیں کہ کہیں ایک سفید دھاری چلی آتی ہے اوپر سے لے کر نیچے تک سفید پتھروں کی تہ جمی ہوئی ہے، جہاں تک کھودتے چلے جاؤ گے، وہی سفید نکلتا چلا آوے گا اور اس کے آس پاس اور کا پہاڑ ہے، اسی طرح سے کہیں سرخ رنگ ہے اور کہیں نہایت سیاہ پھر یہ اختلاف کس نے کیا؟ اور جمادات اور نباتات پر کیا موقوف ہے حیوانات میں بھی یہی اختلافات ہیں۔
حیوانات میں اشرف المخلوقات انسان کو دیکھو، دو بھائی ایک ماں ایک باپ ایک ملک پھر ایک کالا ایک گورا والدواب اور زمین پر چلنے والی یعنی کیڑے مکوڑے سانپ وغیرہ کو دیکھو کہ ایک ہی قسم کے جانوروں کی کیسی مختلف رنگتیں ہیں، کوئی سانپ سیاہ ہے، کوئی زرد کوئی کوئی ایک ہی میں کئی رنگتیں اور کئی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں اور اسی طرح الانعام چارپایوں کا حال ہے، کوئی بیل سفید کوئی سرخ، کوئی سیاہ کوئی ایک ہی میں کئی رنگتیں، کان سفید تو باقی تمام سیاہ کسی کی کمر سرخ باقی سیاہ علیٰ ہذا القیاس۔ وہ کون ہے کہ جس نے ان پر مختلف رنگوں کی پچکاری پھیری ہیں، پس جو ان باتوں میں غور کرتے ہیں تو وہ خدا تعالیٰ ہی کا یہ قدرت دیکھتے ہیں اور اس کی قدرت و جبروت کا خیال کر کے ڈرتے ہیں۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا کے یہ معنی ہیں جو اس کو قادر مختار جانتے ہیں، وہ اس سے ڈرتے اور اس کا احسان مانتے ہیں کہ اس نے ہم کو انسان بنایا اور ایسا بنایا چاہتا تو گدھا بنا دیتا اور انسان ہی بناتا تو لولا لنگڑا کر دیتا یا ناسمجھ پیدا کر دیتا اور وہ جو چاہے کرے۔ پھر جو اللہ سے ڈرتے ہیں اللہ ان پر فضل کرتا ہے، کس لیے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ۔
وہ کون لوگ ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰہُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ وہ جو اللہ کی کتاب قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور منجملہ اعمال کے بدنی عبادات میں سے سب کا اصل الاصول نماز ہے، اس کو دل سے ادا کرتے ہیں اور ایک مالی عبادت بھی ادا کرتے ہیں، سب مال نہیں بلکہ اس میں سے ایک حصہ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ چھپا کر بھی اور ظاہر کر کے بھی۔ چھپا کر دینا بہتر ہے اور اگر ریاکاری کا اندیشہ نہیں تو ظاہر کر کے دینے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور ممکن ہے کہ چھپا کر دینے سے اشارہ صدقہ نافلہ کی طرف ہو اور ظاہر کر کے دینے سے مراد زکوٰۃ ہو، کیونکہ یہ ظاہر کر کے دی جاتی ہے۔ (کرخی) یہ لوگ ایک ایسا سودا یا تجارت کر رہے ہیں کہ جس میں کبھی نقصان نہ ہوگا کیونکہ ایسے اعمال کی جزاء خیر کا اللہ نے قطعی وعدہ کر لیا ہے۔ کما قال تعالیٰ لِیُوَفِّیَہُمْ اُجُوْرَہُمْ یہ اس لیے کہ اللہ ان کو ان کے کاموں کا پورا بدلہ دے گا، بلکہ وَیَزِیْدَہُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اپنے فضل و کرم سے اور بھی بڑھ کر اس کی محنت سے زیادہ اجر دے گا کس لیے اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ وہ بخشنے والا ہے اور بڑا قدردان ہے، کوئی اخلاص کے ساتھ نیکی کرتا ہے، اس کو صرف اس کو بلکہ اس کے متعلقین کو بھی بدلہ دیتا ہے۔ بڑی غریب پرور قدردان سرکار ہے، جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں کوششیں کی ہیں، آج تک ان کو تو کیا ان کی ذریت کو بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔
ان دونوں آیتوں میں بڑی حکمت رکھی گئی ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ میں عمل قلب کے طرف اشارہ ہے جو جمیع حسنات کا اصل الاصول ہے اور اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ میں عمل زبان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی زبان ذکر الٰہی سے تر رہتی ہے اور اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ میں عبادت بدنی کے طرف اشارہ ہے جس میں تمام اعضاء اور روح بھی شریک ہے اور انفقوا میں مالی عبادت کے طرف اشارہ ہے اور تمام حسنات کے دو ہی باب ہیں۔ ایک اللہ کی تعظیم دوسری خلق خدا پر احسان کرنا سو ان جملوں میں دونوں آ گئیں۔
اس کے بعد مسئلہ رسالت کو ثابت کرتا ہے اور رسالت کی عمدہ تر چیز کتاب اللہ ہے، اس لیے فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْکِتٰبِ ہُوَ الْحَقُّ کہ وہ کتاب جو ہم نے تیرے پاس اے محمد (ﷺ) بھیجی ہے، یعنی قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے پھر جو اس میں وعدے

کئے گئے ہیں، وہ بھی برحق ہیں۔ اُس سے اس تجارت کے نافع ہونے کا بھی وثوق دلایا گیا ہے۔ الحق کا لفظ ایک بڑی قوی دلیل کی طرف
اشارہ ہے جو قرآن کے کتاب آسمانی ہونے پر قائم کی جاتی ہے کہ اس کے تمام مطالب عالیہ پر غور کر جاؤ، پھر اس کی خوبی آپ ظاہر ہو جاوے
گی۔ ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ بھی دوسری دلیل ہے کہ اگلی کتابوں کے کوئی بات برخلاف نہیں، پھر امی شخص جو
اگلی کتابیں نہ پڑھا ہو، بغیر الہامِ الٰہی کے اُن کے مطابق کلام کر سکتا ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں جلد کے صفحہ ۲۵ میں فرماتے ہیں۔ وجواب
عن سوال الکفار وھو انھم کانوا یقولون بان التوراۃ ورد فیھا کذا والانجیل ذکر فیہ کذا وکانوا یفترون من التثلیث وغیرہ وکانوا یقولون بان القرآن
فیہ خلاف ذلک فقال التوراۃ والانجیل لم یبق بھما وثوق بسبب تغییر کم فھذا القرآن ما ورد فیہ ان کان فی التوراۃ فھو حق وباق علی ما نزل وان لم یکن
فیہ او یکون فیہ خلافہ فھو لیس من التوراۃ فالقرآن مصدق للتوراۃ۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ انجیل و توریت قابل اعتبار نہیں، اگر قرآن کے موافق ہیں تو
ٹھیک ہے اور جہاں مخالف ہے وہ غلط ہے، محرف ہے اسی پر جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ پس وہ جو جواب تفسیر حقانی میں ایک تحفی عیسائی یہ کہ
ہے کہ توریت و انجیل موجودہ حرف بحرف برحق ہے اور اس بات کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ محض غلط اور سخت دھوکا ہے۔

کتاب اللہ کی خوبی بیان کر کے جو لوگ نبی کے بعد اس کتاب کے وارث ہوئے، اُن کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ
الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ پھر ہم نے اپنے برگزیدہ
بندوں کو قرآن کا وارث کیا، یعنی ایمانداروں کو بے شک ایمان نہ لانے والے کافروں کے لحاظ سے برگزیدہ ہوتے ہیں، پھر ان ایمانداروں کی
تین قسم ہیں۔ بعض گنہگار ہیں، اپنی جان پر کبائر و صغائر کر کے ظلم کر رہے ہیں، یعنی اس کتاب پر ایمان تو ہے۔ عمل نہیں کرتے بعض ان میں
سے درمیانی حالت میں ہیں۔ عامل تو ہیں مگر پورے عامل نہیں اور بعض کامل ہیں، ایمان بھی ہے اور عمل بھی پورا ہے۔ ہر ایک نیک کام
میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ مقاتل اور نسفی اور ابو یوسف اور جمہور کا یہی قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ احمد اور ترمذی
نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی شرح میں فرمایا کہ یہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے اسناد میں دو راوی مجہول ہیں
اور احمد و ابن ابی حاتم و طبرانی و حاکم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ لوگ ہیں کہ
جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے اور مقتصد وہ ہیں جو کسی قدر حساب دے کر جاویں گے اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وہ ہیں جو محشر میں روک دیے
جاویں گے، پھر اللہ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں لے جاوے گا اور بھی روایات ہیں اور لغوی معنی کے لحاظ سے مفسرین کے اور بھی اقوال ان
معنوں کے بیان میں آئے ہیں۔

مگر بعض مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا سے مراد انبیاء، اور فمنھم سے مراد ان کی
اُمت دعوت ہے کہ ان میں سے ظالم یعنی کافر بھی ہوئے اور مُقْتَصِدٌ نیک بھی اور سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی تھے، لیکن قول
اول قول ہے اور سیاقِ کلام اسی کو ترجیح دیتا ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ کہ یہ کتاب کا وارث ہونا اور نیک ہونا بڑا فضل الٰہی ہے۔ پھر اس فضل کبیر کا نتیجہ بیان فرماتا
ہے۔ جنات عدن الی قولہ تعالیٰ لغوب کہ ان کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جہاں وہ آرائش اور تجمل کے ساتھ رہا کریں گے،
عمدہ لباس پہنیں گے اور اللہ کی تعریف کریں گے کہ اس نے ہماری دُنیاوی تکالیف کو دُور کر دیا، ہمارا رب معاف کرنے والا قدردان ہے،
اس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کی جگہ یعنی جنت میں جگہ دی کہ جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف ہے نہ مشقت نہ وہاں بیماری اور بڑھاپے کا ڈر نہ موت کا
خطرہ نہ معیشت کا فکر، نہ کوئی رنج۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہاں سے منکرین کا حال بیان فرماتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جاویں گے

ل امام رازی توریت و انجیل موجودہ کو غیر معتبر کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

جہاں نہ ان کو موت آوے گی کہ مر کر چھوٹ جاویں نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی، وہ وہاں روئیں گے، چلاویں گے، دانت پیسیں گے
کہیں گے اے رب اب کے ہم کو یہاں سے نکال دے، دنیا میں بھیج دے کہ وہاں جا کر نیک کام کریں گے۔ اس کے جواب میں ملائکہ
کہیں گے کہ کیا تم کو سمجھنے کے قابل عمر نہ دی تھی، پھر اتنی عمر تک وہاں رہ کر نہ سمجھے اور اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ تمہارے پاس خوف دلانے والے
بھی بھیجے پھر اب تم ان کا مزہ چکھو تمہارا کوئی حامی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸ هُوَ الَّذِيْ
جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ
كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ
الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ
اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ
تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں جانتا ہے، البتہ وہ دلوں کی باتیں بھی (خوب) جانتا ہے۔ وہی ہے کہ جس نے تم کو ملک میں اگلوں کا جانشین کیا۔
(اور اس پر بھی) جس نے ناشکری کی سو اس ناشکری کا وبال اسی پر ہے اور کافروں کا کفر ان کے رب کے نزدیک ناراضی کے سوا اور کچھ نہیں زیادہ کرتا اور کافروں کا
کفر ان کے نقصان کے اور کچھ نہیں زیادہ کرتا۔ کہو بھلا تم نے اپنے ان معبودوں کو بھی دیکھا کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ مجھے دکھلاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا
کچھ پیدا کیا ہے یا ان کا کچھ حصہ آسمانوں میں بھی ہے یا ان کو ہم نے کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اس کی سند رکھتے ہیں، (کچھ بھی نہیں) بلکہ ظالم آپس میں ایک
دوسرے کو محض فریب دیا کرتے ہیں۔ بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھام رہا ہے کہ ٹل نہ جاویں اور اگر وہ ٹل جاویں تو اس کے بعد اور کوئی تھام نہیں سکتا، البتہ
وہ تحمل والا معاف کرنے والا ہے۔

ترکیب: عالم غیب قرء الجمہور بالاضافۃ وقرئ بالتنوین ونصب غیب خلائف جمع خلیفۃ ویقال للمستخلف خلیفۃ وخلیف ویجمع الاول علی
خلائف والثانی علی خلفاء ارونی بدل اشتمال من أرأیتم ارونی ای شیء خلقوا من الارض وقیل أرأیتم وارونی تنازعا فی الفعل وقد اعمل الثانی
وہو قول البصریین، ام لہم و ام اتیناہم الضمیر یعود الی الشرکاء وام فی الموضعین منقطعۃ بمعنی بل والہمزۃ فہو اضراب عن استفہام و
رجوع الی استفہام آخر ان تزولا ای عن ان تزولا ویجوز ان یکون مفعولا لہ ای مخافۃ ان تزولا۔

تفسیر: کافر جو دوزخ میں کہیں گے، ہم کو باردگر دنیا میں بھیج دے کہ اچھے کام کریں گے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ
غَيْبِ السَّمٰوٰتِ الخ خدا تعالیٰ آسمان و زمین کے اندر کی سب چیزیں جانتا ہے۔ دلوں کے حالات و خیالات سے بھی بخوبی واقف ہے، یعنی
ان کے ارادات کو خوب جانتا ہے۔ اگر تم باردگر دنیا میں جاؤ گے تو پھر بھی وہی بدکام کرو گے، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے۔ ولو ردوا لعادوا لما نہوا عنہ اور
اسی میں اس شبہ یا اعتراض کا بھی جواب ہے کہ جرم کا ارتکاب تو دنیا کی عمر تک ہوا جو پچاس ساٹھ برس یا کم زیادہ کی تھی، پھر ہمیشہ جہنم میں رکھ

کر سزا دینا جزاء و سیئة مثلها کے برخلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ اگر تم ہمیشہ زندہ رہتے تو ہمیشہ ہی کفر
پر رہتے هو الذی جعلکم سے خساراً تک یہ بات بیان فرماتا ہے کہ دنیا میں کون سی بات تم کو نہیں دی گئی تھی، تم کو خلیفہ بنایا گیا، تمام خلق
تم کو حکومت دی گئی تھی۔ دُنیا کے کاروبار خوب سمجھتے تھے۔ صنائع و حرفت و دیگر فنون میں بڑے استاد اور عقل کل تھے، پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور
رسول کی رسالت اور دار آخرت کا مسئلہ سمجھ میں نہ آیا، نفس امارہ پر حکومت نہ کی گئی اس کو بدخواہشوں سے نہ روکا گیا؟ اب تمہارے کفر کا وبال
تمہی پر ہے اور تمہارے کفر نے تمہارا ہی نقصان کیا ہمارا کیا بگاڑا؟

قل ارئیتم شرکاء الخ یہاں سے پھر توحید کا مسئلہ شروع کرتا ہے اور مشرکوں کو صریح الزام دیتا ہے کہ اُن سے دریافت کرو کہ تمہارے
ان معبودوں نے آسمانوں اور زمین میں سے کون سی چیز بنائی ہے؟ یا ان کا کوئی حصہ ہے یا تمہارے پاس کوئی آسمانی سند ہے کہ اللہ نے کتاب
آسمانی میں یہ بات بتلا دی ہو؟ صرف تمہارے ڈھکوسلے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے، بلکہ خدا یا مہادیو اور بشن اور برہما دنیا کے پیدا
کرنے میں شریک تھے یا یہ کہ رزق روزی فلاں دیتا ہے۔ بیماری فلاں دفع کرتا ہے بلکہ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ اللہ ہی
اپنے ید قدرت سے آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور اگر وہ بگڑ جاویں یا اپنی جگہ سے ٹل جاویں تو پھر کون ان کو قائم کر سکتا ہے۔ وہ حلیم
ہے تمہاری ان باتوں پر صبر برداشت کرتا ہے اور تمہاری بے ہودہ باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى
الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۴۲ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ
السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۴۳ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا
فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۴۴ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى
ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۴۵ ع

اور وہ اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی بھی ڈرسنانے والا آیا تو ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت پر ہوں گے، پھر جب ان کے پاس
ڈرسنانے والا آیا تو اس سے ان کو اور بھی نفرت بڑھ گئی کہ ملک میں سرکشی اور بری بری تدبیریں کرنے لگ گئے اور بری تدبیر تو تدبیر کرنے والے ہی پر الٹ پڑا کرتی
ہے۔ پھر کیا وہ اس (برتاؤ) کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں سے برتا گیا۔ اب خدا کے برتاؤ میں کبھی بھی تغیر نہ آئے گا اور اب اللہ کے دستور میں کبھی کوئی رد و بدل نہ

ہوگی۔ کیا وہ ملک میں پھر کر نہیں دیکھتے کہ اُن سے پہلوں کا کیا انجام ہوا، حالانکہ وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور اللہ کچھ ایسا بھی نہیں کہ اس کو آسمانوں
اور زمین کی کوئی چیز ہرا سکے کیونکہ وہ خبردار قدرت والا ہے اور اگر اللہ ان کو ان کے کرتوتوں پر پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ ان کو ایک
وقت مقرر تک مہلت دے رہا ہے، پھر جب ان کا وقت آئے گا تو اللہ کی نظروں میں اس کا ہر ایک بندہ ہے (ہر ایک کے عمل کے موافق برتاؤ کرے گا)۔

ترکیب: استکبار مفعول لہ وکذا مکر السیء ای لاجل الاستکبار ولاجل مکر العمل السی ء وقولہ تعالیٰ مازادھم جواب لما وقیل
مکر السی ء اصلہ ان مکروا المکر السیء فحذف الموصوف ای المکر استغناء بوصفہ ای السیء ثم بدل ان مع الفعل بالمصدر ثم اضیف بیضاوی۔

تفسیر: توحید کے بعد انکار رسالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ وہاں تو یوں کہیں گے اور یہاں توحید میں بھی ناقص ہیں اور رسالت کے
اس وجہ منکر ہیں، فقال وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ الخ ابن ابی حاتم نے ابن ابی ہلال سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قریش کہا کرتے
تھے اگر اللہ ہم میں سے کسی نبی کو بھیجے گا تو ہم اُس کی اور اس کی کتاب کی ایسی اطاعت اور پابندی کریں گے کہ کسی اُمت نے کسی نبی کی ایسی
نہ کی ہوگی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ ظاہر ہوئے تو سخت منکر ہو گئے اور دشمنی پر کمر باندھ لی، اسی بات کو قرآن مجید میں کئی جگہ یاد دلاتا ہے۔
ایک جگہ فرمایا۔ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ایک جگہ آیا ہے۔ وَلَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ
اور یہاں بیان آیا ہے کہ پہلے سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آیا تو ہم اُس کا اتباع کر کے ہر ایک گروہ یہود و نصاریٰ
سے اچھے اور ہدایت والے ہو جاویں گے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ الخ پھر جب اُن کے پاس نذیر آیا، یعنی محمد ﷺ تو تکبر اور مکاری کے سبب
اس سے نفرت کرنے لگے اور اس مکاری کا انجام بد انہی پر پڑے گا۔ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ پھر کیا وہ پہلوں کے دستور کے منتظر ہیں کہ ان کے
ساتھ بھی ویسا ہی کیا جاوے، کیونکہ خدا کا دستور بدلتا نہیں۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا الخ پھر کیا انہوں نے شام اور عراق اور یمن میں جا کر نہیں دیکھا
کہ عاد و ثمود کے ساتھ کیا معاملہ گزرا ہے، حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ قوی اور مالدار تھے۔ پھر خدا تعالیٰ پر کون غالب آ سکتا ہے، اس کے
مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

کوتاہ اندیش کہتے تھے کہ اگر یہی اللہ کا دستور ہے کہ وہ منکروں کو غارت کر دیا کرتا ہے تو ہم کو کس لیے غارت نہیں کر دیتا۔ اس کے جواب
میں فرماتا ہے۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ الخ کہ اگر اللہ بندوں کے گناہوں پر جاوے اور ادنیٰ گناہ پر پکڑ لے یا جلدی سزا دینے پر آمادہ ہو جاوے تو
مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ تو روئے زمین پر کسی چلنے والے جاندار کو بھی زندہ نہ چھوڑے۔ انسان کی نحوست اوروں پر بھی اثر کر جاوے۔
خدا بارش بند کرے۔ نباتات پیدا نہ ہوں، کوئی جانور بھی نہ بچے جو انسان کے کارآمد ہیں۔ بعض کہتے ہیں دآبة سے مراد انسان ہے۔ لیکن اللہ
تعالیٰ کو دنیا آباد رکھنی منظور ہے، ایک وقت مقرر تک چھوڑ رکھا ہے۔ پھر جب اجل آ جاوے گی تو اللہ جانتا بوجھتا ہے، مجرموں کو کامل سزا دے
گا واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۲ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۳ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۴ تَنْزِيْلَ
الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى
اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ

مُقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ
فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا
تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا
نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

یٰس قسم ہے قرآن پُرحکمت کی کہ بے شک اے (محمد) آپ بھی رسولوں میں سے سیدھے رستہ پر ہو۔ قرآن زبردست مہربان کی طرف سے اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ آپ اس قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں کہ جن کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے۔ سو وہ غافل ہیں۔ ان میں اکثر پر تو فرمودۂ خدا پورا ہو چکا اس لیے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں، سو وہ ٹھوڑیوں تک اڑ گئے جس لیے ان کے سر اوپر کو اٹھے رہ گئے اور ہم نے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار قائم کردی ہے، پھر ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانک بھی دیا ہے۔ اس لیے وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے اور ان کو تیرا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، وہ ایمان نہ لاویں گے تو تو اسی کو ڈرا سکتا ہے کہ جو سمجھانے پر چلے اور بے دیکھے رحمان سے ڈرے۔ سو اس کو معافی اور عمدہ بدلہ کا مژدہ سنا۔ ہم ہیں جو مردوں کو زندہ کریں گے اور جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا اس کو لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کھلی کتاب میں شمار کر رکھا ہے۔

ترکیب : یٰس کالم فی الاعراب واختلف فی معناہ فقال ابن عباس یا انسان بلغة طی اقتصر علی شطرہ لکثرۃ النداء والمراد به محمد ﷺ وقال ابوبکر الوراق معناہ یا سید البشر، وقیل هو اسم من اسماء النبی ﷺ وقیل حروف اختصرت من الفاظ معدودۃ وابتداٰت بمعانی مفاتیح السور او سور جعلها اللہ تعالیٰ وقد مر الکلام فی سورۃ البقرۃ، قرء الجمہور بسکون النون والقرآن الحکیم بالجر علی انہ مقسم به ابتداء وقیل هو معطوف علی یٰس علی تقدیر کونه مجرورا باضمار القسم والاصح ان الواو للقسم، انک الخ جواب القسم علی صراط خبر آخر لان تنزیل قرء ابن عامر وحفص والکسائی بالنصب باضمار اعنی او علی انه مفعول مطلق ای نزل اللہ ذلک تنزیل العزیز وقری بالرفع علی انه خبر مبتدا محذوف وبالجر علی البدل من القرآن۔

تفسیر : اس سورہ میں بیاسی یا تراسی آیتیں ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں بالاتفاق یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔

فضائل : دارمی وترمذی ومحمد بن نصر وبیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہر شے کا دل ہوتا ہے۔ قرآن کا دل یٰس ہے، جو کوئی ایک بار اس کو پڑھے گا، دس بار قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ ترمذی نے اس کے اسناد میں کلام کیا ہے۔ مگر اسی حدیث کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوبکر بزار نے اور دوسری سند سے روایت کیا ہے اور حافظ ابویعلیٰ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شب کے وقت اللہ کے لیے اس سورۃ کو پڑھے گا صبح کو گناہوں سے پاک ہو کر اٹھے گا، یعنی اس کے گناہ معاف ہو جاویں گے، اس کی برکت سے، امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو اور اسی طرح نسائی نے فی الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور ابوداؤد وابن ماجہ نے بھی۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ ہر سختی کے وقت یٰس پڑھنا چاہیے، اس کی برکت سے وہ سختی دفع ہوتی ہے۔ حاجت پوری ہوتی ہے اور موت کے وقت پڑھنے سے میت کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان نصیب ہوتا ہے اور بہت سے مہمات کے لیے اس سورہ

کا پڑھنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ بارہا تجربہ میں آیا ہے، جب کلمات سحر میں اثر ہو تو اس میں ہونا کیا تعجب کی بات ہے؟ خصوصاً اس کے مطالب عالیہ نفس خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور دنیا اور اس کے مزخرفات سے بیزار کرنے اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت یاد دلانے میں اثر پیدا کرتے ہیں۔

عرب کے سخت منکروں کو مختلف دلائل وبراہین سے قائل کیا مگر اس پر بھی وہ انکار واصرار سے پیش آتے رہے، لیکن یہ جانتے تھے کہ جھوٹی قسم کھانے والا فلاح نہیں پاتا بلکہ برباد ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب قسم کے ساتھ کلام شروع کیا اور طرزِ سخن کو بدل دیا۔ اس لیے یٰس کہہ کر قسم کھاتا ہے کہ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ کہ ہم کو اپنے اس حکمت سے مالا مال قرآن کی قسم ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو ضرور ہمارے رسولوں میں ایک رسول ہے۔ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھے رستہ پر ہے۔ یٰس سے اگر آنحضرت ﷺ مراد ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے، خواہ اس وجہ سے کہ یہ انسان کا مخفف ہے اور انسان سے انسانِ کامل مراد ہے جس کا مصداق آپ ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ آپ کا نام ہے تو عبارت کے یہ معنی ہوئے۔ اے محمد (ﷺ) ہم کو قرآن حکیم کی قسم آپ رسول ہیں اور سیدھے رستہ پر ہیں اور قرآن کی قسم اس لیے کھائی کہ متکلم کے نزدیک جو چیز عزیز وقابلِ قدر ہوتی ہے، جب تک اس کی قسم نہیں کھائی جاتی مخاطب کو اعتبار نہیں ہوتا اور لطف یہ ہے کہ یہ کلام بظاہر تو قسم ہے مگر یہ بھی ایک برہان ہے جو لفظ حکیم سے سمجھی جاتی ہے، جو کتاب حکمتِ الٰہیہ سے پُر ہو تہذیبِ اخلاق وسیاستِ مدن تزکیۂ نفس معاد ومعاش کی اصلاح سب کچھ اس میں ہو، ایسے شخص سے ایسے ملک میں ظاہر ہونا دلیل قوی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے اس کے بعد میں اس کی تشریح فرماتا ہے۔ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ یہ قرآن زبردست کا اُتارا ہوا ہے، جو تمام بنی آدم کو اپنے اس قانون پر چلنے کے لیے مجبور کرسکتا ہے اور نہ صرف تحکم وجابرانہ طور پر بلکہ رحیم کا نازل کیا ہوا ہے، اس میں سراسر بہتری رکھی ہے جس طرح حکیم مشفق بیمار، بلکہ مریض کو دوا پینے پر مجبور کرتے ہیں اسی طرح اس کی رحمت تم سے چمٹ رہی ہے۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ کہ اے محمد (ﷺ) تو ان عرب کی جاہل قوموں کو متنبہ کرے، جن کے باپ دادا بھی متنبہ نہیں کئے گئے تھے۔ کس لیے کہ مدت سے نبی برپا نہیں ہوا تھا۔ تاریکی جہالت میں ٹکراتے پھرتے تھے اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ صرف عرب ہی کے لیے رسول تھے، کس لیے کہ ایک قوم کا ذکر کرنا جو مخاطب بالذات تھے، دوسرے کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ دوم اس میں بھی تمام دنیا شریک تھی کیونکہ گو اول ان کے پاس انبیاء آئے۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ مگر گمراہ ہونے کے بعد ان کے پاس یا اُن کے باپ دادا کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا، اس میں اشارہ ہے کہ عرصہ سے عالم میں تاریکی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی، جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ سوم عموم بعثت کے لیے بہت سی آیات واحادیث آئی ہیں، جیسا کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا پھر جو اس شمع ہدایت یا آفتاب رسالت کی روشنی میں نہیں آتا اور اس سے فیض نہیں اُٹھاتا تو جان لو کہ وہ جنم کا اندھا اور ازلی بدنصیب ہے۔ اسی بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے۔ فقال لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ ان پر ازلی نوشتہ پورا ہو گیا جس لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ازلی دفتر میں لکھا گیا تھا کہ وہ ایمان نہ لاویں گے سو اس لیے نہیں لاتے اور عالم اسباب میں اس کا یہ باعث ہوا اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ کہ ہم نے ان کی گردن میں ازلی بدبختی کے طوق ڈال دیے جو ٹھوڑیوں تک اڑے ہوئے ہیں، اس لیے ان کی آنکھیں اوپر کو رہ گئیں، راہِ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اقماح سر اٹھانا آنکھ بند کر لینا۔ دراصل ان کے گلوں میں طوق نہیں پہنائے گئے تھے، بلکہ یہ کلام بطور تشبیہ کے ہے، ان کے حال کو تشبیہ دی گئی ہے، اس کے حال کے ساتھ کہ جس کے گلے میں طوق ڈال دیا ہو۔ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا یعنی آگے اور پیچھے ہر طرف سے بدبختی اور ازلی گمراہی کی دیواریں کھڑی ہیں۔ فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ کہ جنہوں نے ان کو چاروں طرف سے ڈھانک لیا جس لیے وہ کچھ حق وباطل میں تمیز نہیں کرتے۔ یہ بھی بطور تمثیل کے ہے۔

محاورہ کی بات ہے۔ کہا کرتے ہیں ہمارے اس کے درمیان دیواریں کھڑی ہو گئیں، یعنی آڑ اور حجاب رنج پیدا ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ الخ کہ اے محمد (ﷺ) آپ کا وعظ کرنا نہ کرنا ان کے حق میں یکساں ہے، ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ان آیات میں مکہ کے کٹر بدکیش اور سرکش کفار کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ ابوجہل وابی بن خلف تھا اور یہ طوق اور یہ دیواریں ازلی بدبختی اور گمراہی اور توجہات بطرف شہوات ولذات فاسدہ و حب جاہ و مال کی دیواریں اور طوق ہیں۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ الخ تیرا وعظ خدا ترس لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ سو آپ ان کو مغفرت اور اجرِ عظیم کا مژدہ سنا دیں۔ اس مژدہ کے مطابق بدلہ پانے کی جگہ کا بیان فرماتا ہے کہ وہاں یا یہاں کس جگہ اجرِ کریم ملے گا اور کیونکر ملے گا یہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى الخ کہ کامل بدلہ پانے کا گھر دارِ آخرت ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔ نیک بد اعمال ان کو ہم دفترِ غیب میں لکھتے ہیں اور جو کچھ مرنے کے بعد وہ دنیا میں نیک و بد بات برا بھلا اثر پچھلے دل چھوڑ کر جاتے ہیں اس کو بھی ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہمارے دفتر میں ہر ہر بات لکھی ہوتی ہے، پس اس کے مطابق وہاں بدلہ دیں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا
رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا
تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا
طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۚ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا
الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا
وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا
يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ
ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ
الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا
مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى

الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾
وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ
الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ
الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾
وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ
لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى
عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ
النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا
صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

اور ان سے بستی والوں کا حال مثال کے طور پر بیان کر دو، جبکہ ان کے پاس رسول آئے۔ جب کہ ان کے پاس ہم نے دو کو بھیجا تو ان کو انہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے تیسرے سے مدد کی پھر تینوں رسولوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں وہ کہنے لگے تم ہو کیا چیز مگر ہمارے جیسے آدمی اور رحمان نے تو کچھ بھی نہیں نازل کیا ہے۔ تم تو نرا جھوٹ بولتے ہو۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ہم پر کچھ نہیں مگر صاف حکم پہنچا دینا ہے اور بس وہ کہنے لگے ہم نے تو تم کو منحوس پایا۔ اگر تم (وعظ و پند سے) باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر ڈالیں گے اور ہماری طرف سے تم پر بڑی مار پڑے گی۔ انہوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے۔ کیا اس سے نحوست آئی کہ تم کو سمجھایا جاتا ہے۔ کچھ نہیں بلکہ خود تم بے ہودہ لوگ ہو اور شہر کے پرلے کنارہ سے ایک آدمی دوڑا ہوا (آ کر) کہنے لگا اے قوم! رسولوں کے کہے پر چلو ان کا کہنا مانو جو تم سے کچھ بھی اجرت نہیں مانگتے اور وہ خود ہدایت یافتہ ہیں اور مجھے کیا ہوا جو اس کی بندگی نہ کروں کہ جس نے مجھ کو بنایا حالانکہ اسی کے پاس لوٹا کر لائے جاؤ گے (مرنے کے بعد)۔ کیا میں اس کے سوا اور معبودوں کو اختیار کروں، اگر رحمان مجھ کو کچھ ضرر دینا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آوے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں، تب تو میں صریح گمراہی میں جا پڑوں۔ میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا مجھ سے سن لو۔ (آخرکار اس کو شہید کر ڈالا اس کو) حکم ہوا کہ بہشت میں جا داخل ہو، اس نے کہا اے کاش میری قوم بھی جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا (ان کاموں کے سبب) اور مجھ کو عزت داروں میں سے کر دیا اور اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم بھیجنے والے تھے (اور

ہم کیوں بھیجتے)۔ صرف ایک ہی چیخ تھی کہ جس سے وہ بجھ کر رہ گئے۔ اے افسوس ہے بندوں پر ان کے پاس ایسا کوئی بھی رسول نہیں آیا کہ جس سے انہوں نے ہنسی نہ کی ہو۔ کیا نہیں دیکھ چکے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو غارت کر دیا، وہ ان کے پاس پھر کر نہیں آئے اور سب کے سب ہمارے پاس حاضر ہیں۔ اور ان کے لیے خشک زمین بھی ایک نشانی ہے جس کو ہم نے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا کہ جس کو وہ کھاتے ہیں اور اس میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے اور ان میں چشمے جاری کیے کہ اس کے پھل کھائیں اور یہ چیزیں ان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی تو ہیں نہیں پھر کیوں شکر نہیں کرتے۔ پاک ذات ہے وہ کہ جس نے زمین سے اگنے والی چیزوں کو گونا گوں بنایا اور خود ان میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی کہ جن کو وہ جانتے بھی نہیں اور ان کے لیے رات بھی ایک نشانی ہے کہ ہم اس میں سے دن کو کھینچ لیتے ہیں پھر تب ہی وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے پر چلا کرتا ہے۔ یہ اندازہ کیا ہوا ہے زبردست خبردار کا اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ پرانی شاخ کی طرح سے پھر نکل آتا ہے، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور ہر ایک ایک آسمان میں تیرتا پھرتا ہے اور ان کے لیے یہ بھی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں سوار کیا اور ان کے لیے اسی طرح کی اور بھی چیزیں بنا دی ہیں کہ جن پر وہ چڑھے پھرتے ہیں، ہم چاہتے تو ان کو ڈبو دیتے پھر نہ ان کا کوئی فریاد رس ہوتا اور نہ وہ بچائے جاتے مگر ہم نے اپنی مہربانی سے اور ایک وقت تک برتنے کے لیے بچایا۔

ترکیب : اَصۡحٰبَ الۡقَرۡیَةِ معناہ واضرب لھم مثلا مثل اصحاب القریة فترک المثل واقیم الاصحاب مقامہ فی الاعراب کقولہ واسئل القریة کشاف وقیل المعنی اجعل اصحاب القریة لھم مثلا علی ان یکون مثلا و اصحٰب القریة مفعولین لاضرب او یکون اصحاب القریة بدلا من مثلا فعلی ھذا اضرب بمعنی مثل وھو یتعدی الی مفعولین لتضمنہ معنی الجعل وھما مثلا اصحٰب القریة علی حذف مضاف اذ جاء بدل من اصحٰب القریة بدل الاشتمال اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ شرط وجوابہ محذوف مثل تطیرتم لما جمیع قرئ مشددا ومخففا قال الفراء من شدد جعل لما بمعنی الا ومن خفف جعل ما صلة بمعنی ما۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا۔ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اور اس کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ ازلی گمراہ رسولوں کو نہیں مانتے۔ ان کے آگے اور پیچھے دیواریں حائل ہیں، اس جگہ بطور مثال کے اَصۡحٰبُ الۡقَرۡیَةِ کا قصہ بیان کرتا ہے جس سے یہ غرض ہے کہ رسولوں کا آنا اور منکروں کا انکار کوئی نئی بات نہیں، اس سے پیشتر بھی ایسا ہو چکا ہے۔

قریہ سے مراد باتفاق جمہور مفسرین شہر انطاکیہ ہے جس کو سکندر رومی کے بعد انٹیوکس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر کے لوگ بت پرست تھے اور جوپٹر دیوی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ رومی لوگوں کا مدت سے یہی مذہب تھا۔ یہ شہر ایشیاء کوچک میں ہے۔ آج کل سلطان روم کی عملداری میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے خرابات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بڑی شان و شوکت کا شہر ہوگا۔ اس قصہ کا مختصر بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے حواری دین پھیلانے کو اطراف و جوانب میں پہنچے تو دو حواری اس شہر میں بھی آئے۔ خدا تعالیٰ کی توحید کا بیان کیا، خرقِ عادت دکھائے۔ لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے مارنے کے درپے ہو گئے۔ ان دونوں کے بعد ایک اور تیسرا حواری بھی آ کر شامل ہو گیا، اسی عرصہ میں ایک شخص اور بھی آیا اور ان کی تصدیق کرنے لگا اور لوگوں سے بڑی خوبی کے ساتھ کلام کیا، اس کو لوگوں نے شہید کر ڈالا، مرنے کے بعد اس نے آرزو کی کہ کاش میری بخشش کا حال اور نعمت کا میری قوم کو بھی معلوم ہو جاتا۔

اب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ دو[1] حواری کون تھے اور تیسرا ان کے بعد کون آیا تھا اور وہ شخص جو شہر کے پرلے کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا، جس کو شہید کر ڈالا کون تھا؟ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ۖ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ سے مفسرین نے یہ بات سمجھی ہے کہ اس کو شہید کر دیا

[1] بعض نے دو رسولوں سے مراد شمعون پطرس اور یوحنا اور تیسرے سے پولس لیا ہے مگر پولس غلطی ہے، دفیلبوس ہے کیونکہ پولس باتفاق محققین اسلام حواری نہ تھا بلکہ دین عیسوی کا محرف کر دینے والا تھا۔ ۱۲ منہ

گیا۔ بعض کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اپنی موت سے مرا ہو اور مر کر اس نے یہ آرزو کی ہو۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ان باتوں کی کچھ بھی تفصیل نہیں، صرف مورخین کے اقوال ہیں، جن کو ہم نقل کرتے ہیں۔ قریہ کا نام بھی احادیث میں نہیں آیا۔ اب ہم عیسائیوں کی کتاب کو دیکھتے ہیں، اس میں بھی اس قصہ کا کچھ پتا ملتا ہے؟ کتاب اعمال کو جو دیکھا تو اس میں یہ قصہ مذکور ہے، کمی بیشی کے ساتھ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کتاب التواریخ و کتاب سموئیل و توریت سفر پیدائش و کتاب السلاطین کو کسی خاص تذکرہ میں ملا کر دیکھو، بہت کچھ کمی بیشی پاؤ گے۔

کتاب اعمال کے گیارہویں باب ۲۷ ورس میں لکھا ہے۔ ''انہی دنوں کئی ایک نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے'' وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡیَةِ ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ مرسلون سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ حواری رسول تھے، مگر یہ استدلال رسالت نہیں ثابت کرتا کس لیے کہ مرسلون کا اطلاق بھیجے ہوؤں پر ہوا کرتا ہے۔ عام ہے کہ وہ رسول ہوں یا رسول کے نائب جو اس کی طرف سے یا اس کے حکم سے بھیجے گئے ہوں یا فرشتے ہوں جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ فرشتے دکھائی دیے جو قوم لوط کو غارت کرنے آئے تھے، ان کو بھی مرسلون کہا ہے۔ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ اَیُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ اور سلیمان علیہ السلام کے پاس جانے والے ایلچیوں پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے جو بلقیس کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ وَاِنِّیۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَیۡهِمۡ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ (سورہ نمل) اس شہر میں پہلے دو حواری آئے تھے، جیسا کہ کتاب اعمال کے آٹھویں باب سے ثابت ہے کہ فیلبوس اور شمعون پطرس استیفان کی شہادت کے بعد سامریہ میں وعظ کرنے گئے اور باب کے اخیر جملہ سے پایا جاتا ہے کہ وہ قیصریہ تک پہنچے تھے اور گزرتے ہوئے سب شہروں میں جب تک قیصریہ میں نہ آیا خوشخبری دیتا رہا اور پطرس کا ساتھ میں ہونا اسی باب سے پایا جاتا ہے۔ وَاِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمُ اثۡنَیۡنِ فَکَذَّبُوۡهُمَا اور کتاب اعمال کے گیارہویں باب میں اسی مضمون کی پوری تصدیق ہے۔ قولہ ''پھرتے پھرتے فنیکی و کپرس اور انطاکیہ میں پہنچے''۔ الخ ۲۰۔ اور ان میں سے کئی ایک کپری اور قرینی تھے جنہوں نے انطاکیہ میں آ کے'' الخ ''تب ان لوگوں کی خبر یروشلم کے کلیسیا کے کان میں پہنچی اور انہوں نے برنباس کو بھیجا کہ انطاکیہ کو جاوے'' (فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ) ''وہ پہنچ کے اور خدا کا فضل دیکھ کے خوش ہوا اور ان سب کو نصیحت کی''۔ پھر جو ان کی باہم قیل و قال ہوئی ہے۔ اس کو قرآن مجید نے مفصل بیان کر دیا۔ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ الی قولہ الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ حواریوں کے آنے کے بعد اس شہر میں سخت قحط پڑا، جیسا کہ اسی باب کے ۲۷ ورس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں نے خبر دی تھی کہ سخت قحط پڑے گا۔ اس پر وہاں کے لوگ کہنے لگے۔ اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ تمہارا آنا بڑا نحس ہوا، اگر اب بھی تم اپنی نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو تم پر پتھراؤ کر دیا جاوے گا۔ رسولوں نے کہا یہ تمہارے گناہوں کی نحوست سے پڑا ہے۔ قَالُوۡا طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ ہم تم کو نصیحت کرنے اور سدھارنے آئے ہیں، نہ بگاڑنے۔ اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ نصیحت کرنے کا یہی بدلہ ہے۔ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ تم برے بدکار لوگ ہو۔ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی اکثر مفسرین کے نزدیک یہ شخص جو شہر کے کنارہ سے دوڑتا ہوا رسولوں کی مدد کو آیا تھا، حبیب نجار تھا۔ یہ ایک جذامی تھا۔ حواریوں کی دعا سے تندرست ہوا تھا اور ایمان لایا تھا، اس نے رسولوں کی تائید میں یہ تقریر پُر اثر بیان کی جس پر ان کو غصہ آیا اور اُن کو مار ڈالا، مرنے کے بعد اس کو اللہ نے جنت میں داخل کیا، وہاں بھی اس نے قوم کی ہدایت کی خواہش ظاہر کی، مگر کتاب اعمال میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض کہتے ہیں وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ رَجُلٌ سے مراد کوئی چوتھا شخص نہیں بلکہ وہ تیسرا ہی شخص ہے جو ان دونوں حواریوں کی مدد کو آیا تھا، اس کے قصہ کو اللہ نے اس کے پر اثر وعظ کے سبب بیان فرما دیا کہ باہر سے آ کر تو یوں کہے اور شہر والے ایسے بدنصیب کہ انکار کریں اور قرآن مجید سے اس کا

بعض کہتے ہیں کہ رجل سے مراد استیفان ہے جس کو یہود نے یروشلم میں شہید کیا اور قریہ سے یروشلم مراد ہے اور پہلے دو رسول شمعون اور یوحنا اگر وعظ کہنے گئے تیسرا ان کی مدد کو برنباس قائم ہوا یہ شہر شہزادہ طیطس کے حادثہ میں برباد ہوا اور یہی صحیح ہے جو جوان مردوں کی للکار تھی۔ جب اس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ۱۲ منہ

شہید ہونا ثابت نہیں ہوتا، کس لیے کہ فَاسْمَعُوْنِ سے اس نے حواریوں سے خطاب کیا کہ تم گواہ رہو، میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ بھی فن وعظ کے متعلق ایک عمدہ بات ہے۔ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ یہ اس کے لیے دخولِ جنت کی بشارت ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ لیس المراد القول فی وجہ بل ھوالفضل یعنی وہ اس شہادت سے جنت کا مستحق ہوگیا اور اسی طرح اس کا قول یٰلَيْتَ قَوْمِیْ ہے۔ گویا اس کی تمنا ہے کہ اس شہادت سے سرور اور قلبی نور جو موجب غفران واکرام ہے مجھے حاصل ہوا ہے، کاش میری قوم کو بھی ہوتا۔

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ الخ فرماتا ہے، اس شخص کے بعد ہم کو اس کی سرکش قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمانی لشکر کی حاجت اور ضرورت نہ پڑی اور نہ پڑنی چاہیے، صرف چیخ اُن کے ہلاک کرنے کو بس ہوگئی۔ اس شہر پر آفت آئی، لوگ برباد ہوئے، فرماتا ہے یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ بندوں پر افسوس ہے، ان کے پاس جب کوئی رسول آیا تو اس کے ساتھ تمسخر سے پیش آئے اور یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں سدا کوئی نہیں رہا ہے۔ پہلے لوگ کہاں گئے، کوئی پھر کر نہیں آتا، پس وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہوجاتے ہیں اور وہاں اپنے کئے کا بدلہ پاتے ہیں۔

بعض مفسرین جیسا کہ ابن کثیر میں ہے، اس تفسیر پر معترض ہیں۔ بچند وجوہ: (۱) یوں کہ اگر قریہ سے مراد انطاکیہ اور مرسلون سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ خود کہتے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رسول ہو کر آئے ہیں اور خدا تعالیٰ اِذْ اَرسلنا نہ فرماتا۔ (۲) انطاکیہ عیسائیوں کے چار کلیسا میں سے ایک عمدہ کلیسا ہے، جہاں ان کے اسقوف رہا کرتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ایمان لائے، کبھی یہ شہر فرشتے کی آواز یا چنگھاڑ سے ہلاک نہیں ہوا بلکہ قریہ سے مراد کوئی اور شہر ہے جہاں اول بار خدا تعالیٰ کے دو رسول آئے، پھر ان کی مدد کو تیسرا آیا، پھر شہر کے کنارہ سے ایک ایماندار دوڑتا ہوا ان کی مدد کو آیا اور بہت عمدہ تقریر کی جس پر لوگوں نے خفا ہو کر اس کو مار ڈالا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی اور جنت میں جگہ دی، اس کے بعد یہ شہر بلائے آسمانی سے ہلاک ہوا۔ زمانِ گزشتہ میں کسی جگہ یہ واقعہ گزرا ہے جس کی مفصل خبر ہم کو نہیں دی گئی۔ تنبیہ کے لیے اسی قدر بیان کافی تھا۔

اول اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجا جانا خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جانا ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بلاء ناگہانی اس شہر پر آئی ہے، اس کے خرابات شاہد عدل ہیں۔ کتب تاریخ دیکھ لو۔ عَلٰى قَوْمِهٖ کی ضمیر خاص اہل انطاکیہ کی طرف نہ پھرے بلکہ عموماً منکرین مراد ہوں اور صیحۃ سے مراد بلاء آسمانی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا
تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ
اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۳

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے سامنے اور پیچھے آنے والے عذاب سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو ہنسی اُڑاتے ہیں) اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے ایسی کوئی بھی نشانی نہیں آتی کہ جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیے میں سے کچھ خرچ کیا کرو تو کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اس کو کھلا دیں کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ اس کو کھلا سکتا تھا تم جو ہو تو صاف گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ وہ صرف ایک چیخ ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کو آ لے گی اور وہ جھگڑتے ہی رہیں گے، پھر ان کو نہ کچھ کہہ مرنے کی قدرت ہوگی اور نہ اپنے گھروں میں واپس آسکیں گے۔

ترکیب : وایة مبتداء لھم الخبر والارض مبتداء احییناھا الخبر والجملة تفسیر للایة وقیل الارض مبتداء ایة خبر مقدم و احییناھا خبر لایة ولھم صفة لایة من العیون علی قول الاخفش من زائدة و ما عملته ما بمعنی الذی او نکرة موصوفة و علی الوجھین ھی فی موضع جر عطفا علی ثمرة و ما نافیة والقمر بالرفع مبتدا قدرناہ الخبر و بالنصب علی فعل مضمر ای قدرنا القمر العرجون فعلول فالنون اصل وقیل زائدة یخصمون بالتشدید اصلہ یختصمون نقلت حرکة التاء الی الخاء وادغمت فی الصاد۔

تفسیر : وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ اُمم ماضیہ کے سرکش لوگوں کا حال بیان فرما کر جو توحید کے انکار سے برباد ہوئے تھے۔ توحید کے دلائل بیان فرماتا ہے، ان میں سے پہلی دلیل خشک زمین ہے۔ اس کا حال بیان فرماتا ہے کہ خشک زمین کو خدا تر و تازہ کرتا ہے، اس میں کھیتیاں اور باغ اور چشمے پیدا کرتا ہے۔ تمہارے لیے اور یہ چیزیں تمہاری بنائی ہوئی تھیں نہ تمہارے معبودوں کی پھر بھی تم شکر نہیں کرتے۔ خاص اللہ کی عبادت نہیں کرتے اللہ کے ساتھ اوروں کو ملاتے ہو، حالانکہ وہ پاک ہے، اُس نے زمین کے نباتات ہر قسم کے پیدا کئے اور تمہارے جوڑے بنائے۔ مرد و عورت اور بہت سی چیزوں کے جوڑے کہ جن کو تم نہیں جانتے، یعنی خدا کے سوا جو کچھ ہے، اس کا مثل اور جوڑا ہے مگر اس کا کوئی مثل اور جوڑا نہیں پس پرستش کے لائق وہی ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ یہ دوسری دلیل ہے کہ رات اندھیری ہوتی ہے۔ اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ یعنی ان میں سے رات پیدا کر کے دُنیا کو اندھیری کر دیتے ہیں۔ آفتاب اپنی خاص چال پر چلتا ہے، جو اس کی چال مقرر کر دی ہے، اس کے خلاف نہیں کر سکتا اور اسی طرح چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ مہینے بھر میں دورہ تمام کر کے پھر پتلی سوکھی خمدار ٹہنی کے طرح برآمد ہوتا ہے۔ عرجون بالضم درخت کژ شدہ و شاخہائے بریدہ صراح، چاند کو کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی سے تشبیہ دی ہے، اس کے باریک ہونے اور ٹیڑھے ہونے میں آفتاب ماہتاب کو نہیں پکڑ سکتا نہ وہ اس کو نہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ سکتا ہے، نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، ہر ایک تارہ اپنی اپنی جگہ پر اس طرح سے حرکت کرتا ہے کہ گویا دریا میں مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آسمان بمنزلہ دریا کے ہے، یہ بھی اسی کا کام ہے، اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ یہ تیسری دلیل ہے کہ پانی کی سطح پر جو سینکڑوں گز گہرا ہے، ہم تم کو کس طرح سے کشتی میں سوار کر کے پھراتے ہیں۔ ذُرِّيَّتَهُمْ کی ضمیر عباد کی طرف پھرتی ہے اور ذریت سے مراد بچے ہیں۔ یہ زیادہ تعجب کی بات ہے کہ کمزور بچے یوں پانی پر سفر کریں۔ واحدی کہتے ہیں ذریت کا اطلاق آباد پر بھی ہوتا ہے، تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کے باپ دادا کو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا اور اس کے بعد اور اسی طرح کی کشتیاں بنانی سکھائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بھری کشتیوں سے مراد حاملہ عورتوں کے پیٹ ہیں تشبیہ کے طور سے اور ان میں بنی آدم کی ذریت یعنی بچوں کو خدا سوار کرتا ہے اور تلف سے حفاظت کرتا ہے۔ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ سے بعض کے نزدیک اونٹ وغیرہ دیگر بارکش چیزیں ہیں، جن کو خشکی کی کشتی کہنا چاہیے، جس میں چھکڑے اور ریل گاڑی بھی آگئی۔ یہ سب اس کی عنایت و رحمت ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ یہاں سے ان کی سرکشی بیان ہوتی ہے۔ مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے مراد دنیاوی مصائب جو سرکشوں پر آیا کرتی ہیں۔ وَمَا خَلْفَكُمْ سے دار آخرت کے مصائب (یہ سفیان کا قول

ہے)۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا
يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ؔ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ
فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا
يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾
اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

اور صور پھونکا جائے گا تو وہ فوراً اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑے چلے آئیں گے، کہیں گے ہائے کمبختی! ہم کو کس نے ہماری خواب گاہوں سے اٹھا دیا؟ (فرشتے کہیں گے) یہ وہی وقت ہے کہ جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسول سچ کہتے تھے۔ وہ تو صرف ایک ہی زور کی آواز ہوگی، پھر تو وہ سب ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ پس اس دن کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تم اسی کا بدلہ پاؤ گے، جو کیا کرتے تھے۔ بے شک بہشت کے لوگ اس دن مزے میں لگ رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے، وہاں ان کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ وہ طلب کریں گے وہ بھی موجود ہوگا۔ خدا رحیم کی طرف سے سلام کہا جائے گا اور (دوزخیوں سے کہا جائے گا) آج اے مجرمو! (جنتیوں سے) الگ ہو جاؤ۔ اے اولادِ آدم! کیا ہم نے تم کو یہ تاکید نہ کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا (کیونکہ) یہ سیدھا راستہ ہے۔

ترکیب: هذا مبتداء وَعَدَ الرَّحْمٰنُ خبره وما مصدرية او موصولة محذوفة العائد ويمكن ان يكون هذا صفة لمرقدنا وما وعد خبر مبتداء محذوف او يكون مبتداء وخبره حق محذوف هم مبتداء و ازواجهم معطوف على هم للمشاركة في النعماء في ظلال حال من المعطوف عليه متكئون خبر عَلَى الْاَرَآئِكِ صلة له ما يدعون من باب الافتعال من الدعاء وما موصولة او موصوفة بالابتداء ولهم خبرها سلام بدل منها او صفة اخرى قولا منصوب على انه مصدر لفعل محذوف اى قال لهم الله ذلك قولا۔

تفسیر: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا ان کی دوسری بدخاصیت بیان ہے کہ جب ان سے اللہ کی راہ میں دینے کو کہا جاتا ہے تو طعن کی راہ سے کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی نے نہ دیا تو ہم کیوں دیں، اگر دینا ہوتا تو وہ خود نہ دیتا یعنی ان میں نہ تقویٰ ہے جو تعظیم امر اللہ ہے نہ رحم بر خلق اللہ ہے بایں ہمہ دلیری یہ ہے کہ پوچھتے ہیں۔ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کہ قیامت کب آوے گی؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ مَا يَنْظُرُوْنَ الخ۔

جب آوے گی تو کچھ دیر نہ لگے گی، صرف اسرافیل علیہ السلام کی ایک ہی چیخ ہوگی۔ نفخہ اولیٰ جس میں بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، نہ کچھ اپنے دل کی کہہ سکیں گے نہ گھر تک جا سکیں گے جو کوئی جس حال میں ہوگا، اس آواز کے سنتے ہی بے ہوش ہو کر مر جاوے گا، پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا فنا ہو جاوے گی۔

کس لطف کے ساتھ مبدء کے بعد مسئلہ معاد کا ذکر کیا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ یہاں سے نفخہ ثانیہ کا ذکر ہے کہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد پھر اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، جس کی آواز سے ہر ایک مردہ قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حساب کی جگہ تخت رب العالمین کی طرف دوڑتا ہوا چلا آوے گا۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا عذاب دیکھ کر حیران ہوں گے اور کہیں گے کس نے ہم کو خواب گاہوں سے بیدار کر دیا۔ کفار کو مرنے کے بعد حشر تک قبر میں عذاب ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے، پھر خواب سے جگا دینا جو کفار کہیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان کے حواس پریشان ہوں گے، اس بدحواسی میں وہ قبروں میں رہنے کو خواب سمجھیں گے۔ یا عذاب حشر کے مقابلہ میں قبر کا عذاب راحت اور خواب معلوم ہوگا۔ ابی بن کعب و ابن عباس رضی اللہ عنہم و مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ نفخہ اولیٰ سے لے کر نفخہ ثانیہ کے زمانہ میں ان سے عذاب دور کر دیا جاوے گا، تب وہ آرام سے سوتے ہوں گے، پھر جب حشر برپا ہونے کا صور پھونکے گا تو یہ کہیں گے فرشتے یا اہل نجات کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یہ وہ دن ہے کہ جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور اپنی رحمت سے بتلا دیا تھا اور اس خبر میں رسول سچے تھے۔ فرماتا ہے۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً الخ کہ قیامت برپا ہونے میں کچھ بھی دیر نہ لگے گی، صرف اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنا ہوگا کہ برپا ہو جاوے گی اور سب حاضر ہو جاویں گے۔ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ الخ اس دن کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اپنے کئے کا پورا بدلہ پاوے گا۔ آگے بدلہ کا بیان ہے اور سب سے پہلے نیک لوگوں کا بدلہ ذکر کرتا ہے۔ فقال اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الخ کہ نیک لوگ بہشت میں عیش و آرام کریں گے۔ یہ جنت جسمانی کی طرف اشارہ تھا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو سلام پہنچے گا۔ ان پر تجلی ہوگی اور دیدار سے سرفرازی بخشی جاوے گی جو سرور ابدی ہے۔ اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ کہ مجرموں کو سزا دینے کے لیے جماعت سے الگ کر دینے کا حکم ہوگا اور ان کو ملامت کی جاوے گی کہ دیکھو ہم نے تم سے کہلا بھیجا تھا کہ شیطان کا کہنا نہ ماننا، وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور خاص میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے، مگر تم نے نہ مانا، آج اس بلا میں گرفتار ہوئے۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ
عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ

لَهٗ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ
الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ
اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ
جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

وقف لازم

اور البتہ اس نے تو تم میں سے بہت مخلوق کو گمراہ کیا تھا۔ پھر کیا تم کو عقل نہ تھی، یہ ہے وہ دوزخ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس میں گھسو اس سبب سے کہ تم انکار کیا کرتے تھے، آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں جو کچھ یہ کیا کرتے تھے، اس کی گواہی دیں گے اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں پٹ کر ڈالتے پھر وہ راستہ کو ٹٹولتے پھرتے۔ سو کہاں دیکھ سکتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھروں ہی پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے کہ پھر وہ نہ آگے بڑھ سکتے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے۔ اور جس کی ہم بڑی عمر کرتے ہیں تو اس کو دنیا میں الٹا کر دیتے ہیں، پھر وہ کیوں نہیں سمجھتے اور نہ ہم نے نبی کو شعر سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہی تھے۔ یہ تو صرف نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے تا کہ جو زندہ ہے اس کو ڈر سنائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے چار پائے بنائے کہ جن کے وہ مالک بن رہے ہیں اور ان کو ان کے بس میں کر دیا ہے، پھر ان میں سے کسی پر چڑھتے ہیں اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان میں اور بہت سے فائدے ہیں اور خاص کر پینے کی چیز پھر کیوں نہیں شکر کرتے اور اللہ کے سوا انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کی مدد کیا کریں، وہ خود تو اپنی مدد کر نہیں سکتے (اور ان کی کیا کریں گے) اور یہ ان کا لشکر حاضر کیا جائے گا۔ پھر آپ ان کی بات سے برا نہ مانیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

ترکیب : اللام موطئۃ للقسم والجملۃ مستانفۃ للتوبیخ ای واللہ لقد اضل جبلا فیہا لغات متعددۃ وھی جمع جبلۃ بمعنی الخلق وقیل الجبلۃ والجبل واحد افلم الہمزۃ للتوبیخ والفاء للعطف علی مقدر ای کنتم تشاہدون اما کنتم تعقلون ولو کلمۃ الشرط نشاء شرط مفعولہ محذوف ای ان نطمس لَطَمَسْنَا جواب ای اذھبنا اَعْیُنَھُمْ ای اعینا ھم فَاسْتَبَقُوا معطوف علی لَطَمَسْنَا وکذا قولہ تعالیٰ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰھُمْ ویظہر لک المعنی فی التفسیر۔

تفسیر : وَلَقَدْ اَضَلَّ سے لے کر یَکْسِبُوْنَ تک اسی گفتگو کا تتمہ ہے جو قیامت کے روز منکرین سے بطور الزام کے کی جاوے گی کہ تم میں سے یہ شیطان بہت خلق کو گمراہ کر چکا تھا، جن کی گمراہی اور بدکاری سے دنیا میں بھی ان پر بلا آئی، پھر بھی تم نہ سمجھے، اب تمہارے لیے یہ جہنم تیار ہے، اس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور تم جھوٹ جانتے تھے۔ آج اپنے اعمال کے سبب اس میں گرو۔

منکرین آخرت میں بھی اس الزام کے بعد خدا تعالیٰ سے جھوٹ بولیں گے اور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے۔ اس بات پر خدا تعالیٰ فرماوے گا۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ کہ اس روز ہم تمہارے منہ پر مہر کر دیں گے، یعنی بند کر دیں گے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے، یعنی ان کے ہاتھ پاؤں گواہ ہو جاویں گے۔ اس گواہی کی حقیقت اور ہاتھ پاؤں کی گویائی اسی کو معلوم ہے اور یہ

اس کی قدرت میں ہے، کوئی مشکل بات نہیں، سنت مطہرہ میں بھی اس کی تشریح ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓی اَعْیُنِھِمْ سے شبہ ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر ہاتھ پاؤں کی شہادت لے کر سزا دی اور آپ ہی یہ بھی فرما دیا تھا کہ ہم نے ان کے آگے اور پیچھے گمراہی کی دیواریں کھڑی کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آپ عذاب کے لیے مجبور کر دیا تھا، ان کو ہدایت پانے کا کچھ اختیار نہیں دیا تھا، اس آیت میں اس بات کا جواب ایک عجیب برہان قائم کر کے دے دیا کہ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے، پھر وہ رستہ کو ٹٹولتے اور رستہ نہ پاتے، حالانکہ ہم نے ایسا نہیں کیا، ان کی ظاہری آنکھیں اور رستہ پھر دیا یہ اس کی دلیل ہے جس طرح ہم نے ظاہری آنکھیں دی ہیں ہر ایک کو باطنی آنکھیں بھی عطا کی ہیں لیکن وہ نہیں دیکھتے شیطان نے ان کی آنکھوں پر شہوات و لذات فانیہ کے حجاب ڈال رکھے ہیں۔

پھر اس کی اور بھی تائید کرتا ہے۔ فقال وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰھُمْ عَلٰی مَکَانَتِھِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ اس کو جانے دو آنے جانے پھرنے کی قوت کو دیکھو تم کو ہر طرح سے چلنے پھرنے پر قادر کیا ہے، اسی طرح قوائے باطنیہ بھی ہر قسم کے تم کو عطا کیے ہیں، لیکن تم نے ان کو معطل کر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہتے تو تم کو اپنی جگہ پتھر کی طرح بے حس و حرکت کر کے ڈال دیتے، پھر تم آنے جانے سے عاجز ہو جاتے، حالانکہ ایسا نہیں کیا، پھر جب تم کو یہ قوتیں عطا کی ہیں اور تم آپ گمراہی میں گرتے ہو پھر کیا وجہ کہ جہنم تمہارے سامنے نہ آئے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تم پر گواہی نہ دیں، جن کے تم حاکم بنے ہوئے تھے؟

مُضِیًّا بضم المیم وفتحہا وکسرہا والمعنی لا یستطیعون رجوعا وقال معنی یمضی مضیا اذا اذھب فی الارض ورجع یرجع رجوعا اذا عاد من حیث جاء اور قدرت کے باریک راز کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

وَلَوْ نَشَآءُ الخ آیات میں یہ بات ثابت کی گئی تھی کہ ہم نے ہر ایک بات سمجھنے کی قوت دی تھی، اس پر یہ خیال گزرتا تھا کہ ہم کو غور کرنے کا موقع دینا چاہیے تھا، بڑی عمر عطا کرنی تھی کہ تجربہ ہوتے ہوتے اسرار پر بھی آگاہی ہو جاتی۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَکِّسْهُ فِی الْخَلْقِ کہ بڑی عمر سے کیا زیادہ سمجھ آجاوے گی، سمجھنے کے لیے تو عمر کا ایک معتدبہ حصہ کافی ہے، جیسا کہ پہلے فرمایا تھا۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَکَّرَ اور زیادہ عمر ہونے کی آرزو بیکار ہے، کس لیے کہ جب عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اعضاء انسانی اور قوائے دماغی بھی ضعیف ہو جاتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں اس کے یہ معنی کہ جس کی ہم عمر زیادہ کرتے ہیں تو اس کو پیدائشی باتوں میں الٹا کر دیتے ہیں، قوت کے بعد ضعف جوانی کے بعد بڑھاپا آجاتا ہے۔ سیدھا قد ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ اس پر بھی وہ عقل نہیں کرتے، اس میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں ممکنات کے جس قدر کمالات ہیں، طاقت و قوت حسن و جمال علم و دانش حتی کہ ہستی سب عاری دی ہوئی ہے اور اس دنیا میں چند روز کے لیے ہے، آخر فنا ہے۔ چند روز بہار ہے جس پر تم اس قدر پھولے ہوئے ہو اور محسن اصلی اور اصلی کو بھولے ہوئے ہو، اپنے ہی آپ کو دیکھو عمر زیادہ ہونے میں وہ جوانی کہاں رہتی ہے، کہاں گئی وہ قوت حافظہ اور کس جگہ چلی گئی وہ قوت ذاکرہ کہاں ہے وہ قوت باصرہ و سامعہ کہاں ہے وہ رنگ و روغن، حسن و جمال قد جو سرو رواں تھا، جھک گیا، سب چیزیں تم سے لی جاتی ہیں ایک یہ ہستی بھی چھین لی جاوے گی، اس پر بھی تم عقل نہیں کرتے۔

ان باتوں کو سن کر کفار عرب کہتے تھے کہ یہ نصیحت آمیز باتیں محمد (ﷺ) جو سناتا ہے تو شاعر ہے، شاعر بھی ایسا کلام کیا کرتے ہیں، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کہ ہم نے محمد کو شعر نہیں سکھایا۔ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ اور نہ یہ کہ آپ کے لائق ہے۔ یہ اس لیے کہ کلام الٰہی تو خداوند تعالیٰ کا ایک خاص فیضان ہے جو جبرئیل علیہ السلام کے وسیلہ سے روح پر نازل ہوتا ہے۔ قوائے ملکوتیہ کو ابھارتا اور بہیمیہ کو پست کرتا ہے اور شعر تخیلات کی روانی اور زبان کی لفاظی ہے، اس میں کہیں عمدہ باتیں بھی ہوتی ہیں اور بیشتر تو توہمات و تخیلات ہوتے ہیں جو

قوائے شہوانیہ کو جوش میں لاتے ہیں اور اسی لیے شعر کی بابت علمائے اسلام نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حمد و ثناء و وعظ و پند کے شعر اچھے ہیں اور برے مضامین کے برے ہیں اور آنحضرت ﷺ سے اتفاقیہ کوئی شعر موزوں ہو گیا تو اس سے شاعر نہیں کہے جا سکتے۔ اِنۡ ھُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ وَّ قُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ کہ یہ قرآن ہے جو سراسر نصیحت آسمانی ہے۔ لِّیُنۡذِرَ مَنۡ کَانَ حَیًّا یہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو زندہ دل ہیں، ان کو خوف دلائے اور منکروں پر خدا کی حجت پوری ہو جاوے یہ نہ کہیں کہ دنیا میں ہم کو کسی نے نہیں سمجھایا۔ اَوَلَمۡ یَرَوۡا سے بت پرستوں کو اپنی نعمتیں یاد دلاتا ہے کہ ہم نے ان کے لیے چار پائے پیدا کیے اور ان کو بس میں کر دیا، جس لیے ان سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں، سوار ہوتے ہیں، ذبح کر کے کھاتے ہیں، ان کے بچوں اور بالوں سے نفع لیتے ہیں۔ دودھ پیتے ہیں، پھر بھی شکر نہیں کرتے۔ اللہ کے تابع نہیں ہوتے بلکہ منعم حقیقی کو چھوڑ کر اور معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں حالانکہ وہ ایسے بے بس ہیں کہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے بلکہ قیامت کو پکڑے ہوئے آویں گے یا یہ معنی کہ کفار ان بتوں کا لشکر بن کر ان کے آگے حاضر رہتے ہیں، ان کی مدد کر رہے ہیں یا یہ معنی کہ کفار ان کو اپنی مدد کے لیے لشکر جانتے ہیں۔ فلا یحزنک قولھم نبی کو تسلی دیتا ہے کہ ان کی باتوں سے برا نہ مانو۔

اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾ قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡہُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ اَوَ لَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ ؕ؃ بَلٰی ٭ وَ ہُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾ ع

کیا آدمی نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو منی کے ایک قطرہ سے بنایا ہے، پھر وہ کھلم کھلا دشمن بن کر جھگڑنے لگا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنا پیدا ہونا بھول گیا، کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے، کہہ دو ان کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے۔ وہ کہ جس نے تمہارے لیے سبز درخت میں سے آگ پیدا کر دی کہ تم جھٹ پٹ اس سے آگ سلگانے لگتے ہو، کیا وہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور بنائے کیوں نہیں، وہ بہت کچھ بنانے والا ماہر ہے۔ اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو۔ سو وہ ہو جاتی ہے۔ وہی پاک ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا کامل اختیار ہے اور اسی کے پاس پھر تم لائے جاؤ گے۔

ترکیب: فاذا ھو الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ المنفیۃ قبلھا داخلۃ معھا فی حیز الانکار المفھوم من الاستفھام والمعنی العجب من حال الذی یجادل الجبار القھار ونسی اصلہ وخلقہ من ای شیء خلق وکیف صار اولیس الھمزۃ للانکار والواو للعطف علی مقدر من نظائرہ ورمیم فعیل بمعنی مفعول یستوی فیہ المذکر والمؤنث۔

تفسیر: اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ الخ یہاں سے ثبوت حشر پر دلائل قائم کرتا ہے اور منکرین حشر کو انہی کی ذات میں اپنی قدرت و کمال کا نمونہ دکھاتا ہے کہ انسان یقیناً جانتا ہے کہ خدا نے مجھ کو ایک قطرۂ پانی سے پیدا کیا ہے، جو متشابہ الاجزاء و متحد الحقیقۃ والاسم ہے، پھر اس میں سے ہڈی اور گوشت اور پوست اور سر پاؤں، دل و دماغ، آنکھ ناک کیسے مختلف الاسم والحقیقۃ اجزاء پیدا کر دیے اور ہر ایک میں جداگانہ قوت و تاثیر رکھی اور اس کے تمام کیل و پرزے جوڑ کر اس کو بڑا گویا اور فہیم بنا دیا، یہ گویا ہوتے ہی بڑے دشمن، بڑے مقرر منکر حشر بن گئے، طرح طرح کی باتیں بنیوں اور اس کے کلام کے مقابلہ میں کرنے لگے، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلۡقَہٗ اور ہمارے لیے دنیا کے لوگوں کی مثال بیان کی کہ جس طرح دنیا کے لوگ بعض اشد کاموں میں عاجز ہیں، وہ بھی ہے، یعنی مخلوق کی قدرتوں اور طاقتوں پر قیاس کر کے ہماری قدرت کو بھی محدود سمجھ لیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا اور طرفہ یہ ہے کہ ہماری قدرت غیر محدود کا نمونہ اسی کے پیدا کرنے میں موجود ہے، اس کو بھول گیا، یعنی اس میں غور نہیں کرتا، پھر اس مثل کا بیان کرتا ہے۔ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ کہ انسان کہتا ہے۔ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوئی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ انسان سے مراد عموماً منکرین حشر ہیں، گو یہ بات جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے، عاص بن وائل نے حضرت ﷺ سے کہی تھی۔ ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے اس کو ابن معجم میں نقل کیا ہے۔

خدا تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے۔ قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ اے محمد (ﷺ) کہہ دے ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار بنایا تھا اور ان کا کچھ بھی وجود نہ تھا، پھر بار دگر بنانا اس کو کیا نہیں آتا؟ وھو بکل خلق علیم حالانکہ وہ ہر ہر چیز کی ہر ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے، کوئی ذرہ اجزاء بدن کا اس سے مخفی نہیں، بار دگر سب کو ملا دے گا اور روح ڈال دے گا یا یوں کہو وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ کوئی ذرہ اجزاء بدن کا اس سے مخفی نہیں۔ بار دگر سب کو ملا دے گا اور روح ڈال دے گا یا یوں کہو وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ خلق مصدر و علی الاول بمعنی المخلوق۔ اس کے بعد اور دلیل بیان فرماتا ہے۔ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا الخ کہ اللہ تو وہ قادر مطلق ہے کہ سبز درخت میں سے آگ نکال دیتا ہے۔ بن میں جب بانس کی ٹہنیاں ہوا سے آپس میں رگڑ کھاتی ہیں تو اس سے آگ نکلتی ہے، جس سے بن میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے اور عرب میں دو درخت ہیں، ایک کو مرخ دوسرے کو عفار کہتے ہیں اور زند اور زندہ بھی جب آگ سلگانی منظور ہوتی ہے تو دونوں کی ہری ٹہنیاں توڑ کر ایک کو دوسرے پر مارتے ہیں، آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر آگ اور سبز درخت کو دیکھیے جو پانی اور رطوبت کی پوٹ ہے، دونوں ضدوں کو جمع کر دیا، پھر جس نے اضداد کو جمع کر دیا، کیا وہ اجزاء بدن انسانی کو جمع نہیں کر سکتا؟ بے شک کر سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کرتا ہے۔ اَوَ لَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ کہ کیا وہ شخص کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو بار دگر پیدا کرے؟ بے شک پیدا کر سکتا ہے۔ مثلھم ای مثل ھؤلاء الاناسی الذین ماتوا او المراد ھم علی سبیل الکنایۃ نحو مثلک لا یبخل والمراد انت آپ ہی اس استفہام کا جواب دیتا ہے۔ بلیٰ وھو الخلاق العلیم کیوں نہیں وہ خلاق ہر چیز پیدا کر سکتا ہے اور علیم بھی ہے، ہر قسم کے علوم اس کے آگے حاضر ہیں۔ قدرت بھی ثابت کی اور علم بھی۔

اب کلام میں کوئی جگہ مخالف کے لیے باقی نہیں۔ کس لیے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے اور اس کو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا بھی جانتا ہے تو اس بات کا ماننا اس کو ضرور ہے کہ وہ بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے، کیونکہ بار دگر پیدا کرنا اول بار کے پیدا کرنے سے کچھ کوئی زیادہ بات نہیں اور مشرکین کہ جن کے مقابلہ میں یہ کلام ہو رہا ہے۔ خدا کے بھی قائل تھے اور اس کو خالق آسمان و زمین بھی جانتے تھے، حشر کے منکر تھے۔ یہود میں بھی ایک فرقہ منکر حشر کا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دلیل بیان فرماتا ہے۔ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ اس میں ان کی تمثیل کا بھی بطلان ہے کہ وہ کہتے تھے کوئی بھی حشر پر قادر نہیں، غائب کا حاضر پر قیاس کرتے تھے، کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس نہ کرو کس لیے کہ مخلوق میں سے جو کوئی کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو وہ چند باتوں کا محتاج ہوتا ہے۔ (اول)

اپنی قوت و طاقت کا ہونا۔ (دوم) آلاتِ بدنیہ۔ (سوم) دیگر آلات۔ (چہارم) اس چیز کا مادہ موجود ہونا۔ (پنجم) زمانہ کا درمیان آنا۔ (ششم) مواقع کا دور ہونا، مثلاً کوئی معمار کسی مکان بنانے کا ارادہ کرے تو اُس میں قوت و طاقت فنِ معماری کا علم ہونا چاہیے، پھر اس کے ہاتھ پاؤں، اعضاءِ بدنیہ بھی درست ہونے چاہییں، پھر اس کے اوزار آلات بھی ضرور ہیں، پھر اس مکان کا مادہ اینٹ پتھر لکڑی گارا چونا لوہا وغیرہ بھی کہ جن سے وہ مکان بنے گا۔ پھر یہ بھی ضرور ہے کہ وہ مکان دفعۃً نہیں بنے گا، زمانہ میں تیار ہوگا۔ ایک ساعت سے لے کر دس برس بیس برس کا کسی قدر ہو زمانہ ضرور ہوگا، ان سب کے بعد یہ بھی کہ کوئی مانع پیش نہ آوے، اگر کسی زبردست نے بننے سے روک دیا تو رُک جاوے گا یا بارش آندھی کوئی بات پیش آجاوے، تب بھی رُک جاوے گا۔ برخلاف خدا تعالیٰ کے کہ وہ ان چیزوں میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں۔ ہر وقت اس کے لیے سب سامان مہیا ہیں، پھر اُس کو مخلوق پر قیاس کرنا کیسی بے عقلی ہے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اس آیت میں بیان کرتا ہے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی بات ہوتی ہے کہ اُس کو کہتا ہے کن یعنی ہو جا سو وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ امر سے مراد امرِ تکوینی ہے اور قول اور کن سے بھی قول اور کنِ تکوینی مراد ہے تو یہ کہ اس معدوم چیز سے خطاب کیا جاتا ہے کہ تو ہو جا کس لیے کہ وہ تو اُس وقت معدوم ہوتی ہے۔ قابلِ خطاب ہی نہیں ہوتی اور جو موجود ہو تو پھر موجود کو موجود کرنے کے کیا معنی؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کے علم میں ہر شے ہے، خواہ وہ خارج میں موجود ہو یا معدوم اور یہ علم اس کا علم ازلی ہے، جب سے وہ ہے اُسی کے ساتھ اُس کی ذاتِ بابرکات میں تمام چیزوں کا علم ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پیشتر ہی رکھا ہوا ہے، پھر جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس موجودِ علمی سے یہ فرما دیتا ہے، یعنی ارادہ کر لیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔

اس تقریر سے معتزلہ اور کرامیہ کا خیال بھی باطل ہو گیا کہ معدوم کو بھی شے کہتے ہیں اور یہ کہ اُس کا ارادہ حادث ہے۔ اس آیت میں اس نے اپنی بے انتہا قدرت کا ثبوت کر دیا اور راسخ الاعتقاد اور سلیم الطبع کو کامل یقین دلا دیا اور دعویٰ کو دلیل کر دکھایا۔

اس لیے اس کے بعد اس بحث کے نتیجہ کو کس عمدہ پیرائے اور اسلوب سے بیان فرماتا ہے کہ جو اصل الاصول مطالب کو گھیرے ہوئے ہے۔ فقال فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اس تمام سورہ میں اصل الاصول تین ہی باتیں ہیں، توحید، اقرارِ رسالت اعتقادِ حشر۔ رسالت کو تو کئی مقام پر اس سورہ میں ثابت کر دیا ہے۔ ایک بار اول ہی میں فرمایا۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور اس کو سب سے اول اس لیے ذکر کیا کہ جب تک انسان رسولوں پر ایمان نہیں لاوے گا، اس کے کہنے سے حشر اور اس کے صفات کا کب قائل ہوگا، کس لیے کہ یہ باتیں تجربہ اور حس سے باہر ہیں اور براہینِ عقلیہ میں باہم تعارض ہو جاتا ہے اور وہم خلل اندازی کرتا ہے۔ ان باتوں کا کامل یقین تو اُس کے فرستادہ یعنی رسول کے کہنے سے ہو سکتا ہے اور ایک بار اخیر رکوع میں ثابت کیا۔ بقولہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ الخ اب رہیں دو باتیں توحید اور حشر پر ایمان لانا سو اٰیَةٌ لَّهُمْ سے شروع کر کے چند دلائل سے اس کو ثابت کر دیا اور حشر کے مسئلہ کو اخیر میں بڑے زور سے اُن کا انکار نقل کر کے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ثابت کیا اور اخیر میں اس لیے کہ حشر بھی دُنیا کا اخیر ہی ہوتا ہے اور اس بات کے اثبات میں اپنی قدرت غیر متناہی کے جتلانے کے لیے دلائل بیان کرتا چلا آتا ہے۔ اس لیے ختم کلام کے موقع پر ان دونوں باتوں کو نتیجہ کے طور پر ثابت کرتا ہے۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ میں توحید کو ثابت کیا۔ اول تو لفظ سبحان ہی اُس کی تنزیہ و تقدیس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شریک و سہیم و مثل و نظیر اور عجز و حدوث و والد و مولود و سب نقصان کی چیزوں سے پاک ہے، نہ اُس کو جورو کی حاجت نہ بیٹے کی ضرورت نہ کسی جسم میں حلول کرنے کی احتیاج نہ کسی مددگار کی پروا۔ کس لیے کہ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ اس کے ہاتھ میں یعنی قبضہ میں ہر شے کی حکومت ہے۔ یہ جملہ تنزیہ کے لیے بھی دلیل ہے اور آیندہ دوسری بات حشر برپا کرنے کے لیے بھی دلیل ہے، کیونکہ جب اس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے تو مر کر باردگر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے، اس لیے اس کے بعد وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ فرمایا کہ اسی کے پاس پھر جاؤ گے، یعنی حشر برپا ہوگا، مر کر زندہ ہو کے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا۔

اور الیہ جار کو مقدم کیا جس میں اشارہ ہے کہ اس کے پاس پھر جانا ہے نہ کہ کسی اور کے پاس کہ جس کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے اور اس کی خدائی کا حصہ دار یا کارمختار سمجھتے ہو، اس پر اور لطف بھی ہے کہ ترجعون مضارع کا صیغہ استعمال ہوا، اس میں اشارہ ہے کہ حشر قائم ہونے کے بعد تو خدا کے پاس جانا ہی ہے۔ جیسا کہ معنی استقبال مضارع میں پائے جاتے ہیں۔ حال میں بھی تم اسی کے پاس چلے جا رہے ہو، یہ عمر تمہارا ایک سفر ہی ہے جس قدر برس گزرتے ہیں یا جس قدر دن گزرتے ہیں۔ گویا تمہارے سفر کی اسی قدر منزلیں طے ہوتی ہیں۔ آخر ایک روز یہ سفر تمام ہوگا۔ موت آوے گی، کیا بلکہ سامنے کھڑی ہے۔ پس تمہاری رُوح کو اُس کے سامنے جانا ہوگا، اب ہر وقت تم اُسی کے پاس سفر طے کر کے جا رہے ہو اور اس پر لطف یہ کہ مضارع مجہول کا صیغہ آیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ تم از خود نہیں بلکہ کوئی اور تم کو لیے جا رہا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہم بے اختیار منازلِ عمر طے کر رہے ہیں، اسی بات کو کئی ایک جگہ قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ امام احمد ﷫ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے جو کوئی اس کو خالصتاً لوجہ اللہ پڑھے گا، اس کو خدا بخش دے گا۔ اس کو دل اسی لیے کہا کہ اس سورہ میں اعتقادیات ہی ہیں جو دل میں رہا کرتے ہیں یا یوں کہو قرآن مجید کے امہات المطالب یہی تین باتیں ہیں اور ان کے متمم یا محافظ یا فروع ہیں اور یہی باتیں لب لباب ہیں اور اعلیٰ تر ہیں اور عمدہ اور اعلیٰ چیز کو انسان کے دل سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے کہ وہ بھی بدن میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ اور سردار ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ② فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا ③ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا
بِزِیْنَةِ اِۨلْكَوَاكِبِ ⑥ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ⑦ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ
الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑧ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ⑨ اِلَّا مَنْ
خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑩ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ
خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا
لَا یَذْكُرُوْنَ ⑬ وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ⑮

1 آفتاب برس دن تک ایک جگہ خاص سے طلوع کرتا ہے دوسری خاص جگہ سے غروب ہر روز نیا مطلع ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کہتے ہیں اور گرمی سردی کے دو مطلع قرار دے کر رب المشرقین و رب المغربین بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی پھر ڈانٹنے والوں کی دھکا کر، پھر ذکر الٰہی میں تلاوت کرنے والوں کی، البتہ تمہارا معبود تو ایک ہی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین اور اس کے اندر کی سب چیزوں کا اور مشرقوں کا رب ہم نے نیچے کے آسمانوں کو ستاروں سے سجایا ہے اور اس کو ہر ایک شیطان سرکش سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ عالم بالا کے لوگوں کی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ ان پر ہر طرف سے کھدیڑنے کے لیے انگارے شہاب پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے مگر جو کوئی بات لے بھاگتا (اچک لیتا) ہے تو اس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا پڑتا ہے۔ پس (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا بڑی بات ہے یا ان چیزوں کا کہ جس کو ہم نے لیس دار گارے سے بنایا ہے، بلکہ آپ تو (ان کی احمقانہ باتوں پر) تعجب کرتے ہیں اور یہ ہنسی اڑاتے ہیں اور جب سمجھائے جاتے ہیں تو سمجھتے نہیں اور جب کوئی قدرت کی نشانی دیکھتے ہیں تو ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو محض صریح جادو ہے۔

ترکیب: وَالصّٰفّٰتِ الواو للقسم وجوابہ اِنَّ اِلٰهَكُمْ رب السمٰوٰت بدل من واحد بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ من اضافة النوع الى الجنس کقولک باب جديد والزينة كواكب حفظا اى حفظنا ها حفظا ومن يتعلق بالفعل المحذوف، لايسمعون الجملة فى موضع الجر على الصفة او مستانف و جوارا يجوز ان يكون مصدرا من معنى يقذفون او مفعولا له الا استثناء من الجنس اى لايسمعون الملائكة الا مخالسة ثم يتبعون بالشهب فى نفسه۔

تفسیر: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی جمعہ کے روز یٰسٓ اور صافات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرے گا اللہ اس کی حاجت روا کرے۔ رواہ ابو ... فی فضائل القرآن۔ مشرکین مکہ بت پرستی کرتے تھے۔ ستاروں کو بھی قضاء و قدر میں شریک جانتے تھے، جس پر وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے اور ان شیاطین کی قدر و نیاز کروایا کرتے تھے اور قیامت کے بھی منکر تھے، ان سب باتوں کا رد اس سورۃ میں کرتا ہے اور پہلے دلائل سے رد ہو چکا تھا، مگر مخاطبین کو وثوق دلانے کے لیے کلام کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے۔ فقال وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا الخ تین چیزوں کی قسم کھاتا ہے۔ اول صافات یعنی صف باندھنے والے دوسرے زاجرات زجر کرنے والے ڈانٹنے اور روکنے والے تیسرے تالیات ذکرا اذکار کرنے والے۔ اب یا تو ان تینوں چیزوں سے ایک شے مراد ہے، یہ تینوں اس کے وصف ہیں یا تین چیزیں جدا جدا اول صورت میں علماء کے کئی قول ہیں۔ اول یہ کہ ملائکہ مراد ہیں، کیونکہ وہ آسمانوں میں عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے یا حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے صف بستہ رہتے ہیں اور ملائکہ ہی بادلوں کو ہانکتے اور ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ شیاطین کو بنی آدم کے تکلیف دینے سے ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ الہامات کے طور پر ملائکہ قلوب بنی آدم تک تاثیرات ہیں وہ ان کو معاصی سے روکتے ہیں جس طرح کہ شیاطین آمادہ کرتے ہیں اور وہی ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتے ہیں یا اس سے نیک لوگ مراد ہیں جو جہاد و جماعت میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور کفار کو گمراہی سے روکتے اور مخالفین کو ڈانٹتے ہیں اور تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں بھی کئی احتمال ہیں۔ ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ الخ کہ تمہارا ایک ہی رب ہے وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ستارے رب نہیں بلکہ انا زینا ان کو تو ہم نے آسمان کی زینت بنادیا ہے اور وہ شیاطین کے لیے اوپر جانے سے محافظ بھی ہیں، اسی قسم کا مضمون قرآن مجید میں کئی ایک جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ آیا ہے۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ایک جگہ ہے۔ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ سورہ جن میں آیا ہے۔ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۞١٦ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۞١٧ قُلْ نَعَمْ
وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۞١٨ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۞١٩ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا

يَوْمُ الدِّيْنِ ۞٢٠ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۞٢١ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ع
ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۞٢٢ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۞٢٣ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۞٢٤ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۞٢٥ بَلْ هُمُ
الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۞٢٦ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۞٢٧ قَالُوْا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۞٢٨ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞٢٩ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۞٣٠ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۞٣١
فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۞٣٢ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۞٣٣ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۞٣٤ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ۞٣٥ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۞٣٦ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ
وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞٣٧ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۞٣٨ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞٣٩

... کہتے ہیں) کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی، کہہ ضرور اور (اس وقت) تم بے بس ... پھر قیامت تو ایک ہی کڑک ہوگی، پھر تو فوراً زندہ ہو کر دیکھیں گے اور کہیں گے ہائے کمبختی! یہ تو جزا کا دن ہے۔ یہ ہے فیصلہ کا دن کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے ... (حکم ہوگا) ان ظالموں کو اور ان کی بیبیوں کو اور ان سب کو بھی کہ جس کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے حاضر کرو۔ پھر ان کو جہنم کے رستہ کی طرف ہانک کرلے جاؤ ... ٹھہرا رکھو کہ ان سے دریافت کرنا ہے۔ تم کو کیا ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ آج کے دن وہ سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور ایک ... کی طرف متوجہ ہو کر پوچھے گا، کہیں گے تم ہی تو ہم پر پل پل کر دائیں طرف سے آیا کرتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ تم خود ہی ایمان نہیں لاتے تھے اور ... کوئی زور بھی نہ تھا، بلکہ خود تم ایک گمراہ قوم تھے۔ پھر ہم سب ہی پر ہمارے رب کا قول پورا ہو گیا کہ ہم سب کو عذاب چکھنا ہے۔ پھر ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا، ... گمراہ تھے، پھر اس روز عذاب میں وہ سب یکساں ہوں گے۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کیا کرتے ہیں، کیونکہ جب ان سے لا الٰہ الا اللہ کہا ... تکبر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے، کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے، بلکہ (نہ وہ شاعر ہے نہ دیوانہ) دین حق لے کر آیا ہے اور

... بیبیاں جو اپنے مشرک خاوندوں کے مذہب پر تھیں۔ ۱۲ منہ
... یعنی حق دین میں سد راہ ہوتے تھے (زجاج) واحدی کہتے ہیں کہ ان کے گمراہ کرنے والوں نے قسمیں کھائیں تھیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ حق ہے یعنی تم ... کے سبب سے کہتے تھے اور دائیں طرف سے آنا عرب میں عزت کے ساتھ آنے سے محاورہ ہے یعنی زور میں آتے تھے۔ ۱۲ منہ
... قسمت کا لکھا ہوا پیش آیا ہم کیا کریں۔ ۱۲ منہ ع شاعر دیوانہ جاہل کو کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

خدا کے رسولوں کی تصدیق کی، البتہ تم کو عذاب الیم چکھنا ہے اور تم کو وہی بدلہ دیا جاوے گا کہ جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر : اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی مضمون منقول ہے۔ بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم ہوتا ہے تو خوف کے مارے ملائکہ تھرا جاتے ہیں، پھر ایک دوسرے سے دریافت کرتا ہے۔ پھر اُوپر کے طبقے سے لے کر نیچے کے طبقے والے ملائکہ تک درجہ بدرجہ وہ بات پہنچتی ہے، نیچے کے طبقہ والوں سے شیاطین کوئی بات اڑا لے جاتے ہیں اور اس کو جادوگروں یا جنتیوں والوں کو پہنچاتے ہیں، وہ ایک میں سو جھوٹی باتیں ملا کر مشہور کرتے ہیں، پھر کبھی یا اکثر ستارہ اُن کے پیچھے دوڑتا ہے اور جلا دیتا ہے اور کبھی وہ کلمہ جادوگروں کو پہنچا دیتا ہے اور اسی کے قریب قریب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسلم نے روایت کیا ہے اور جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں اور اہلِ سنت کا یہی اعتقاد ہے۔

اُوپر رات کو جو کچھ چمکتا ہوا نظر آتا ہے، اُس کو عرف میں بجز نیرین کے ستارا کہتے ہیں کہ وہ ثوابت ہوں یا تھوڑی دیر کے بعد مٹ جاویں۔ جیسا کہ کرۂ ارض سے اوخنہ جو اُوپر کو صعود کرتے ہیں اور کرۂ نار میں پہنچنے کے بعد ان میں آگ لگ جاتی ہے، پھر وہ مادہ مشتعل رات کو مختلف صورتوں میں روشن ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کبھی دُمدار ستارہ معلوم ہوتا ہے اور جس قدر وہ مادہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کو قیام رہتا ہے۔ حتی کہ مہینوں تک خدا تعالیٰ بندوں کو اپنے عجائب مخلوقات میں قدرتیں دکھاتا ہے کہ یہ جو اُوپر رات کو تمہیں ستارے معلوم ہوتے ہیں، ان سے آسمان کی زینت ہوتی ہے۔ اندھیرے میں نورانی قندیلیں مختلف صورتوں میں لگی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ یہ تو ثوابت ہیں اور بعض جو تم کو تارے معلوم ہوتے ہیں۔ (جس کو تم شہاب ثاقب کہتے ہو، یعنی اوخنہ ارضیہ اور جس کو تم دیکھتے ہو کہ آسمان سے ٹوٹتا ہے یا کوئی پھینک کر دوسری طرف مارتا ہے) ان سے ملائکہ سماوات کام لے رہے ہیں کہ شیاطین اُوپر یعنی عالم بالا کی باتیں اور وہاں کے روزمرہ جاری ہونے والے حوادث کی خبریں سننے جاتے ہیں، ان کو اُن سے مارتے ہیں اور گو شیاطین اور جن بھی ناری ہیں، ان کا غالب مادہ آتش ہے، مگر آگ کے درجے متفاوت ہیں۔ قوی ضعیف میں اثر کرتی ہے، اسی لیے ان کو جلا دیتی ہے۔ جیسا کہ انسان کا قالب مادہ خاک ہے مگر پتھر کے مارنے سے جو وہ بھی خاکی ہے مر جاتا ہے، اس تقریر پر تمام شبہات دُور ہو گئے۔ عقل و نقل میں موافقت ہو گئی۔

إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾
بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ
قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾ يَّقُوْلُ أَئِنَّكَ
لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَإِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾
قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ

إِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ أَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ
الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾

لیکن اللہ کے خاص بندے کہ ان کے لیے خوان مقرر ہیں۔ میووں کے اور وہ نعمت کے باغوں میں ان کے سامنے تختوں پر عزت و احترام سے بیٹھے ہوں گے، ان میں صاف شراب کا دور چل رہا ہوگا جو سفید پینے والوں کے لیے مزہ دے گی نہ اس میں بکتا ہوگا اور نہ اُن کو اس سے نشہ ہوگا اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔ گویا کہ وہ ڈبے میں چھپے ہوئے موتی ہیں۔ پھر ان میں سے ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر باتیں پیش کرے گا، ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ دُنیا میں میرا ایک ساتھی تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان میں سے ہے جو رسول کو سچ جانتا ہے کہ کیا جب ہم مر جاویں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاویں گے کیا ہم کو جزا ملے گی۔ وہ کہے گا کہ کیا تم بھی دیکھنا چاہتے ہو، پھر وہ جھانک کر دیکھے گا تو اُس کو دوزخ کے بیچوں بیچ پڑا دیکھے گا، وہ کہے گا بخدا کہ تو نے تو مجھے ہلاک ہی کیا ہوتا اور اگر میرے رب کی عنایت نہ ہوتی تو میں بھی (گرفتارِ عذاب ہو کر) حاضر کیا جاتا، پھر کیا ہم جنتی ایسے ہیں کہ جو ایک بار مرنا تھا سو مر چکے۔ اب نہ ہم کو موت ہے اور نہ ہم کو کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ بے شک یہ بڑی کامیابی کی بات ہے، ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھور (سینڈھ) کا درخت۔

تفسیر : اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ یہ جن و شیاطین کہ جن کو تم پوجتے اور غیب داں جانتے ہو، ان کی تو عالم بالا تک رسائی بھی نہیں اور جو کوئی وہاں تک جانے کا قصد کرتا ہے تو ملائکہ ہر طرف سے اُن پر کھدیڑنے کے لیے ستاروں کے انگارے مارتے ہیں اور جو کوئی بات سن کر بھاگتا ہے تو اُس کو شہاب ثاقب جا لیتا ہے۔ فَاسْتَفْتِهِمْ یہاں سے منکرین حشر کا رد کرتا ہے کہ ہم نے ان کو طِيْنٍ لَّازِبٍ یعنی چپکتے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے، کیونکہ انسان کا غالب مادہ مٹی ہے جو تر ہو کر اس کے اعضاء بنانے میں کام آئی ہے نہ صرف تر بلکہ اُس کے کئی خمیر ہوتے ہیں، پھر خمیروں کا عطر لیا گیا ہے۔ پھر حشر برپا کرنا ہمیں کیا مشکل ہے؟ بل عجبت اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس جہل و انکار سے تعجب کرتا ہے اور وہ ہیں کہ تمسخر کر رہے ہیں اور سمجھانے سے سمجھتے نہیں، جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹھٹھوں میں اُڑاتے اور اُس کو جادو بتاتے ہیں۔ تمسخر حمقاء کا کام ہے۔ وَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا یہاں سے پھر منکرین حشر کا قول نقل کر کے اُس کا رد کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کیا جب ہم مر جاویں گے اور مر کر خاک ہو جاویں گے، ہم اور ہمارے باپ دادا زندہ ہوں گے؟ اس بات کو وہ اپنے نزدیک خدا تعالیٰ کی قدرت سے دور جانتے ہوں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ نَعَمْ کہہ دے ہاں زندہ کیے جاؤ گے اور اپنے کفر و بدکاری کی وجہ سے تم ذلیل ہو گے اور اسی لیے جرم کی سزا سے بچنے کے لیے تم انکار کرتے ہو۔ پھر حشر برپا ہونے کی کیفیت اور حشر کے بعد جرموں کی سزا پانے کی کیفیت اور وہاں بتوں سے ناامیدی اور اس بت پرستی کی بازپرس اور آپس میں گمراہ کرنے والوں اور اُن کے مریدوں کی تھکا فضیحتی کا وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تک ذکر کرتا ہے۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ سے خالص بندوں اہلِ توحید و طاعت کی جزاء دارِ آخرت بیان فرماتا ہے کہ وہاں ان کو ہر قسم کی نعیم و ناز اور طرح طرح کی ابدی نعمتیں ملیں گی۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ سے یہ بات بیان فرماتا ہے کہ ایک جنتی اپنے کسی دوسرے دوست سے دُنیا کا تذکرہ کرے گا کہ دُنیا میں میرا ایک دوست آخرت کا منکر تھا تو پھر وہ اپنے احباب اہلِ جنت سے کہے گا کہ کیا آپ اُس کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اب وہ کس حال میں ہے؟ پس جھانک کر دیکھے گا تو اُس کو جہنم میں پڑا ہوا پاوے گا اور

اُس سے کہے گا کہ اگر میں تیرے کہنے میں آجاتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہوتا۔ اللہ نے اپنے فضل سے بچالیا، اب دیکھو ہم کو وہی ایک موت تھی جو ہوچکی، اب حیات ابدی ہے اور سرور دائمی یہ بڑی کامیابی ہے۔ لِمِثْلِ هٰذَا سے لے کر آخر تک اسی کا کلام ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ لوگوں کو ایسا کام کرنا چاہیے، کیونکہ اس نیک کام کا بدلہ جنت ہے اور اُس کا جہنم جو دونوں برابر نہیں۔ قَالَ قَائِلٌ سے بعض کے نزدیک ایک خاص مومن مراد ہے اور بعض کہتے ہیں، عام ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بار دگر جینا کوئی زندگی نہ ہوگی، بلکہ اسی زندگی کا اعادہ ہوگا، گویا یہ زندگی خواب ہے۔ وہ بیداری اور اسی لیے مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾
طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ
مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ
مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾

ع ۵۲

ہم نے اس تھور (سینڈھ) کو ظالموں کے لیے فتنہ بنادیا ہے، وہ ایک درخت ہے کہ جو دوزخ کے قعر میں سے اگتا ہے، اس کا خوشہ ایسا ہے کہ جیسے شیطانوں کے سر، پھر وہ اس میں سے کھائیں گے، پھر وہ اس سے پیٹ بھریں گے، پھر اس پر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ وغیرہ سے) ملا ملا کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دوزخ کی طرف لوٹ کر آئیں گے، کس لیے کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا، پھر وہ اُن کے پیچھے دوڑتے چلے گئے اور البتہ ان سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہوچکے ہیں۔ اور البتہ ہم نے ان میں ڈر سنانے والے بھیجے تھے۔ پھر دیکھو جن کو ڈر سنایا گیا تھا، ان کا کیا انجام ہوا مگر اللہ کے خالص بندے (محفوظ رہے)

تفسیر: اہل جنت کے درجات و لذات بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ عمل کرنے والوں کو ایسا عمل کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا تھا کہ دیکھو یہ درجات و نعماء بہتر ہیں یا تھور (سینڈھ) کا پیڑ؟ اب اس تھور کے پیڑ کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ کہ ہم نے اس کو ظالموں کے لیے فتنہ بنایا ہے۔ فتنہ کے معنی آزمائش کے بھی ہیں اور تکلیف کے بھی پہلے معنی کے لحاظ سے بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ کفار کو یہ بات سن کر اور بھی تعجب ہوا کہ جہنم میں پیڑ ہوگا، آگ تو پیڑ کو کھا جایا کرتی ہے نہ کہ پیڑ اگاتی ہے۔ (ابن جریر عن قتادہ) اب فتنہ ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ دیکھیں کون باور کرتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ اور اس معنی کی تائید یہ آیت بھی کرتی ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا اور بعض کہتے ہیں، معنی ثانی مراد ہیں کہ جہنمیوں کے کھانے میں بجائے عمدہ چیزوں کے یہ پیڑ آوے گا جو سخت تکلیف دینے والی چیز ہے۔ ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا کے دریاؤں میں ٹپک جاوے تو لوگوں کو جینا مشکل پڑ جاوے، پھر اس پیڑ کی اور بھی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ''

ل والشوب الخلط قال الفراء یقال شاب طعامہ و شرابہ اذا خلطھما بشیء ۱۲ منہ

جہنم کی تہ میں سے اُگے گا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ جس طرح جنت میں طوبیٰ کا سایہ ہر ایک گھر میں ہوگا۔ اسی طرح تمام اہل جہنم کے لیے یہ ایک درخت کافی ہوگا۔ ہر جگہ اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں آگ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے، جس کو سمندر کہتے ہیں اور آگ ہی اس کی غذا ہے، اس کا مشاہدہ ہوچکا ہے، پھر وہ تو حیوان ہو کر آگ میں رہتا ہے۔ پس پیڑ جو جسم نباتی ہے، اُس کی نسبت سخت ہے۔ بدرجہ اولیٰ رہ سکتا ہے، اس کی قدرت کی عجائب رنگینیاں ہیں، حیوان کی زندگی تنفس یعنی سانس لینے پر ہے سینکڑوں کیڑے مٹی میں ایسے دبے ہوئے رہتے ہیں جہاں ہوا کا گزر بھی نہیں اور ہزاروں جانور پانی میں رہتے ہیں، جہاں ہوا کا وجود نہیں۔ ہم ایک اور بات سناتے ہیں جس سے اس پیڑ کی کیفیت پوری سمجھ میں آجاوے گی۔ بحر شور یعنی سمندر میں جہاں پانی صاف ہوتا ہے تہ میں عمدہ عمدہ جھاڑ ہوتے ہیں۔ پتھر کی ان کی شاخیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں، جیسا کہ زمین کے جھاڑوں کی ہوتی ہیں، ان میں نمو بھی ہے اور باہر لائی جاتی ہیں تو تحجریت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اس شجرۂ زقوم کو جہنم کی آگ سے مناسبت ہو تو کیا تعجب ہے؟ ہاں ابوجہل جیسا کوئی بدعقل اور کوڑھ مغز تعجب کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ طلع شگوفہ نخستیں بر درخت خرما (صراح) اس کا گابھا ایسا ہوگا کہ جیسا شیطان کا سر، عرف میں بری چیز کو شیطان سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، اس لیے کہ اذہان بنی آدم میں شیطان نہایت مکروہ چیز ہے۔ یعنی اس پیڑ کی صورت بھی نہایت مکروہ ہوگی، جہنم میں جب کھانے کو اور کچھ نہ ملے گا تو بھوکا مرتا کیا نہ کرتا، اسی کو کھاویں گے۔ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا اور بھوک کے مارے ایسا کھاویں گے کہ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ کہ پیٹ بھرلیں گے، پھر اس کی سوزش سے پانی کے لیے محتاج ہوں گے۔ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ تو کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا، اس کے بعد پھر جہنم کی کوٹھڑیوں میں بند کردیے جاویں گے۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ یہ ان کے اعمال بد ہیں، جن کو وہ رات دن عمل میں لاتے تھے اور باز نہ آتے تھے، جس کی تفصیل خدا تعالیٰ آپ کرتا ہے۔ انهم الفوا الخ کہ بے سوچے سمجھے اپنے باپ دادا کے خراب طریقے پر دنیا میں چلا کرتے تھے۔ رسولوں کا کہنا نہ مانتے تھے۔ الاھراع الاسراع الشدید۔ فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ ضَلَّ الخ ان سے پہلے بھی بہت لوگ گمراہ ہوچکے تھے جن کی ہدایت کو ہم نے رسول بھیجے تھے، پھر دیکھو دنیا میں بھی ان کا کیا انجام ہوا، لیکن اچھے لوگ بچے رہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ
عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾
اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا
اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي
النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا

وقف لازم

ل روغ رَوَغانا میل کردن کما یقال فراغ الی اہلہ و روئے آوردن سرکشی قولہ تعالیٰ فراغ علیھم ضربا بالیمین ای اقبل۔ ۱۲ منہ

تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ
يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا
ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾
وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠٠﴾
فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾

اور البتہ نوح نے ہم کو (مدد کے لئے) پکارا تو (ہم نے ان کی مدد کی) ہم خوب فریاد رس ہیں کہ ہم نے ان کو اور ان کے کنبے کو بڑی بے چینی سے بچالیا اور اس کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا اور آنے والی نسلوں کو نوح پر دنیا بھر میں سلام بھیجنے والا کر دیا۔ ہم نیکوں کو یوں بدلا دیا کرتے ہیں۔ بے شک نوح ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے۔ پھر ہم نے اوروں کو غرق کر دیا اور البتہ نوح کے طریق پر چلنے والوں میں سے ابراہیم بھی تھے، جبکہ وہ پاک دل سے اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے۔ جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ کیا ہے جس کو تم پوجتے ہو۔ کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہ رہے ہو۔ تم نے دنیا بھر کے پروردگار کو کیا سمجھ رکھا ہے، پھر اس نے ستاروں میں ایک نگاہ کر کے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ پھر وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چل دیے، پھر ابراہیم ان کے بت خانہ میں جا پہنچے (اور بتوں سے) کہنے لگے تم (اس چڑھاوے کو) کھاتے کیوں نہیں ہو، تمہیں کیا ہوا جو بولتے بھی نہیں۔ پھر تو ابراہیم بڑے زور سے ان کے توڑنے پر پل پڑے۔ پھر جب بت پرست ابراہیم کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم نے کہا کیا تم اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کو پوجتے ہو، حالانکہ اللہ نے تم کو اور تمہارے بنائے ہوئے بتوں کو بنایا ہے۔ (بت پرست جل ہو کر) کہنے لگے ابراہیم کے لیے ایک بھٹی چنو پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ پھر انہوں نے ان سے داؤں (گھات) کرنا چاہا۔ (مگر) ہم نے انہی کو زیر کر دیا اور ابراہیم نے (جبکہ ان کے باپ نے گھر سے نکال دیا تھا) یہ کہا کہ میں خدا کی طرف جاتا ہوں وہ مجھے عنقریب رستہ بتائے گا۔ (اور یہ دعا کی) اے رب! مجھ کو نیک (فرزند) عطا کر۔ پھر ہم نے اس کو بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔

تفسیر: فرمایا تھا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اب اس جگہ بعض اولوالعزم منذرین کی تشریح کرتا ہے تا کہ ان کی امتوں کی سرکشی اور اُن پر بلا نازل ہونے اور دُنیا و آخرت میں برباد ہونے کا حال سن کر نبی ﷺ کے زمانہ کے سرکش کفار کو عبرت حاصل ہو اور ان کے حادثہ کو پیش نظر رکھیں۔ ان منذرین میں سے دو شخص بڑے اولوالعزم کا حال بیان فرماتا ہے۔ اول حضرت نوح علیہ السلام کا ان کے قصہ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ سے یہ مناسبت ہے کہ جس طرح نوح علیہ السلام کے عہد میں عالم میں گمراہی پھیلی ہوئی تھی جس کے علاج کے لیے نوح علیہ السلام مبعوث کیے گئے اور جب لوگوں نے نہ مانا تو غرق ہوئے، صرف چند ایماندار کشتی میں بچ رہے اور پھر اُسی کی نسل باقی ہے اور نوح علیہ السلام کو ہمیشہ لوگ نیکی سے یاد کریں گے۔ سلام بھیجیں گے، اسی طرح محمد ﷺ کے زمانہ بعثت میں تمام عالم کفر و بت پرستی اور ہر ایک طرح کی بدکاری سے پر تھا تو ہمات باطلہ کی پرستش ہوا کرتی تھی، ان کے علاج کو ایک ایسا زبردست حکیم بھیجا کہ جس کے علاج نے بہت جلد اثر کیا۔ نوح علیہ السلام کے عہد میں عالم غرق ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں غرق سے بچا کر منور کر دیا گیا۔ نوح علیہ السلام کا فیض کشتی میں سوار ہونے والوں کو پہنچا۔ آپ کا تمام عالم

ل والکا منصوب بتریدون الہۃ بدل منہ والمقصد ہر عبادۃ الہۃ وقیل افکا مفعول لہ الہۃ مفعول تریدون ضربا مصدر من فراغ لان معناہ ضرب یزفون بالتشدید وہ الکسر وفی لغات آخر وعلیہ وزف حشل وعدو المعنی سواء کان مخففا او مشددا الاسراع نحتون النحت بمعنی تراشیدن الجحیم من الجحمۃ وہی شدۃ تلہب النار۔ ۱۲ منہ

کی اسی طرح آپ کے عہد کے سرکش بھی ہلاک ہوئے اور آپ اور آپ کے تصدیق کرنے والے جلد سرسبز ہوئے۔ نوح علیہ السلام کی کشتی لکڑیوں کی تھی، آپ کی کشتی عترتِ پاک اور قرآن مجید ہے جو قیامت تک رہے گا۔ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، جو بوجوہ متعددہ آپ کے حال سے نہایت مناسب ہے اور دونوں قصوں کو ایک اور بھی مناسبت ہے کہ اے قریش اور اے سرکش عرب و نصاریٰ و یہود تم ذرا اپنے جدامجد کو تو دیکھو، یعنی ابراہیم کو کہ وہ کیسے موحد اور بت شکن تھے۔ تم اُلٹے ان کی اولاد اور تبع کہلا کر بت پرست بن گئے اور یہی الزام تمام عالم پر خدا تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب سے عائد ہوتا ہے۔ نوح علیہ السلام پہلے تھے اس لیے ان کا قصہ پہلے بیان ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد ہوئے ان کا قصہ بعد میں بیان فرمایا کہ ان کی قوم اور ان کا خاندان باپ تک بت پرست تھے اور ستاروں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کس حجت سے اُن کو ملزم کیا، مگر بجائے اس کے کہ خدا پرستی اختیار کرتے، ان کی ایذاء کو درپے ہو گئے۔ آگ میں ڈالنے کا سامان کیا، اللہ نے اس کو بچالیا، اس کے اوپر انہوں نے وہ وطن چھوڑ دیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ
صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا
الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ
عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾
وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ ع

پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹا خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں، پھر تو کہہ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے اس کو بجا لائیے۔ آپ مجھ کو ان شاء اللہ صابر ہی پائیں گے، پھر جب دونوں تیار ہو گئے اور اس کو ابراہیم نے منہ کے بل گرایا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیک بختوں کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں، البتہ یہ صریح آزمائش ہے اور ہم نے بڑی قربانی کو اس کا ذریعہ بنایا اور ہم نے آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا (کہ سب خدا پرست کہتے ہیں) ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیک بندوں کو ایسا ہی نیک بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے اور ہم نے اس کو (دوسرے فرزند) اسحاق کی بھی خوشخبری دی کہ وہ نبی (اور) نیک لوگوں میں سے ہوگا اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ اپنے اوپر صریح ظلم بھی کر رہے ہیں۔

ترکیب: فَلَمَّا اَسْلَمَا جوابہ محذوف ظہر صبرہما او صدقہما او نحوہ حذ اعتد البصر یین وعند الکوفیین جوابہ نَادَیْنَاہُ والواو زائدۃ و تلہ صرعہ و فی القاموس تلہ تلا من باب قتل فہو متلول وتلیل صرعہ یقال تللت الرجل اذ القیتہ والتلیل الصریع۔

تفسیر : شام کی طرف آئے پردیس میں آکر انسان کو قوت اعوانیہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اس لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ اللہ نے آپ کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا۔ حلیم کے لفظ میں یہ بات بھی بتلائی گئی کہ وہ جوان بھی ہوگا، یعنی عمر بھی اچھی ہوگی، کس لیے کہ بچے کو حلیم نہیں کہتے۔ آخر خدا تعالیٰ کے فضل سے فرزند ارجمند پیدا ہوا۔

ان آیات میں قابلِ بحث دو ہی بات ہیں۔ **اول** یہ کہ یہ بیٹے کے ذبح کرنے کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کس طرح سے پیش آیا؟ اس کی بابت ہمارے مفسروں کا یہ بیان ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھیاسی برس کی عمر میں ہاجرہ مصری کے پیٹ سے ان کی بڑی منت والتجا کے بعد پہلوٹھا بیٹا اسماعیل علیہ السلام عطا کیا جس کی نسبت یوں فرماتا ہے اور اسماعیل علیہ السلام کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس سے بڑی قوم بناؤں گا" (توریت سفر پیدائش ۱۷ باب ۲۰ درس) خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور طرح طرح سے امتحان کیا۔ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ سب باتوں میں پورے نکلے۔ ایک بڑی آزمائش یہ تھی کہ خواب میں الہام کے طور پر فرمایا کہ اگر ہماری محبت میں تو صادق ہے تو اپنے پیارے فرزند کی قربانی کر حضرت علیہ السلام نے اُس کی تعمیل کی، اُس خواب سے جو بیدار ہوئے تو سمجھے کہ امتحان مقصود ہے، خیال کیا کہ اگر یوں ہی بیٹے کو قربانی کرتا ہوں تو خاص اپنے ہی فرضِ منصبی سے ادا ہوتا ہوں، بیٹے سے بھی پوچھ کر آزمانا چاہیے کہ وہ میرا سچا جانشین ہے کہ نہیں، اگر اُس نے بھی اس حکم کو مان لیا تو میرا پورا نمونہ ہے، دونوں خدا تعالیٰ کے عاشقوں میں داخل ہوئے، وہ بھی اس سعادت میں شریک ہو ورنہ خیر میں تو حاضر ہوں اور یہ بھی مصلحت ہوگی کہ کوئی حضرت علیہ السلام پر قتل فرزند کا الزام نہ لگادے، اس لیے ان سے خواب کا معاملہ بیان کر کے پوچھا فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی کہ اب تیری کیا مرضی ہے؟ آخر وہ بھی مقبولِ کبریا اور ایسے باپ کے خلف الصدق تھے۔ فوراً کہہ دیا یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کہ آپ اس حکم کو بجا لائیے میں حاضر ہوں، صبر کروں گا شکوہ بھی زبان پر نہ لاؤں گا۔ بیٹے کو ساتھ لے کر قربان گاہ میں ذبح کرنے چلے، وہاں جا کر فرزند دلبند کو ذبح کے لیے زمین پر ڈالا چاہتے تھے کہ چھری پھیر دیں، خداوند تعالیٰ نے آواز دی اے ابراہیم! اے ابراہیم! بس بس خواب تیرا سچا ہوگیا، تو نے قربانی کردی، اس کے صلہ میں دونوں کو دارین کی سعادت و برکات عطا ہوئیں۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اور ہم نیکوں اور صادقوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، درحقیقت اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ یہ بڑی ہی آزمائش تھی۔

بیٹا تو بڑی چیز ہے اور وہ بھی بڑھاپے کا بیٹا اور اکلوتا بیٹا اور ایسا لائق اور خوبصورت بیٹا مال وآبرو بھی اس کے لیے قربان کرنا بڑے جوانمردوں کا کام ہے، مگر وہ بھی بڑی سرکار عالی ہے، کسی کی جان اور مال لیتے نہیں، صرف دیکھتے ہیں۔ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ اس کی جگہ خدا نے ایک مینڈھا موٹا تازہ دکھا کر حکم دیا کہ اس کو ذبح کردو، چنانچہ اس کو کیا اور فرزند سلامت آیا، آخرت کے درجات دُنیا کی ابد تک نیک نامی ذکرِ جمیل اس کے بدلہ میں حاصل کیا۔ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ پچھلی اُمتوں کے لوگ ہمیشہ اُن پر سلام بھیجتے ہیں اور قیامت تک بھیجا کریں گے اور کچھ ان پر موقوف نہیں۔ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ہم ہمیشہ نیکوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

ایک بیٹے کو ذبح کرنے چلے تھے، اُس کو بھی خدا نے سلامت رکھا اور ان کے خلوص کے بدلہ میں وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ اور دوسرے بیٹے اسحاق کا مژدہ بھی دیا جو نبی اور نیک بختوں میں سے تھے، چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے، جس کی نسل سے سینکڑوں بادشاہ اور ہزاروں نبی نکلے اور اُن کو خدا نے برکت دی۔ یہ ہے توحید واخلاص وایمان کا نتیجہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت نبی ﷺ کے ہم زمانہ لوگوں عرب و یہود و نصاریٰ وغیرہم کو جو ان کی ذریت کہلانے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔ یہ سناتا ہے۔ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ کہ اُن کی نسل کے لوگوں میں سے نیک بھی ہیں، جیسا کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور اُن کے پیرو اور ظالم بھی ہیں اور وہ ظلم انہی کے لیے ہے، اس کا وبال انہی پر پڑے گا، بت پرستی، بدکاری کا وہی نتیجہ پاویں گے۔ اس جملہ میں تعریض ہے کہ جو ابراہیم واسحاق واسماعیل علیہم السلام کے طریقے پر نہیں، وہ ان کی نسل سے ہونے کے فخر کو محض بیکار جانے۔ نہ وہ اس برکت کے وعدہ کا شریک ہے، ان کے بیٹے نے تو باپ کی (راہِ حق میں) یہاں تک اطاعت کی کہ جان دینے پر آمادہ ہوگئے۔ پھر یہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات بھی نہیں مانتے (کہ خدا پرستی اختیار کریں بدکاری کو چھوڑیں، اس کی نسل کے مقدس رسول آخر الزمان علیہ السلام کے کہنے پر چلیں) تو کیسے فرزند ہیں؟ یہی مقصود ہے، اس قصہ سے **دوسری بات** قابلِ بحث یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں میں سے کون سے کے لیے ذبح کا حکم ہوا تھا؟ عمر وعلی وعباس بن عبدالمطلب وابن مسعود وکعب احبار وقتادہ وسعید بن جبیر ومسروق وعکرمہ وزہری وسدی ومقاتل رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور یہود و نصاریٰ بھی اسی کے قائل ہیں اور توریت سفر پیدائش کے بائیسویں باب میں بھی یہی ہے۔

اور ابن عباس وابن عمر وسعید ابن المسیب وحسن بصری وشعبی ومجاہد وکلبی وغیرہم علماء کا ایک جم غفیر یہ کہتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا۔ مفسرین نے فریقین کے دلائل کو نقل کیا ہے، ابن جریر مفسر نے پہلے قول کی تائید کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں دوسرے قول کی بڑی تائید کی ہے۔

فریقین نے دلائل میں قرآن مجید کے قرائن اور احادیث واقوال سلف کو پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی بابت ہماری یہ رائے ہے کہ ان سے دوسرے قول کی تائید نکلتی ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم بیان کریں گے اور احادیث کی بابت ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ جہاں تک ہم نے فریقین کی احادیث پیش کردہ پر نظر ڈالی، یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی صحیح حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔

اب ہم وہ دلائل بیان کرتے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

اوّل یہی آیات ثابت کر رہی ہیں، کس لیے کہ یہاں یہ ہے۔ وَهَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ کہ الٰہی مجھے نیک لڑکا عطا کر جس کے بعد فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ کہ ہم نے اُس کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا، پھر اُسی حلیم لڑکے کا یہ تذکرہ ہے کہ فلما بلغ معه السعی الخ کہ وہ ہوشیار ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے اُس سے خواب بیان کیا کہ میں نے تجھ کو خواب میں ذبح ہوتے دیکھا ہے، پھر سب قصہ اُسی غلام حلیم کا ہے اور اُس کے بعد فرمایا۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ کہ ہم نے اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کا مژدہ دیا اور اسحاق کو نبی صالح کے وصف سے یاد کیا جیسا کہ اس کو حلیم کے وصف سے یاد کیا تھا۔ یہ صاف قرینہ ہے کہ وہ غلام حلیم کوئی اور لڑکا تھا، اسحاق کے سوا ورنہ پھر بار دگر اس کے اعادہ کی کیا ضرورت تھی اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اسحاق علیہ السلام سے پہلے بجز اسماعیل علیہ السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ یہی اُن سے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے تخمیناً چودہ برس بڑے تھے، ہم اسی پر بس کرتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے اس پر ایک بڑا قوی شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ توریت سفر پیدائش کے ۲۲ باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نہیں بلکہ اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور موریہ پہاڑ پر قربان گاہ میں ذبح کر کے آگ میں جلانے لے گئے تھے، اس کا جواب بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ بارہا دلائل سے ہم ثابت کرچکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس جو بالفعل ایک کتاب توریت کے نام سے موجود ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی توریت نہیں بلکہ ایک مجموعہ ہے، اس کے مضامین ودیگر قصص وحکایات ودستورات کا پھر یہ بھی تحریف سے خالی نہیں ہے، اس کے بھی اہل کتاب کے محققین مقر ہیں، پھر اس کتاب پر خصوصاً اُن مواقع میں جہاں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اسماعیل علیہ السلام کی فوقیت

ثابت ہو، کسی طرح سے اعتبار نہیں ہو سکتا اور جبکہ ہم بہت سے تاریخی واقعات میں غلطی دیکھتے ہیں، پھر کیونکر وثوق کریں؟

موابی لوگوں کا بنی اسرائیل سے جھگڑا رہا کرتا تھا، ان کو ولد الحرام بنانے کے لیے توریت میں یہ بھی لکھ مارا کہ لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا، اس سے یہ لوگ پیدا ہوئے۔ (معاذ اللہ)

اسی طرح حضرت خاتون ہاجرہ کو جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ لونڈی لکھ دیا، حالانکہ نہ ان کی کہیں بیع ثابت ہے نہ ان کا جہاد میں آنا۔ شاہ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا تھا، ان کی بزرگی کا معتقد ہو کر اور دراصل وہ شاہ مذکور کی بیٹی تھی۔ قدیم زمانہ میں ہندو کے راجوں میں بھی یہی دستور تھا، اب اس سے ان کو لونڈی سمجھ لیا، حالانکہ قطورہ لونڈی کی اولاد کے لیے کوئی بھی توریت میں برکت کا وعدہ نہیں اور طرہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین میں دونوں بھائی اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کا شریک ہونا بھی لکھا ہے۔

اب غور کرو کہ انہیں یہود میں سے ایک فریق سامری ہے، ان کے پاس بھی ایک توریت ہے اور بیت المقدس کے مقابلہ میں انہوں نے بھی اپنی ایک ہیکل تعمیر کی تھی اور اپنی توریت میں اپنی ہی ہیکل کے لیے الفاظ بنائے جس پر وہ یہود کو ملزم کرتے ہیں۔

قرائن کے مطابق یہی ہے کہ یہ ذبح کا واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا، کیونکہ یہ بڑے بیٹے تھے اور برکت کا ان سے وعدہ بھی تھا اور بڑے کا حق ہمیشہ سے ملحوظ رہا ہے اور اس وقت تک یہی بیٹے تھے اور کوئی نہ تھا۔ رہی یہ بات کہ ان کو مکہ میں آ کر ذبح کرنا چاہا تھا، سو یہ ظاہر ہے کہ آپ یہیں تشریف لائے تھے اور بارہا آمد و رفت رہتی تھی۔ اسماعیل علیہ السلام بھی شام میں آتے جاتے تھے۔ یہ ذبح کا واقعہ بمقام منیٰ مکہ کے پاس ہوا ہے جس کی یادگار قربانی چلی آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝١١٤ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝١١٥ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝١١٦ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝١١٧ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝١١٨ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝١١٩ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝١٢٠ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٢١ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٢٢ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٢٣ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٢٤ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝١٢٥ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٢٦ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝١٢٧ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝١٢٨ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝١٢٩ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۝١٣٠ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٣١ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٣٢

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر (بار بار) احسان کیا اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی مدد کی پھر تو وہی غالب رہے اور ان دونوں کو [illegible] کتاب دی اور ان کو سیدھا راستہ دکھایا اور ان کے لیے آیندہ نسلوں میں یہ باقی رکھا (کہ لوگ کہتے ہیں) موسیٰ اور ہارون پر سلام اور ہم نیکوں کو ایسا

بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں (اے نبی!) اور بے شک الیاس بھی رسولوں میں سے ہیں، جبکہ انہوں نے اپنی قوم [illegible] تم کیوں نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو۔ اللہ کو جو کہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے۔ [illegible] انہوں نے اس کو جھٹلایا تو وہ عذاب میں گرفتار کیے گئے مگر اللہ کے خالص بندے (محفوظ رہے) اور پچھلی امتوں میں ہم نے ان پر یہ چھوڑا کہ الیاس پر سلام ہو۔ ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ : یہ تیسرا قصہ حضرت موسیٰ و ہارون علی نبینا وعلیہما السلام کا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے نہایت مناسبت رکھتا ہے، اس جگہ ان دونوں بھائیوں کی نسبت صرف یہی مقصود تھا کہ ان دونوں کو اور ان کی برکت سے ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے رہائی دی۔ شاہ مصر کی قید اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے اور نہ صرف بلا سے بچایا بلکہ فرعونیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے غالب کر دیا کہ ان کا داؤ نہ چلا، صاف ملک مصر سے مصریوں کا مال و زیورات لے کر نکل آئے اور اے عرب! تمہاری بہتری بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] میں ہے، تم بھی انہی کی برکت سے ملکوں کے مالک ہو جاؤ گے اور ان دونوں کو روشن کتاب یعنی توریت دی تھی، جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو [illegible] دیا اور ان کو راہ راست کی ہدایت کی جس طرح کہ حضرت کو اور دنیا میں ابد تک ان کا ذکر جمیل باقی چھوڑا، پچھلی امتیں ان پر سلام بھیجتی [illegible] اور نیکوں کا یہی بدلہ ہوا کرتا ہے۔

[illegible] الیاس کا قصہ : وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ چوتھا قصہ حضرت الیاس علیہ السلام کا ہے۔ کتاب السلاطین کے سترہویں باب سے یہ [illegible] ہوتا ہے کہ یہ جلعاد شہر کے رہنے والے تھے جو ملک شام میں ہے اور اخی اب بادشاہ بنی اسرائیل والی شہر سمرون کے عہد میں تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً نو سو دس برس پیشتر، یہ یاہو نبی کے بعد مبعوث ہوئے تھے۔ دوسری کتاب السلاطین کے پہلے باب میں یہ ہے۔ [illegible] اخی آب کے بیٹے نے چند قاصد بھیجے کہ جاؤ عقرون کے معبود بعل زبوب سے پوچھو کہ میں اس بیماری سے چنگا ہوں گا کہ نہیں۔ اس [illegible] نے حضرت الیاس علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ ان قاصدوں سے کہہ دے کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر بعل سے پوچھا تو اپنے بستر پر مرے گا، قاصد [illegible] پاس آئے اور کہا ایک شخص نے ہمیں یہ کہہ کر واپس بھیجا ہے، بادشاہ نے اس کی شکل پوچھی تو انہوں نے کہا کہ وہ بہت بالوں والا [illegible] تھا اور چمڑے کے تسمے سے اپنی کمر کسے ہوئے تب اس نے کہا وہ تسبی ایلیاہ تھا۔

ان حضرت نے اخی اب کے عہد میں ایک سخت قحط پڑنے کی خبر بھی دی تھی اور ان کو وادی کریب میں رہنے کا حکم ہوا تھا جو یردن ندی کے [illegible] ہے اور صبح و شام کوئی ان کے لیے گوشت و روٹی لاتے تھے اور نالہ کا پانی پیتے تھے، جب نالہ بھی خشک ہوا تو ان کو حکم ہوا کہ اٹھ اور شہر [illegible] سارپت کو جا وہاں ایک بیوہ تیری پرورش کرے گی۔ سو یہ آئے اور بیوہ سے کھانے پینے کو کچھ مانگا، اس نے کہا مٹکے میں تھوڑا سا آٹا [illegible] میں کچھ تیل ہے جس سے ایک ٹکیا تلی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس لا وہ لائی آپ کی برکت سے قحط کے دنوں تک وہ آٹا [illegible] کم نہ ہوا، پھر اس بیوہ کا بیٹا مر گیا تھا، ان کی دعا سے زندہ ہوا (کتاب السلاطین ۱۷۔ باب) اخی اب شاہ سمرون نے سینکڑوں نبی قتل [illegible] والے تھے، عبدیاہ دیوان نیک تھا، صرف اس نے چند کو بچایا۔ ایلیاس کی تلاش تھی خدا کا حکم ہوا کہ اخی اب سے مل۔ یہ ملے اور باہم [illegible] ہوئی، آخر ان میں اور بعل کے کئی سو پجاریوں میں امتحان کی ٹھہری کہ دیکھیں کس کا معبود قدرت دکھاتا ہے؟ آخر حضرت ایلیاہ علیہ السلام [illegible] آئے۔ یہ معرکہ کرمل پہاڑ کی چوٹی پر گزرا تھا اور ان پجاریوں کو ایلیاہ نے وادی قیسون میں لا کر قتل کیا اور بارش کی دعا مانگی۔ خدا تعالیٰ [illegible] کیا، مگر اس پر بھی ایزبل اس شاہ کے شریر اور بت پرست وزیر نے ایلیاہ علیہ السلام کی ہلاکت کا قصد کیا۔ ایلیاہ وہاں سے بیر سبع آئے، [illegible] سے جنگل میں چلے گئے، پھر حورب پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے، وہاں کچھ دنوں کے بعد ان کو حکم ہوا کہ دمشق کو جا اور حزئیل کو [illegible] کہ وہ ارام کا بادشاہ ہووے اور نمسی کے بیٹے یاہو کو مسوح کر کہ اسرائیل کا بادشاہ ہووے اور سفط کے بیٹے الیسع کو مسوح کر کہ

تیری جگہ نبی ہووے، چنانچہ ایسا ہی کیا۔ پھر الیسع کو ساتھ لے کر یردن پار اترے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آتشی رتھ آتشی گھوڑے جوتے ہوئے نمودار ہوا، اس میں سوار ہو کر ایلیاہ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔ (۲ کتاب السلاطین ۲ باب)

ان کو ایلیاہ بھی کہتے ہیں اور الیاس علیہ السلام بھی اور عرب کے لوگ الیاسین بھی کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ کوہ سینا، کوہ سینین۔ بعض کہتے ہیں جب ان کے اتباع کا لحاظ کرتے ہیں تو الیاسین کہتے ہیں ورنہ الیاس۔

اُس زمانہ میں بعل[1] ایک بت تھا، کسی عورت یا کسی اور چیز کے نام کا بہت لوگ اسی کی پرستش کیا کرتے تھے، اسرائیل کا بے ایمان بادشاہ بھی اسی بلا میں گرفتار تھا۔ بعلبک شہر جو اب تک موجود ہے، اسی کے نام سے نامزد ہے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۱۳۳) اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ (۱۳۴) اِلَّا عَجُوْزًا فِى
الْغٰبِرِيْنَ (۱۳۵) ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ (۱۳۶) وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ (۱۳۷) وَبِالَّيْلِ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۳۸) وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۱۳۹) اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (۱۴۰)
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (۱۴۱) فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ (۱۴۲) فَلَوْلَآ اَنَّهٗ
كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (۱۴۳) لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (۱۴۴) فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ
سَقِيْمٌ (۱۴۵) وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ (۱۴۶) وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ
اَوْ يَزِيْدُوْنَ (۱۴۷) فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (۱۴۸)

اور البتہ لوط بھی رسولوں میں سے ہے، جبکہ ہم نے اُس کو اور اُس کے سب کنبہ کو بچالیا، مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی، پھر اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا اور البتہ تم ان کی بستیوں پر سے صبح ہوتے اور رات کو بھی گزرتے ہو، پھر کیوں نہیں سمجھتے اور البتہ یونس رسولوں میں سے ہے، جبکہ وہ بھاگ کر بھری کشتی کی طرف آیا، پھر ان کے نام کا قرعہ نکلا تو دریا میں پھینک دیے گئے۔ پھر ان کو مچھلی نگل گئی اور وہ بہت ہی شرمندہ تھے، پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو اس کے پیٹ میں حشر تک پڑے رہتے۔ پھر ہم نے اُس کو چٹیل میدان میں لا ڈالا اور وہ بیمار تھے اور اس پر ہم نے کدو کا ایک پیڑ اگا دیا اور اُس کو لاکھ آدمیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کی طرف بھیجا۔ پھر وہ ایمان لائے تو اُن کو ایک وقت تک رسا بسایا۔

تفسیر: وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ پانچواں قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے، بحیرہ مردار کے پاس چند بستیاں تھیں۔ سدوم عمورہ وغیرہ وہاں حضرت رہتے تھے، ان لوگوں کو بدفعلی کی عادت تھی، لڑکوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے۔ حضرت نے بہت کچھ سمجھایا، آخر نہ مانے خدا نے اُن کو ہلاک کیا۔ لوط علیہ السلام اور اُس کا خاندان بجز بیوی کے سب بچے باقی سب برباد ہو گئے۔۱۱

1. یہ بائیس ہاتھ کا بت سونے کا یا کسی عمدہ دھات کا تھا۔ چار سو پچاس پجاری تھے۔ جو نیز بھلاتے تھے لوگوں کو غیب کی خبریں دیا کرتے تھے خلقت ان سے مراد مانگنے آتی تھی نذریں چڑھاتی تھی ایک بڑی پرتکلف درگاہ بنا رکھی تھی اور اس کی تعظیم ادب کے قاعدے مقرر کر رکھے تھے یہ بدبخت مجاور نئی نئی کرامات حکایات لوگوں کو سناتے تھے کہ فلاں کی یہ مراد بعل نے وہ فلاں نے نذرانہ ادا کیا تھا اس کو یوں برباد کیا سجدہ کیا کرتے تھے اس کے آگے قربانی ہوتی تھی باجے بجا کرتے تھے ایک عجب ٹھاٹھ بنا رکھا تھا جو حضرت الیاس علیہ السلام کے ہاتھ سے منہدم ہو گیا۔۱۲ منہ

بستیاں الٹی گئیں۔ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ قریش شام کے ملک میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے تھے، یہ الٹی ہوئی بستیاں اُن کو رستے میں ملتی تھیں، کبھی قافلہ کو رات وہاں پڑتی تھی، کبھی صبح ہوتے قافلہ وہاں سے نکلتا تھا۔ یہ ہیں معنی مُصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ کے فرماتا ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تو پھر بھی عبرت نہیں کرتے۔ پیغمبر کی مخالفت سے باز نہیں آتے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ یہ چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے جس کا مفصل بیان ہم سورۂ یونس میں کر آئے ہیں۔ یہ حضرت بھی بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ عبرانی میں اُن کو یونہ کہتے ہیں۔ متی ان کے والد کا نام ہے۔ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو باسٹھ برس آگے ان کو حکم ہوا کہ شہر نینوہ میں جا کر منادی کرے۔ انہوں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ حلیم و غفار ہے، جس عذاب کا میں ان سے وعدہ کروں گا، اُس کے موافق شاید ان پر بلا نہ آئے، میں جھوٹا پڑوں اس لیے وہاں سے بھاگ کر شہر ترسیس کو چلے اور یافہ سے جو جہاز ترسیس جانے کو تھا، اُس میں سوار ہو گئے۔ رستہ میں سخت طوفان آیا، قرعہ ڈالا گیا کہ کس کے سبب سے یہ بلا آئی ہے؟ انہی کا نام نکلا۔ ملاحوں نے ان کو سمندر میں ڈال دیا، مچھلی نے لقمہ کر لیا، اُس کے پیٹ میں جا کر خدا تعالیٰ سے دعا کی اور تسبیح و تقدیس کی جس کے سبب ان کو مچھلی نے کنارہ پر اگل دیا، اگر یہ دعا و تسبیح نہ کرتے، وہیں مر کر[1] رہ جاتے، قیامت تک سمندر ہی میں رہتے۔ مچھلی کے اندر تین رات دن رہنے سے بیمار ہو گئے تھے، بدن کی کھال گل گئی تھی، خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس پر چھاؤں کرنے کو کدو کی قسم سے ایک پیڑ اگا دیا۔ یقطین یفعیل من قطن بالمکان اذ قام بہ والاکثر علی انھا کانت الدباء غطتہ بوراقھا عن الذباب (بیضاوی)

پھر ان کو حکم ہوا کہ اُٹھ اس بڑے شہر نینوہ کو جا اور وہاں اس بات کی منادی کر جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں، تب یونس علیہ السلام نینوہ[2] گئے۔ نینوہ کا احاطہ یا شہر پناہ تین دن کی راہ تھی، اس میں لاکھ آدمی[3] سے زیادہ رہتے تھے۔ مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ یہ تخمینہ دیکھنے والے کے محاورہ کے مطابق ہے کہ اس کو دیکھنے والا یہ خیال کرتا تھا، ورنہ خدا کو اصلی تعداد معلوم تھی اور ہے۔ شہر میں جا کر وعظ کیا اور بت پرستی کی سزا میں عذاب الٰہی نازل ہونے کی خبر دی، لوگوں نے اور وہاں کے بادشاہ نے توبہ کی اور سب نے روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ حیوان کے بچوں کو بھی کھانے پینے سے باز رکھا اور سب گریہ وزاری میں مصروف ہو گئے۔ خدا نے عذاب ٹال دیا، مگر یونس علیہ السلام سخت رنجیدہ ہوئے کہ میں لوگوں کی نظروں میں جھوٹا ٹھہرا اور عرض کی کہ خداوندا میں تجھے پہلے ہی سے جانتا تھا کہ تو رحیم و کریم ہے۔ غصہ کرنے میں بڑا دھیما ہے، اس لیے میں نینوہ آنا پسند نہیں کرتا تھا اور ترسیس کو بھاگا تھا۔

یونس علیہ السلام شہر کے باہر ایک جھونپڑی بنا کر شہر کا حال دیکھنے کے لیے بیٹھ گئے، ان پر سایہ کرنے کو ایک ارنڈی کا پیڑ اگا۔ اگلے دن اُس کو کیڑے نے کاٹ دیا، وہ سوکھ گیا جس سے یونس علیہ السلام کو رنج ہوا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا، تجھے ایک درخت پر رحم آیا جو تیری محنت[4] سے نہ پیدا ہوا تھا، پھر میں ایسے شہر پر کیوں رحم نہ کرتا؟ یہ بھاگنا اور نینوہ آنے سے انکار کرنا اور عذاب نہ آنے سے رنجیدہ ہونا خدا تعالیٰ اور اُس کے نبی میں راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ یہ معصیت نہیں۔ اگر یہ گناہ ہے تو انہی کی شان کے خلاف بات ہونے کے لحاظ سے گناہ ہے۔ جس پر وہ استغفار کرتے اور معافی چاہتے تھے۔ قانون شریعت کے برخلاف کے گناہ نہ تھے۔

1. اے لصار بطن الحوت له قبرا الی یوم البعث ۱۲ منہ
2. شہر موصل کے قریب یہ شہر آباد تھا۔۱۲ منہ
3. ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ کتاب یونہ باب ۵ ورس ۱۱۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے او یزیدون کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا بیس ہزار (ترمذی) بعض روایات میں آیا ہے تیس ہزار ایک لاکھ۔۱۲ منہ
4. بعض کہتے ہیں ار یعنی و یعنی لاکھ اور اس سے زیادہ۔۱۲ منہ

فَسَاهَمَ المساہمۃ الاقتراع قرعہ انداختن، المُدْحَضِيْنَ المغلوبین یقال وحضت حجتہ وادحضہا اللہ واصلہ الزلق من مقام الظفر ملیم نادم، شرمندہ من الملامۃ العراء الصحر او میدان جنگل چٹیل، بحرروم کا کنارہ جہاں بجز ریت کے اور کچھ نہیں تھا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۱۴۹﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿۱۵۰﴾ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۵۲﴾ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۵۴﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۵﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۶۰﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۱﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ﴿۱۶۲﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۱۶۳﴾

پس (اے نبی!) اُن سے پوچھو کہ کیا آپ کے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ دیکھ بھی تو رہے تھے۔ دیکھو، جھوٹ کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی ہے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹیوں کو بیٹوں سے زیادہ پسند کیا ہے۔ تمہیں کیا ہوا تم کیسا حکم لگاتے ہو۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی کھلی ہوئی سند ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب تو پیش کرو اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ قائم کیا ہے۔ حالانکہ جن خود جان چکے ہیں کہ یہ پکڑ کر لائے جائیں گے (قیامت کے دن) اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں، مگر اللہ کے خالص بندے (جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں) پھر تم اور جن کو تم پوجتے ہو خدا سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اسی کو جو خود جہنم میں جانے والا ہے۔

تفسیر: فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ انبیاء ﷺ کے قصے بیان فرما کر مذاہب مشرکین اور اُس کے قبح کی طرف پھر رجوع کرتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ عرب خصوصاً قریش کے چند قبائل سلیم، خزاعہ، جہینہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر ان سے مدد مانگتے تھے اور ان کے نام کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے، ان کے رد میں فرماتا ہے کہ ان سے یہ تو پوچھو کہ بیٹیوں کا ہونا تم پسند نہیں کرتے ہو، بیٹوں کے مقابلہ میں پھر خدا کیوں پسند کرنے لگا؟

دوم خود فرشتوں کا اناث ہونا ان کو یا تو حس سے معلوم ہوا، سو وہ بھی غلط ہے کس لیے کہ ان لوگوں نے ان کو دیکھا نہیں۔ چہ جائیکہ پیدا ہونے کے وقت دیکھا ہو، اس بات کو اس آیت میں بیان فرماتا ہے۔ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ یا کسی کی خبر سے کہ کسی مخبر صادق نے ان کو اس بات کی خبر دی ہو، سو یہ بھی نہیں اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ کہ وہ محض جھوٹ کہتے ہیں۔ از خود گھڑ کر کسی نے ان کو یہ خبر نہیں دی ہے، یعنی تو ہم باطل و خیال فاسد ہے یا کسی دلیل عقلی سے ثابت ہوا ہو، سو یہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات میں اکمل ہے اور اکمل خسیس کو نہیں پسند کیا کرتا ہے بلکہ اپنے لیے عمدہ چیز پسند کرتا ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ یہ تو ان کے خلاف میں دلیل عقلی تھی۔ اب ان سے دلیل عقلی ان کے مطلب پر طلب کرتا ہے، أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ الخ کہ اب تم کوئی دلیل

نقلی ہو تو لاؤ، اگر سچے ہو اور دلیل ان کے پاس کوئی بھی نہیں، پس ثابت ہوا کہ وہ صریح غلطی میں ہیں۔

مجوس کے مذہب کے بھی بعض قبائل عرب معتقد تھے، ان کا مذہب ہے کہ شیطان خدا کا بھائی ہے، پس جو نور و خیر محض ہے وہ اللہ ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور جو ظلمت و شر ہے، اُس کا نام اہرمن ہے، یعنی شیطان جو از قسم جن ہے۔ اس بات کو اس آیت میں رد کرتا ہے۔ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا الخ کہ ان لوگوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ برادری قائم کیا ہے، حالانکہ جنوں کو خود معلوم ہے کہ اس بات کے کہنے والے محضرون پکڑے جاویں گے، یعنی جن بھی ان کو جھوٹا جانتے ہیں یا یہ معنی کہ جن جانتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے رشتہ دار نہیں بلکہ محکوم و مخلوق ہیں، اس کے آگے یا اس کے حکم قضاء و قدر کے آگے وہ محضرون ہیں، عاجز ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الجنۃ سے مراد فرشتے ہیں، عرب کے بعض قبائل یہ خیال کرتے تھے کہ خدا نے جنیوں کو جورو بنایا اور ان سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ ہنود بھی دیوی اور دیوتاؤں کی نسبت ایسے ہی خیالات فاسدہ پکائے ہوئے ہیں اور غیر محسوس چیزوں کی نسبت جہلاء عامہ ایسی ہی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اُن کے خیالات فاسدہ سے اپنی پاکیزگی اور برأت بیان فرماتا ہے۔ فقال سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ کہ اللہ تعالیٰ اُن کی باتوں سے جو وہ بناتے ہیں کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں، وغیرہ پاک ہے إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ استثناء منقطع ہے۔ یہ معنی لیکن اللہ کے مخلص یعنی خاص اور خالص بندے ایسی باتیں نہیں بناتے، اس کے بعد کفار کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ کہ تم اور تمہارے معبود کہ جن کو تم خیر و شر کا مالک جان کر پوجتے ہو، ان بے ہودہ باتوں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اسی کو کہ جس کی تقدیر میں دوزخ لکھا ہے۔ فاتنین مضلین یقال فتن الرجل وافتتنہ ویقال فتنہ علی الشی و افتنہ ویقال فتن فلان علی فلان امراتہ ای افسدہا علیہ فالفتنۃ ههنا بمعنی الاضلال والافساد، صال، جمہور نے بکسر لام پڑھا ہے، کیونکہ ناقص اور مضاف ہے، ی التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی۔

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ﴿۱۶۴﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿۱۶۵﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۶﴾ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۱﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿۱۷۲﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۷۴﴾ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۷۵﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۷۶﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۷۸﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۲﴾ ع

(فرشتے کہتے ہیں) اور ہم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس کے لیے ایک درجہ معین نہ ہو اور ہم ہی ہیں جو عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور ہم اس کی

تسبیح کیا کرتے ہیں اور البتہ عرب کے کافر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کا کوئی تذکرہ ہوتا تو ہم اللہ کے خالص بندے ہو جاتے۔ پھر وہ اس سے منکر ہو گئے، پھر ابھی معلوم کر لیں گے اور البتہ ہمارے بندوں کے لیے ہمارا حکم پہلے سے ہو چکا ہے کہ انہی کی مدد کی جاوے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔ پھر آپ ان سے ایک وقت تک منہ موڑے رہو اور ان کو دیکھتے رہو۔ سو وہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ پھر کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں، پھر جب وہ ان کے میدان میں آ اترے گا تو جن کو ڈر سنایا جا چکا ہے ان کی کیا ہی منحوس صبح ہوگی اور ان سے ایک وقت تک منہ موڑے رہئے اور دیکھتے رہئے سو وہ بھی دیکھ لیں گے (کیا نتیجہ ملتا ہے)۔ آپ کا رب جو رب العزت ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں ان سے پاک ہے اور رسولوں پر سلام اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ملائکہ کے وہ صفات اُن کی زبانی اقرار کے موافق بیان فرماتا ہے کہ جن سے اُن کا بندہ اور اُس کی مخلوق ہونا ثابت ہو جاوے اور مشرکین کا خیال رد ہو جاوے فقال (۱) وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ (۲) وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ، (۳) وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یہ تین صفت ملائکہ کی ہیں کہ وہ یہ تین باتیں آپ کہتے ہیں، ان کا اقرار کرتے ہیں۔ پہلی صفت یہ کہ ہر ایک فرشتہ کا ایک درجہ معین ہے، اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ عام ہے کہ وہ درجہ تصرفات عالم سفلی وعلوی کا ہو یا عبادات و تقرب کا ہو جو کام جس کو اور جو مرتبہ جس کو دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتا۔ دوسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ حکم الٰہی بجا لانے کے لیے یا عبادت کے لیے ہر گھڑی صف بستہ کھڑے رہتے ہیں، کسی بات میں کچھ بھی سرتابی نہیں کر سکتے۔ پھر جب ان کا یہ حال ہے تو وہ بیٹی اور بیٹے کیونکر ہوئے؟ اور کسی کو بغیر حکم الٰہی کے کیا نفع و نقصان دے سکتے ہیں؟ تیسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ کہتے ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کا بری باتوں سے پاک ہونا بیان کرنا اور دل میں اس کا عقیدہ رکھنا۔ اگر ان تینوں صفتوں کو ملایا جاوے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ہر ایک فرشتہ کے لیے بارگاہ رب العزت میں ایک مقام معین ہے، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اُسی حد پر صف باندھے ہوئے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ کلمات حصر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل عبادت و معرفت کے مقابلہ میں بندوں کی معرفت و عبادات محدود بلکہ کالعدم ہے۔ (تفسیر کبیر)

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ الخ مشرکین کے خیالاتِ باطلہ کا رد کر کے ان کی نبی علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے جو تمنا تھی، اس کو بیان کر کے اُن کو نادم کرتا ہے کہ پہلے تو وہ یہود و نصاریٰ کی سرکشی و ہلاکت کا حال سن کر یہ کہتے تھے کہ اگر پہلوں کی کتابوں میں کی کوئی کتاب تورات وانجیل جیسی ہمارے پاس ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے ہو جاتے، اُس پر خوب عمل کرتے، پھر جب وہ کتاب یعنی قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ ان کے پاس آئے تو اُس کے منکر ہو گئے، اب اس انکار کا نتیجہ ان کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا، جو کچھ ہم نے رسولوں کی معرفت فرمایا ہے۔ وہ سچ ہو کر رہے گا اور ہمارا گروہ غالب رہے گا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ وہ کس لیے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور ہمارا عذاب جب کسی قوم پر آتا ہے تو اُن کا برا دن اور اُن کی صبح بری صبح ہوتی ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو تھوڑے زمانہ تک ان سے اعراض کر اور صبر کر اور دیکھتا رہ وہ آپ دیکھ لیں گے، اس میں فتح بدر و دیگر فتوحات کی طرف بھی اشارہ ہے اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ بلا پیش آنے والی ہے اُس کی طرف بھی۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ سورہ کو کن عمدہ مطالب کی طرف اشارہ کر کے تمام کرتا ہے۔ فقال سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، عاقل کے لیے تین باتوں کی معرفت اور علم اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔ (۱) خدا تعالیٰ اور اُس کے صفات کا جاننا حق المقدور اور اُس کے صفات تین قسم کے ہیں۔ اول تمام عیوب و نقص سے اُس کو پاک جاننا اس کے لیے لفظ سبحان آیا۔ دوم اس کے لائق صفات الوہیہ سے واقف ہونا اس کے لیے رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ آیا۔ ربوبیت، حکمت و رحمت، علم و قدرت پر دال ہے۔ عِزَّةِ کمال قدرت و جبروت پر۔ سوم یہ کہ وہ اپنی خدائی میں شریک ہونے سے پاک ہے، اس کے لیے عَمَّا يَصِفُوْنَ آیا۔ (۲) یہ کہ انبیا

ان لوگوں کا طریقہ ایسا ہے کہ جس کے اختیار کرنے سے سعادتِ دارین حاصل ہو اور سلامتی اور ذکرِ جمیل کے قابل ٹھہرے؟ سو وہ رسولوں کا طریقہ ہے، اس کی طرف وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ میں اشارہ ہوا کہ ان پر سلامتی ہے۔ (۳) مرنے کے بعد کیا ہوگا اور کیا پیش آوے گا؟ اس بات کی طرف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اشارہ کیا کہ جو شخص ہر ایک ستائش کے قابل ہے اور وہ تمام عالم کا مربی اور خیرِ محض ہے، مرنے کے بعد رسولوں کے مطیع کو اُس کی ربوبیت و رحمت حیاتِ ابدی و سرور سرمدی عطا کرے گی۔ الٰہی ہم کو بھی نصیب کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِى الذِّكْرِ ﴿١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿٢﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ
مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٤﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا
وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى
اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ يُّرَادُ ﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِى الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ
اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا

قسم ہے قرآن کی جو سراسر نصیحت ہے (ہمارا نازل کیا ہوا ہے) پر منکر سرکشی اور مقابلہ میں پڑتے ہیں، ان سے پیشتر ہم بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، پھر وہ چلانے لگے مگر بے سود) کیونکہ رہائی کا وقت نہ رہا تھا اور منکر تعجب کرنے لگے کہ انہی میں سے ایک شخص ڈرانے والا آیا اور منکر کہہ اٹھے کہ یہ تو جادوگر بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود کر دیا، البتہ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے اور اُن میں سے سردار یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ اٹھ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ تو ایک فریب کی بات ہے۔ یہ بات تو ہم نے پچھلے دین میں بھی نہیں سنی تھی۔ یہ تو ایک بنائی ہوئی بات ہے۔ کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت اتاری گئی۔

ترکیب: ص قرء الجمهور باسكان الدال وقرئ بكسر بالالتقاء الساكنين اولكونه امرا من صادى الشيء، قابله وعارضه اى عارض بعملك القرآن وقرئ بالفتح للتحريك و القرآن الواو للقسم وقيل معطوف على القسم وهو صاد وجواب القسم محذوف لقد جاءكم الحق اوما يناسب المقام، لات التاء زيدت على لا كما تزاد على رب وثم ربة وثمة واكثر العرب تحرك هذه التاء بالفتح واما فى حالة الوقف فبعضهم يقف بالتاء لان الحروف بعضهم بالهاء حين على مذهب سيبويه خبر لات واسمها محذوف لانها عملت عمل ليس اى الحين حين هرب وعند الاخفش هى العاملة فى باب الحين فحين اسمها وخبرها محذوف اى لا حين مناص لهم والجملة حال من فاعل نادوا اى استغاثوا والحال انه لم يبق وقت الهرب۔

تفسیر: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (وقالہ القرطبی) ترمذی ونسائی واحمد وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید و حاکم و بیہقی وابن جریر وابن المنذر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے تو کفارِ قریش کہ جن میں ابو جہل بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ کی شکایت کرنے آئے کہ محمد (ﷺ) ہمارے معبودوں کی ہجو کیا کرتے ہیں۔ ابو طالب نے ان کے سامنے آپ سے پوچھا، آپ نے

مناص مصدر من ناص ینوص ینوص اى فر ورا غ يقال ناص عن قرنه۔ ۱۲ منه اصله نوص من ناص ينوص معناه گریختن و خویشتن باز کشیدن ولات حین مناص اى ليس وقت تاخر و فرار۔

فرمایا کہ میں ایک ہی بات ان سے کہتا ہوں۔ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جاوے اور عجم جزیہ دیوے لوگوں نے کہا ایک کیا دس بات ایسی ہوں تو مان لیتے ہیں۔ فرمایئے، وہ ایک بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ یہ سننا تھا کہ کپڑے جھاڑتے ہوئے خفا ہو کر یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ سب معبودوں کا ایک معبود کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے، اس پر یہ سورہ ص نازل ہوئی بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ تک۔

ص حروفِ مقطعات میں سے ہے، ان کے متعلق ہم کئی جگہ بحث کر چکے ہیں۔ قرآن مجید کی قسم کھا کر اور اس کا معزز اور نصیحت ہونا (ذی الذکر) ثابت کر کے یہ فرماتا ہے کہ توحید ہی کا مسئلہ برحق ہے۔ بت پرستی باطل ہے۔ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ توحید خدا پرستی میں کوئی شک و تردد کی گنجائش نہیں بلکہ منکر لوگ تکبر اور ضد کی راہ سے نہیں مانتے اور تکبر اور ضد ہمارے مقابلہ میں کیا وجود رکھتی ہے۔ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ان سے پہلے ہم بہت سی قوموں کو غارت کر چکے ہیں، جنہوں نے رسولوں سے مقابلہ کیا تھا۔ زور میں آ کر جب اُن پر بلا آئی تو نادوا الغیاث الغیاث کے نعرے بلند کرنے لگے، چیخنے چلانے لگے مگر کیا فائدہ کوئی بھاگنے کا وقت نہ رہا تھا۔ آخر غارت ہوئے عاد و ثمود و قوم لوط وغیرہم۔

وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ الخ یہ کفار اس بات سے تعجب کرتے ہیں کہ انہی کی قوم اور جنس میں سے ایک شخص خدا کا رسول کیونکر ہو گیا۔ (یعنی محمد ﷺ) اور اُس کو جادوگر اور جھوٹا بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود یعنی اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے، ان بہت سے معبودوں کے مقابلہ میں اور ان کی جگہ ایک کو قائم کرتا ہے۔ یہ تعجب کی بات ہے، ایک شخص تمام کاروبار مخلوق کی نگرانی کاربراری کیونکر کر سکتا ہے؟ یہ کہہ کر کفار کی جماعت اُٹھ کھڑی ہوئی کہ اُٹھ چلو اور اپنے معبودوں کو پوجے جاؤ، یہ ایک نئی بات ہے۔ پہلے ہم نے کسی سے نہیں سنی نہ کوئی پہلوں میں سے کہتا تھا اور کیا وجہ کہ ہم میں سے ذکر یعنی پیغمبری اور قرآن اسی ایک پر نازل ہوا؟

> بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ⑧ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ⑨ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ⑩ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ⑫ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ⑬ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮

بلکہ ان کو تو میری نصیحت میں بھی شک ہے، بلکہ انہوں نے ابھی میرا عذاب بھی نہیں چکھا، کیا ان کے پاس خدائے غالب و فیاض کے خزانے ہیں، کیا آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے، حکومت ہے پھر تو ان کو سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ جانا چاہیے (کہ جا کر خدا سے لڑیں) وہاں ان کے لشکر شکست پائیں گے ان سے پہلے تو قوم نوح اور عاد میخوں والا فرعون اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والے بھی جھٹلا چکے ہیں، یہ ہیں وہ (شکست یافتہ) لشکر، ہر ایک ہی نے تو رسولوں کو

۱ اوتاد وتد میخ یہ استعارہ ہے عزت اور ملک کے لیے عرب اس کلمہ کو بڑے ذی عزت پر اطلاق کرتے ہیں بعض کہتے ہیں مجرموں کو میخوں کا عذاب دیا کرتا تھا اس لیے ذوالاوتاد کہلایا بعض کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے گھوڑوں کی سونے کی میخیں تھیں ۱۲ منہ فواق سکون یا رجوع۔ ۱۲ منہ

جھٹلایا تھا، پھر تو میرا عذاب آ موجود ہوا اور یہ (کفار مکہ) ایک ہی چیخ کے منتظر ہیں (آواز صور) جس کو کچھ دیر نہ لگے گی۔

ترکیب: جند مبتدء و ما للا بہام کقولہ جئت لامر ما و من الاحزاب صفت لجند و مھزوم خبر ھنالك یجوز ان یکون صفۃ لجند ای کائن ھنالك و یجوز ان یکون متعلقا بمھزوم معناہ ان الجند من الاحزاب مھزوم ھنالک ای فی ذلک الموضع۔

تفسیر: کفار نے جو آنحضرت ﷺ کو کاذب بلکہ کذاب ٹھہرایا تھا، ان کا تین شبہات پر مدار تھا، جن کو اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ (۱) الوہیت کی بابت تھا وہ کہتے ہیں، اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ یہ شبہ اُن کو دو وجہ سے تھا۔ اول یوں کہ اُن کو نظر و استدلال کی عادت نہ تھی، صرف اُن کے اوہام محسوسات کے تابع تھے، محسوسات میں دیکھا کہ ایک شخص کی قدرت بہت سی خلقت کی حاجت و کام کے لیے کافی نہیں، اس پر انہوں نے اس کو بھی قیاس کر لیا جو اُن کے حواس سے پرے اور اوہام سے باہر ہے۔ دوسرے یوں کہ ان کے اسلاف باوجودیکہ عاقل تھے اور ایک دو نہیں سینکڑوں تھے، سب شرک میں مبتلا تھے، پھر اُن کے مقابلہ میں یہ ایک شخص کیونکر صادق ہو سکتا ہے، عجاب میں عجیب سے زیادہ مبالغہ ہے، جیسا کہ طوال میں طویل سے زیادہ مبالغہ ہے، اس طرح عریض و عراض و کبیر و کبار (۲) نبوت کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ اَؤُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ الخ یہ شبہ کئی جگہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ یہ قوم صالح نے کہا تھا۔ وَلَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یہ حضرت کی نسبت کہا گیا۔

اس شبہ کا جواب خدا تعالیٰ کئی طرح سے دیتا ہے۔ اول بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ذکری سے مراد دلائل ہیں کہ انہوں نے دلائلِ نبوت میں غور و فکر نہ کیا۔ ورنہ یہ شبہ زائل ہو جاتا اور غور و تامل نہ کرنا یوں ہی شک کر لینا، اُن کو اس لیے ہوا کہ ابھی میرا عذاب نہیں چکھا یعنی دنیا میں کوئی اس کی سزا اُن کو نہیں ملی، اگر ایسا ہو تو شک جاتا رہے۔ انسان یونہی بیجا حجتیں کیا کرتا ہے، مگر جب اس کو سختی شوکت اور مار پیٹ دکھائی جاتی ہے تو ٹھیک ہو جاتا ہے یا کہو ذکر سے مراد وہ نصیحت ہے جو آنحضرت ﷺ اُن کو کرتے تھے، وہ اس میں غور کرتے تھے اور عذاب الٰہی سے بھی ڈراتے تھے، جب دنیا میں وہ اُن پر ابھی نہیں آیا تو اور بھی دلیر ہو گئے، اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ یہ دوسرا جواب ہے کہ خدا زبردست بڑے بخشنے والے کے خزائنِ رحمت ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں کہ جس کو وہ دنیاوی مال و اسباب کی وجہ سے معزز جانیں، اسی کو نبوت کا مرتبہ جلیلہ دیویں بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو اس کے لائق دیکھتا ہے عطا کرتا ہے خواہ غنی ہو خواہ فقیر، لفظ وہاب اور عزیز اس کی خود اختیاری اور بے انتہا بخشش کی طرف اشارہ کر کے یہ جتلا رہا ہے کہ دنیا کی عزت اس کی بخشش کو احاطہ نہیں کر سکتی۔ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ یہ تیسرا جواب ہے کہ خزائن اگر ان کے پاس نہیں تو آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی حکومت بھی ان کو نہیں کہ جس کو ان کی مرضی ہو یہ عہدہ ملے، اگر ان کو یہ بات حاصل ہے فلیرتقوا فی الاسباب تو ان سیڑھیوں پر چڑھ کر کہ جن کے ذریعہ سے پہنچنا ممکن ہو چڑھیں اور عرش تک پہنچیں اور تدبیرِ عالم اور حکومت کریں اور جس کے پاس چاہیں وہاں سے وحی بھجوا دیں بلکہ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ الخ ان کے لشکروں کو شکست ہے۔ سلطنتِ آسمانی تو کیسی مکہ یا فتح بدر کی طرف اشارہ ہے۔ كَذَّبَتْ الخ اس کے بعد اگلے لوگوں کی شکست اور اُن کے انکار رسل سے پستی و ہلاکت یہاں فرماتا ہے وَمَا يَنْظُرُ کہ یہ لوگ بھی عذاب اور ہلاکت کے منتظر ہیں، صیحہ سے مراد ناگہانی ہلاکت کوئی شاعر کہتا ہے۔

صلاح الزمان بال برکہ صیحۃ ٭ خروا شدتھا علی الاذقان

بعض کہتے ہیں قیامت کے دن نفخ صور کی چیخ کے منتظر ہیں۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (۱۶) اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ
عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (۱۷) اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ
وَالْاِشْرَاقِ (۱۸) وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ (۱۹) وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ
الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (۲۰) وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (۲۱)
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَاۤءِ الصِّرَاطِ (۲۲) اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ
تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
الْخِطَابِ (۲۳) قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۤءِ
لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ
اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (۲۴) فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ
عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (۲۵) يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (۲۶) ع

اور (تمسخر سے) کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارا حصہ ہم کو حساب کے دن سے پہلے ہی دے چک۔ (اے نبی!) ان کی ان باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئو جو باوجود قدرت و حشمت سے ہماری طرف بڑے رجوع تھے، ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو تابع کر دیا تھا جو اس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) جو پرا باندھے رہتے تھے۔ ہر ایک اس کے تابع تھا اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والا سلیقہ بھی عطاء کیا تھا اور (اے نبی) کیا آپ کو دو جھگڑنے والوں کی خبر بھی پہنچی، جب کہ وہ دیوار پھاند کر آئے جبکہ وہ داؤد کے پاس داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا مت ڈرو، ہم دو جھگڑنے والے ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس اب انصاف سے ہم میں فیصلہ کر دیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہم کو سیدھا رستہ بتا دیں۔ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اس کو بھی میرے حوالے کر دے اور مجھے کلام میں بدزبانی بھی کی ہے۔ داؤد نے کہا البتہ اس نے تجھ پر ظلم کیا جو تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا سوال کیا اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں، مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے (زیادتی نہیں کرتے) اور وہ بہت ہی کم ہیں اور داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے ان کو آزمایا ہے، پھر اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی، پھر ہم نے ان کو وہ معاف کر دیا اور البتہ ان کے لیے

ہمارے پاس مرتبہ اور اچھی منزلت ہے۔ (ہم نے کہا) اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں بادشاہ بنایا، پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش نفس پر نہ چلا کرو وہ تم کو اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دے گی جو لوگ اللہ کے رستہ سے بھٹکتے ہیں تو ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے ہیں۔

ترکیب: القط النصیب والحظ، حصہ والطیر معطوف علی الجبال محشورۃ حال من الطیر الخصم فی الاصل مصدر فلذا الاثنین ولا جمع و جمع الضمیر فی تسوروا الاثنین جائز و اذا الاولی ظرف لنبا والثانیۃ بدل منھا الا الذین استثناء متصل۔

تفسیر: (۳) شبہ معاد کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ نقل کرتا ہے۔ وقالوا ربنا عجل لنا الخ کہ وہ قیامت کے قائم ہونے کو نہایت مستبعد سمجھ کر پیغمبر علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ جو کچھ قیامت کے روز عذاب و ثواب کا آپ ہمارے لیے وعدہ کرتے ہیں، وہ ہمارا حصہ جلد ہم کو دنیا ہی میں دے دیجئے، اس پر آپ کو تسلی دی جاتی ہے کہ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ان کی ان بے ہودہ باتوں پر صبر کرو اور آپ کی تسلی کے لیے چند انبیاء اولوالعزم کا تذکرہ کرتا ہے کہ دنیا میں غموم و ہموم و مصائب پر وہ بھی برداشت کرتے آئے ہیں اور ان کو بھی اپنی امت کے بے سمجھ اور جاہلوں سے سابقہ پڑا ہے۔ منجملہ ان کے حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرماتا ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ کہ ہمارے بندے داؤد کو یاد کر جس کو یہ فضیلتیں حاصل تھیں۔ (۱) وہ قوت والا تھا جسمانی قوت کے سوا سلطنت کی بھی قوت دی گئی تھی اور اس پر روحانی قوت بھی تھی۔ (۲) اوّاب یعنی وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے، ان لوگوں جیسے نہ تھے جو ذرا سی دولت و قوت میں بے ہوش ہو گئے۔ (۳) پہاڑ اور پرند صبح و شام اس کے ساتھ تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اس کی شرح پہلے ہو چکی ہے۔ (۴) اس کی حکومت و سلطنت کو بھی ہم نے مستحکم کیا تھا بہت سے بادشاہ فرات سے لے کر مصر تک اس کے مطیع تھے۔ (۵) اس کو حکمت عطاء ہوئی تھی، ہر ایک قسم کے علوم نظریہ و عملیہ۔ (۶) اس کو گویائی بھی بڑی دی گئی تھی۔ فَصْلَ الْخِطَابِ بڑے فصیح و بلیغ اور پر گو تھے۔ اس کے بعد ان پر جو ایک عجیب و غریب واقعہ گزرا ہے۔ اس کو بطور استفہام کے شوق دلانے کے لیے بیان فرماتا ہے۔ فقال وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ یہ واقع موافق عبارت قرآنیہ کے یوں ہے کہ دو شخص داؤد کے پاس محراب یعنی خلوت خانہ میں دیوار پھاند کر آئے۔ ای قال تسورت تسورًا اذا علوتہ ای اتوہ من سورۃ و ھو اعلاہ و المحراب المراد منہ البیت الذی کان داؤد یدخل فیہ و یشتغل بطاعۃ ربہ وسمی بالمحراب لاشتمالہ علی المحراب کما یسمی الشیء باشرف اجزائہ (کبیر ۲) ففزع منھم داؤد گھبرائے۔ یہ اس لیے کہ یہ دن کسی کے آنے کا نہ تھا دروازہ پر دربان تھے، اس سے سمجھے کہ دشمن نہ ہوں کیونکہ ان دنوں داؤد علیہ السلام سے فلسطانیوں کی لڑائی جاری تھی، اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ہم دو شخص اہل مقدمہ ہیں، فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ لاتخف آپ ہم کو دشمن جان کر نہ ڈریں، اس کے بعد مقدمہ شروع کیا کہ فرصت کا وقت جان کر خلاف قاعدہ شاہی دیوار پھاند کر آئے تھے، جس پر داؤد کے دل میں خطرہ پیدا ہوا اور غصہ بھی آیا ہو، جس پر انہوں نے تسلی دی۔ تب ایک نے کہا میں اور یہ میرا دوست جھگڑتے ہوئے آئے ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے...... فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ آپ غصہ کو جانے دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے، یہ بات انہوں نے یا تو داؤد کا غصہ دیکھ کر کہی یا جس طرح عام جاہل لوگ حکام سے مقدمات کے وقت اپنے خیالات کے بھروسہ پر ایسے بے باکانہ الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ظلم نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اب قضیہ بیان کرنے لگے۔ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ الخ کہ اس بھائی کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک۔ پھر یہ اس کو بھی مجھ سے مانگتا ہے۔ وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ اور سخت گوئی اور بدزبانی بھی کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے سن کر کہا اس نے تجھ پر اس خواہش میں ظلم کیا اور اکثر باہمی شریک ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں باہم شریک ہوں گے، اس ایک والے کا حصہ بہت کم ہو گا یا کوئی ایسی شرط ہو گی کہ جس سے بڑا حصہ دار اس کو ایک دنبی کا بھی مالک نہ خیال کرتا ہو گا، نوکر جانتا ہو گا۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور داؤد سمجھ گئے کہ اس میں خدا نے میرے حلم و انصاف کا امتحان کیا ہے کہ ان دو شخصوں کے بے قاعدہ آنے اور سخت زبانی کرنے پر بھی انصاف کرتا ہوں یا شاہی زور

میں غصہ کر کے ان کو نکلوا دیتا ہوں اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ جو بے موقع اور گستاخانہ ان سے دادخواہی کے لیے آتا ہے تو گستاخی کی سزا دیتے ہیں۔ (کوئی شخص لاٹ صاحب کی بگھی تھام کر دیکھ لے) فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ اس پر داؤد نے اپنے رب سے معافی مانگی اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ معافی اس پر مانگی کہ دل میں بے قاعدہ آنے اور بے باکانہ بات چیت کرنے پر کچھ جوش آیا ہوگا جو مقتضائے بشریت حکومت ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ہم نے داؤد کی یہ بات معاف کر دی۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ اور اُن کے لیے ہمارے نزدیک مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے کہ ذرا سی بات پر بھی سجدہ میں گر پڑے اور اس کو بڑا گناہ سمجھ کر خدا سے معافی مانگی اور روئے۔ اچھے لوگ ذرا سی بات کو بھی پہاڑ سمجھا کرتے ہیں۔ اس امتحان میں پورا نکلنے کے سبب داؤد علیہ السلام نے ثابت کر دیا کہ میں خلافت اور انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو اس عہدہ کے لیے ممتاز فرمایا اور کہہ دیا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ کہ ہم نے تم کو زمین پر اپنی طرف سے خلیفہ حاکم یا نائب کیا ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ پس آپ لوگوں کے انصاف سے فیصلے کیا کیجئے۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى الخ اور اپنی خواہش پر نہ چلئے جو لازمۂ سلطنت ہے، کیونکہ جو اپنی مرضی پر چلتے ہیں، قانونِ الٰہی کا اتباع نہیں کرتے، اُن کو قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا۔ یہ ہے وہ واقعہ اور قرآن مجید کے الفاظ اسی پر چسپاں ہیں اور اسی کے تمام اہلِ حق قائل ہیں۔ امام رازی و بیضاوی و صاحبِ شرح مواقف وغیرہ جمہور مفسرین اس میں آنحضرت ﷺ کو بتلایا جاتا ہے کہ آپ ان جاہلوں، سرکشوں کی بدزبانی اور بے ہودہ گوئی کا خیال نہ کریں جو آپ کو ساحر کذاب وغیرہ کہتے ہیں۔ داؤد کو دیکھو کہ باوجود سلطنت و شوکت کے ان سے جاہلوں نے کیا معاملہ کیا، جس پر انہوں نے صبر کیا، مگر دوسری کتاب صموئیل کے گیارھویں باب میں یوں لکھا ہے کہ ایک روز داؤد بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلتے تھے۔ انہوں نے ایک نہایت خوبصورت عورت کو نہاتے دیکھا، اس کا نام بنت سبع انعام کی بیٹی اور حتی اور یاہ کی جورو تھی، اس کو بلوایا اور اُس سے صحبت کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی اور گھر چلے گئے، اس عرصہ میں اس کا خاوند بھی جنگ سے یروشلم میں آیا اور داؤد نے اس کے ہاتھ اس کے افسر یوآب کے لیے خط دے کر پھر لشکر میں بھیج دیا، اس میں یوآب کو لکھ دیا تھا کہ اور یاہ کو جنگ میں ایسے موقع پر آگے کرنا کہ مخالف سے بچ کر نہ آوے، چنانچہ یوآب نے ایسا ہی کیا اور یاہ قتل ہوگیا۔ اس کی خبر داؤد کو ملی چند روز عدت کے گزر جانے کے بعد داؤد نے اس عورت کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔ پھر اس کتاب کے بارھویں باب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ناتن نبی کو داؤد کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جا کر داؤد سے پوچھا کہ ایک شہر میں دو شخص تھے، ایک بڑا مالدار بے شمار بھیڑ بکری رکھتا تھا، دوسرا کنگال کہ جس کے پاس بجز ایک بھیڑ کے اور کچھ نہ تھا جو اس نے پالی تھی اور اس کی گود میں سوتی تھی، اس مالدار نے اپنے مہمان کے لیے اس کی بھیڑ کو لے کر ذبح کر ڈالا، داؤد نے سن کر کہا وہ شخص واجب القتل ہے، تب ناتن نے کہا، وہ شخص تو ہی تو ہے۔ خدا فرماتا ہے، میں نے تجھ کو سب کچھ دیا اور بھی دیتا مگر تو نے اور یاہ کو قتل کر دیا اور اس کی جورو کو لے لیا، خدا فرماتا ہے تیرے گھر پر سے تلوار نہ اُٹھے گی اور تیری جوروؤں کو تیرے سامنے کھلے میدان میں تمام بنی اسرائیل کے سامنے تیرے ہمسایوں سے خراب کراؤں گا۔ اس کے بعد داؤد اپنے گناہ کے مقر ہوئے ناتن نے کہا تیرا گناہ خدا نے بخش دیا پھر وہ لڑکا جو زنا سے پیدا ہوا تھا مر گیا اور اس کے بعد اس سے سلیمان پیدا ہوا انتہی ملخصاً۔

بعض بے ہودہ گو قصہ خوانوں نے اس قصہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفسیر میں چسپاں کر دیا کہ جو آیات مذکورہ میں تھا مگر قدماءِ اسلام اس کے سخت منکر تھے اور ہیں، چنانچہ سعید بن المسیب و حارث اعور نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص داؤد علیہ السلام کی نسبت اس قصہ کو نقل کرے گا، میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔ (ابن کثیر) اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ نہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے، نہ کسی صحیح حدیث میں۔ مورخین کی باتیں ہیں جن کو بعض مفسرین نے تفسیر میں لکھ دیا۔ انتہی

امام رازی فرماتے ہیں کہ آیات میں واقعہ کے اول بھی داؤد علیہ السلام کی مدح ہے اور بعد میں بھی پھر کیونکر عقل میں آسکتا ہے کہ جس نے ایک دیندار کو قتل کرایا اور اس کی جورو چھین لی جس سے بڑھ کر شرک کے بعد اور کیا گناہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کی مدح کرے۔

اور اس پر طرہ یہ ہے کہ جو لوگ خصمان سے مراد دو فرشتے لیتے ہیں کہ وہ آدمیوں کی صورت میں آئے تھے، وہ معاذ اللہ فرشتوں کو بھی جھوٹ بولنے کا مرتکب بناتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے ایسی باتوں کا ظہور میں آنا خلاف عقل و نقل ہے، وہ پاک دامن اور معصوم تھے۔ رہی کتاب صموئیل جس کی تقلید بعض حمقاءِ اسلام نے کی ہے، سو آج تک پورا اہلِ کتاب کو بھی نہیں ملتا کہ اس کا کون مصنف ہے؟ وہ ایک تاریخ کی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ الہامی فرض کر لیا۔

اس کے علاوہ خود انہی کی کتابوں میں کہ جن کو وہ الہامی مانتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت مواضع میں مدح اور پاکیزگی اور باخدا ہونا اور ان پر برکت نازل ہونا وغیرہ باتیں لکھی ہیں۔ پھر نہیں معلوم کہ ایسے شخص کی مدح کس نے لکھ دی اور جو مدح ٹھیک ہے تو قطعاً یہ قصہ کسی کذاب نے لکھ دیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۖ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَىَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے نکما تو پیدا کیا ہی نہیں۔ یہ گمان تو ان کا ہے جو کافر ہیں، پھر کافروں کی خرابی ہے جو آگ ہے۔ کیا ہم جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے، ہم ان کو برابر کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے (یہ قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے ان کی طرف نازل کیا تاکہ عقلمند اس کی آیتوں میں غور کریں اور سمجھیں اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ کیا بندہ خدا کی طرف رجوع ہونے والا تھا، جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو گھوڑے حاضر کیے گئے۔ (یہاں تک کہ ان کے معائنہ میں نماز سے غافل ہوگئے) تو کہنے لگے کہ میں نے مال کی محبت کو یادِ الٰہی سے عزیز سمجھا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ (حکم دیا) کہ ان گھوڑوں کو میرے پاس لوٹا لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردن پر ہاتھ پھرانے لگا۔

تفسیر: کفار نے استہزاء و تمسخر کے طور پر کہا تھا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا ان کی غرض اس سے حشر کا انکار تھا، مگر یہ گفتگو جاہلانہ تھی، اس لیے حضرت ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ کی تسلی کے لیے داؤد علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جس سے داؤد علیہ السلام کا باوجود فضائلِ مذکورہ کے جاہلوں کی بے باکی برداشت کرنا ثابت ہوتا تھا، اس کے بعد حشر کا اثبات ایک اور طریقہ سے کرنا شروع کیا اور یہ کمال حسن بلاغت ہے۔ فقال وَمَا خَلَقْنَا

السَّمَاۗءَ الی قولہ کالفجار۔

پہلے بطور تمہید کے یہ بیان کیا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے، اس بات کو ہر ذی عقل سلیم تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ قادر فعل مختار حکیم ہے۔ حکیم کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا مگر جو کور باطن ہیں جن کو کافر کہا جاتا ہے۔ وہ ایسا گمان کرتے ہیں تو ان کی اس کوڑھ مغزی پر پھٹکار اور جہنم کی مار ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا تو دریافت کرنا چاہیے کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے سے اس نے کیا غایۃ ٹھہرائی ہے وہ یہ کہ انسان جو عقل و ادراک کے لحاظ سے سب مخلوق میں اشرف ہے اور آسمان و زمین اس کے قیام و نفع کے لیے ہیں، اس کے بنانے سے یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچان کرے اور اطاعت کرے۔ بری باتوں سے ڈرے اور یہ عالم نیکی اور بدی کی جزاء و سزاء کامل کا گھر نہیں ہے، یہ بھی ظاہر ہے، کس لیے کہ سینکڑوں کفار خالق کے منکر بدکردار اور بدذات ظالم فریبی عمر بھر دنیا میں عیش و آرام سے رہے ہیں اور بہت سے نیک ہر قسم کی تکالیف میں مبتلا رہے ہیں، پھر اگر کوئی دوسری جگہ دار الجزاء نہ ہو تو دونوں برابر ہو جاویں، بلکہ برے فائدہ میں رہیں اور ایسا کام اس حکیم کی شان سے بعید ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ ہر ایک کو نہایت حکمت اور مصلحتیں ملحوظ کر کے بنایا، پس ثابت ہوا کہ ایک اور جگہ دار الجزاء ہے اور وہ عالم آخرت ہے۔ ام نجعل الذین آمنوا الخ میں خدا تعالیٰ اسی مطلب کو نہایت اختصار اور بلاغت کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ اس لیے اس قرآن مجید کی کہ جس میں ان خوبیوں کے ساتھ یہ مطالب نفیسہ بیان کیے گئے ہیں، خوبی بیان فرماتا ہے۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ الخ کہ یہ کتاب جو ہم نے اے محمد (ﷺ) تجھ پر نازل کی ہے، بڑی بابرکت کتاب ہے، سمجھنے اور غور کرنے کے لیے بھیجی کہ دانشمند غور کر کے ہدایت پاویں۔ اس میں مسئلہ نبوت کو بھی دوسرے پہلو سے ثابت کر دیا اور قرآن کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دکھایا، اس کی خوبیوں سے۔

اُولُو الْاَلْبَابِ کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ ایسے سمجھ اور عقل والوں پر خدا دنیا میں بھی فضل و کرم کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام جو بڑی عقلِ کامل رکھتے تھے جس کے سبب خدا پرستی کرتے تھے، ان کو فرزند بھی ایسا ہی لائق اور عقلمند عطا کیا، یعنی سلیمان علیہ السلام جو خدا کی طرف رجوع رہتے تھے۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اولوا الالباب ہیں اور اُمتِ محمدیہ کے اولوا الالباب قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں اور داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کی تکمیل بھی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو اواب فرمایا تھا۔ اب اس کا ایک تذکرہ بھی کرتا ہے جس سے ان کا اواب ہونا پایا جاوے۔ فقال اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الخ عشی عصر کے وقت سے لے کر غروب تک کے زمانے کو کہتے ہیں۔ صافن اسپ بر سہ پائے استادہ سر سم چہارم بر زمین نہادہ۔ وایضاً القائم الذی یصف قدمیہ صفون بالضم مصدر منہ (صراح) قال المبرد والجیاد جمع جواد تیز رو گھوڑا یعنی وہ گھوڑے جو کھڑے ہوں تو بانکپن اور نزاکت اور خوبی سے اور چلیں تو ہوا سے باتیں کریں۔ توارت کی ضمیر شمس کی طرف پھرتی ہے جو العشی سے سمجھا جاتا ہے اور رُدُّوْهَا کی الصّٰفِنٰتُ کی طرف یعنی میں ان گھوڑوں کے ملاحظہ میں یہاں تک مصروف ہوا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ یادِ الٰہی سے اس وقت غافل ہو گیا۔ ان گھوڑوں کو میرے سامنے پھر لاؤ اور ذبح کر ڈالو۔ عام مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ ان کو ذبح کروا ڈالا، کونچیں کاٹ ڈالیں۔ صلوۃ عصر فوت ہونے کے بدلہ میں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ
الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَّاٰخَرِيْنَ

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَاِنَّ
لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾ ع ۱۴

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور اس کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا، پھر وہ رجوع بخدا ہوئے (اور) دعا کی کہ اے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہو۔ بے شک تو جو ہے تو بہت دینے والا، پھر ہم نے ان کے لیے ہوا کو تابع کر دیا جو ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے نرم نرم چلا کرتی اور شیطان کو بھی (تابع کیا) جو ہر ایک عمارت بنانے والا اور غوطہ لگانے والا تھا اور بھی تابع کر دیے تھے جو بیڑیوں میں جکڑے رہا کرتے تھے (اور ہم نے کہا) یہ ہے ہماری بے حساب بخشش خواہ آپ کسی کو دیں یا نہ دیں اور البتہ سلیمان کے لیے ہمارے پاس مرتبہ اور عمدہ مقام ہے۔

مگر صحیح تر بیان اس واقعہ کا الفاظ قرآنیہ کے مطابق یہ ہے اور اس کو تفسیر سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ گھوڑوں کا پالنا اور تیار کرنا دشمنوں کے مقابلہ و جہاد کے لیے جیسا کہ دینِ محمدی علیہ الصلوۃ والسلام میں عمدہ اور افضل کام ہے، ایسا ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں تھا کیونکہ فلسطی اور مصری اور بابل کے بت پرست بادشاہوں کا چاروں طرف سے زغد تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیٹھ کر ایک بار ان کا جائزہ لینا چاہا اور پہلے بیان فرمایا۔ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ کہ میں ان کو دنیا کے لیے نہیں دوست رکھتا ہوں بلکہ ذکرِ رب اور دین کے لیے ان کو پسند و محبوب رکھتا ہوں۔ عن ذکر ربی لاجل ذکر ربی پھر سامنے لانے کا حکم دیا اور ان کے سامنے سے وہ گھوڑے جن پر لوگ سوار تھے دوڑاتے ہوئے نکلے، حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ (التواری الاستتار عن الابصار والحجاب یحجبها عن الابصار) پھر حکم دیا ردوها علی کہ ان کو پھر لوٹ کر لاؤ، میرے پاس۔ گھوڑی کی روانگی دیکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ ایک بار دوڑاتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ بار دگر پھر لاتے ہیں، تا کہ آنے جانے میں سب حسن و قبح معلوم ہو جاوے۔ گھوڑے آپ کے پسند آئے۔ فَطَفِقَ مَسْحًاۢ بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (قال ابوعبیدة طفق یفعل لان خبر طفق لا یکون الافعلا مضارعا وانتصاب مسحا علی المصدریة بفعل مقدرای یمسح مسحا) والسوق جمع ساق ٹانگ۔ والاعناق جمع عنق (گردن) تو آپ پیار کی راہ سے ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر ہاتھ پھرانے لگے۔ گردن و پٹھے پر ہاتھ پھرانے کا عام طریقہ ہے یا ان کے عیوب دیکھتے ہوں گے۔ اکثر ہاتھ پھرا کر دیکھا کرتے ہیں، جس طرح دوڑا کر دیکھا کرتے ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو خصوصاً سلیمان علیہ السلام کے دشمنوں کو معلوم ہو جاوے کہ سلیمان کو لشکر اور سواروں کے رکھنے میں بڑی مستعدی ہے، یہ بھی دشمن پر اثر ڈالا کرتا ہے کہ وہ غافل نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی مسح کے یہی معنی بیان کیے ہیں، جیسا کہ اپنی تفسیر میں ابن جریر نے بروایت علی بن طلحہ نقل کیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے انہیں معنی کو جو ہم نے آیات کے بیان کیے ہیں، پسند کیا ہے اور یہ بھی فرما دیا کہ یہی معنی آیات کے الفاظ کے نہایت مطابق ہیں اور خوب موافق ہیں اور اس تقریر پر کوئی الزام بھی عائد نہیں ہوتا اور مجھ کو ان لوگوں سے سخت تعجب آتا ہے کہ کس لیے انہوں نے ان بے ہودہ باتوں کو مان لیا کہ جن کو عقل و نقل رد کرتی ہے۔ انتہی

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ پھر اس آزمائش کی قدرے تفصیل کرتا ہے۔ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ اور اس کی کرسی یعنی تخت پر ہم نے ایک جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع ہوا، بعض کہتے ہیں یہ دو واقعہ ہیں۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا ایک اور اَلْقَيْنَا دوسرا۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں جہاں تک کہ محدثین نے نقل کیا ان دونوں واقعوں کی کوئی بھی تفصیل نہیں کہ آزمائش سلیمان علیہ السلام کی کس بات میں تھی اور ان کے تخت پر جسم ڈالنے اور سلیمان علیہ السلام

کے رجوع ہونے سے کیا مراد ہے۔ ہاں مفسروں نے بعض اہلِ کتاب کے قصہ گوؤں سے دو قصہ ضرور نقل کیے ہیں، گو ان قصوں کو ان اہلِ کتاب کے قصہ گوؤں سے بعض محدثین نے احتیاط اور سند متصل سے نقل کیا ہے، جس لیے بعض ناواقف مفسر اس کو صحیح حدیث سمجھ گئے مگر پھر بھی وہ قصے ہی رہے جو قصہ گوؤں کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں نہ کہ مشکوٰۃ نبوت سے ظاہر ہوئے۔ پہلا قصہ یہ ہے کہ سلیمان کے محل میں شاہ مصر وغیرہ بت پرست قوموں کی بیٹیاں تھیں، جن کو بیویاں بنا رکھا تھا اور ان پر عاشق تھے۔ ان کی خاطر سے ان کی پرستش کے لیے بت خانہ بھی تعمیر کرا دیے تھے اور آپ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پر خدا نے ان کی سرزنش کی۔ یہ بات اول کتاب السلاطین کے گیارھویں باب میں لکھی ہوئی ہے۔ دوسرے قصہ کی بابت یوں نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے سبب اس کی سلطنت قائم تھی، حمام میں جاتے وقت اس کو اتار کر کسی خادمہ کو دے دیتے تھے جس کا نام بعض نے امینہ بتلایا ہے، ایک بار جو حمام میں گئے اور انگوٹھی اس کو دی تو ایک جن جس کو صخر کہتے تھے، سلیمان علیہ السلام کی شکل میں نمودار ہوا اور امینہ سے انگوٹھی لے کر تخت پر آ بیٹھا، سلیمان علیہ السلام کو لوگوں نے دھکے دے کر نکال دیا پھر جو چند روز بعد اس کی کمینی باتوں سے پہچانا کہ یہ سلیمان علیہ السلام نہیں تو وہ بھاگا اور سمندر میں انگوٹھی پھینک گیا ادھر سلیمان علیہ السلام ماہی گیروں کے ہاں نوکر ہو گئے۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے وہ انگوٹھی برآمد ہوئی، اس کو پہننا تھا کہ پھر اقبال لوٹ آیا، سب لوگ مطیع ہو گئے۔

اس خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے، اگر یوں ہی جن و شیاطین انبیاء علیہم السلام تو کیا اور بھی کسی کی شکل میں ظاہر ہوا کریں تو دُنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جاویں اور کچھ بھی کسی کا اعتبار نہ رہے۔ ہمارے نزدیک یہ دو قصے نہیں ہیں، ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہرچند اہلِ کتاب کی الہامی کتابیں صحیح و غلط کا مجموعہ ہیں، مگر تاہم غور کرنے سے ان میں سے اصل بات بھی نکل آتی ہے۔ اصل بات اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کے بے شمار سامان و اسباب عطاء کیے تھے اور ان کی سلطنت کا زمانہ بنی اسرائیل اور آس پاس کے بادشاہوں کے لیے بڑے امن و چین کا زمانہ تھا، اُن کے عہد میں جنگ و جدل کی بھی بہت کم نوبت آتی تھی، سونا چاندی اور گھوڑے اور جواہرات بکثرت تھے۔ بادشاہوں کی بیٹیاں بھی آپ کے پاس آئیں۔ سباء کی شہزادی اور شاہ مصر کی بیٹی وغیرہ اور یہ عورتیں سب ایک مذہب کی نہ تھیں، ان میں سے بعض بت پرست بھی ہوں گی اور اسی مصلحت کے لیے خدا نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو غیر قوموں کی عورتوں کے رکھنے کی ممانعت کر دی تھی، کچھ عجب نہیں کہ ان میں سے کسی نے کوئی بت ہی بنا لیا ہو جس کی سلیمان علیہ السلام کو بعد میں خبر ہوئی اور انہوں نے توڑ ڈالنے کا حکم دیا مگر ان کے گھر میں گو ان کی بے خبری سے ہوا ہو، ایسا ہونا بھی ان کی شانِ نبوت کے برخلاف ہے، البتہ یہ باتیں سلیمان کے حق میں آزمائش کی تھیں اور حقیقت میں کثرتِ مال و اسباب زن و فرزند انسان کے لیے بڑی آزمائش ہے اور بڑا فتنہ کما قال تعالیٰ۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ سلیمان کی ذرا سی غفلت ان کے لیے بڑی قابلِ عتاب بات تھی، جس پر متنبہ کرنے کے لیے خدا نے رودی ہدد کو سلیمان کے مقابلہ میں اُبھارا جس نے شاہِ مصر کی مدد سے سلیمان کا مقابلہ کیا اور خوب لڑتا رہا اور اسی طرح الیدع کے بیٹے رزوں کو اُبھارا وہ بھی مخالفِ تخت ہو گیا۔ تیسرا شخص یربعام مخالف کھڑا ہو گیا جو سلیمان کا نوکر تھا۔ (الکتاب السلاطین الاسباب) تخت کے برخلاف ایسے شخصوں کا کھڑا ہونا جنہوں نے ملک کو تہ و بالا کر دیا ہوگا۔ بے شک تخت پر جسم یعنی بوجھ پڑ جانے کا باعث ہے۔ جسم ڈالنا محاورہ ہے، اس کے بوجھل اور کمزور ہونے سے ثُمَّ اَنَابَ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام متنبہ ہوئے، خدا کے آگے گریہ و زاری کی خدا نے ان کے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ کہ میری غفلت کو معاف کر دے۔ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

تفسیر

کہ مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد جو میرے جانشین ہوں ان سب سے بڑھ کر ہو اور ایسا ہوا بھی کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد پھر کوئی بنی اسرائیل میں سے ایسا بادشاہ نہ ہوا بلکہ سب عہدِ سلیمانی کو یاد کرتے رہے۔ یہ حسد کے طور پر نہیں کہ مجھے ایسا دے اور کو نہ دے بلکہ آپ سمجھ گئے کہ اس قسم کی سلطنت کا میرے بعد کوئی متحمل نہ ہوگا یا یہ معنی کہ میرے بعد اور کوئی اُس پر دستِ تطاول دراز نہ کرے، یعنی پھر کوئی معارض نہ کھڑا ہو (ابو السعود) امام رازی اس واقعہ کے متعلق یوں تفسیر کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے اور تخت پر گویا اُن کا دھڑ بے جان کے بٹھایا جاتا اور عرب ضعیف کو کہتے ہیں۔ لحم علی وضم و جسم بلا روح یہ اُن کی آزمائش تھی اور تخت پر جسم ڈالنے کے یہ معنی ہیں۔ ثم اناب ای رجع الی حال الصحۃ کہ پھر تندرست ہو گئے۔ تندرست ہو کر سمجھ گئے کہ دُنیا سدا کسی کے پاس نہیں رہتی، ایک دوسری جگہ جاتا ہے، اس لیے مغفرت کی دُعا کی اور پھر سلطنتِ ابدی کی دُعا مانگی۔ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ای مُلْكًا لَّا یُمْكِنُ ان ینتقل عنی الی غیری کہ وہ سلطنت جو مجھ سے کبھی غیر کی طرف منتقل ہو کر نہ جاوے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ الہام کے طور پر آپ کو وہ حوادث جو ان کے بعد غیروں سے پیش آنے والے تھے۔ بتلائے گئے جیسا کہ یربعام کا ان کے بعد ملک کے اکثر حصوں پر قابض ہونا اس لیے آپ نے دعا کی کہ کسی اور غیر کو میری سلطنت سزاوار نہ ہو وہ ملک عطا کر۔

فرماتا ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ کہ ہم نے درحقیقت اس کو ایسی سلطنت عطا کی جو پھر اس کے بعد اور کو نہ ملی ہوا کو بھی اس کے تابع کر دیا تھا اور شیاطین اس کے حکم کے مسخر تھے کہ کچھ ان میں سے کارِ تعمیر میں مصروف تھے اور کچھ غوطہ لگا کر موتی نکالا کرتے تھے اور باقی قید میں پڑے ہوئے تھے۔ اصفاد جمع صفد طوق هٰذَا عَطَاۤؤُنَا سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا تھا، یہ ہماری بے حساب نعمت ہے، خواہ آپ کسی کو دیں یا نہ دیں، ہر طرح سے آپ کو مختار کیا گیا اور اس پر موقوف نہیں، آخرت میں بھی سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے پاس بلند مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے، یعنی جنت جسمانی و روحانی۔

جو لوگ وجودِ جن اور خرقِ عادات کے قائل نہیں وہ ہوا کے مسخر ہونے کے یہ معنے کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے دریاءِ قلزم کے کنارے پر جو ادوم کی سرزمین ہے، جہازوں کی بحر بنائی اور حیرام نے اس بحر میں اپنے جا کر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے، ان کے ساتھ بھجوائے، وہ اوفیر جا کر سونا لاتے تھے۔ جہاز ہوا سے چلا کرتے تھے اور ہوا سلیمان علیہ السلام کے ارادے کے موافق جہازوں کو لے کر آتی جاتی تھی اور شیاطین و جن وہ غیر قوموں کے لوگ جو تعمیر وغیرہ کاموں میں لگے ہوئے تھے اور سرکش قید میں پڑے تھے۔ استعارہ کے طور ان کی بد دینی و سرکشی کی وجہ سے ان کو شیاطین و جن سے تعبیر کیا گیا۔ وفیہ ضعف ظاہر۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ
بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ
رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا
تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۗ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری اور تکلیف دینے کے لیے شیطان نے چھو لیا[1] ہے۔ (ہم نے حکم دیا) کہ

[1] شیطان کی طرف نسبت کرنے کا یہ باعث کہ ایوب کے امتحان کا وہی باعث ہوا تھا کہ ایوب کا خالص بندہ ہونا جب معلوم ہو کہ اس پر بلا آوے اور نیز ←

(زمین پر) لات مارو (جس سے چشمہ نکل آیا ہم نے فرمایا) تمہارے نہانے اور پینے کے لیے یہ سرد چشمہ بہہ رہا ہے۔ (جس میں نہانے سے ان کو شفا ہوئی) اور ہم نے اُن کے اہل وعیال اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی اپنی مہربانی سے عنایت فرمائے (تاکہ) عقلمندوں کے لیے یادگار رہے اور (حکم دیا کہ) اپنے ہاتھ میں جھاڑو کا مٹھا لے کر مارو اور قسم میں جھوٹے نہ بنو اور ہم نے ایوب کو صابر پایا وہ بڑے اچھے بندے خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

ترکیب : واذکر جملۃ مستانفۃ بنصب قرء الجمہور بضم النون وسکون الصاد فقیل ھو جمع نصب بفتحتین کاسد واسد وقیل لا وقال ابو عبیدۃ ان النصب بفتحتین التعب والاعیاء وعلٰی بقیۃ القرأت الشر والبلاء۔

وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ یہ تیسرا قصہ صبر دلانے کے لیے حضرت ایوب علیہ السلام کا ہے۔ جب وہ زیادہ بیمار ہوئے تو شیطان نے ان کی بیوی سے کہا میں طبیب ہوں، اگر ایوب کو شفا ہو جائے تو کہنا میں نے شفا دی۔ (احمد) اس بات کی ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہیں کہ اس نے مجھے دکھ دیا۔ حکم ہوا کہ پاؤں مار اس کے مارنے سے سرد چشمہ نمودار ہوا جس میں نہانے سے وہ تندرست ہو گئے اور ان کی مردہ اولاد کہ تندرست ہو کر اس بیوی کو سو کوڑے ماروں گا، کس لیے اس نے شیطان کی بات سنی خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو قسم میں بھی جھوٹا نہ ہو اور عورت بھی بے خطا ہے، تیری خدمت گزار ہے، جھاڑو لے کہ جس میں سو تیلیاں ہوں، وہ مار دو قسم پوری ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ ایوب کے صبر کی تعریف کرتا ہے اور ان کی مدح کرتا ہے کہ بڑے صابر تھے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝۴۵ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝۴۶ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝۴۷ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝۴۸ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۴۹ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝۵۰ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝۵۱ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝۵۲ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۵۳ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝۵۴ هٰذَا ۭ

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو بھی یاد کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے، ہم نے ان کو ایک خاص بات کے لیے جو دار آخرت کا یاد کرنا ہے منتخب کر لیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ (اور) نیک لوگوں میں سے تھے اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کرو اور (یہ) سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ نصیحت ہے اور البتہ پرہیزگاروں کے لیے عمدہ مقام ہے جنت عدن جس کے دروازے (پہلے ہی سے) ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے وہ وہاں تکیہ لگا کر بیٹھیں گے، وہاں بہت سے میوے اور شراب طلب کریں گے اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ (مسلمانو!) جس کا تم سے قیامت کے لیے وعدہ کیا جاتا ہے یہ نعمتیں ہیں جو کبھی نبڑنے ہی کی نہیں یہ بات ہے۔

تفسیر : وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ جمہور نے عبادنا جمع کے صیغہ سے پڑھا ہے، تب ابراہیم و اسحاق و یعقوب عطف بیان

← شیطان نے بحکم ربی ان کو چاہا بھی تھا جو ان کے جذام کا باعث ہو گیا۔ ۱۲

ل امام شافعی کے نزدیک اور بھی جو کوئی اسی طرح کی قسم کھائے تو اس کے لیے ہی سو کوڑے کی جگہ تیلیوں کی جھاڑو مار دینا کافی ہے اور علماء کہتے ہیں یہ ایوب کے ساتھ مخلص تھا۔ ۱۲ منہ

ہے اور بعض نے مفرد کا صیغہ پڑھا ہے، تب ابراہیم عطف بیان اور مابعد کا عبدنا پر عطف ہوگا نہ ابراہیم پر۔ یہ ان تین بزرگوار انبیاء و اولوا العزم کا ذکر ہے کہ وہ بڑے قوت والے تھے۔ عبادت و نصیحت کے لیے ان کے دل بڑے قوی تھے اور بڑے بینائی والے بھی تھے۔ ہر بات سے عمدہ نتیجہ نکالتے تھے۔ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرتے تھے۔ علمی اور عملی دونوں قوتیں ان کو حاصل تھیں۔ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ہم نے ان کو ایک یعنی اخلاص کے لیے خاص کر لیا تھا۔ (علی انہا مصدر بمعنی الاخلاص فیکون ذکری منصوبا بہ او بمعنی الخلوص فیکون ذکری مرفوعا بہ) یا یہ معنی کہ ان کو خالصہ خاص بات کے لیے مخصوص کیا تھا۔ (علی انہا اسم فاعل علی بابہ و ذکری مصدر الدار مفعول بہ او ظرف علی الاتساع او علی اسقاط حرف، ذکری الدار بدل من خالصۃ) وہ خاص بات کیا ہے یہ کہ وہ دار آخرت کو یاد رکھتے تھے، دنیا پر ان کی نظر نہ تھی۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا الخ اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک تھے۔ باایں ہمہ ان پر قوم سے کیا کیا تکلیفیں پڑیں اور انہوں نے صبر کیا، دل میں تنگی پیدا نہ ہوئی، اس سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء معصوم تھے، پس وہ جو بے ہودہ قصے ان کی طرف منسوب ہیں، محض جھوٹ ہیں۔ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ پھر ان تین اور بزرگوار انبیاء کا ذکر کرتا ہے، اول حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرے الیسع علیہ السلام کا تیسرے ذی الکفل علیہ السلام کا ان کا بھی سورہ انبیاء میں ذکر ہو چکا ہے۔ کفار مکہ نے انکار حشر میں رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا تمسخر کے طور پر کہا تھا، اس کے بعد خدا تعالیٰ نے چند انبیاء و اولوا العزم کا ذکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے صبر کا حال سن کر تسلی ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ لوگ دار آخرت کے مستحق اور مشتاق تھے باوجود عقل و علم و ثروت کے وہ دار آخرت کے نہایت طالب رہے، پھر وہ کوئی احمق یا بے وقوف تو نہ تھے جو دار آخرت نہ ہو اور وہ اس کا ان کو شوق پیدا کر کے اس کے لیے دنیا میں بے شمار مصائب اُٹھاویں۔ نہیں نہیں دار آخرت برحق ہے۔ گویا یہ دلیل نقلی تھی۔ اس کے بعد وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ سے لے کر مِنْ نَّفَادٍ تک صاف صاف دار آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اور ذکر کو تمام کرنے کے لیے عرب میں ھذا کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس بات کو یاد رکھو یا یہ کہ اصل بات یہ ہے یا یہ کہ نیکوں کا انجام یہ ہے۔

وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۵ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۵۶ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۷ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝۵۸ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۶۰ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۱ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝۶۲ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝۶۳ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۶۴

اور سرکشوں کا برا ٹھکانا ہے، جہنم کہ جس میں ان کو گرنا ہوگا۔ پھر کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ یہ ہے پھر وہ اس کو چکھیں جو کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے اور اس شکل کی اور بھی اسی طرح کی چیزیں ہوں گی۔ یہ (فرشتے کفار کے سرغناؤں سے کہیں گے تمہیں اکیلے نہیں بلکہ) تمہارے ساتھ تمہارے پیروؤں کا ایک گروہ ہے، ان پر خدا کی مار تمہارے ساتھ جہنم میں گھسنے والا ہے (ان کے پیرو سرغناؤں سے) کہیں گے بلکہ تمہیں پر خدا کی مار تمہیں تو اس بلا کو ہمارے سامنے لائے ہو جو بہت ہی برا ٹھکانا

ہے۔ پھر وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! جو اس بلا کو ہمارے آگے لایا اُس کو آگ میں دوگنا عذاب دے اور (دوزخی جہنم میں جا کر) کہیں گے کہ جن لوگوں کو ہم برا سمجھا کرتے تھے، ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ کیا ان کو ہم نے (ناحق) ذلیل سمجھ رکھا تھا (جو جہنم میں نہیں آئے) یا ہماری آنکھیں ہی چوندھیا گئی ہیں (جو ان کو دیکھ نہیں سکتیں) بے شک جہنمیوں کا باہم جھگڑا ہونا برحق ہے۔

ترکیب : جھنم بدل من شر و یصلونھا حال والعامل الاستقرار فی قولہ للطاغین ھذا مبتداء فی الخبر و جہان احدھما فلیذوقوہ وما بینہما اعتراض و الثانی عذاب و قیل حمیم و آخر علی الجمع فھو مبتدء و من شکلہ لغت ازواج خبرہ و علی الافراد ھو معطوف علی حمیم۔

تفسیر : جبکہ فرمانبرداروں کا ثواب ذکر کیا تو نافرمانوں کا عذاب بھی ذکر کرنا مناسب ہوا تا کہ ترہیب کے بعد ترغیب اور وعدہ کے بعد وعید مذکور ہو کر دار الجزاء کا پورا بیان ہو جاوے۔ یہاں دوزخیوں کے حق میں چند باتیں بیان فرمائیں۔ (۱) وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ الخ کہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانا ہے۔ یعنی جہنم کہ جس میں وہ داخل ہوں گے، جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دوزخ کی زمین کو بچھونے کے ساتھ تشبیہ دے کر مِھاد فرمایا کہ وہ آگ کے بستر پر بیٹھیں گے۔ دُنیا کی سرکشی اور شہوات آگ ہو کر سامنے آویں گے۔ (۲) ھٰذَا فَلْیَذُوْقُوْہُ الخ حمیم گرم کھولتا ہوا پانی غساق بالتشدید و التخفیف یقال غسقت العین اذا سال دمعھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ یہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ ہوگی جو گرم پانی کے ساتھ دوزخیوں کی غذا ہوگی۔ جیسا کہ مکان تھا ویسی ہی غذا۔ کہا جاوے گا کہ لو اس کو چکھو۔ شَکْلِہٖ اَزْوَاجٌ جمہور نے آخر کو مفرد کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے اُس کو اخری کی جمع سمجھ کر آخر بضم ہمزہ پڑھا ہے۔ یعنی اس قسم کی یا ان اقسام کی اُن کو اور بھی چیزیں ملیں گی جن کے کھانے پینے میں سخت تکلیف ہوگی۔ بدمزہ بدبودار سب کچھ ہوگا۔ یہاں تک تو ان کے مکان اور کھانے پینے کا ذکر تھا، اب ان کے دُنیاوی رفیقوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ (۳) ھٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَکُمْ ملائکہ دوزخ کے ان لوگوں سے کہیں گے جو دُنیا میں گمراہوں کے سردار اور پیشوا تھے کہ تمہیں اکیلے نہیں تمہارے ساتھ یہ تمہاری فوج بھی داخل ہو رہی ہے۔ الاقتحام در افکندن بسختی دھکا پیل ہو کر آنا۔ یہ سن کر وہ کہیں گے۔ لَا مَرْحَبًا بِھِمْ ان کو خوش وقتی نصیب نہ ہو یعنی یہ سردار اپنے متبعین کے لیے ناخوش ہو کر یہ بدعا کا کلمہ کہیں گے۔ محاورہ عرب میں یہ کوسنا ہے، جس طرح ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں۔ خدا کی مار اور اچھے اور خوشی کے موقع پر مرحبا کہتے ہیں۔ برے موقع پر لا مرحبا کہتے ہیں یا فرشتے ہی کہیں گے۔ اِنَّھُمْ صَالُوا النَّارِ یہ کمبخت بھی آگ میں آ رہے ہیں۔ ان سرداروں کی یہ دلخراش بات سن کر ان کے تابع جواب میں کہیں گے۔ بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِکُمْ الخ کہ تمہیں پر خدا کی مار تمہیں نے تو ہم کو اس بری جگہ پہنچایا، دُنیا میں بری باتیں الحاد و کفر کی تعلیم کرتے تھے، اس کے بعد خدا تعالیٰ سے التجا کر کے کہیں گے۔ مَنْ قَدَّمَ لَنَا کہ خدایا جس نے ہم کو یہاں پہنچایا، اس کو دو چند عذاب دے۔ ایک اس کے گمراہ کرنے کا ایک خود اس کی گمراہی کا۔

(۵) وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا یہ ایک اور بڑی حسرت کی بات ہوگی کہ جن غریب مسلمانوں سے یہ متکبر ملحد تمسخر کیا کرتے اور ان کو احمق اور بدراہ کہتے تھے، ان کو اپنے ساتھ جہنم میں نہ دیکھیں گے تو آپس میں کہیں گے، وہ کہاں ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے، وہ جنت میں ہوں گے۔ ان کو کیوں نظر آنے لگے تھے، تب اور بھی رنج ہوگا۔ یہ روحانی جہنم ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ کہ جہنم میں ان کا باہم جھگڑنا برحق ہے، قطعاً ہوگا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰـہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ ھُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْہُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾

مَا کَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ یُّوْحٰٓی اِلَیَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۰﴾

اے نبی! کہہ دو میں جو ہوں تو ایک ڈرسنانے والا ہوں (اور اعلان کرنے والا) کہ خدا واحد قہار کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا زبردست بخشنے والا پروردگار ہے، کہہ دو یہ ایک بڑی خبر ہے۔ تم ہو کہ اس سے منہ پھیرے لیتے ہو، جبکہ عالم بالا کے لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے تو مجھے ان کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ مجھے تو یہی وحی کیا گیا ہے کہ میں تم کو صاف صاف ڈرسناؤں۔

ترکیب : انما قرء الجمھور بفتح ھمزۃ انما علی انھا و ما فی حیزھا فی محل رفع لقیامھا مقام الفاعل ای ما یوحی الی الا الانذار او الا کونی نذیرا مبینا و قرء ابو جعفر بکسر الھمزۃ لان فی الوحی معنی القول۔ ۱۲ منہ

تفسیر : اب یہاں سے پھر اصل مطالب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کلام کا دوسرا اسلوب بدل کر اول سورہ میں تین باتوں کا اثبات شروع کیا تھا اور انہی کی تائید میں انبیاء علیہم السلام کے مختصراً تذکرے آ گئے تھے، اس کے بعد دار آخرت کی کچھ کیفیت بیان کر دی تھی کہ نیکوں کے لیے یہ ہے اور بدوں کے لیے یہ تا کہ نفوسِ بشریہ میں اثر پیدا ہو اور وہ تین باتیں یہ ہیں۔ توحید، رسالت، حشر۔ اس لیے فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ان سے کہہ دو کہ میں تو صرف خبردار کر دینے والا ہوں، آگے تم کو اختیار ہے جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے، اس میں اثبات نبوت ہے اور اسی کے ضمن میں حشر کا بھی ثبوت ہے کہ جس دن کے لیے میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں وہ دن سر پر آنے والا ہے، رہی توحید اس کے لیے فرماتا ہے۔ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ کہ اس ایک اللہ کے سوا جو اکیلا اور زبردست ہے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر ایک اس کے حکم و قدرت کے آگے سرنگوں ہے، پھر جب یہ ہے تو اور کوئی خدا بھی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے واحد ہونے کی اور نہ صرف وہ واحد قہار ہے بلکہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور خود آسمانوں اور زمین کا بھی وہی رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔ موجودات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کی ہر وقت دست نگر نہ ہو۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اور کوئی خالق نہیں نہ کوئی مربی و حاجت روا ہے کہ خدا تعالیٰ زبردستی سے اس کے ملک پر قبضہ کر بیٹھا ہو بلکہ وہی مالک و خالق اور پرورش کرنے والا بھی ہے، اس کی شان قہر و جبروت ہے۔ اسی کی صفت ربوبیت ہے کہ سامع کو ہیبت کے بعد اس کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف ادیانِ باطلہ کے کہ انہوں نے ان صفات کا ایک ذات میں مجتمع ہونا محال خیال کر کے تین شخص جدا جدا بنائے، برھما پیدا کرنے والا، بشن پرورش کرنے والا، مہیش مہادیو، قہار۔ یہ عام ہنود کا خیال ہے۔ خاص خاص فریق کا نہ ہونہ سہی۔ عیسائیوں نے بھی تین اقنوم گھڑ کر ایک خدا بنایا ہے، اب ابن روح القدس بلکہ وہی عزیز اور غفار ہے۔ ستر برس بھی کوئی نافرمانی کر کے رجوع کرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے۔
اس کے بعد پھر دوسری طرح سے کلام شروع کرتا ہے۔ قُلْ ھُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ اَنْتُمْ عَنْہُ مُعْرِضُوْنَ ان سے کہہ دو کہ یہ کوئی ہلکی اور ذرا سی بات نہیں ہے بلکہ بڑی بھاری بات غور طلب ہے، یعنی نبوت و توحید و حشر کی خبر اور تم اس سے انکار کرتے ہو، کچھ بھی فکر و تامل نہیں کرتے۔

۱ یختصمون کے یہ معنی نہیں کہ عالم بالا کے لوگ یعنی ملائکہ مقربین آپس میں جھگڑا کرتے ہیں تو تو میں میں ہوا کرتی ہے، جیسا کہ بعض حمقاء معترضین سمجھ گئے بلکہ باہمی گفتگو اس کے اسرار و اسباب کے متعلق اور تنفیذ احکام کی بابت گفتگو امر الٰہی کے موافق ہے، امر کے لیے پہلے وہاں گفتگو ہو لیتی ہے، تب وہ بات دنیا میں ظہور کرتی ہے، چنانچہ ترمذی و طبرانی و عبدالرزاق و حاکم و احمد نے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ شب کو خواب میں اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں گفتگو کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا تو عرض کیا کفارات میں یعنی ان باتوں میں کہ جن سے بندوں کے گناہ مٹ جاویں وہ جماعت کے لیے آنا نماز کا منتظر رہنا اچھا وضو کرنا۔ ۱۲ منہ

تقلیدِ آبائی میں لکیر کے فقیر بنے ہوئے انکار اور تکرار کرتے ہو۔ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ الخ اب بتلاتا ہے کہ یہ بڑی خبر میں نے تم کو آپ سے بنا کر نہیں دی ہے بلکہ مجھے وحی نے خبر دینے پر مجبور کیا ہے، کس لیے کہ جب ملاءِ اعلیٰ یعنی عالم بالا کے ملائکہ میں جو کچھ انسان کے بعد ہونے کی بابت اور اس کے اسباب سعادت و شقاوت کی بابت خصوصاً دُنیا میں نبی آخر الزمان بھیجنے کی بابت جو کچھ گفتگو ہوئی تھی یا آیندہ امور پر ہوئی ہے، اس کی مجھے کیا خبر ہے، البتہ مجھے وہاں سے وحی ہوتی ہے کہ میں لوگوں کو کہہ دوں کہ میں خبردار کرنے والا نبی ہوں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ
مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ
اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ
بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ
نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ
لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ
فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ
نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع

جبکہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک انسان مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں، پھر جب میں اُس کو پورے طور سے بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک ڈال دوں تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا، پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ غرور کیا اور منکروں میں سے تھا۔ فرمایا! اے ابلیس تجھ کو کس نے منع کیا، اس کے سجدہ کرنے سے کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے غرور کیا تو بلند مرتبہ تھا، اس نے عرض کیا میں اس سے بہتر ہوں، مجھ کو تو نے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا۔ فرمایا پھر تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو راندہ گیا اور تجھ پر میری لعنت ہے۔ روزِ جزا تک۔ اس نے عرض کیا کہ اے رب اچھا مجھے مہلت دے مردوں کے زندہ ہونے کے دن تک۔ فرمایا پس تجھ کو مہلت ہے۔ وقتِ معین کے دن تک۔ عرض کیا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا، مگر ان میں سے تیرے خالص بندے۔ فرمایا حق بات یہ ہے اور میں حق بات ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے اُن سے [2] جو تیرے تابع ہوئے ہوں گے جہنم

[1] ابلاس نومید شدن از رحمتِ حق مسمّی ابلیس واندوہگین وشکستہ گردیدن صراح ۱۲ منہ

[2] یعنی آدم کی اولاد میں سے

بھر دوں گا سب سے۔ اور (اے رسول!) کہہ دو میں اس پر تم سے کچھ مزدوری تو نہیں مانگتا اور نہ میں جھوٹ بات بنانے والا ہوں۔ یہ قرآن تو تمام جہان کے لیے نصیحت ہے اور اس کا حال تم کو تھوڑے زمانہ کے بعد آپ معلوم ہو جائے گا۔

ترکیب : فقعوا امر من وقع یقع الا ابلیس استثناء متصل علی تقدیر انہ کان متصفا بصفات الملائکۃ فغلبوا علیہ او منقطع لما ما مصدریۃ او موصولۃ وقری لما بالتشدید مع فتح الالام استکبرت استفہام توبیخ و انکار ام کنت ام متصلۃ ای اترکت السجود لاستکبار الحادث ام لاستکبار القدیم فالحق والحق قرء الجمہور بنصب الحق فی الموضعین علی انہ مقسم بہ بحذف حرف الجر وقرء برفعھا۔

تفسیر : اب اس جگہ ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ کی وہ گفتگو بیان فرماتا ہے جو آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پیشتر کی تھی۔ اس ذکر سے یہاں یہ چند باتیں بتلانی مقصود ہیں۔ (۱) یہ کہ آدم کو ہم نے زمین کا خلیفہ بنانے کے لیے فرشتوں سے کہا، انہوں نے آدم کی سرشت کو دیکھ کر یہ کہا کہ اس کو بنانے میں بجز اس کے کہ دُنیا میں فساد پھیلا دے گا اور کیا حکمت ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کو وہ حکمت معلوم تھی، اس کو بنایا۔ اس سے بنی آدم کو شرم دلائی جاتی ہے کہ تم نیکی اختیار کرو تا کہ ملاءِ اعلیٰ کا تم پر اعتراض صحیح نہ ہو۔ (۲) یہ کہ ملائکہ نے باوجود اس کہنے کے پھر بھی حکم الٰہی کو مان کر آدم کو سجدہ کرنے پر آمادہ ہو گئے مگر تمرد و سرکشی سے ابلیس نے نہ مانا راندۂ درگاہ ہوا اس میں بھی بندوں کو غیرت دلائی جاتی ہے کہ تم کس باپ کے بیٹے ہو کہ جس کو فرشتوں نے بھی سجدہ کیا مگر پھر بھی تم ہمارے احسان کو نہیں مانتے۔ سرکشی کرتے ہو، کیسے ناخلف ہو۔ (۳) جو کوئی منشاءِ الٰہی و حکم آسمانی کے برخلاف کرتا ہے، وہ خود رسوا ہوتا ہے، مگر آسمانی حکم جاری ہو کر رہتا ہے۔ جیسا کہ شیطان نے خلاف کیا۔ راندۂ درگاہ ہوا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کو مبعوث کر کے دُنیا میں توحید و مکارم اخلاق شائع کرنا منشاءِ الٰہی ہے جو کوئی سرتابی کرے گا۔ آپ رسوا ہوگا، اس کا حسد و تکبر شیطان کی طرح خود اسی کو برباد کرے گا۔

(۴) شیطان بنی آدم کا دشمن ہے اور اس نے اُن کے برباد کرنے پر بیڑا اُٹھایا ہے، مگر بنی آدم کے حال پر افسوس ہے کہ پھر اسی دشمن کے کہے پر چلتے ہیں۔

یہ قصہ سورۂ بقر میں کمال توضیح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، اُن ابحاث کا اعادہ بیکار ہے۔ اس جگہ صرف بعض الفاظ کی تفسیر کی جاتی ہے۔ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اور وہ علم الٰہی میں کافر ٹھہر چکا تھا، یعنی ہم جانتے تھے کہ یہ انکار کرے گا یا یہ معنی کہ دراصل تو جن کی قوم سے تھا جو کافر تھے، عبادت کر کے فرشتوں میں جا ملا تھا۔ آخر اپنی رذالت پر آ گیا۔ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ خدا تعالیٰ ہاتھ پاؤں اعضاء بدن سے پاک ہے۔ یدی سے مراد قدرتِ کاملہ ہے، یعنی بغیر ماں باپ کے قدرتِ کاملہ سے اُس کو ہم نے بنایا اور اس کے بنانے کو اپنی طرف تعظیم کے لیے منسوب کیا، جیسا کہ روحی کو کما قال من روحی اور جیسا کہ ناقۃ اللہ و مساجد اللہ و بیت اللہ و روح اللہ شیطان نے بجائے معذرت کے یہ کہا خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ کہ مجھے آپ نے آگ سے بنایا جو جوہرِ نورانی ہے۔ شیطان کا غالب مادہ بھی ہے اور آدم کو گارے سے بنایا جو ظلمانی چیز ہے۔ شیطان نے اپنی ذات پر فخر کیا وہاں سے عتاب ہوا۔ فَاخْرُجْ مِنْهَا جنت یا زمرۂ ملائکہ سے نکل جا تجھ پر قیامت تک میری پھٹکار پڑے گی۔ دُنیا میں ہمیشہ لعنت پڑے گی۔ آخرت میں عذاب ہوگا۔ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ عرض کیا اُس دن تک کہ لوگ مر کر حساب کے لیے زندہ ہوں، مجھے مہلت دے غرض یہ تھی کہ پھر تو موت ہے ہی نہیں موت سے بچ جاؤں گا اور سب کو گمراہ بھی کر لوں گا۔ خدا تعالیٰ پر کوئی بات مخفی نہیں۔ فرمایا اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ کہ وقتِ معلوم کے دن تک تجھے مہلت ہے، یعنی نفخِ صور تک پھر شیطان نے بڑے دعویٰ سے کہا تیری عزت کی قسم! میں سب کو گمراہ ہی کر کے رہوں گا، مگر تیرے خالص بندے مجھ سے گمراہ نہ ہوں گے، یعنی ایماندار، نیک کردار۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ کہ یہ حق بات ہے اور میں حق ہی بات کہا بھی کرتا ہوں کہ تجھ کو اور جو تیرا کہا مانے گا، اُن سب سے جہنم بھر دوں گا، مجھے کیا پروا ہے؟

اس میں بنی آدم کو سنایا جاتا ہے کہ تمہارے دشمن نے تمہارے بہکانے کی قسم کھائی ہے اور میں جہنم کا وعدہ کر چکا ہوں۔ خبردار ہوشیار اس کے کہنے میں نہ آنا۔ نبیوں کے کہے پر چلنا، شیطان کا پیدا کرنا اور اُس کو مہلت دینا بندے کے اختیارات کی آزمائش کے لیے ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض ہو نہیں سکتا کہ آپ ہی گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو چھوڑا اور آپ ہی گمراہ ہونے کی سزا دے گا۔

شیطان ایک قسم کا جن ہے اور اُس کی ذریات بھی بہت ہے، وہ کبھی متشکل ہو کر بھی بہکانے آتا ہے اور طمع کر کے دکھاتا ہے اور بنی آدم میں سے بھی بہت سے اُس کے جانشین اور چیلے چانٹے ہیں، وہ بھی بہکاتے اور ہر رنگ میں آتے ہیں۔ فقیروں میں مولویوں میں زندوں میں عورتوں میں شہوات میں غصے میں اور بیشتر تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اور قوتِ بہیمیہ اس کا بدنِ انسانی میں گھوڑا غصہ اور شہوات کوڑا ہے۔

اس تذکرے کے بعد آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے کہ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کہہ دو کارِ بارِ نبوت پر میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا ہوں، یعنی اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں، پھر تم کو کیوں بدگمانی ہے۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ اور نہ میں تصنع اور بناوٹ کرنے والا ہوں کہ تم کو جھوٹ کا شبہ ہو۔ ہر بات میں بناوٹ اور تکلف و تصنع ممنوع ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یہ قرآن صرف جہان کے سمجھانے اور بھلائی کے لیے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ اور اس کی صداقت تم کو موت کے بعد معلوم ہو جاوے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہے، ہم نے آپ کی طرف کتاب برحق نازل کی ہے۔ پس اب اللہ کی عبادت خاص اسی کی طرف جھک کر کیے جاؤ۔ دیکھو اللہ ہی کے واسطے خالص عبادت ہے اور جنہوں نے کہ اللہ کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں گے۔ بے شک جن باتوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ آپ ان کا فیصلہ کر دے گا، بے شک جھوٹا ناشکرا ہے، اللہ اس کو ہدایت نہیں کرتا۔

ترکیب : قال الفراء والزجاج تنزیل مبتدا من اللہ الخ خبرہ الدین منصوب بمخلص ومخلصا حال الذین اتخذوا مبتدء خبرہ محذوف ای یقولون زلفی مصدر وحال موکدۃ والجملۃ مَانَعْبُدُهُمْ فی محل النصب بتقدیر یقولون۔

تفسیر : حسن و عکرمہ و جابر بن زید وغیرہم کہتے ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، مگر بعض کہتے ہیں کہ قل یاعبادی تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لیکن یہ قول معتبر نہیں کیونکہ بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکوں نے آنحضرت ﷺ نے آکر عرض کیا کہ ہم نے زنا و قتل کیا ہے، اب اس کی کیا صورت ہوگی۔ الخ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے

ثابت ہوا کہ مکہ میں نازل ہوئی اور مدینہ میں وحشی کا قصہ پیش آیا، اس پر یہ آیت نازل شدہ پڑھی گئی جس سے راوی نے نازل ہونا سمجھ لیا۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ دو باتوں کا اثبات کرتا ہے۔ اول قرآن مجید کا کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہونا سو اس کو سب سے اول تنزیل الکتاب الخ میں بیان فرماتا ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے از خود نہیں بنا لیا ہے، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اللہ کی یہ دو صفت ہیں ایک یہ کہ وہ عزیز یعنی زبردست و قادر ہے، اپنا فرمان اپنے بندوں کے پاس محمد ﷺ کی معرفت بھیجتا ہے۔ اس کو تمہارے انکار و اصرار کی کچھ پروا نہیں، اس کی دنیا میں ضرور اشاعت ہوگی۔ کسی کے بند کرنے سے بند نہ ہوگی۔ (اس میں تہدید شاہانہ ہے) دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے قرآن مجید میں سراسر حکمت ہے۔ اگر غور و نظر ہے تو دیکھ لو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اس میں طرزِ حکیمانہ ہے۔

پھر اسی بات کو دوسرے پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق کہ ہم نے اے محمد (ﷺ) آپ کی طرف قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے، اس میں جو کچھ ہے حق اور مطابق واقع ہے۔ پھر جب یہ ہے تو پہلا حکم یہ ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ کہ خالص اللہ کی عبادت کرو۔ دین کے معنی طاعت و عبادت کے ہیں نہ اس میں شرک ہو نہ ریاکاری یا کوئی دنیاوی غرض۔ قتادہ کہتے ہیں، دین اخلاص کلمہ شہادت ہے، یہ وہ دوسری بات ہے جس کا اثبات ان آیات میں مقصود ہے۔ فرماتا ہے کہ اخلاص کی عبادت کا مستحق بھی اللہ ہی ہے مگر جو مشرک ہیں اور اللہ کے سوائے انہوں نے اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ الخ ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارا مرتبہ پیدا کر دیں گے، یعنی ان کو وسیلہ حاجات سمجھتے ہیں۔ اس بات کو رد کرتا ہے، ان اللہ کہ اس بات کا قیامت کے دن وہ آپ فیصلہ کر دے گا۔ یعنی ان کا یہ کہنا غلط ہے اور ایسے عذرات کرنے والوں کو جو ازلی بدبخت ہوتے ہیں۔ اللہ سیدھا رستہ نصیب نہیں کرتا۔ وہ عمر بھر اسی گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَي النَّهَارِ
وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ
خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

اگر اللہ بیٹا ہی بنانا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کر لیتا (لیکن) وہ پاک ہے۔ وہ اکیلا خدا زبردست ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا، رات کو دن پر لپیٹ لیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور آفتاب اور چاند کو محکوم کر دیا۔ ہر ایک اپنے اندازہ سے چلتا ہے۔ سنو وہی ہے زبردست معاف کرنے والا، تم کو ایک شخص (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور چار پایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ جوڑے اُتارے۔ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح تین اندھیریوں میں بناتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ تم کو پرورش کرنے والا اسی کے لیے بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں،

پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔

ترکیب : اَنْ يَّتَّخِذَ مفعول ارادلا صطفٰی جواب الشرط مایشاء مفعول لاصطفٰی مما یخلق حال سبحانہ جملہ معترضہ بالحق حال من فاعل خلق۔

تفسیر : لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ ان آیات میں خدا تعالیٰ اُس زلفی کا رد کرتا ہے۔ کفار، مشرکین جو غیر اللہ کو پوجتے تھے تو اُن کو وسیلہ جانتے تھے اور وجہ وسیلہ ہونے کی یہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود خدا کے بیٹے ہیں اور باپ بیٹے میں بڑا رابطہ ہوتا ہے۔ بیٹا باپ سے کہہ کر ہماری حاجتیں روا کروا دیتا ہے۔ مکہ کے مشرک فرشتوں کو پوجتے اور اُن کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اسی طرح جنوں کو بھی اور رومن کیتھولک عیسائی بلکہ آج کل کے پراٹسٹنٹ بھی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کو ایک دوسرے کا خاوند اور بیوی اور اولاد بناتے بناتے خدا تعالیٰ سے نسب نامہ ملا دیتے تھے۔ ہنود میں بھی اس کے قریب قریب خیالات فاسدہ ہیں اور پہلے بھی تھے۔

اس بات کو اللہ تعالیٰ رد کرتا ہے کہ اگر اللہ کو بیٹا ہی بنانا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے عمدہ اور بہتر ہی کو نہ پسند کر لیتا تمہارے معبودوں میں کیا بات ہے۔ سبحانہ لیکن وہ ان باتوں سے پاک ہے، وہ اکیلا ہے زبردست ہے۔ بیٹا ہو تو اُس کے ساتھ جنس قریب یا بعید یا نوع میں شریک ہو اور بیٹے کا محتاج سمجھا جاوے حالانکہ اس کے ساتھ کسی کو کسی بات میں بھی شرکت نہیں، نہ اُس کو کسی کی کسی بات میں حاجت ہے۔ خلق السمٰوٰت آسمان و زمین چاند اور سورج اور سب ستارے اور جملہ مخلوقات اُس کی پیدا کی ہوئی ہے اور تمام عالم میں اسی کا ید قدرت تصرفات کرتا ہے۔ وہی رات دن کی الٹی پلٹی کیا کرتا ہے۔ ہر ایک ستارہ اسی کے حکم کا پابند، اُسی اندازہ سے حرکت کرتا ہے کہ جس پر اس نے اس کو معین کر دیا ہے۔ وہی زبردست ہے، وہی گناہ معاف کرتا ہے، یعنی اُس کے تمام کاروبار اسی کے ہاتھ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بیٹا تو وہ چاہتا ہے کہ جو پیری وضعف میں اُس کو کار آمد یا اپنے بعد وارث سمجھتا ہو، اللہ ان سب باتوں سے مبرا ہے۔

اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ پر اور اس بات پر کہ توالد و تناسل کا سلسلہ تم انسانوں اور حیوانات میں ہے اور وہ بھی ہمارے حکم سے جاری ہے نہ خدا تعالیٰ میں۔ فقال خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ الخ کہ تم سب کو ایک شخص یعنی آدم سے بنایا اور اسی سے اس کا جوڑا یعنی بیوی بھی بنائی اور حیوانات میں سے بھی تمہارے لیے بھیڑ، بکری اُونٹ، گائے کے آٹھ جوڑے نر و مادہ پیدا کیے اور تمہاری شکلیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے۔ تین اندھیریوں میں ایک پیٹ کی دوسری رحم کی تیسری جھلی کی جس کو مشیمہ کہتے ہیں (مجاہد و عکرمہ) پس تمہارا معبود تو یہ ہے کہ اسی کی بادشاہی ہے، اُس کو چھوڑ کر تم کہاں بہکے جاتے ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧

اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ کو بھی تمہاری پروا نہیں اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ تم سے خوش ہوگا اور کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھاوے گا۔ پھر تم کو اپنے رب کے پاس جانا ہے، پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو تم کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے، اسی کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اس کو اپنی نعمت عطا کرتا ہے تو جس کے لیے پہلے پکارتا تھا، اُس کو بھول جاتا ہے اور اُس کے لیے شریک بناتا ہے تاکہ لوگوں کو بھی اس کے رستے سے بہکائے، کہہ دو اپنے کفر کے اور چند روز مزے اڑا لے (پھر) تو آگ میں رہے گا۔

تفسیر : دلائل توحید بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ اَنّٰى تُصْرَفُوْنَ کہاں بہکے جا رہے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کیوں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اس پر ایسے لوگوں کا گمان جا سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری بڑی ضرورت اور ہمارے ایمان و شکر گزاری کی بڑی حاجت ہے جو ہم کو بلاتا ہے اس کا دفعیہ کرتا ہے۔ ان تکفروا الخ کہ اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا اور اس کو تمہاری شکر گزاری کی حاجت بھی نہیں، ہاں یہ ہے کہ اگر بندے اس کی ناشکری و کفران نعمت کرتے ہیں تو وہ اُس کو پسند نہیں کرتا، ناخوش ہوتا ہے اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اس کو پسند کرتا ہے خوش ہوتا ہے۔

اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ بدی کا بندہ خالق ہے، کوئی بدی خدا کی خواہش اور ارادے سے نہیں نہ خدا کسی کا گمراہ کرنا چاہتا ہے، مگر اہل سنت و جماعت اس میں فرق کرتے ہیں کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا نیک و بد سب کا اللہ کو ازل میں علم تھا کہ فلاں فلاں شخص یہ کرے گا، پھر دُنیا میں بھی گو بندہ کو اُس کے افعال میں اختیار و قدرت عطاء کی ہے، جس پر برے کاموں سے مؤاخذہ ہوتا ہے مگر ان قدرتوں اور قلبی خطرات کا سلسلہ جو اُس کے محرک ہیں، اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کے ارادے سے وابستہ ہے، کیونکہ وہ پیدا کر کے نکما اور بے اختیار نہیں ہو بیٹھا ہے۔ جیسا کہ بعض ہنود کا وہم ہے پس اس لیے جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے۔ نیک یا بد سب اس کے ارادے اور مشیت سے علم ازلی کے مطابق ہو رہا ہے اور اس آیت میں کفر پر نارضامندی ظاہر کی ہے۔ رضامندی اور چیز ہے ارادہ اور مشیت اور چیز ہے۔ رضامندی نہ ہونے سے ارادہ کا نہ ہونا نہیں ثابت ہوتا۔

مگر اس پر بھی ناسمجھ یہ کہا کرتے ہیں کہ جب سب کچھ اُسی کی قدرت و مشیت سے ہے تو اول دن سے جس طرح اس نے ہمارے باپ دادا کے لیے طریقہ اور مذہب بنا دیا ہے، ہم اسی کے پابند ہیں، ہمارا کیا گناہ ہے، ہماری گمراہی کے بھی وہی ذمہ دار ہیں، اس کا جواب دیتا ہے۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخرٰی کہ جب ہم نے ہر ایک کو عقل و شعور نیک و بد کی شناخت ارادہ و قدرت دے دی ہے تو پھر اپنی نیکی بدی کا ہر کوئی آپ ہی ذمہ دار ہے۔ باپ دادا نہیں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاوے گا۔ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ایک روز تم کو خدا کے پاس پھر جانا ہے، وہ تمہارے کاموں کا نیک و بد نتیجہ تمہیں بتا دے گا، اُس سے کوئی کام مخفی نہیں کام تو کیا وہ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلی خطرات بھی تو جانتا ہے نیت کا حال معلوم ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ کہ اس بت پرستی کا بوجھ جو تم اپنے باپ دادا پر دھرتے اور یہ عذر کرتے ہو، سو یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو بے اختیار ہو کر اللہ ہی کو پکارتے ہو اور جب عیش و آرام تم کو دیتا ہے تو اس وقت اُس کو بھول جاتے ہو اور اپنے

اس سے بعض نے ثابت کیا ہے کہ عاقلہ پر دیت نہیں کیونکہ جو کرے وہی بھرے اگر کسی نے خطاء کسی کو مار ڈالا تو عاقلہ (اس کی قوم و کنبہ) کیوں ذمہ دار کیے جانے لگے۔ ۱۲ منہ

فرضی معبودوں کی طرف اس نعمت کو منسوب کرنے لگتے ہو، آپ تو برباد ہوتے ہو اوروں کو بھی رغبت دلا کر گمراہ کرتے ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بت پرستی و بدکاری تمہاری خرمستی ہے، اب چند روز دنیا کے مزے لے لو خرمستیاں کر لو، انجام تو جہنم ہے جو برے کاموں کا لازمی اثر ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

(کیا وہ ناشکرا منکر بہتر ہے) یا وہ کہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کر کے عبادت کرتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید کرتا ہے۔ کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں، سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ (اے رسول! میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے ایماندار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جنہوں نے نیکی کی ہے، اس دنیا میں ان کے لیے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔ صبر کرنے والوں ہی کو ان کا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔

ترکیب : امن بالتشدید ام متصلۃ دخلت علی من الموصولۃ وادغمت المیم فی المیم، واتصالھا بمحذوف تقدیرہ آ الکافر خیر امن ھو قانت وقیل ام منقطعۃ مقدرۃ ببل والھمزۃ ای بل امن ھو قانت کالکافر۔ وقرء بالتخفیف فالھمزۃ للاستفھام امن ھو قانت للہ کمن ھو کافر والخبر محذوف لدلالۃ قولہ قل ھل یستوی۔ وقال الفراء الھمزۃ للنداء ومن منادی ای یا من ھو قانت قل ھل الخ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا حالان۔

تفسیر : اشرار و کفار کی سیرت بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں ابرار و اخیار کی صفت بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں، ایک وہ بھی نیک بندے ہیں جو رات کے وقتوں میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ سجدہ و قیام کے ساتھ اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں، کیا یہ دونوں برابر ہیں، آپ ہی حکم دیتا ہے کہ وہ علم والے اور جاہل کہیں برابر ہو سکتے ہیں، یعنی وہ جاہل ہیں۔ یہ عالم ہیں۔ القنوت الطاعۃ عبادت اٰنَآءَ الَّيْلِ جمع انی بکسر الھمزۃ بمعنی واسعاء وقیل واحدھا انا، الیل سے مراد رات کی گھڑیاں اور اس کے اوقات بعض کہتے ہیں، مغرب سے عشاء تک کا زمانہ، بعض کہتے ہیں اول وقت اور درمیانی اور آخر اس میں تہجد کی نماز بھی آ گئی۔ رات میں ریاکاری بھی نہیں تخلیہ بھی ہوتا ہے۔ شور و شغب بھی نہیں ہوتا اور نیز آرام کا وقت ہے، نفس پر اس وقت عبادت کرنا شاق گزرتا ہے۔ اس لیے رات کی عبادت افضل قرار پائی، انبیاء و صالحین رات میں زیادہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ان باتوں کو اس آیت میں عجائب اسرار ہیں۔ عمل سے شروع کیا سَاجِدًا وَّقَآئِمًا سے اشارہ کر کے اور علم پر ختم کیا۔ اَلَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ سے اشارہ کر کے اور قَانِتٌ اور اٰنَآءَ الَّيْلِ اور سَاجِدًا وَّقَآئِمًا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کام پر اوقات مختلف میں مداومت کرنا چاہیے، اس سے اول مرتبہ میں مقام قہر منکشف ہوتا ہے، جیسا کہ يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ میں اشارہ ہے اور بعد میں اس پر مقام رحمت و اُنس منکشف ہوتا ہے، جیسا کہ یرجوا رحمۃ ربہ اس پر دال ہے، پھر اقسام اقسام کے مکاشفات حاصل ہوتے ہیں، جیسا کہ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد جانداروں کے لیے اپنے رسول کو چند نافع باتیں تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (۱) قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ الخ کہ میرے ایماندار بندوں سے کہہ دو کہ اپنے رب سے ہمیشہ ڈرتے رہا کریں، یعنی ایمان کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری بھی ضرور ہے، پھر اس تقویٰ کے منافع بیان کرتا ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا کہ جو اس دنیا میں نیکی کرتا ہے اس کے لیے حسنۃ آخرت میں نیکی اور بھلائی ہے۔ یعنی جنت، بعض کہتے ہیں فی ہذہ حسنۃ سے متعلق ہے، یعنی نیکوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔ عافیت، صحت، فراخی، اقبال، دشمنوں پر غلبہ، برکت و راحت و عزت، پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہارے وطن میں کوئی نیکی کرنے سے مانع ہو تو اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ خدا کی زمین فراخ ہے اور کہیں چلے جاؤ۔ اس میں اہلِ مکہ کو ہجرت کی ترغیب ہے۔ ہجرت میں جو تکالیف پیش آویں ان پر صبر کرو، صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

(اور یہ بھی کہو) مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں خالص اسی کا ہو کر اللہ کی عبادت کیا کروں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے فرمانبرداری کروں، کہو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں (اور) کہو میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ خالص اللہ ہی کا ہو کر پھر تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، کہو نقصان میں تو وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان اور گھر اہل و عیال کو قیامت کے روز خسارہ میں ڈال دیا۔ دیکھو یہی صریح نقصان ہے۔ ان کے اوپر بھی آگ کی چھتیں ہوں گی اور ان کے نیچے بھی یہ ہے کہ جس کا اللہ اپنے بندوں کو خوف دلایا کرتا ہے اے میرے بندو مجھ سے ڈرو۔

ترکیب : ان اعبد اللہ مفعول لامرت مخلصًا حال من الضمیر الفاعل فی اعبد الدین منصوب بمخلص لان اللام زائدۃ والجملۃ مفعول مالم یسم فاعلہ لامرت ویمکن ان یکون المفعول ضمیرا فی امرت ای انا ولان متعلق بامرت وَاَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ خبرا کون عذاب مفعول لاخاف اِنْ عَصَيْتُ ربی شرط وجوابہ محذوف الذین خسروا خبر ان یوم القیامۃ منصوب بخسر والظلل جمع ظلۃ مبتداء لھم خبرہ من فوقھم حال من ظلل ای کائنۃ من فوقھم من النار لغت لھا۔

تفسیر : (۲) دوسری بات جس کے کہنے کا رسول کو حکم دیا۔ یہ ہے قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ، اول تو انسان کی درستی کے لیے نازیبا باتوں کا ترک لازم ہے تاکہ آئینۂ دل اور نقش و نگار سے صاف ہو جاوے، تب اس پر مرغوب نقش ہوگا۔ اس لیے اول تقویٰ کا حکم دیا تھا، اس کے بعد عمدہ باتوں کا عمل میں لاتا ہے۔ ایمان و اسلام کے معنی عمدہ باتوں میں سب سے مقدم عبادت ہے، پھر اس کے دو رکن ہیں، ایک عمل قلب یعنی اخلاص و حسنِ عقیدت جس میں ریاکاری و شرک کی بو بھی نہ ہو اس لیے اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا کہ کہہ دے مجھے عبادت الٰہی کا

نہ اور کسی کا حکم ہوا اور وہ بھی اخلاص کے ساتھ، اُس کو ایمان بھی کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ رکن ہے، اس لیے اُس کو مقدم کیا۔ دوسرا رکن ہاتھ پاؤں، اعضاء کو کام میں لانا، اُس کو بعد میں بیان کیا، فقال وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ کہ مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں سب سے اول اور امرِ الٰہی کو بجالاؤں۔

ایمان واسلام کے معنی: الاسلام گردن نہادن، یعنی فرمانبرداری کرنا۔ شرع میں گو ایمان واسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی بات سمجھی جایا کرتی ہے، مگر لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے، ایمان اعتقادِ صحیح' اللہ اور رسول اور قیامت اور ملائکہ وکتابوں کو برحق جاننا اور اسلام نماز روزہ زکوٰۃ وحج وروزہ ادا کرنا' زبان سے توحید ورسالت کا اقرار کرنا۔ جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے لوگوں کے سکھانے کے لیے آنحضرت ﷺ سے ایمان واسلام کے معنی پوچھے اور آپ نے یہی جواب دیا۔

(۳) ان احکام میں اس بات کا بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ایسا کرنا بھی بہتر ہے، اگر نہ کرے تو کوئی حرج بھی نہیں، اس بات کو اس جملہ میں کھلوادیاقل انی اخاف الخ کہ ان سے کہہ دے کچھ تمہارے لیے نہیں بلکہ مجھے بھی خوف ہے کہ اگر میں ان احکام میں نافرمانی کروں گا تو بڑے دن یعنی قیامت میں عذاب ہوگا، یعنی یہ امر وجوب کے لیے ہے۔

فائدہ: رسول کو ان باتوں میں مامور کرنے سے یہ بات بتلائی گئی کہ بادشاہوں کی طرح سے معاملہ نہیں کہ اوروں کے لیے حکم دیں اور آپ عمل نہ کریں اور یہ بھی ہے کہ جو آپ عمل نہیں کرتا اور ان کو کہتا ہے، اس کی بات کی تاثیر نہیں ہوتی اور نیز مخاطب کو دغدغہ باقی رہتا ہے اور خود کرنے میں اور سب سے پہلے کرنے میں اطمینان ہوجاتا ہے اور نیز اس میں ادنیٰ واعلیٰ کا فرق بھی اُٹھادیا گیا۔ (۴) حکم دینے کے بعد رسول کی زبان سے اس کے اقرار کرنے کا بھی حکم دیا کہ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ الخ میں تو خالص اللہ کی عبادت کرتا ہوں بموجب حکم الٰہی تمہیں اختیار ہے جس کی چاہو کرو' نیک وبد بتلادیا گیا۔ (۵) قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ ان سے کہہ دے ان باتوں پر عمل کرنے سے کوئی خرابی و نقصان نہیں بلکہ نقصان اور خسارہ اُن کو ہے کہ جنہوں نے اس پر نہ آپ عمل کیا نہ اپنے لوگوں کو کرنے دیا، قیامت کے دن آپ بھی نقصان میں پڑا اور اپنے اہل وعیال کو بھی ڈالا، یہ بڑا خسارہ ہے، اُن پر اس روز آگ چاروں طرف سے محیط ہوکر سایہ کرے گی، یہی تو وہ بات ہے کہ جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو ڈرو اور بچو۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ
الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۸ اَفَمَنْ حَقَّ
عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ۝۱۹ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ
اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۰

اور جو لوگ بتوں کی عبادت کرنے سے بچ گئے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اُن کو خوشخبری ہے۔ پھر میرے اُن بندوں کو خوشخبری سنادو کہ جو بات سنتے ہیں، پھر

ان میں سے اچھی بات پر چلتے بھی ہیں۔ یہی ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل والے ہی ہیں، پھر کیا جس کو عذاب کا حکم ہوچکا نجات پانے والے کے برابر ہے پھر کیا آپ اس کو آگ میں پڑے ہوئے کو نکال لیں گے، لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرے اُن کے لیے جنت میں جھروکے ہیں کہ جن پر اور جھروکے بنائے گئے ہیں اُن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اللہ کا وعدہ ہوچکا، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ترکیب: الطاغوت کالرحموت والعظموت بناء مبالغة فی المصدر، ویونث قیل اعجمی کطالوت وجالوت وقیل عربی من الطغیان الا ان فیہا قلبا بتقدیم اللام علی العین، والمراد بہا الاوثان والشیطان وقیل الکاھن، ان یعبد وھا فی محل نصب علی البدل من الطاغوت بدل اشتمال و انابوا معطوف علی اجتنبوا لَهُمُ الْبُشْرٰى الجملة خبر والذین افمن من موصولة فی محل رفع بالابتداء والخبر محذوف ای کمن یخاف او شرطیة فات جواب۔

تفسیر: بت پرستوں کی برائی اور اُن پر پیش آنے والی مصیبت کے ذکر کے بعد اُن سے بچنے والوں اور خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کے فضائل اور اُن کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ گویا یہ بیان سابق کا تتمہ ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ کہ جو لوگ بتوں اور شیطانی طریقہ اور اُن کی پرستش سے بچتے ہیں اور صرف یہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ انابوا الخ اللہ کی طرف بھی رجوع ہوتے ہیں، اُن کے لیے خوشخبری ہے۔ موت کے وقت اور قبر میں اور وہاں سے نکلنے کے وقت اور میدانِ حشر میں ملائکہ اُن کو جنت اور مغفرت کا مژدہ دیں گے بلکہ دنیا میں بھی خدا پرستوں کو نہ صرف مصائب کے وقت بلکہ ہر لحظہ روحانی طور پر مژدہ اور خوشحالی حاصل رہتی ہے، پھر اس خوشخبری کو اپنی رحمت بلکہ عام کرنے کے لیے اپنے رسول کو حکم دیتا ہے۔ فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِيْنَ کہ میرے ان بندوں کو خوشخبری اور مژدہ دے جو بات سنتے ہیں اور جو اچھی بات ہوتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ وہ قرآن وسنت' نبی کی باتیں سنتے ہیں، پھر جو حکم ہے، اس پر عمل کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القول سے مراد عام ہے کہ اچھی بری سب باتیں سنتے ہیں مگر بری باتوں پر نہیں بلکہ اچھی باتوں پر چلتے ہیں اور انصاف وعقل کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جو کوئی نیک بات کہے اس پر عمل کرے۔

ایسے لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں نہ وہ کہ حق بات کو ہرگز نہیں مانتے، کوئی لاکھ سمجھائے مگر دل پر اثر ہی نہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے لیے تقدیرِ الٰہی میں عذاب مقرر ہوچکا ہے۔ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ کے یہ معنی ہیں، پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا ہے، کیا آپ کسی کو جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں کہ ازلی نوشتہ سے جہنمی ہوچکا ہے، اس کے بعد ان نیک لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے جو مرنے کے بعد اُن کو ملے گی۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت میں وہ بالاخانہ عطا ہوں گے کہ جو ایک کے اُوپر دوسرا بنتا چلا گیا ہے اور ان میں کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں اور ان مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، آبِ رواں پر ایسے خوش قطعہ مکانات کا عجب لطف ہوتا ہے۔ فرماتا ہے وعد اللہ ان باتوں کا اللہ نے وعدہ کرلیا ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ
بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ
ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝۲۱ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ
عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر اس کو زمین کے چشموں سے بہایا، پھر اس سے رنگ برنگ کی کھیتی نکالتا ہے پھر جب وہ پک جاتی ہے تو اس کو زرد ہوئی دیکھتا ہے، پھر اس کو چورا چورا کر ڈالتا ہے، البتہ اس میں عقلمندوں کے واسطے بڑی عبرت ہے۔ پھر کیا وہ شخص کہ جس کا اللہ نے اسلام کے لیے سینہ کھول دیا، پھر وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر بھی ہو (اس کے برابر ہے کہ جس کے دل پر گمراہی کی مہر ہے) پھر خرابی ہے ان کو کہ جن کے دل یاد الٰہی سے سخت ہیں، وہی صریح گمراہی میں ہیں۔

ترکیب : ان اللہ الخ الجملۃ سد مسد المفعولین ینابیع جمع ینبوع وھو مفعول من نبع ینبع وھی منصوب بنزع الخافض لان التقدیر فسلکہ فی ینابیع یھیج ای یجف وذھبیس یقال ھاج النبت یھیج ھیجا اذا تم جفافہ او مخضر۔ والحطام ما تفتت وتکسر۔

تفسیر : جبکہ خدا تعالیٰ اور آخرت کے وہ صفات بیان فرما چکا کہ جن سے اس کی طرف رغبت ہو تو اس کے بعد دنیا کی بے ثباتی بیان کر کے اُس سے نفرت دلاتا اور اسی بات کو حشر برپا ہونے کا نمونہ بتاتا ہے۔ فقال الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء کہ اے نبی! یا اے ہر مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ اوپر سے پانی بارش کا برساتا ہے، پھر اس کو زمین میں پیوست کر دیتا ہے۔ زمین اُس کو پی جاتی ہے، پھر اس سے مختلف رنگوں کی کھیتیاں اُگتی ہیں۔ زرد، سبز، سفیدی مائل یا گیہوں دھان وغیرہ پھر وہ پک کر تیار اور خشک ہو جاتے، پھر زرد نظر آنے لگتی ہے۔ پھر کٹ کر روندے جاتے ہیں اور چورا چورا ہو جاتے ہیں، اس میں عقلمندوں کے لیے بڑی سمجھ کی جگہ ہے۔ وہ یہ کہ اسی طرح آدمی کا حال ہے پانی کے قطرہ سے پیدا ہوتا ہے، مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی گورا کوئی کالا کوئی خوبصورت، کوئی بدصورت مگر اَلْحَق اور لہلہاتی جوانی اور اُس کی اُمنگیں بڑی دلفریب اور خوش آیند ہوتی ہیں جس میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پھر بوڑھا ہو جاتا ہے۔ زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ تمام خوبیاں اور اچھل کود رخصت ہو کر بدمنظر ہو جاتا ہے اور اپنی جان بھی وبال ہو جاتی ہے نہ وہ آنکھوں کی روشنی اور دانتوں کی چمک چہرے کی دمک ہاتھ پاؤں کا کس بل باقی رہتا ہے نہ وہ حوصلہ پھر ایک روز مر جاتا ہے، پھر چند روز کے بعد تمام جسم چور چور ہو کر ہوا میں ذرے ہو کر اڑتا پھرتا ہے۔ وہ چند روزہ عیش و نشاط، جاہ و عزت، شادی و غم خواب و خیال ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح وہ قادر مطلق اگلے سال پھر انہی کھیتیوں میں کھیتیاں اُگاتا ہے اور پھر وہی بہار دکھاتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد انسان قیامت میں پھر اسی بدن سے کھڑا ہو کر اس چندروزہ زیست کے اعمال نیک و بد کا نتیجہ بھگتے گا۔ عبرت عبرت۔

ان بیانات کے بعد جو اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دنیا سے نفرت کرنے پر دلالت کرتے ہیں، اس آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ الخ میں یہ بات بتاتا ہے کہ ان بیانات سے وہی لوگ نفع اُٹھاتے اور ہدایت پاتے ہیں کہ جن کے اللہ نے سینے کھول دیے اور دل روشن کر دیے ہیں۔

شرح صدر، خدا نے جواہر نفوس کو مختلف الماہیہ پیدا کیا پس بعض تو نورانی شریف الہیات سے مائل روحانیات میں ملنے کے راغب ہیں اور بعض خسیس ظلماتی جسمانیات کی طرف مائل ہیں۔ لذات حسیہ کی طرف حریص۔ پس یہ اعلیٰ درجہ کی استعداد جو اوئی محرک سے قوت کے مرتبہ سے فعلیت کی طرف آنے کے لیے آمادہ ہے۔ اسی کا نام شرح صدر ہے۔ جیسا کہ گندھک یا بارود ذرا سی آگ سے بھڑک اُٹھنے کے لیے تیار ہے۔ برخلاف گیلی لکڑیوں کے پس جن میں یہ استعداد ہے، انہی کو نور الٰہی نصیب ہے اور صحت روحانیہ کے لیے ذکر الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی دوا نہیں، پس جس کو اس سے بھی شفا نہیں تو اب اُس کے علاج کی کوئی توقع نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اس جملہ میں اس کو ذکر کرتا ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، ترمذی و بیہقی نے نقل کیا ہے کہ بغیر ذکر اللہ کے بہت کلام نہ کیا کرو کیونکہ

اس سے دل سخت ہوتا ہے اور جو سخت دل ہے وہ اللہ سے بہت دور ہے۔ اس معنی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن ۔ دل زبر گفتن بمیرد در بدن

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ نے عمدہ کلام نازل کیا جو ملتے جلتے ہوئے (مضامین میں) دوہری کتاب ہے جس سے خدا ترس لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے رونگٹے اور دل یاد الٰہی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے، راہ راست دکھاتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر تو اس کے لیے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ پھر کیا وہ شخص جو اپنے چہرہ کو قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے روکتا ہے (نجات پانے والے کے برابر ہے) اور ظالموں سے کہا جاوے گا جو کچھ تم کیا کرتے ہو اس کا مزہ چکھو۔

ترکیب : اللہ مبتدا نزل خبرہ۔ کتابا بدل من احسن الحدیث او حال منہ۔ متشابھا صفۃ للکتاب ای یشبہ بعضہ بعضا فی الحسن والاحکام مثانی صفۃ اخری لکتاب وھو جمع مثنی او مثنی من التثنیۃ بمعنی التکریر تقشعر صفۃ للکتاب او حال منہ۔ اقشعر ارموی برتن باستن، پھریری۔

تفسیر : چونکہ قرآن مجید بھی اس خبیث مرض سے شفا حاصل ہونے کا بڑا قوی نسخہ ہے اور دل میں نور پیدا کرنے کے لیے نہایت روشن شمع ہے اس لیے قرآن مجید کے بعض فضائل اور اس کا منزل من اللہ ہونا بیان فرماتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ یعنی قرآن مجید کو جو سب کلاموں سے عمدہ ہے، اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کلام میں ایک شان ہوتی ہے جو خود بتلا دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے، اسی لیے یہ قول مشہور ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔ اب قرآن مجید کو بغور دیکھو کہ وہ کیا بتلاتا ہے۔ کلام میں دو حسن ہوا کرتے ہیں، ایک ظاہری یعنی فصاحت و بلاغت جو طبائع بشریہ کو اپنے مقناطیسی جذب سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دوسرا معنی وہ کیا اس کے مطالب کی عمدگی جو انسانی حالات اور اس کے جذبات اور اس کے تمام مقاصد کو جو دار آخرت سے تعلق رکھتے ہوں، حاوی ہو۔ انہیں طریقوں سے جو شاہنشاہوں کے کلام میں ہونے چاہییں۔ پس یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں اس خوبی کے ساتھ ہیں کہ جس کا نظیر نہیں اور اس کا ثبوت ہم متعدد مقامات میں کر آئے ہیں، اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی یہاں ایک ہی لفظ میں اشارہ کر دیا، یعنی اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ ہیں۔ دوسرا وصف اس کا ایک یہ ہے کہ متشابھا ہے کہ جس آیت کو دیکھیے ایک دوسرے سے اس خوبی میں مشابہ ہے، یہ نہیں کہ دس پانچ مقامات میں تو الٰہیات کا جلوہ نمودار ہو اور دوسرے مقامات میں شہوت انگیز اور سلف میں عیب لگانے والے قصے اور بے سود افسانے اور توہمات کی شاعرانہ طور پر بندشیں جیسا کہ توریت و انجیل موجودہ اور وید و دساتیر کے ملاحظہ سے ظاہر ہے اور نیز یہ بھی ہے کہ احکام و تذکیر میں کتب سابقہ منزل من اللہ کے مشابہ ہے۔ پہلے جو احسن القول کا ذکر تھا۔ یہاں بتلایا گیا کہ وہ قرآن مجید ہے۔ تیسرے مثانی اس میں قصص و مواعظ و احکام لوگوں کے

سمجھانے کے لیے مکرر یعنی بار بار نئے نئے اسلوب سے مذکور ہوئے ہیں، مگر پھر بھی کمال بلاغت ہے یا یہ مراد کہ قرآن بار بار پڑھا جاتا ہے۔ اس کی حلاوت مکرر پڑھنے کی طرف مجبور کرتی ہے اور دل پر گراں نہیں گزرتا اور کلاموں میں یہ بات نہیں، ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، برخلاف قرآن مجید کے یا یہ مراد کہ قرآن میں ہر بیان دوہرا ہے امر ہے تو نہی بھی، جنت کا ذکر ہے تو دوزخ کا بھی ہے۔ وقس علیہ۔ چوتھے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ اس کے پڑھنے سے دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔ بدن پر خدا ترسوں کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قوت بہیمیہ پست ہوتی ہے، ملکیت کو غلبہ ہوتا ہے، ایسے وقت میں انقلاب کا اثر جسم پر بھی ہوتا ہے۔ یہ روحانی اور معنوی صفت ہے جو کلام الٰہی کو لازم ہے۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ اس کے بعد ذکر الٰہی اور اس کے اُنس سے ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔ یعنی اطمینان ہوتا ہے۔ جلال کے مشاہدہ سے جس طرح خوف تھا اسی طرح جمال کے مشاہدہ سے سکون پیدا ہوتا ہے۔ فرماتا ہے ذٰلِكَ یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے، اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو اس سے بدنصیبی ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ جو قرآن سے نفع اُٹھاتا ہے۔ آتش جہنم کو اپنے منہ سے روکتا ہے، یعنی دور کرتا ہے۔ قیامت کے روز پھر کیا وہ اس کے برابر ہے جو عذاب میں گرفتار ہوگا اور ان ظالموں کو کہا جاوے گا کہ اپنے بدعمل کا مزہ چکھو۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ
اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وقف لازم
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ
مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ
مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ
مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع

اُن سے پہلوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر ان پر اس طرح عذاب آیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی، پھر ان کو اللہ نے دُنیا کی زندگی ہی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اور بھی زیادہ ہے، اگر وہ جانتے اور البتہ لوگوں کے لیے ہم نے اس قرآن میں ہر ایک طرح کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ سمجھیں۔ وہ عربی زبان کا بے عیب قرآن ہے تاکہ وہ پرہیزگاری کریں۔ اللہ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص (غلام) تو ایسا ہے کہ جس میں اور بھی برابر حصہ دار ہوں اور ایک غلام خالص ایک ہی شخص کا ہو کیا دونوں کی حالت برابر ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر جانتے بھی نہیں۔ بے شک تم کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے آپس میں جھگڑو گے۔

ترکیب : قرانا حال مؤکدۃ من ھذا و تسمی حالا موطئۃ لان الحال فی الاصل ھو عربیا و قرانا تو طئۃ لہ نحو جاءنی زید رجلا صالحا ھذا قول الاخفش ویمکن ان ینصب علی المدح رجلا قال الکسائی منصوب لکونہ تفسیر المثل وقیل منصوب بنزع الخافض ای ضرب اللہ مثلا برجل

لے اس جگہ سے عذاب آیا جس کو جانتے نہ تھے۔

ای رجلا مفعول اول و مثلا مفعول ثان فیہ شرکاء الجملۃ صفۃ لرجل، و فی تعلق بمتشاکسون سلما بفتح السین وکسر ھا و سالما مصدر وصف بہ للمبالغۃ والتشاکس التخالف۔

تفسیر : جبکہ خدا تعالیٰ قاسی القلب لوگوں کے عذاب آخرت کی کیفیت بیان فرما چکا تو دُنیا میں بھی ان پر عذاب نازل ہونے کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال كَذَّبَ الَّذِيْنَ کہ ان سے پہلے لوگوں نے جو بڑے سخت دل تھے۔ ہمارے انبیاء اور آیات کو جھٹلایا تھا، پھر ان پر اس طرح سے عذاب آیا کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ آرام سے پڑے سوتے تھے۔ بلا آگئی، پھر یہی نہیں کہ وہ ہلاک ہو گئے، بلکہ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ان کو دُنیا میں رسوائی اور ذلت کا بھی خوب مزا چکھایا اور مطلب اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پورا عذاب اور کامل بلا وہ ہے کہ جس میں رسوائی اور ذلت اور رنج و غم بھی ہو اور غرض اس سے یہ ہے کہ مخاطبین بھی سن کر خبردار رہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ دُنیا ہی کی رسوائی اور عذاب پر بس نہیں بلکہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ان کے لیے آیا ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر وہ اس بات کو خوب جانتے اور عمل کرتے تو ایمان لاتے، مگر ان کو کب باور ہوتا تھا۔ تمسخری کرتے رہ گئے کہ بلا میں گرفتار ہو گئے۔

ان بیانات شافیہ اور فوائد متکاثرہ اور مطالب نفیسہ کے بیان کے بعد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیانات حد کمال کو پہنچ گئے۔ فقال وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ کہ قرآن میں ان باتوں کو ہم نے خوب کھول دیا ہے، ہر ایک بیان کو مثال کی طرح واضح کر دیا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ لوگ سمجھیں اور خوب کریں پھر جو اس پر بھی نہ سمجھے تو یہ سمجھو کہ اس سے خدا ہی سمجھے گا وہ ازلی بدبخت ہے۔

اور جبکہ یہ بیان کیا کہ قرآن میں ایسے ایسے نفیس بیانات ہیں تو ضرور ہوا کہ کچھ اوصاف قرآن مجید کے بھی بیان کئے جاویں۔ فقال قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کہ یہ کتاب قرآن ہے، یعنی پڑھا جاتا ہے۔ طبائع بشریہ سلیمہ اس کی تلاوت سے لذت اُٹھاتے ہیں اور عجب لطف پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو اس کے معنی بھی نہیں سمجھتے وہ بھی ایک کیفیت پاتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک یہ کتاب لوگوں کی زبان پر ہوگی، ہوا ایسا ہی ہے۔ برخلاف اور ادیان اور اُن کی کتابوں کے۔

دوسری صفت یہ کہ عربیا عرب کی شیریں اور نہایت فصیح بول چال میں اتارا گیا ہے، کسی اور ملک کی سخت اور پیچیدہ زبان نہیں جو زبان پیچ ہو۔ اگرچہ ہر ملک کے لوگ اپنی زبان پر قادر ہوتے ہیں اور اسی کے کلمات ان پر سہل ہوتے ہیں، مگر اس سے قطع نظر فی نفسہ بھی زبانوں میں تفاوت ہے کہ کوئی نہایت سلیس اور شیریں اور سہل الوصول ہوتی ہے اور کوئی لٹھ یا سنگ خارا۔ تیسری صفت غیر ذی عوج کہ قرآن میں کوئی کجی نہیں کوئی مضمون اور کوئی مطلب ایسا نہیں کہ جس سے طبیعت سلیمہ انکار کرے اور اس کو مستبعد جانے اور نہ الفاظ و عبارت میں کوئی کجی ہے۔ کتاب الٰہی کے لیے یہ دونوں باتیں پر ضرور ہیں اور انہیں لحاظ سے کلام اپنے قائل کی شان بتایا کرتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ لوگ خدا سے ڈریں، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں۔ پہلے يَتَذَكَّرُوْنَ فرمایا تھا کہ سمجھنے کے بعد تقویٰ حاصل ہوا کرتا ہے۔

منکرین پر آنے والی بلاؤں کے بیان کرنے کے بعد مناسب ہوا کہ کچھ ان کے طریقے کی بھی برائی بیان کرے کہ جس کے سبب ان پر بلائیں دُنیا و آخرت میں آنے والی ہیں۔ فقال ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ الخ کہ اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص کے تو چند باہمی ضدی اور مساوی شریک ہیں، ان میں سے اگر ایک کسی کام کو کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف حکم دیتا ہے یا ایک اس کے لیے کوئی چیز دینا چاہتا ہے تو دوسرا روک لیتا ہے اور ایک شخص ایک ہی کا ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا بڑی حیرانی و سرگردانی میں ہے، دوسرا نہیں، یہی حال مشرک کا ہے کہ جو کئی معبودوں کا بندہ بنا ہوا ہے اور موحد ایک ہی معبود کا ہے یعنی اللہ کو۔ یہ شرک اور مشرکوں کی برائی میں مثال بیان ہوئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جب اور کوئی معبود نہیں تو سب انعامات وافضال جو بندے پر ہیں، ایک ہی شخص کی طرف سے ہیں، یعنی اللہ کی طرف سے۔ پس جس کے انعام ونعماء ہیں وہی حمد وستائش کا مستحق ہے اور کوئی نہیں پس اسی کی حمد اور اسی کا شکر کرنا چاہیے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر وہ مشرک اس بات کو جانتے نہیں۔

اور ممکن ہے کہ جس طرح مطالب ثابت کرنے کے بعد کلماتِ حمد وثناء متدل زبان پر اظہارِ مسرت کے لیے اور دشمنوں پر فتح یابی ظاہر کرنے کے لیے لایا کرتا ہے۔ اس طرح الحمد للہ یہاں آیا ہو۔

ان بیانات کو تمام کرکے اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی اور اطمینان دیتا ہے۔ فقال اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کہ دنیا چند روزہ ہے، ایک روز اے نبی علیک السلام تجھے بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ پھر تم وہاں اللہ کے پاس جھگڑو گے۔ حق وباطل وہاں ظاہر ہو جاوے گا، گو اب دنیا میں یہ انکار کرتے ہیں اور دلائلِ حقہ میں غور نہیں کرتے، نہ کریں مرنے کے بعد سب حال معلوم ہو جاوے گا۔

آنحضرت ﷺ کی نسبت جو مرنے کا لفظ اطلاق ہوا حالانکہ آپ شہیدوں سے رتبہ میں کہیں بڑھ کر ہیں اور شہیدوں کی نسبت فرمایا تھا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا کہ ان کو مردہ نہ سمجھو بل احیاء بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی کھایا کرتے ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں کس لیے کہ وہ حیات اور ہے جس کو حیاتِ ابدی کہنا چاہیے اور یہ موتِ عرفی ہے۔ جسم سے روح کی مفارقت، اس مسئلہ کی ہم اس آیت کی تفسیر میں تشریح کر چکے ہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور سچی بات کو جب اس کے پاس پہنچی جھٹلا دیا۔ کیا دوزخ میں منکروں کا ٹھکانا نہیں اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچا جانا وہی پرہیزگار ہیں۔ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہوگا۔ یہ بدلہ ہے نیک بختوں کا تاکہ اللہ ان کے برے عملوں کو ان سے مٹا دے اور ان کو ان اچھے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے بدلہ دے۔

ترکیب: اذ جاء ظرف لکذب بالصدق ای کذب القرآن فی وقت مجیئہ ای من غیر تدبر و تفکر مثوی المقام من ثوی یثوی ثواء وثویا مثل مضی مضاء ومضیا اذا اقام بہ۔ الذی جاء الموصول فی موضع رفع بالابتداء اولئک الجملۃ خبرہ والمبتداء وان کان مفرد اللفظ ولکنہ فی معنی الجمع لانہ یراد بہ الجنس لیکفر اللام متعلقۃ بمحذوف اسوء اسم تفضیل وقیل بمعنی السیٔ ویجزی معطوف علی یکفر باحسن اضافۃ الشیٔ الی بعضہ للتوضیح۔

تفسیر: قیامت میں خصومت اور فیصلہ ہونے کا بیان فرما کر نیک وبد دونوں فریقوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ کون حق پر اور مستحقِ نجات ودرجات ہے اور کون ناحق پر اور قابلِ عذاب ہے؟ فقال فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم اور ناحق پرست ہے کہ جو اللہ

پر جھوٹ باندھے کہ اس کے بیٹا ہے اور جورو ہے اور فرشتے اور جن بیٹیاں ہیں اور فلاں فلاں کو اس نے اپنے کارخانۂ قضاء وقدر کا اختیار دے کر ان کی پرستش کی اجازت دی ہے یا فلاں باتیں حرام اور فلاں حلال کی ہیں، حالانکہ اس نے ایسا حکم نہیں دیا۔ (یہ مشرکوں کی عادت کا بیان ہے) وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اور سچی بات کو جھٹلاوے کتاب اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرے اور وہ بھی بے سوچے سمجھے جیسا کہ کفارِ مکہ کی عادت تھی یا اور جہلاء اباء واجداد ورسم ورواج کے بندے ایسا کرتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ جس کی یہ صفت ہے وہ ناحق پر ہے۔ اس کی سزا جہنم ہے۔ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ استفہام کے طور پر سزا کا بیان کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ مخاطب کے نزدیک بھی ایسے بدبختوں کے جہنمی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ گویا ان کے منہ سے اقرار کرا دیا۔ الزام اس کو کہتے ہیں۔ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ الخ یہاں سے دوسرے فریق یعنی اہلِ حق کا بیان کرتا ہے، کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ انہیں اوصاف کا ذکر کرکے کہ جن کی بابت منکرین کو کلام تھا کہ جو حق بات لایا اور حق کی تصدیق کی، بعض مفسرین کہتے ہیں، ان الفاظ میں خاص خاص شخصوں کی طرف اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد نبی ﷺ ہیں کہ وہ حق بات دینِ اسلام اور قرآن دنیا میں خدا کی طرف سے لائے وَصَدَّقَ بِهٖ سے مراد ابوبکر ؓ یا تمام اہلِ اسلام یا حضرت علی ہیں، مگر صحیح تر یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ گو اس میں یہ حضرات بھی بطریقِ اولیٰ داخل ہیں بلکہ جو کوئی کلمۂ توحید کی طرف بلاوے اور احکامِ الٰہی بتاوے اور جو کوئی اس کو قبول کرے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ وہی لوگ پرہیزگار خداترس ہیں۔ یہ صاف صاف ان کے اہلِ حق ہونے کی شہادت دی گئی اور اس طرح پر کہ جس کو ہر صاحبِ طبعِ سلیم مان سکتا ہے۔ آیت میں صرف اعتقادیات کی درستی پر متقی ہونے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس میں عملیات بھی داخل ہیں، کس لیے کہ کامل تصدیق اور پورا حق کا لانا بغیر اس کے نہیں کہ ان باتوں پر عمل بھی کرے۔ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ الخ یہ ان کی جزا وبیان ہوتی ہے جو مرنے کے بعد ملے گی کہ وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے یہاں پاویں گے اس میں سب چیزیں آگئیں۔ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ یہ بدلہ ہے، نیکوں کا اور یہ بدلہ اس لیے دیا کہ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ اللہ ان سے جو کچھ بشریت سے خطائیں ہو گئیں، معاف کرے اور لفظ اَسْوَاَ اشارہ کرتا ہے کہ بڑے گناہ بھی معاف کردے گا اور ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے گا، ان کو برباد نہ کرے گا۔ یہ قطعی فیصلہ سنا دے گا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِىْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں اور آپ کو ان معبودوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے سوا ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی بھی ہدایت کرنے

والا نہیں اور جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی بھی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست بدلہ لینے والا نہیں اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، کہو بھلا دیکھو تو سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اس کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں، کہو مجھ کو اللہ کافی ہے۔ اس پر توکل کرنے والے توکل کیا کرتے ہیں۔ کہو اے قوم تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں، پھر تم کو آپ معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے اس کو رسوا کرنے کو اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔

تفسیر: کفار مکہ کا اپنے معبودوں کی نسبت اعتقاد بڑھا ہوا تھا، ان کو نافع و ضار جانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو ان کو نہیں مانتا اس کو برباد کر دیں گے۔ عامہ ہنود کا بھی کالی بھوانی وغیرہما کی نسبت اب تک یہی اعتقاد ہے، اس لیے وہ اپنے معبودوں کی برائی سن کر نبی ﷺ کو ڈرایا کرتے تھے، چنانچہ عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے حضرت ﷺ سے کہا تھا یا تو ہمارے معبودوں کی برائی سے باز آؤ ورنہ ہم ان سے کہہ دیں گے وہ تم کو سڑی کر دیں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ اس خیال کے غلط کرنے کو اول اپنی مدد اور حمایت کا بھروسہ دلاتا ہے۔ فقال الیس اللہ بکاف عبدہ کہ کیا خدا اپنے بندے کی مدد کو کافی نہیں؟ یعنی کافی ہے۔ ہر مہمات اور ہر بات میں وہی بس کرتا ہے، اس پر بھروسہ کرنا چاہیے، اس کے بعد ان کی تخویف کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ کہ اے نبی! تجھ کو اللہ کے سوا اور معبودوں سے ڈراتے ہیں، حالانکہ یہ ڈرانا ان کی گمراہی اور خیالات فاسدہ کا نتیجہ ہے جو خدا کی تقدیر ازلی سے ان کو دی گئی ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ کہ جن کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے۔ پھر کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اہل ایمان کو اللہ نے ہدایت دی ہے، وہ اپنے حقیقی معبود پر بھروسہ رکھتے ہیں، اس کو نافع و ضار سمجھتے ہیں۔ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ اور اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کون گمراہ کر سکتا ہے۔ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ کیا اللہ زبردست بدلہ لینے والا نہیں ہے، کیوں نہیں پھر اس کے دوستوں کو کوئی کیا تکلیف دے سکتا ہے وہ انہی کو غارت کر دے گا۔

اس کے بعد ان کے اس اعتقاد فاسد کی خرابی بیان کرتا ہے۔ فقال وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ کہ اگر تو اے نبی یا اے مخاطب ان سے یہ پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ (یہ اس لیے کہ اس بات کا علم ان کی فطرت میں تھا) اس بات سے ان کو سمجھایا گیا ہے کہ جب اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے تو اس کے سوا اور کون ہے جو نفع و نقصان دے سکے۔ پھر ان سے کیوں ڈرتے اور کیوں ڈراتے ہو؟ **دوسری دلیل** اس بات پر ان کے روزمرہ کے حالات سے بیان فرماتا ہے۔ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ الخ کہ ان سے یہ پوچھ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے کوئی ضرر دینا چاہے تو تمہارے معبودوں میں سے وہ کون ہے جو اس کو دور کر دے گا؟ کس لیے کہ وہ سب پر غالب اور سب پر اسی کا حکم نافذ ہے یا وہ مجھے کوئی بھلائی دینی چاہے تو کون اس کو روک سکتا ہے۔ حجت تمام کر کے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ کہہ دے مجھے اللہ بس کرتا ہے۔ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ اسی پر توکل کرنے والے توکل یعنی بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں۔ **توکل** اللہ پر بھروسہ کرنا اسی کو کارساز جاننا عام ہے کہ اسباب کو عمل میں لایا جاوے یا نہیں۔ اس کے بعد قوم کو آیندہ آنے والی مصیبت سے متنبہ کرتا ہے۔ قُلْ يَا قَوْمِ کہ کہہ دو اے قوم! اپنی جگہ پر جو کرتے ہو کرو میں بھی جو کرتا ہوں کرتا ہوں، تم کو ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ کس پر دنیا میں رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے، (چنانچہ کفار پر قحط اور بدر کا واقعہ آیا) اور کس پر مرنے کے بعد عذاب دائمی اترتا ہے؟

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا

يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾ ع

ہم نے آپ پر لوگوں کے لیے برحق کتاب نازل کی ہے۔ پھر جو کوئی راہ پر آیا تو اپنے بھلے کے لیے اور جو کوئی گمراہ ہوا تو وہ صرف اپنے خراب ہونے کے لیے گمراہ ہوتا ہے۔ اے رسول! آپ کچھ ان کے ذمہ دار نہیں۔

ترکیب: للناس متعلق بانزلنا بالحق حال من الفاعل او المفعول بہ ای متلبسا بالحق فمن شرطیة و جوابہ فلنفسه و من موصولة مبتدء یضل الجملة خبر و ما انت جملة مستانفة و یمکن ان یکون حالا من فاعل یضل۔

تفسیر: پچھلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے مشرکین کے مذہب کو کبھی تو دلائل دینیات سے باطل کیا کبھی امثال بیان کر کے اس کی خرابی ظاہر کی اور کبھی دنیا و آخرت میں بلائیں اور عذاب کی سزا سے ڈرایا مگر اس پر بھی وہ کور باطن نہ مانتے تھے اور نبی کو ہمدردی کا جوش جو ان کو جہنم میں گرتے دیکھتا تھا اور آپ کو سخت رنج ہوتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال انا انزلنا الخ کہ ہم نے اے نبی! آپ پر لوگوں کی رہنمائی کے لیے دنیا میں کتاب نازل کر دی ہے۔ یعنی قرآن مجید جو سعادت و شقاوت بیان کرنے میں صاف ہے اور جمیع ضروریات کے لیے دستور العمل آسمانی ہے اور قرآن بھی کیسا نازل کیا۔ بالحق سچائی اور خوبی کے ساتھ ہر عقلمند غور کر کے سمجھ سکتا ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور تمام اگلے نوشتوں کا لب لباب ہے، اب اس کے بعد جو کوئی رستے پر آوے اور نیک روی اختیار کرے تو اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو کوئی نہ مانے گمراہی اور کجروی اختیار کرے تو اپنے لیے آپ برباد ہوگا۔ وما انت علیهم بوکیل اور اے نبی! آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔ سو آپ بخوبی کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں، اسی قسم کے مضامین اور کئی جگہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا۔ وَقَالَ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ وَقَالَ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ۔

فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں۔ یہ آیت منسوخ ہے، آیت سیف سے کیونکہ آیت سیف میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ جب لوگ توحید و رسالت کا اقرار نہ کریں یعنی دنیا میں آسمانی سلطنت قائم کر لیں، تلوار سے کام لیں یعنی حقوق الٰہی کا مطالبہ بالجبر کریں۔ مگر حق یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں، پھر خواہ مخواہ نسخ کا قائل ہونا ایک بیکار خیال ہے، کس لیے کہ آیت سیف میں قتال کا حکم خود ہے اور یہاں اس کی ممانعت نہیں، صرف آپ کی تسلی ہے اور ان کی بدبختی کا اظہار ہے۔

پہلے آیا تھا وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّضِلٍّ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اور یہاں آیا ہے جو کوئی آپ گمراہ ہوتا ہے۔ اس کا جواب ہم کئی جگہ مفصلاً دے چکے ہیں کہ اللہ کی طرف ہدایت و ضلالت کی نسبت کرنا باعتبار حکم ازلی و نوشتہ قضاء و قدر کے ہے اور انسان کی طرف اس کے کسب اور اسباب ہدایت و ضلالت کے عمل میں لانے کی وجہ سے اور اسی طرح ہدایت و ضلالت کبھی اس کے اسباب کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے، کہتے ہیں قرآن یا نبی یا فلاں عالم نے ہدایت دی شیطان یا فلاں ملحد کافر نے گمراہ کر دیا۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

اللہ موت کے وقت روحوں کو قبضہ میں کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روحوں کو خواب میں قبضہ میں کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم ہو چکا ہے تو ان کو روک رکھتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے، ایک مقررہ وقت تک۔ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

تفسیر : ہدایت کو حیات سے مشابہت ہے اور گمراہی کو موت سے اب اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حکم قضاء و قدر کے ہاتھ میں ہدایت و ضلالت ہے، جیسا کہ موت و حیات۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نفوس کو موت کے وقت ورنہ خواب کے وقت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر جس کو چاہتا ہے بیدار کرتا ہے۔ حیات دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے سوتے ہی میں موت دیتا ہے، اسی طرح ہدایت بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لیے ان آیات میں اللہ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الخ فرمایا یوں کہو جس طرح اور دلائل سے اپنی خداوندی و جبروت کا ثبوت کیا تھا، اس جگہ انسان کی روزمرہ حالت خواب و بیداری سے اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت کرتا ہے اور اس میں حشر و نشر کا نمونہ اور دنیا کا خواب و خیال ہونا بتلاتا ہے۔

فقال اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا کہ موت کے وقت اللہ لیے روحوں کو قبض کرتا ہے اور بدن سے نکالتا ہے، وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ اور جو مرے نہیں اُن کو فِیْ مَنَامِہَا ان کے خواب کے وقت قبض کرتا ہے۔ تصرف ظاہری نہیں کرنے پاتے، کھانا پینا، دیکھنا چلنا لینا دینا کچھ ان سے نہیں ہوتا، مردے کی طرح پڑے رہتے ہیں۔ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے، اُن کو روک لیتا ہے، پھر اس بدن کی طرف دنیا میں آنے نہیں پاتے۔ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی اور دوسروں کو (یعنی جن کو خواب میں قبض کیا تھا) ایک وقتِ معین تک چھوڑتا ہے۔ یعنی بدن سے تصرفات کرنے لگتے ہیں۔ بیدار ہو کر وقت خاص تک یعنی موت تک۔

واضح ہو کہ نفسِ انسانی ایک جوہر نورانی روحانی ہے۔ جب ان کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن کے اجزاء میں پھیلتی ہے اور اُس کو زندگی یا حیات کہتے ہیں اور جب اس کا بدن سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے، ظاہر اور باطن سے تو وہ نورانیت جمیع اجزاء بدن سے منقطع ہو جاتی ہے، اس کو موت کہتے ہیں اور خواب کے وقت اُس کی روشنی صرف ظاہر بدن سے منقطع ہو جاتی ہے، مگر باطن میں رہتی ہے۔ صرف موت اور خواب میں اتنا فرق ہے کہ موت میں انقطاع کلی ہو جاتا ہے اور خواب میں انقطاع ناقص ہوتا ہے۔ بعض وجوہ سے اس لیے کہتے ہیں کہ سویا مرا برابر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس قادر عالم حکیم نے نفس کا بدن کے ساتھ تین طرح پر تعلق قائم کیا ہے۔ (۱) یہ کہ اس کی روشنی ظاہر و باطن میں برابر پہنچے، اس کو بیداری کہتے ہیں۔ (۲) یہ کہ صرف ظاہر میں بعض وجوہ کی روشنی نہ ہوئی اُس کو خواب کہتے ہیں۔ (۳) یہ کہ اس کی روشنی بالکل منقطع ہو جاوے اس کو موت کہتے ہیں اور ایسی تدبیر عجیب کا صدور بجز قادر علیم حکیم کے اور سے ناممکن ہے اور یہی مراد ہے اس قول سے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ پس ایسے کی پرستش کرنی چاہیے نہ اس کی کہ جو خود بے حس و بے قدرت ہو۔

لاٰیٰت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شب کو سناٹا ہو جاتا ہے۔ گویا تمام شہر مر گیا، جدھر دیکھو سنسان ہے، صبح کو صبح حشر کی طرح پھر وہی ہاہو، شور ہو جاتا ہے اور نیز اس طرف بھی کہ انسان اپنے مرنے کے وقت کو ایسا سمجھے کہ جیسا خواب میں باتیں کرتے کرتے آنکھ بند ہو جاتی ہے، اسی طرح جن اشغال میں ہوتا ہے انہی میں موت آ جاتی ہے اور نیز احادیثِ صحیحہ میں ان دعاؤں کا پڑھنا آیا ہے جو اس کی موت کو یاد دلاتے ہیں اور توبہ و استغفار بھی ضروری ہے اور اس طرف بھی کہ یہ زندگی ایک خواب سا ہے۔

وائے محرومی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا ‌ ‌ ‌ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ۝۴۳

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا ۭ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝۴۴ وَاِذَا

! اور کبھی مجازاً یہ توفی ملائکہ کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے، جیسا قل یتوفٰکم ملک الموت کیونکہ یہ تدبیر و تصرف عالم کے لیے موکل ہیں، اس علاقہ سے ان کی طرف اسناد مجازی ہوا ۱۲ منہ

ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ ۚ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ

مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ہُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۵ قُلِ اللّٰہُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ

وَالشَّہَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۶ وَلَوْ اَنَّ

لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ مِنْ سُوْٓءِ

الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۭ وَبَدَا لَہُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷

وَبَدَا لَہُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا وَحَاقَ بِہِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ ۝۴۸

کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں۔ کہو اگر وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی عقل نہ رکھتے ہوں تو بھی (حمایتی بناؤ گے) کہو ہر طرح کی حمایت اللہ کے اختیار میں ہے، اس کے لیے بادشاہت ہے۔ پھر تم اس کے پاس لوٹا کر لائے جاؤ گے اور جب اکیلے اس کا نام لیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو ان کے دل بھچے (نفرت کرنے) لگتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔ کہو اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے بنانے والے چھپے اور کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کی ان باتوں کا کہ جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں فیصلہ کرے گا اور اگر ظالموں کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سب ہو اور اسی قدر اس کے ساتھ اور بھی ہو تو قیامت کے برے عذاب کے معاوضہ میں دے کر چھوٹنا چاہیں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو وہ پیش آئے گا کہ جن کا اُن کو گمان بھی نہ تھا اور برے کاموں کی برائی ان پر ظاہر ہو جاوے گی اور ان کو وہ عذاب کہ جن پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے پکڑے گا۔

ترکیب : ام منقطعۃ بمعنی بل۔ اولو کان الہمزۃ للانکار والواو للعطف علی محذوف مقدر ای یشفعون ولو کانوا الخ وجواب لو محذوف ای ان کانوا بھذہ الصفۃ تتخذونہم۔ جمیعًا حال من الشفاعۃ مصدر یطلق علی الواحد والکثیر ولھذا اصح وقوع الحال الجمع منہ وحدہ انتصابہ علی الحال عند یونس وعلی المصدر عند الخلیل وسیبویہ۔ اشمأزت الاشمئزاز النفور والانقباض۔ فاطر السمٰوٰت منصوب علی النداء عالم الغیب بدل ولوصلۃ للذین خبر ان ما فی الارض اسمہا جمیعًا حال منہ ومثلہ معطوف علی ما ولافتدوا الاسم بہ لافتدوا جواب لو۔

تفسیر : بیان سابق کے بعد مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو یا وہ کہ جن کے نام کے بت ہیں، خدا اور خالق و مالک سمجھ کر نہیں پوجتے بلکہ ان کو شفیع اور کارکن جان کر اور اکثر مشرکوں کا مخلوق پرستی کے لیے یہی حیلہ ہوا کرتا ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ الخ کہ کیا اُن کو شفیع سمجھ لیا ہے کہ اگر وہ ذی روح ہیں تو لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْـًٔا ان کے بس میں کچھ بھی نہیں، اس کی اجازت بغیر کچھ بول بھی نہیں سکتا اور اگر وہ بت ہیں تو لَا یَعْقِلُوْنَ وہ بے حس و حرکت و بے عقل ہیں اور ہر قسم کی شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اور قدرت بھی اسی کے بس میں ہے، اسی کے بس میں اور قبضہ اور ملک میں آسمان و زمین ہے اور سب کو اسی کے پاس جانا ہے، پھر اسی کو پکارو۔ وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ یہ مشرکوں کی بدعادت اور بے انصافی کا بیان ہے کہ جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت کے منکر نفرت کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں اور جب اوروں کا یعنی اُن کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت خوش ہو جاتے ہیں، اُن کے اس اصرار و جہل پر آنحضرت ﷺ کو یہ معاملہ خدا کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ دعا اور اس کے اوصافِ حمیدہ کے پیرایہ میں فقال قُلِ اللّٰہُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ کہ کہو اے اللہ تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ دلوں کے راز تجھ پر آشکارا ہیں۔ آج جس

بات میں تیرے بندے جھگڑتے ہیں ان کا تو فیصلہ کردے گا کہ موحد برحق ہے یا مشرک۔ اس میں بھی مخالف کے دل پر اچھے وثوق جتلانے کے ذریعہ سے بڑا اثر ہوتا ہے۔ آخرت کے فیصلہ کا حوالہ دینے کے بعد وہاں جو کچھ ان پر پیش آوے گا اس کا ذکر کرتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ الخ کہ ظالموں کے پاس اگر تمام دُنیا کی نعمتیں ہوں اور اُن کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوں تو ان سب کو دے کر عذاب قیامت سے چھٹنا غنیمت جانیں گے۔ وَبَدَا لَھُمْ اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے وہ مصیبت ظاہر ہوگی کہ جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا۔ وَبَدَا لَھُمْ سَیِّاٰتُ اور ان کے حرکات ناشائستہ کی برائی ان کے پیش آوے گی اور جس عذاب جہنم اور آخرت کے معاملات پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہوگا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ز ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا لا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی
عِلْمٍ ط بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ
اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ط وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ
هٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیْبُهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا لا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع

پھر جب آدمی پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس کو اپنی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھ کو میری عقل سے ملی ہے، بلکہ یہ نعمت آزمائش ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں یہی بات ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہی تھی۔ پھر جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔ پھر اُن پر اُن کے اعمال کی برائی آپڑی اور جو ان لوگوں میں سے ظالم ہیں ان پر بھی ابھی اُن کے اعمال کی برائی آپڑتی ہے اور وہ ہم کو کچھ بھی ہرا نہ سکیں گے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔ بے شک اس میں ایمان داروں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب : نعمة نصبها علی الحال ای نعمة کائنة منا اوتیته الضمیر یرجع الی النعمة وھی مونث لفظا ولکن یراد بھا الشی ءھذا علی ان تکون مافی انما کافة وعلی علم حال من المرفوع او المنصوب وان جعلت ماموصولة فالضمیر الی ما الموصولة و علی علم خبرہ قد قالھا الضمیر الی الجملة وھی قول انما الخ۔

تفسیر : یہاں سے مشرکین کی ایک اور عادت بیان فرماتا ہے۔ فقال فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے بیماری یا رزق کی تنگی وغیرہ تو خدائے تعالیٰ کو پکارتا ہے اور جب خدا اُس پر فضل کرتا ہے اور راحت اور آسائش دیتا ہے تو اُس کو اپنی دانائی یا تدابیر اور کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے فرماتا ہے۔ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ بلکہ یہ اُس کے حق میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے لیکن اکثر جانتے نہیں۔ فرماتا ہے۔ قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے لوگ بھی جو نعمت دیے گئے تھے اور خدا تعالیٰ سے تکبر کرتے اور ناشکری میں مبتلا تھے۔ ایسا کہہ چکے ہیں۔ قارون فرعون وغیرہ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ پھر اُن پر اُن کی ناشکری سے بلا نازل ہوئی جس کا دفعیہ اُن کی تدبیر و دانش کہ جس کی طرف وہ نعمت کو منسوب کیا کرتے تھے، کچھ بھی نہ کر سکی، آخر فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ان کے بدکام کا برا نتیجہ اُن کے سامنے آیا نہ وہ رہے اور نہ اُن کا ملک و مال نہ جاہ و سلطنت برے کام اور بدکاری مصیبتوں کے لباس میں پیش آئی، اُن کی سب تدبیریں الٹ گئیں۔

اور زمانہ حال کے لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن پہلے لوگوں کے لیے ہوا اور اُن کے قصوں کو افسانے سمجھ کر غافل ہو جاویں بلکہ وَالَّذِیْنَ

ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ ان میں سے جو بدکار ستمگار ہیں، اُن پر بھی اُن کے اعمال بد کا بڑا اثر پڑے گا اور اُن کا کوئی زور نہ چلے گا۔

انسان جو کام کرتا ہے اُس کا ضرور ایک اثر ہوتا ہے، خواہ نیک خواہ بد اگر اس نے بدکام کو توبہ و ندامت و استغفار کے صابن سے نہ دھویا یا اس کی مکافات میں کوئی عمدہ اور خدا پسند کام نہیں کیا جو اُس برے کام کے اثر کو روکے تو ضرور اس پر اُس کام کا برا نتیجہ کسی مصیبت کی شکل میں ظہور کرے گا، کسی قدر دنیا میں اور زیادہ تر آخرت میں یہ بڑی مجرب بات ہے، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْۤا الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ ناسپاس جو اس نعمت کو جو در اصل اُن کے حق میں فتنہ ہے، اپنی تدبیر اور دانش کا نتیجہ اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانتے ہیں، غلط خیال ہے کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ رزق و دولت کی کشائش ان باتوں پر موقوف نہیں ہے، بہت سے عاقل اور صاحب کمالات اور بہت سے باخدا دُنیا میں عسرت کے ساتھ زندگی بسر کر گئے ہیں اور بہت سے حمقاء اور بے علموں اور بدکاروں کو مال و دولت و سلطنت و ثروت دی گئی ہے۔

اگر روزی بدانش برفزودی ز ناداں تنگ تر روزی نبودی

اس میں ایمانداروں کے لیے اُس کی قدرت کے بڑے نشان ہیں۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ
الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ
قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ
رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ
یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ
اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ
كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ
وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

(اے نبی! میری طرف سے) کہہ دے کہ اے میرے گناہ گار بندو اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا (اور) مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اس سے پہلے فرمانبرداری کرو کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اور اس عمدہ بات پر چلو جو تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے۔ اس دن سے پہلے کہ تم پر یکا یک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (یہ اس لیے کہ کل) کوئی نہ کہے کہ اے افسوس! میں نے اللہ کی طرف سے بڑی کوتاہی کی اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہ گیا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگار ہو جاتا یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہنے لگے کہ اے کاش! مجھے بار دیگر دُنیا میں بھیجا جائے تو پھر میں بھی نیک ہو جاؤں (جواب ملے گا) ہاں تیرے پاس میری آیتیں آئیں پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور منکر ہو گیا۔

ترکیب : ان تقول. مفعول لہ ای کراہۃ ان تقول۔ وقال الکوفیون لئلا تقول۔ حسرتی الالف مبدل من یاء المتکلم و ان کنت ان مخففۃ من الثقیلۃ ای انی۔

تفسیر : وعید کے بعد اپنے بندوں سے مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی عادت ہے۔ فقال قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ کہ اے محمد (ﷺ) میرے ان بندوں سے کہہ دے کہ جنہوں نے اپنے لیے زیادتی کی ہے۔ یعنی گناہ کیے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہوویں کیونکہ وہ سب گناہ بخش دیتا ہے، وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں، اس کے یہ معنی ہیں کہ گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ اب کسی طرح سے ہمارے گناہوں کی خدا تعالیٰ کے یہاں معافی ہی نہیں بلکہ وہ غفار ہے جو کوئی گناہ کر چکا صغیرہ یا کبیرہ کفر و شرک سب کو توبہ کے بعد وہ معاف کر دیتا ہے۔

بعض کہتے ہیں عبادی سے مراد ایماندار ہیں، اُن کے گناہوں کو خدا بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا یا تو بالکل سزا نہ دے نہ دنیا میں نہ آخرت میں یا کچھ سزا دے کر پھر گناہوں سے مراد کبائر ہیں۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ چند مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے زنا و قتل کیا اور بہت کچھ کیا، پھر تیرے دین کو اختیار کر لیتے، اگر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوتا تب یہ آیت وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ الخ اور یہ آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الخ نازل ہوئی۔

اس لیے اس کے بعد ان کو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور فرمان بردار ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ الخ کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کا حکم مانو، عذاب آنے سے پہلے اور قرآن کی عمدہ باتوں اور احکام محکمہ پر چلو، اُس دن سے پہلے کہ دفعتاً تم پر عذاب آجاوے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اور پھر حسرت و ندامت کرنے لگو کہ افسوس میں نے اللہ کی طرف سے بڑی کوتاہی کی اور میں تمسخری کرتا رہا۔ (الجنب والجانب بمعنی جہۃ الشیء و اطلاقہ علی الطاقۃ مجاز) یا یہ کہنے لگے کہ اگر مجھے اللہ ہدایت کرتا تو پرہیزگار ہو جاتا یا قیامت کے دن اور مرنے کے بعد عذاب دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر مجھے بار دگر دنیا میں بھیجا جائے تو نیکی کروں اور اس کے جواب میں اس کو یہ کہا جائے بلٰی قد جاء تک کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے ان کو جھٹلایا اور سرکشی کی اور انکار کیا۔ کفر کا اب تیرا کوئی عذر مسموع نہیں نہ تجھ کو کوئی عذر کرنے کی جا ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ع

اور (اے مخاطب!) جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے ہیں تو ان کو قیامت کے دن روسیاہ دیکھے گا۔ کیا جہنم میں غرور کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں؟ اور اللہ ان کی پرہیزگاری کے سبب نجات دے گا کہ کوئی ان کو تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہوئے وہی نقصان میں پڑے ہیں۔

ترکیب : وجوھھم مبتدا مسودۃ خبر والجملۃ فی موضع الحال ھذا قول الاخفش ھذا علی تقدیر ان یکون تری من الرؤیۃ البصریۃ وان کانت [illegible] من الفوز وھو الظفر وقری [illegible] والسعادۃ مصدر میمی من الفوز وھو

بمفازاتھم جمع مفازۃ کسعادۃ وسعادات لاعتبار الانواع والمعنی ینجیھم بفوزھم ای بنجاتھم من النار وفوزھم بالجنۃ لا یمسھم الجملۃ مفسرۃ بمفازتھم او منصوبۃ علی الحال من الذین اتقوا۔ لہ مقالید جملۃ مستانفۃ قال الجوہری الاقلید المفاتح والمقالید جمع وقیل لا واحد لہ۔

تفسیر : یہ ان کی ایک اور سزا بیان فرماتا ہے۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الخ کہ اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کا قیامت میں منہ سیاہ ہوگا۔ کذب کہتے ہیں، خلاف واقع کوئی خبر دینا بعض کہتے ہیں، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ قصداً ہو۔ اللہ پر جھوٹ بولنے سے مراد خدا کی مرضی اور اصل واقعہ کے برخلاف اُس کی نسبت کوئی خبر دینا کہ اُس کے بیٹا ہے یا جورو ہے یا اس نے فلاں چیز حلال فلاں حرام کی ہے، حالانکہ ایسا نہیں کیا جیسا کہ اہل ادیان باطلہ و مشرکین کہا کرتے تھے اور کہتے ہیں، پھر فرماتا ہے۔ اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ الخ کہ روسیاہی پر بس نہیں بلکہ اُن کا جہنم ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَیُنَجِّی اللّٰہُ الخ کہ پرہیزگاروں کو اللہ ان کی فلاح کاری اور سعادت کے سبب نجات دے گا کہ لَا یَمَسُّھُمُ السُّوْءُ کہ نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ اُن کو کوئی رنج و غم پیش آئے گا۔ ہمیشہ شادان و فرحان رہیں گے۔ اتقوا سے مراد شرک و معاصی سے بچنے والے جو شرک و کبائر سے بچے متقی ہے اور جو صغائر سے بھی بچے وہ تو کامل متقی ہے۔ بعض کہتے ہیں، اس جگہ پر صرف اللہ پر جھوٹ بولنے سے بچنا مراد ہے۔ مشرکین بڑا اللہ پر جھوٹ یہ بولتے تھے کہ اُس کے بیٹا اور بیوی ہے اور فلاں فلاں اُس کے کارخانہ قدرت کے مختار ہیں، اس لیے اس خیال کے رد کرنے کے لیے فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور بیٹے جورو مالک و مختار اُس کے پیدا کیے نہیں ہوئے کہ جس کے وہ بیٹے یا جورو یا مختار ہیں، پھر اگر وہ اللہ کے پیدا کیے ہیں تو بیٹے جورو نہیں اور اگر از خود پیدا ہوئے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ پھر تو وہ برابر کے خدا ہیں اور جورو اور مختار بن کر کم مرتبہ ہونے کی کیا وجہ؟ اور نہیں تو بتلاؤ کہ وہ اور کون ہے؟ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا عمدہ دلیل ہے، اس آیت سے اہل سنت معتزلہ کے مقابلہ میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ بندے کے افعال نیک و بد کا بھی اللہ خالق ہے۔ کل شیء میں وہ بھی داخل ہیں۔ ہاں بندہ کا سبب ہے اور مباشر جو فی الجملہ اختیار خداداد کی وجہ سے سزا اور جزا کا مستوجب ٹھہرتا ہے، بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ بیٹے جورو تو نہیں پر اُس نے اپنے سب معاملات اُن کے سپرد کر دیے ہیں اور آپ کچھ نہیں کرتا، اس کی رد میں فرماتا ہے۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ کہ سب کاروبار و ہر چیز اُسی کی سپردگی میں ہے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ہماری روزی رزق اُن کے ہاتھ ہے، اُس کے رد میں فرماتا ہے۔ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ اُس کے ہاتھ آسمان اور زمین کی کنجیاں یا خزانے ہیں۔ مقالید کنایہ ہے، تصرفات و تدبیر سے کہ سب رزق و روزی اور سب سامان اُس کے قبضہ میں ہیں۔ والذین کفروا فرماتا ہے، جو آیات الٰہیہ کے منکر ہیں اور ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے، وہی نقصان میں ہیں۔ دُنیا میں حیرانی و تشویش اور مخلوق کی غلامی آخرت میں عذاب ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ڰ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

ل اخفش کہتے ہیں کلام عرب میں یمین کے معنی قدرت و قبضہ کے بھی آتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں او ما ملکت ایمانکم وقولہ لاخذنا منہ بالیمین ای بالقدرۃ والقوۃ والطی ضد النشر اور مراد اس سے فنا کرنا ہے کہتے ہیں الطوی عنا ما کنا فیہ جاءنا غیرہ الطوی عنا بمعنی المعنی والذہاب۔ ۱۲ منہ

کہواے جاہلو! کیا مجھے اللہ کے سوا اور کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہو، حالانکہ آپ کو بھی اور آپ سے پہلے ان (انبیاء) کو بھی وحی کے ذریعے سے مطلع کر دیا گیا ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو ضرور آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپ خسارہ میں پڑ جائیں گے بلکہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور شکر کرنے والوں میں ہو کر رہو اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی، جیسا کہ اس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور (وہ ایسا بھی ہے) کہ زمین قیامت کے روز اس کی ایک مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور بلند ہے اُن کے شرک کرنے سے۔

ترکیب : الاستفہام للانکار والفاء للعطف علی مقدر افغیر اللہ منصوب اعبد وتامرونی اعتراض ومعناہ افغیر اللہ اعبد بامرکم۔ ویمکن ان یکون منصوبا بتامرونی و اعبد بدل منہ والتقدیر قل اتامرونی بعبادۃ غیر اللہ ھذا من بدل الاشتمال ومن باب امرتک الخیر ویجوز ان یکون منصوبا بفعل محذوف ای اتلزمونی غیر اللہ وفسرہ مابعدہ۔ ولقد اللام دالۃ علی قسم مقدر لئن جواب القسم وھذا اللام ایضا دالۃ علی قسم لیحبطن ولتکونن وہاتان اللامان واقعۃ فی جواب القسم الثانی والثانی جوابہ جواب الاول وجواب الشرط محذوف لدلالۃ جواب القسم علیہ والارض مبتدء وقَبْضَتُہٗ الخبر وجمیعا حال من الارض قبضتہ مقبوضۃ ای فی ملکہ وتصرفہ والسمٰوٰت الخ مبتدا وخبر بیمینہ متعلق بالخبر ویجوز ان یکون حالا من الضمیر فی الخبر وان یکون خبرا ثانیا۔

تفسیر : دلائل توحید بیان کرنے کے بعد بھی جب وہ ہٹ دھرم اپنی کج بحثی سے باز نہ آئے اور بت پرستی کو ترجیح دینے لگے تو اب اور طرح سے آنحضرت ﷺ کو کلام کرنے کا حکم دیا۔ فقال قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْ الخ کہ اے نادانو کیا تم مجھے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم کرتے ہو۔ یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا اور پھر اس حکم کو مؤکد کرتا ہے۔ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ الخ کہ اے محمد (ﷺ) تیری طرف اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف ہم یہ حکم بھیج چکے ہیں کہ اگر تو اے محمد (ﷺ) بالفرض یا تجھ سے پہلے انبیاء فرضاً شرک کریں تو اُن کے نیک کام اکارت ہو جائیں اور بڑی بربادی میں پڑیں۔ یہ کلام جلالی اور شاہنشاہی رعب کے قاعدہ پر ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اگلے انبیاء سے شرک سرزد ہونا محال تھا، کیونکہ انبیاء ﷺ معصوم ہیں، مگر مخاطب کے سنانے کو ایسا پرزور حکم سنا دیا کہ یہ مذموم کام کسی کو بھی معاف نہیں۔ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ بلکہ خاص اللہ ہی کی عبادت کرو اور تمام نعماء اُسی کی طرف سے سمجھ کر شکر کیا کرو۔ وماقدروا اللہ حق قدرہ اب پھر بندوں کی ناسپاسی کا شکوہ کرتا ہے کہ افسوس اُنہوں نے جیسا کہ اللہ کی قدر و منزلت، عزت و عظمت کرنی چاہیے تھی ویسی نہ کی کہ اس کے سوا اس کی مخلوق کو بھی اُس کے ساتھ ملانے اور نافع اور ضار سمجھنے لگے اور نالائق اوصاف سے اس کو متصف بتانے لگے۔ حقیقت میں اللہ کی قدر دانی جیسا کہ چاہیے تھی، ہم بندوں سے نہ ہوسکی۔ سینکڑوں راحتوں اور نعمتوں پر ذرا بھی کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو کلمات شکوے کے منہ پر آجاتے ہیں اور ہم اپنی اوقات عزیز کو اس کی یاد سے غافل ہو کر دنیائے فانی اور خواہش نفسانی کے حاصل کرنے میں جو فانی ہے، کس طرح سے صرف کر رہے ہیں۔ یہ پوری قدر دانی صاحبان خدا کا کام ہے۔ اس کے بعد اپنی عظمت وجلال کبریائی ظاہر فرماتا ہے۔ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ الخ کہ قیامت کے روز تمام زمین اُس کے قبضہ قدرت میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ معتزلہ آیت کے یہ معنی لیتے ہیں کہ قبضہ سے مراد تصرف ہے نہ مٹھی میں ہونا اور دائیں ہاتھ میں آسمانوں کے لپٹنے سے مراد اُس کی قدرت میں ہونا۔ اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ ید اور یمین کے حقیقی معنی یہاں مراد نہیں ہوسکتے، کس لیے کہ وہ اعضاء جسمانی سے پاک ہے، پس اُس کے الفاظ پر ایمان ہے اور اُن کی حقیقت وہی جانتا ہے جو یمین اور قبضہ اس کی ذات کے لائق ہے نہ یہ کہ جو جسمانیت کے لائق ہو اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث کہ جس کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ زمین کو ایک مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو دائیں ہاتھ میں اور کہے گا کہاں گئے جبار و متکبر کہاں گئے زمین کے بادشاہ، میں بادشاہ ہوں، مطلب یہ کہ اس روز قدرت کا اظہار کرے گا۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ

نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

اور صور پھونکا جاوے گا، پھر آسمانوں اور زمین کے رہنے والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا، پھر تو سب کھڑے ہوئے دیکھتے رہیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور نامہ اعمال (لاکر) رکھے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو بلایا جاوے گا اور اُن کا انصاف سے فیصلہ ہوگا اور (کچھ بھی) اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا تھا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تفسیر : آسمانوں کے لپیٹنے یعنی فنا کرنے کا ذکر آ گیا تھا، اس طرح پر کہ اللہ کی قدر نہ کی اور اللہ ایسا جلیل و جبار ہے کہ آسمانوں و زمین دنیا کو فنا کر دے گا۔ قیامت کے روز اس مناسبت سے اور حشر کی مجمل کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ کہ صور پھونکا جائے گا۔ صور تری یا بگل کی قطع کی ایک چیز ہوگی کہ جس کو زور سے اسرافیل بجاویں گے، اُس میں پھونک مار کر بعض کہتے ہیں، اُن کے ساتھ جبرئیل بھی ہوں گے، جیسا کہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد سے پایا جاتا ہے۔ صور کئی بار پھونکے گا یہ اول بار پھونکنے کا ذکر ہے فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اس کے پھونکنے سے آواز کی کڑک اور تیزی ہوگی جس سے آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے جاندار بے ہوش ہو جاویں گے، مگر وہ نہ ہوں گے جن کو اللہ چاہے گا۔ حسن کہتے ہیں جبرئیل و میکائیل اور رضوان اور حوران جنت اور حاملان عرش بے ہوش نہ ہوں گے، بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش نہ ہوں گے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سب سے اول میں قیامت کو اٹھوں گا، پھر دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ مجھے علم نہ ہوگا کہ وہ مجھ سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں شہداء بھی بے ہوش نہ ہوں گے، جیسا کہ بیہقی اور سعید بن منصور و ابو یعلیٰ و دارقطنی و حاکم نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اس پر اشکال وارد کیا ہے کہ یہ استثناء نفخہ صعق کے بعد ہوگا اور یہ پہلا نفخہ ہے کہ جس میں سب مر جاویں گے، اس کے جواب میں بعض مفسرین نے بڑی قیل و قال کی ہے مگر مطلب صاف ہے کس لیے کہ صعقہ اول میں خدا تعالیٰ بعضوں کا بے ہوشی سے محفوظ رہنا بیان فرماتا ہے۔ پس ملائکہ اور روحانیات پر خصوصاً ارواح طیبات پر جو دوسرے عالم میں ہوں گی فناء دنیا کے صور سے کوئی بے ہوشی نہ ہوگی۔ ان میں حضرت موسیٰ اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہ السلام بھی شریک ہیں۔ یہ بے ہوشی اہل دنیا پر طاری ہوگی اور آسمانوں کے ذکر پر بھی کس لیے کہ آسمان بھی تو فنا ہوں گے، مگر وہاں کے بعض ملائکہ جو تجرد اور نورانیت میں عالم قدس میں ملحق ہیں، محفوظ رہیں گے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے اور انتظار کرتے ہوں گے کہ فیصلہ کب ہوگا؟ یہ دوسرا نفخہ ہے۔ قرآن شریف سے دو ہی بار صور پھونکنا ثابت ہے اور ان دونوں میں چالیس روز یا مہینوں یا برسوں کا فاصلہ ہوگا، جیسا کہ بخاری و مسلم کی اس حدیث سے پایا جاتا ہے۔ جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ تین بار صور پھونکا جائے گا۔ اول گھبراہٹ اور بے ہوشی کا کما قال وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ دوسرا موت کا تیسرا بار دیگر زندہ ہونے کا۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا اور زمین نور رب سے منور ہو جائے گی۔ اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا۔ کما قال تعالیٰ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ اور تخت رب العالمین رکھا جائے گا، چونکہ وہ نور ہے اُس کا وہاں جلوہ اور تجلی ہوگی نہ یہ کہ خدا انسانوں کی طرح مجسم ہو کر تخت پر بیٹھے گا۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اور نامہ اعمال رکھے جائیں گے اور انبیاء اور گواہ لائے جاویں گے اور کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا

پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کو لوگوں کے اعمال خوب معلوم ہیں، یعنی کامل انصاف ہوگا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَٰفِرِينَ ﴿۷۱﴾
قِيلَ ادْخُلُوٓا أَبْوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۷۲﴾
وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَٰلِدِينَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِى صَدَقَنَا وَعْدَهُۥ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۖ فَنِعْمَ
أَجْرُ الْعَٰمِلِينَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلَٰٓئِكَةَ حَآفِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِىَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿۷۵﴾

اور منکر گروہ گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہاں آویں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جاویں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہاری قوم کے رسول نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے اور آج کے دن کے پیش آنے سے تمہیں خوف دلایا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں لیکن عذاب کا حکم (علم ازلی میں) منکروں پر ہو چکا تھا، کہا جائے گا جہنم کے دروازہ میں گھسو جس میں تم کو سدا رہنا ہوگا، پھر کیا بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی اور جو اپنے رب سے ڈرا کرتے تھے ان کے غول کے غول جنت کی طرف روانہ کیے جاویں گے۔ یہاں تک کہ وہ جب وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کے پاسبان ان سے کہیں گے تم پر سلام تم اچھے لوگ ہو، چلو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا کہ جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا مالک بنا دیا۔ اس بہشت میں جہاں چاہیں رہا کریں، پھر کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اور (اے رسول!) آپ فرشتوں کو عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے دیکھیں، تسبیح کرتے ہوں گے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ان میں انصاف سے فیصلہ ہوگا اور کہا جائے گا الحمد للہ رب العالمین۔

ترکیب: زمرا جمع زمرة وھی الجماعة، حال فی الموضعین و فُتِحَتْ الواو زائدة عند قوم لان الکلام جواب حتی اذا ولیست زائدة عند قوم فالجواب محذوف ای دخلوھا نتبوأ حال من الفاعل او المفعول وحیث مفعول بہ حافین حال من الملائکة یُسَبِّحُوْنَ حال منھا۔

تفسیر: فیصلہ ہونے کے بعد کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ کفار کی جماعتیں جہنم کی طرف ہانکی جاویں گی، وہاں فرشتے اُن سے ملامت کے طور پر پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس دنیا میں رسول نہ آئے تھے جو آیات الٰہی سنایا کرتے اور اس روز کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں آئے تھے مگر تقدیر میں یہی تھا، فرشتے کہیں گے تو جہنم میں گرو کہ ہمیشہ وہاں رہا کرو گے جو بری جگہ ہے اور پرہیزگاروں کو جنت کی طرف روانہ کریں گے، جب وہاں آویں گے تو اُس کے دروازے کھلے پاویں گے اور فرشتے اُن سے سلام کہیں گے اور اُن کو ہمیشہ

رہنے کا مژدہ دیں گے اور جنتی وہاں خدائے تعالیٰ کی حمد کریں گے کہ اُس نے ہم سے وعدہ سچ کر دکھایا اور جنت کی زمین کا مالک کیا جہاں چاہیں رہیں۔ اللہ فرماتا ہے پھر کیا عمدہ اجر ہے، عمل کرنے والوں کا یعنی جس نے دنیا میں اچھے عمل کیے، اُن کا اجر وہاں بہت عمدہ ہے۔

اس کے بعد پھر عرصات کا بیان فرماتا ہے۔ وتری الملائکة کہ اے محمد (ﷺ)! تو دیکھے گا کہ تخت رب العالمین کے اردگرد فرشتے حلقہ باندھے ہوئے، اُس کی حمد و تقدیس و تسبیح کرتے ہوں گے اور لوگوں کا انصاف کے ساتھ وہ فیصلہ کر دے گا اور فیصلہ کے بعد ایماندار اور ملائکہ مل کر کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور دربار برخاست ہوگا۔ یہ ایسا ہے کہ جیسا کسی عمدہ کام کرنے والے کو تمام کرنے پر کلمات تحسین سے یاد کیا جاتا اور اُس کا آوازہ بلند کیا جاتا ہے۔

بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، پہلی جماعت جو جنت میں جاوے گی، اُن کے چودھویں رات کے چاند جیسے روشن ہوں گے اور جو اُن کے بعد والے ہیں، وہ روشن ستارے کے مانند ہوں گے۔

اس مختصر سے بیان میں حشر سے پہلی کیفیت کہ صور پھنکے گا، لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، پھر مر جائیں گے، پھر دوبارہ صور پھنکے گا تو میدان عدالت میں حاضر ہوں گے اور وہاں تخت رب العالمین اس شان سے رکھا جائے گا اور نیکوں کا یہ اور بدکاروں کا یہ انجام ہوگا۔ حقیقت میں اعجاز اسی کا نام ہے۔ والحمد للہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنزِيلُ الْكِتَٰبِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَٰدِلُ فِىٓ
ءَايَٰتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِى الْبِلَٰدِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنۢ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍۭ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَٰدَلُوا
بِالْبَٰطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ
كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ زبردست دانا کی طرف سے ہے جو گناہ کا معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت سزا دینے والا مقدور والا ہے، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اُسی کے پاس پھر جانا ہے۔ اللہ کی آیتوں میں تو وہی جھگڑا کیا کرتے ہیں جو منکر ہیں، پھر آپ کو اُن کے شہروں میں (اترا کر) پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اُن سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد اور فرقے بھی جھٹلا چکے ہیں اور ہر ایک امت نے اپنے رسول کے پکڑنے کا ارادہ کیا تھا اور غلط باتوں کے ساتھ بحث کرتے تھے تاکہ اس سے دین حق کو مٹا دیں، پھر ہم نے اُن کو پکڑ لیا، پھر کیسی سزا ہوئی اور اسی طرح منکروں پر اللہ کا کلام پورا ہوا کہ وہ جہنمی ہیں۔

ترکیب: حم تنزیل الکتاب مثل الم تنزیل الکتاب، غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ صفة قال الاخفش التوب جمع توبة کعزم وعزمة وادخال الواو فی ھذا الوصف لافادة الجمع للمذنب التائب بین قبول توبته ومحو حوبته او لتغایر الوصفین اذ ربما یتوھم الاتحاد، بیضاوی، شَدِيْدِ الْعِقَابِ نکرة لان التقدیر شدید عقابه فیکون بدلا ویجوز ان یکون شدید بمعنی مشدد فیتعرف ذی الطول بالفتح المن (الجوھری) صفة لا

الیہ الخ محلہ ویمکن ان تکون مستانفا۔

تفسیر : اس سورہ کا نام سورۂ غافر اور سورۂ مومن بھی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی قول عطاء و جابر و عکرمہ کا ہے۔ حسن کہتے ہیں، مگر یہ قول وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کس لیے کہ نماز مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں۔ یہ دو آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ الخ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سب حوامیم مکہ میں نازل ہوئیں اور یہی بات ٹھیک ہے۔ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں تو ہر دروازہ پر سورۂ حم ہوگی، کہے گی یا اللہ جس نے مجھ کو پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اُس کو اس دروازہ سے نہ داخل کریو۔

اس سورہ کا منجانب اللہ ہونا بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے چند اوصاف بیان فرمائے تا کہ ناظرین کو واضح ہو جائے کہ یہ زبردست علم والے کا ایسا کلام ہے کہ جس میں بندوں کی تمام مصلحتیں رکھی گئی ہیں اور نہ صرف علم والا بلکہ زبردست بھی ہے جو نہ مانے تو اُس کو سزا بھی دے سکتا ہے اور عمل کرنے پر انعام و اکرام بھی بے حد کر سکتا ہے۔ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، پھر اُس کے پاس پھر کر بھی جانا ہے، بار دگر بھی اُس سے کام پڑتا ہے۔ پس ان صفات کے لحاظ سے عاقل کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی بھی خطرہ باقی نہیں رہتا، وہ صفات یہ ہیں۔ (۱) عزیز زبردست۔ (۲) علیم تمام علوم اور حکمتیں اُس کے آگے حاضر ہیں۔ (۳) غَافِرِ الذَّنْۢبِ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے اہل سنت کے نزدیک بے توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے۔ (۴) قَابِلِ التَّوْبِ توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے۔ (۵) شَدِیْدِ الْعِقَابِ مگر سرکشوں کو سخت سزا بھی دے دیا کرتا ہے، گردن کشوں کی گردنیں توڑ ڈالتا ہے۔ (۶) ذِی الطَّوْلِ بڑی بخشش بھی کیا کرتا ہے، اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ (۷) لا الہ الخ کہ وہ خدا یکتا ہے، کوئی اُس کا شریک نہیں جو اُس کو کسی بات سے روک سکے۔ (۸) اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اُس کے پاس پھر بھی جانا ہے، مر کر بھی اُس کی طرف حاجت باقی رہتی ہے۔ ایسی کتاب اور ایسے نازل کرنے والے کا جو انکار و تکرار کرتے ہیں، سو وہ کافر ہیں۔ دُنیا میں وہ جو پھرتے اور مکہ سے شام تک تجارت کے لیے شہروں میں پھرتے ہیں، اس سے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ ہمارے قابو سے نکل گئے، ان سے پہلے نوح کی قوم اور دیگر اقوام نے اپنے انبیاء سے ایسا کیا تھا، برباد ہوئے، یہی حال ان کا ہونا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ
تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۞ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ
الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۞ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۞

ع

وہ ملائکہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے آس پاس ہیں، اپنے رب کے لیے تعریف کے ساتھ تسبیح (و تقدیس) کرتے رہتے ہیں اور ایمانداروں کے

لیے بخشش کی دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اُس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم سب پر چھایا ہے۔ پھر جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے رستے پر چلتے ہیں، ان کو بخش دے اور اُن کو دوزخ کے عذاب سے بچالے اور اے رب! اُن کو اس جنت عدن میں داخل کر جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں جو کوئی نیک ہو گیا ہو اُن کو بھی کیونکہ تو جو ہے تو زبردست حکمت والا ہے اور اُن کو برائیوں سے بچا اور جس کو تو نے اُس دن برائیوں سے بچایا تو اُس پر مہربانی کی اور یہ ہے وہ بڑی کامیابی۔

ترکیب : الذین مبتدء و من مرفوع عطفا علی الذین یسبحون خبرہ یؤمنون ویستغفرون معطوف علیہ ربنا وسعت صدرہ محذوف ای یقولون والجملۃ حال رحمۃ و علما تمیز والاصل وسع کل شئ علمک و من صلح معطوف علی الضمیر فی ادخلھم ای وادخل من صلح و معطوف علی الضمیر فی وعدتھم فھی فی محل النصب من آباءھم بیان لمن صلح وازواجھم و ذریاتھم علی الجمع عطف علی آباءھم۔

تفسیر : پہلے بیان ہوا تھا کہ ایسی کتاب میں (جو ایسے زبردست علیم کی نازل کی ہوئی ہے) کافر ناحق کو جھگڑے مچاتے ہیں تا کہ اس کو پست کریں اور اس آفتاب کی شعاعوں کو روکیں، سو یہ اُن کی رذالت و دناءت جبلی کا مقتضی ہے، اب یہاں بیان فرماتا ہے کہ دیکھو ملائکہ اور ان میں سے بھی وہ جو تخت رب العالمین کو اٹھائے رہتے ہیں اور وہ جو اُس کے آس پاس ہیں، یعنی اعلیٰ رتبہ کے ملائکہ وہ خدا کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور وہ باوجودیکہ تخت کے پاس ہیں اور تخت پر کسی مجسم چیز کو بیٹھے ہوئے نہیں دیکھتے، پھر بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ اُن کو جنت عدن میں داخل کر اور جہنم سے بچا۔ فقال الَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ الخ اُس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اراذل جو ایمانداروں کی عداوت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں کہ کچھ ٹھکانا نہیں، ان کی کچھ پروانہ کرنی چاہیے۔ حاملان عرش اور حاضران بارگاہ قدس دل سے اظہار مسرت و محبت کر رہے ہیں اور اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے مٹانے سے یہ کتاب و دین پست ہو سکتا ہے۔ بارگاہ اقدس کا منشاء اُس کے پھیلانے کا ہے اور اس طرف بھی کہ انسان کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی فائدہ بخش چیز کا دشمن ہو رہا ہے۔ باوجودیکہ تخت محتاج ہے اور اُس پر اس کی سرتابی سے بلا نازل ہونے والی ہے اور حاملان عرش کہ جو گناہوں سے پاک ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں اور اس طرف بھی کہ وہ ملائکہ جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت یہ کہتے تھے کہ یہ دُنیا میں فساد و گناہ کرے گا، اب اُس کے لیے استغفار و معافی کے خواستگار ہیں انسان کو شرم چاہیے۔

فائدہ: (۱) تسبیح اللہ تعالیٰ کو جو اُس کے لائق نہیں اُن سے بری ثابت کرنا۔ تحمید اُس کے منعم حقیقی اور محسن علی الاطلاق ہونے کا اقرار کرنا، تو تسبیح جلال کی طرف اور تحمید کمال کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) ملائکہ کے حال میں تسبیح و تحمید کے بعد یہ فرمایا۔ ویؤمنون بہ کہ وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ تسبیح و تحمید وہی کیا کرتا ہے جو اُس پر ایمان لایا ہوتا ہے، پھر اس لفظ کے ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر اُن کو عیاناً و مشاہدۃً بیٹھا ہوا دکھائی دیتا تو اُن کا ایمان لانا اُن پر چنداں مدح و ثناء کی بات نہ ہوتی، کس لیے کہ حاضر و مشاہدہ اور معائنہ کی چیز کا اقرار کرنا کوئی قابل تعریف بات نہیں، اگر کوئی آفتاب کو دیکھ کر اُس کے روشن اور نورانی ہونے کا اقرار کرے تو کیا تعریف کی بات ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ نے خدائے تعالیٰ کو تخت پر بیٹھے نہیں دیکھا، غائبانہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ صاحب کشاف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے اور امام رازی نے اس کو از حد پسند کیا ہے۔

(۳) اس سے یہ شبہ بھی اُٹھ گیا کہ خدا تعالیٰ کے تخت کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور وہ تخت پر بیٹھا ہے تو خدا تعالیٰ کے دو محافظ قرار پاتے اور خدائے تعالیٰ محدود مانا جاتا حالانکہ ان باتوں سے پاک ہے اور شبہ یوں اُٹھ گیا کہ خدا تعالیٰ عرش پر اس طرح نہیں بیٹھا ہے کہ جس سے یہ شبہات پیدا ہوں بلکہ جس کو تخت رب العالمین کہتے ہیں، اُس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے مگر وہ اُس کی تجلی کی جگہ ہے، جس کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے اور یہی مذہب تمام اہل سنت والجماعت کے سلف و خلف محدثین و فقہاء و متکلمین کا ہے اور اس بارہ میں جو احادیث

صحیح وارد ہیں، اُن سے یہی مراد ہے نہ وہ کہ جو ظاہر الفاظ سے بعض نے سمجھ کر مجسمہ کا مذہب اختیار کر کے اس کو اہل حدیث کا مذہب قرار دیا ہے اور لوگوں کو خطرہ میں ڈالا ہے اور اسلام کو مورد طعن ملاعین بنایا ہے۔ ایاک ثم ایاک۔

(۴) ملائکہ کے حق میں یہ بھی فرمایا۔ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ بھی اُن کی ایک خوبی ہے، کس لیے کہ کمالِ سعادت دو باتوں ہے، ایک تعظیم امر اللہ دوسرے شفقت بر خلقِ خدا۔ پس يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ میں تو پہلی بات ثابت کی وَيَسْتَغْفِرُوْنَ میں دوسری لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی قید اس لیے لگائی کہ خدا کے دشمنوں پر قہرِ الٰہی ہے، ایسے موقع پر مالک کے مخالفوں کی کون خیر خواہی کر سکتا ہے؟ اب ملائکہ کی استغفار کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ مسلمان بندے کو توبہ کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ یا اللہ اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور عام ہے کہ عموماً ایمانداروں کے لیے معافی مانگتے ہیں یا خاص خاص نیک بندوں کا نام بھی لیتے ہوں، اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کفار جو ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پوجتے ہیں تو وہ اُن کے لیے دُنیا لینا مراد بر لانا تو در کنار خدا تعالیٰ سے اُن کے حق میں معافی بھی نہیں مانگتے۔ معافی بھی مانگتے ہیں تو صرف ایمان والوں کے لیے اور دعا بھی کرتے ہیں تو اُنہی کے لئے۔

(۵) رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا یہ اُن کی خدا تعالیٰ سے دُعا ہے، ایمانداروں کے لیے مگر دُعا سے پہلے اُس کی تسبیح و تحمید کرنا جو داعی کے لیے نورانیت اور اجابت کا مستحق ثابت کرتی ہے اور جس سے وہ کی جاتی ہے، اُس کو متوجہ کرتی ہے اور پھر اُس کو بلفظ ربنا سے شروع کرنا اور مقصود سے پہلے بھی اُس کی رحمت کا ذکر کرنا اور اُس کے علم کا ذکر کرنا جو اپنی حاجت اور اخلاص کا یاد دلاتا ہے، دُعا کے لیے رکن یا شرط یا عمدہ وصف ہے۔ گویا بندوں کو یہ جتلا دیا کہ دعا مانگنے کا یہ طریقہ ہے اور حاملانِ عرش یوں مانگا کرتے ہیں۔ گستاخانہ وال روہو جایا کرتا ہے۔ دُعا سے پہلے کوئی عملِ خیر ذکرِ الٰہی وغیرہ باعثِ قبولیت دُعا ہے۔ رحمت کو علم سے مقدم اس لیے کیا غرضِ اصلی تو اُس کی رحمت کا اظہار ہے جو مدعا برآری کا باعث ہے اور علم کا بعد میں ذکر محض اس لیے آیا ہے کہ آپ ہر حاجت مند کی حاجت اور دردمند کے درد سے واقف ہیں۔ سو یہ عارضی بات ہے، اس لیے موخر ہوئی۔

(۶) فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ اول وہ اُن لوگوں کے لیے کہ جو شرک و کفر سے تائب ہو کر دینِ الٰہی کے تابع ہو گئے ہیں، اُن کے بعض افعال پر جو از قسم معاصی بمقتضائے بشریت اُن سے صادر ہو گئے ہیں۔ مغفرت مانگتے ہیں، یا اُس يَسْتَغْفِرُوْنَ کا بیان ہے پھر اُن کے لیے عذابِ جہنم سے رستگاری چاہتے ہیں جو اُن کے معاصی پر ہونے والا تھا، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی کہتے وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الخ کہ اُن کو اس جنتِ عدن میں داخل کر کہ جس کا تو نے انبیاء کی معرفت ان سے وعدہ کیا تھا اور انہی پر بس نہیں بلکہ وَمَنْ صَلَحَ کہ ان کے بزرگوں اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں ان کو بھی ان سے ملا کر مل کر نہایت محظوظ رہیں، جدائی احباء کا بھی غم نہ رہے۔ باپ اور بیوی اور اولاد کا ذکر اہتمامِ شان کے لیے آیا ہے، ورنہ مراد عموماً اہلِ قرابت و محبت ہیں۔ بشرطیکہ وہ نیک ہوں۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ اور دیگر تکالیف سے بھی اُن کو بچا اور جس کو تو نے اُن برائیوں اور تکلیفوں سے اُس روز بچا دیا تو اس پر بڑی مہربانی فرمائی اور یہ بڑی مراد پانا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫

(قیامت کے دن) کافروں کو پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح (آج) اللہ کو تم سے بیزاری ہے (دنیا میں) اس سے بڑھ کر خود تم کو بیزاری تھی، جب تم کو ایمان کے لیے بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو ہم کو دو بار مار چکا اور دو بار زندہ کر چکا کہ پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا۔ پھر اب نکلنے کی راہ ہے (کہا جائے گا) عذاب اس لیے ہوا کہ جب تم کو اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ اوروں کو ملایا جاتا تھا تو ایمان لاتے تھے، پھر اب حکم اللہ ہی کے ہاتھ ہے جو بلند (شان) اور بہت بڑا ہے۔

ترکیب: مِنْ مَّقْتِكُمْ مصدر مضاف الی الفاعل و اَنْفُسَكُمْ منصوب بہ۔ اِذْ تُدْعَوْنَ ظرف لفعل محذوف تقدیرہ مقتکم اذ تدعون والمقت اشد البغض یقال مقتہ فھو مقیت وممقوت (صراح) اثْنَتَيْنِ نعتان لمصدر محذوف ای امتنا اماتتین اثنتین واحییتنا احیاء تین اثنتین ذلکم مبتدء خبرہ محذوف العذاب بانہ ای بسبب انہ وحدہ مصدر فی موضع الحال من اللہ ای دلی مفردا۔

تفسیر: ایمانداروں کی حالت بیان کرنے کے بعد کہ ان کے لیے آخرت کے امر میں ملائکہ یوں دعا کرتے ہیں جو مستجاب ہوگی اور وہاں جنت عدن میں اپنے صلحاء اقارب کے ساتھ جاویں گے۔ مصائبِ آخرت سے محفوظ رہیں گے۔ کفار کا حال بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ کہ قیامت کے روز کفار کو پکار کر سنا دیا جاوے گا، جبکہ وہ جہنم اور وہاں کی مصیبتیں دیکھ کر نا خوش اور ناراض اور غصہ ہوں گے کہ دُنیا میں جب کہ تم کو ایمان لانے کے لیے کہا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے، اس وقت خدا کو تم پر غصہ اور ناخوشی ہوتی تھی۔ سو وہ غصہ اس کا تمہارے آج کے غصہ سے جو تم کو اپنے اوپر آ رہا ہے بڑھ کر تھا، تم نے اُس کے غصہ کی پروا نہ کی اب وہ تمہاری ناراضگی اور دل تنگی اور غصہ کی بھی کچھ پروا نہیں کرتا۔

یہ سن کر کفار عذر کریں گے، قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا کہ اے رب! تو نے ہم کو دو بار موت اور دو بار زندگی دی اس سے ہم کو تیری قدرت اور حشر کا یقین آ گیا۔ دُنیا میں نہ آیا تھا، اب ہم اپنے گناہوں کے مقر ہو گئے، پھر اب بھی کوئی رستگاری کا رستہ اور چھٹکارے اور رہائی کی کوئی صورت ہے؟

اول موت سے مراد عدم کا زمانہ ہے کہ جس میں انسان نہ تھا یا وہ تھا مگر ماں کے پیٹ میں گوشت و پوست کا ایک پتلا تھا، اس میں جب تک روح نہ پڑی تھی اور ماں کا پیٹ اس کی گور تھا، کیونکہ اماتت کے معنی کسی شے کا معدوم الحیات کر دینا ہے، عام ہے کہ ابتداء ہو یا بعد میں کر دیا جاوے۔ اس لیے کہتے ہیں سبحان من صغر البعوض و کبر الفیل، اس کے یہ معنی نہیں کہ مچھر پہلے بڑا تھا، پھر اس کو چھوٹا کر دیا بلکہ ابتداءً چھوٹا پیدا کیا اور دوسری موت بھی عرفی موت ہے کہ جس وقت انسان کی روح اُس کے بدن سے الگ ہو جاتی ہے، اسی طرح پہلی زندگی سے مراد دُنیا کی زندگی دوسری بار زندہ کرنے سے مراد آخرت کی زندگی کہ جس کی ابتداء قبر سے ہے، جیسا کہ جمہور اہلِ سنت کا مذہب ہے اور احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں اور عذاب و ثواب قبر پر یہ شبہ کرنا (کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا ہے) غلط ہے، کس لیے کہ انسان کچھ اس ہیکل محسوس ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ جسم نورانی کا نام ہے جو اس بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ پس وہ تم کو نظر نہیں آتا نہ اُس کا عذاب و ثواب۔ یہ دو موت اور دو زندگی سب کے لیے ہیں اور سورۂ صافات میں جو مومنین کا قول نقل ہے اس کے منافی نہیں اور وہ یہ ہے۔ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى کس لیے کہ اُن کی مراد موت یا اماتت سے وہ ہے جو زندہ ہونے کے بعد طاری ہوئی تھی، سو وہ ایک ہی تھی اور اُس کے بعد سے اُن کو حیاتِ ابدی نصیب ہوگئی اور جگہ بھی یہ مضمون آیا ہے۔ فقال فی سورۃ البقرۃ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔

کفار کو جواب ملے گا۔ ذلکم بانہ الخ کہ تمہاری یہ سزا تمہارے شرک کی وجہ سے ہے۔ پس ہر حکم اللہ کے ہاتھ ہے۔ دوم تم کو بار دگر دنیا میں نہیں بھیجے گا جو دوبارہ مرنے اور جینے سے تم نے اُس کی خواہش کی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾
فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ
ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ
التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ۬ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ
الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ
الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

وہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے روزی اُتارتا ہے اور سمجھتا وہی ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ پھر اللہ کو پکارو خاص اسی کے لیے عبادت کو مخصوص کر کے گو منکر برا مانیں وہ بلند مراتب تخت کا مالک ہے، اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات (قیامت) کے دن سے ڈراوے جس دن کہ لوگ قبروں سے باہر آویں گے۔ اللہ پر کوئی بات اُن کی مخفی نہ رہے گی۔ کس کی حکومت ہوگی، آج کے روز؟ ایک اللہ زبردست کی آج کے روز ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پاوے گا۔ آج کے روز کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

ترکیب : هو الذی مبتدء یریکم خبرہ و ینزل خبر ثان و لوصیلۃ متعلق بادعوا اللہ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ خبر ثالث ذُو الْعَرْشِ خبر رابع یلقی الروح خبر خامس من امرہ متعلق بیلقی من عبادہ بیان لمن یشا ء لینذر فاعلہ الضمیر یرجع الی اللہ والمفعول محذوف العذاب یوم التلاق مفعول فیہ للعذاب ویمکن ان یکون مفعولا بہ یوم هم بدل منہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ناخوش ہوتے ہیں اور جو اُس کے ساتھ اوروں کو بھی ملایا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں، اب یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ اُس کے ساتھ کون شریک ہو سکتا، تمام کاروبار اور جمیع منافع انسانیہ دینیہ و دنیویہ اُسی کے ہاتھ ہیں۔ فقال هُوَ الَّذِیْ الخ انسان کے درجات ہیں، ایک روحانی کہ اُس کی روح کو دلائل دینیات کے سبب ورطۂ جہالت سے نکالا جائے، اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ کہ وہ تم کو ہر وقت اپنی قدرت کی نشانیاں دکھایا کرتا ہے۔ دوسری حاجت بدنی ہے۔ رزق و روزی تندرستی وغیرہ چیزیں عطاء کرنا اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا کہ وہ آسمان سے تمہارے لیے روزی بھیجتا ہے، پانی برسانا اوپر سے اور آفتاب و ماہتاب و دیگر ستاروں کی تاثیرات سے کھیتی غلہ میوہ جات پکاتا ہواؤں کا بدلنا سب کام جو صحت و رزق کے اسباب میں سے ہے، آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ یتذکر الامن ینیب مگر ان باتوں کو ہر کوئی نہیں سمجھتا بلکہ وہی جو خدا کی طرف دھیان رکھتے ہیں، پس جب تمہارے معبودوں میں سے کوئی بھی ان باتوں میں شریک نہیں تو فَادْعُوا اللّٰهَ الخ خاص اللہ ہی کو پکارا کرو، نیازمندی اور اخلاص سے گو کافر ناخوش ہوں ہوا کریں۔ اس کے بعد اپنے اور چند اوصاف ذکر کرتا ہے، جو اُس کی شانِ الوہیت کی دلیل ہیں۔ اول رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ رفیع بمعنی رافع اور بمعنی مرتفع بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ انبیاء و اولیاء کے دنیا

میں درجے بلند کرتا ہے یا مخلوق کے علم و دولت عقل و صورت سعادت و شقاوت میں درجے بلند کیا کرتا ہے، ایک کو ایک سے بالا کرتا ہے نہ کہ تمہارے معبود کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جمیع صفاتِ کمال و جلال میں تمام موجودات سے بلند رتبہ ہے۔ اُس کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا نہ کسی کی حیات اُس کی حیات کے برابر ہے نہ قدرت و علم اُس کے برابر ہے نہ کوئی واجب الوجود ہے بلکہ سب اس کی ذات و صفات میں محتاج ہیں، وہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں۔ دوم ذُو الْعَرْشِ وہ تخت کا مالک ہے۔ تختِ حکومت اُسی کے لیے ہے اور جو کوئی ہے اُس کی رعیت و مطیع ہے، وہی انصاف کرتا ہے، وہی دیتا لیتا ہے۔ پہلی صفت مراتبِ دنیا کی طرف دوسری آخرت کے مراتب پست و بالا کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سوم یُلْقِی الرُّوْحَ کہ اپنے بندوں میں سے وہ جس پر چاہتا ہے روح کا القا کرتا ہے۔ روح سے مراد وحی ہے کہ جس طرح روح سے ابدان کو حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔ کما قال وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور بعض کہتے ہیں۔ جبرئیل مراد ہیں کما قال نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ مقصد یہ ہے کہ رفع درجات کے لیے یا بندوں کی تدبیر آخرت کے لیے اللہ جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے، اس میں تمہارا اختیار نہیں اور وحی کیوں نازل کرتا ہے۔ لینذر الخ کہ اللہ یا اُس کا رسول بندوں کو ملنے کے دن سے ڈراوے کہ ایک دن خدا سے ملنے اور جزاء و سزا ملنے کا بھی دن آتا ہے۔ وہ کون سا دن ہوگا۔ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ کہ جس روز بندے قبروں سے نکل کر ظاہر ہوں گے یا کسی ٹیلے یا پردے کی آڑ نہ ہوگی یا کوئی اور اُس کے اعمال نہ چھپیں گے۔ لا تخفی الخ اللہ پر اُن کی کوئی بات مخفی نہ ہوگی، اُس دن کہا جائے گا کہ آج کس کی حکومت ہے؟ سب کہیں گے اللہ کی جو اکیلا اور زبردست ہے، اُس روز کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ ہر ایک اپنے کیے کا بدلہ جلد پاوے گا۔

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ ؕ۬ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ
مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾
وَ اللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾ ع۲

اور ان کو قریب آنے والے دن سے ڈرا جس دن کہ دل گھٹ گھٹ کر گلوں تک آ جاویں گے (اس دن) ظالموں کا نہ کوئی بچانے والا ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جاوے، وہ آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے اور اللہ انصاف سے فیصلہ کرے گا اور اُس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں، کچھ بھی فیصلہ نہ کر سکیں گے، البتہ اللہ جو ہے تو سنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب : کاظمین حال من القلوب وجمع جمع العقلاء لملابسۃ الیہا ما یسند الی العقلاء، وقیل باعتبار اہل القلوب لان المعنی اذ قلوب الناس لدی حناجرھم فیکون حالا منھم والخائنۃ مصدر کالعافیۃ والکاذبۃ والجملۃ خبر آخر عن المبتدا او ھو الذی وفیہ تقدیم و تاخیر ای یعلم الاعین الخائنۃ وقیل الاضافۃ بمعنی من ای الخائنۃ من الاعین۔

تفسیر : اس جگہ قیامت کا دوسرا وصف بیان فرمایا کہ اُس سے ہول دلاتا ہے۔ فقال وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ کہ لوگوں کو اُس قریب آنے والے دن سے ڈرا آزفہ بروزن فاعلہ من ازف الامر اذا دنا و حضر، یہی لفظ اسی معنی میں ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ کوئی شاعر کہتا ہے۔

ازف الترحل غیر ان رکابنا لما تزل برحالنا وکان قد

یہ محذوف کی صفت ہے ای یوم القیامۃ الازفۃ اس سے مراد قیامت کا دن ہے، لوگوں کی نظروں میں بعید ہے، مگر یقیناً آنے والی چیز ہے اور آنے والی چیز بہت قریب سمجھی جاتی ہے۔ عقلاء کے نزدیک وہ سوکوس پرے کی بلا کو آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد موت کا دن ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ یہ ابو مسلم کا قول ہے، پھر اُس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ کہ وہ بڑی مصیبت اور رنج و محن کا دن ہے کہ دل گھٹ کر گلوں تک آجاویں گے، یہ کنایہ ہے شدتِ خوف سے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں ناک میں دم آ گیا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ شدتِ غم والم کے وقت پھیپھڑا پھول کر اوپر کو اُٹھ آتا ہے اور اسی میں دل بھی۔ یہ ایک محاورہ کی بات ہے، اس پر اعتراض کرنا جہالت ہے۔

کاظم اُس ساکت اور چپ کرنے والے کو کہتے ہیں جو دل میں تو جوش یا رنج بھرا ہو مگر منہ سے کچھ نہ کہے۔ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ کہ اُس روز ظالموں کا نہ کوئی حمایتی و مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات ضرور مانی جاوے، جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کی طرف گمان کرتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں ہر کبیرہ ظلم ہے اور ظالم کا کوئی شفیع نہیں، پس ثابت ہوا کہ اہل کبائر کے لیے شفاعت نہ ہوگی بلکہ اہلِ صغائر کے لیے بھی کیونکہ یہ بھی ظلم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم سے مراد کفر و شرک ہے اور کفار و مشرکین کو ظالمین کہا گیا، جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے، البتہ اُن کے لیے کوئی سفارشی نہ ہوگا نہ مطاع نہ غیر مطاع۔ يَعْلَمُ الخ یہ ایک اور دہشت ناک بات بیان فرماتا ہے کہ جس حاکم کے سامنے اُس روز ہونا ہوگا وہ ایسا ہے کہ آنکھ کی چوری (چھپا کر بدنظری کرنا جس کا دیکھنا جائز نہیں، اُس کو چوری سے یا کن انکھیوں سے دیکھنا) اور دل کے خطرات اور ارادات بھی جانتا ہے، کوئی عمل اُس سے مخفی نہیں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کا نہ دل کا اور دوسری بات یہ ہے وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ کہ اُس روز اللہ ہی فیصلہ و انصاف کرے گا نہ اور کوئی اور انصاف بھی کس طرح سے بے لاگ نہ کسی سے رشوت لے گا نہ کسی سے دبے گا، عدل کرے گا نہ شریف کی شرافت نہ رذیل کی رذالت کو دیکھا جائے گا۔ امیر و غریب شاہ و گدا برابر ہوں گے اور تیسری بات یہ ہوگی کہ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ اُس دن کی اُمید پر پکارتے ہیں، کچھ بھی فیصلہ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے، چوتھی بات یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اللہ ہر بات سنتا، ہر کام دیکھتا ہے، کوئی بات اُس سے مخفی نہیں، برخلاف اُن کے معبودوں کے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ
لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ
سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا

كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلوں کا کیا انجام ہوا، جو اُن سے زیادہ قوت والے اور ملک میں زیادہ نشانیاں باقی چھوڑنے والے تھے، پھر اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں سے پکڑ لیا اور اُن کو (عذاب) اللہ سے کوئی نہ بچا سکا، یہ اس لیے کہ اُن کے پاس رسول نشانیاں لے کر آیا کرتے تھے۔ سو انہوں نے انکار کیا، پھر اللہ نے اُن کو پکڑ لیا، کیونکہ وہ زبردست سخت سزا دینے والا ہے اور البتہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور ظاہر حجت دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ جادوگر ہے جھوٹا ہے (الغرض) جب اُن کے پاس موسیٰ ہمارے ہاں سے حق لے کر آئے تو کہہ دیا کہ جو لوگ اُس پر ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو مار ڈالو اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کے داؤ تو محض غلط ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر : منکرین کو عذاب آخرت سے متنبہ کر کے دُنیاوی مصیبتوں کا خوف دلاتا ہے، اس لیے کہ وہ سنگدل آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پھر وہاں کے عذاب سن کر اور بھی تمسخر کرتے تھے، اس لیے اب اُن کو دُنیا کی بلاؤں سے ڈراتا اور اُس کا کامل یقین دلاتا ہے۔ ان سے پہلوں کی ہلاکت اور اُن کے آثارِ باقیہ کو یاد دلا کر جو اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے۔ اس لیے فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا کہ کیا اُن کفار قریش نے جو یمن و شام میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے ہیں، پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے منکروں کا کیا انجام ہوا جو اُن سے زیادہ طاقتور تھے اور بڑے بڑے نشان دُنیا میں چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے مکانات اور نشانوں سے زیادہ اُن کے نشان تھے۔ اب تک مستحکم قلعے اور اُن کے آثارِ شکستہ اُن کے یادگار ہیں، پھر اُن کو اللہ نے اُن کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اُن کو کوئی نہ بچا سکا، جیسا کہ قومِ عاد و ثمود و قومِ لوط۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ یہ مصیبت اُن پر صرف اس لیے آئی کہ اُن کے رسول اُن کے پاس نشانیاں معجزات و آیات لے کر آئے تھے۔ انہوں نے اُن کا انکار کیا اور بدی سے باز نہ آئے۔ پس اللہ نے ان کو پکڑ لیا اور وہ بڑا زبردست اور سخت سزا دینے والا ہے۔

عذابِ دُنیوی سے کفار زیادہ ڈرتے ہیں، کس لیے کہ اُن کا مقصودِ اصلی دُنیا اور اُس کے تجملات ہی ہوتے ہیں، اُن پر مصیبت آنے کا تصور بھی اُن پر شاق ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وہ ایک اجمالی بیان تھا، اُس کے بعد تفصیل شروع کرتا ہے اور اُن سے طاقتور فرعون کی حقیقت بیان کرتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ سے کھلی تھی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف نشانیاں تو معجزے اور کھلی ہوئی حجت اور صداقت کی دلیل دے کر بھیجا تھا۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سب قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، مگر یہ اُن کے سردار تھے، اس لیے اُن کا بالتخصیص نام لیا گیا۔ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ تو سب نے جھوٹا جادوگر بتایا۔ قارون گو بنی اسرائیل میں سے تھا اور بظاہر اُس نے یہ نہ کہا تھا مگر اُس کا مقابلہ کرنا جیسا کہ پہلے بیان ہوا، گویا زبانِ حال سے یہ کہہ دینا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ الخ جب قومِ فرعون کے پاس موسیٰ دینِ حق لے کر آئے تو بجائے اس کے کہ مانتے فرعون نے یہ حکم دے دیا کہ ان بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرو جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں، اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو کہ فرعونیوں کے کام میں آویں، یہ دوبارہ حکم تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے دینِ حق لے کر آنے کے بعد ایمان داروں کے برباد و خراب کرنے کے لیے اُس لعین نے دیا تھا، مگر اس سے کیا ہوتا کس لیے کہ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ کفار کے سب داؤ اور کل تدبیریں خدا تعالیٰ کی مشیت کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتیں۔ سب بیکار اور ضائع جاتی ہیں، آخر کار وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ فرعون اور اُس کے سردار اور لشکر غارت ہوا، موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سلامت چلے گئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ
دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ

ع وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ
مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ
بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ
لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ
جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾
وَقَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ
قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں اور اپنے رب کو بلا تا رہے (چونکہ) مجھے خوف ہے کہ تمہارا دین بدل دے یا زمین میں فساد برپا کردے اور موسیٰ نے کہا میں تو اپنے اور تمہارے رب کی ہر ایک متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا پناہ لے چکا ہوں اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایماندار مرد نے جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا (یہ) کہا کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو اس کی ان باتوں میں سے کہ جس کا تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر کوئی نہ کوئی تو آ ہی پڑے گی بے شک اللہ اُس کو جو بے ہودہ جھوٹا ہو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اے قوم! آج تو تمہاری حکومت ہے تم ملک میں غالب ہو رہے ہو، ہماری کون مدد کر سکے گا۔ اگر ہم پر خدا کا عذاب آ پڑے۔ فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی سوجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور میں تو تم کو سیدھا ہی رستہ بتاتا ہوں اور اس شخص نے جو ایمان لایا تھا (یہ) کہا کہ اے قوم! مجھے تو تمہاری نسبت (اگلی) امتوں جیسے دن کا اندیشہ ہو رہا ہے، جیسا کہ قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان سے پچھلوں کا حال ہوا (تمہارا بھی ہو) اور اللہ تو بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

تفسیر: یہ اُسی قصہ کا تتمہ ہے کہ فرعون نے لوگوں کی تسلی اور اپنی شوکت جتلانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو بلا وے دیکھیں، وہ کیا کرتا ہے اور کیونکر بچاتا ہے۔ (جانتا تھا کہ قتل کروں گا تو بلا آجاوے گی کس لیے کہ معجزات دیکھ چکا تھا، گویا لوگوں نے اُس کو قتل سے روک رکھا تھا) یہ اس لیے کہ اگر قتل نہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے گا بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی پر لگا دے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا کہ وہ سرغنہ ہے، بہت لوگ اُس کے تابع ہو کر سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا اِنِّیْ عُذْتُ الخ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں، ہر ایک متکبر سے جو حساب کے دن سے نہیں ڈرتا، مطلب یہ کہ میرا محافظ اللہ ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ الخ اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایماندار مرد نے جو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا، مگر فرعون کے ڈر سے اُس کو مخفی رکھتا تھا۔ یہ کہا کہ تم ایک شخص کو کیا اس جرم پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا

ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس معجزات و نشانیاں لے کر ہی اپنی صداقت پر آیا ہے، یعنی یہ جرم نہیں کہ جس پر قتل کیا جاوے۔ پس اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اُس پر پڑے گا۔ آپ خراب ہو جاوے گا، کس لیے کہ جھوٹے کو فلاح نہیں اور اگر وہ سچا ہے تو فرض کرو کہ کل باتیں نہیں مگر بعض تو ضرور تم پر پڑیں گی کہ جن کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے، وہ شخص دل میں موسیٰ علیہ السلام کو سچا جانتا تھا، مگر اُن کے سمجھانے کے لیے اس طریق پر مصلحت آمیز کلام کرتا تھا کہ جو اُن کے دل میں اثر کرے، بشرطیکہ کچھ عقل سلیم بھی ہو، پھر کہا یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ الخ کہ آج کے دن تمہاری حکومت اور تم کو غلبہ ہے، مگر اس پر گھمنڈ نہ کرنا، اگر اللہ کی طرف سے ہم پر اس کے مقابلہ سے کوئی بلا آ گئی تو کوئی بھی ہماری مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ فرعون نے کہا جو میری رائے ہے، تم پر ظاہر کرتا ہوں اور تم کو اچھی اور عمدہ بات اور سیدھا رستہ بتاتا ہوں، اُس مرد خدا نے کہا اِنِّیْۤ اَخَافُ کہ اگلی قوموں نے جیسا کہ قوم نوح و عاد و ثمود اور اُن کے بعد جیسں برے کام کئے تھے، برباد ہو گئیں۔ ویسا ہی حال تمہارا ہوتا معلوم ہوتا ہے، اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، انسان آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ
قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ
يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ ع
الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ
وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اور اے قوم! میں تم پر پکار کے دن سے خوف کھاتا ہوں، جس دن کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے (اور) اللہ سے تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو کہ اللہ گمراہ کرتا ہے، پھر اُس کو کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے، پھر جو کچھ کہ وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے تم اس میں (ہمیشہ) شک ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ مر گئے تو تم نے کہہ دیا کہ اُس کے بعد اللہ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا جو بے ہودہ شکی ہوتا ہے، اللہ اس کو یوں ہی گمراہ کیا کرتا ہے کہ ان کے پاس کوئی سند تو آئی ہوئی نہیں (یوں ہی) اللہ کی آیتوں میں جھگڑا مچایا کرتے ہیں۔ اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک (یہ) بڑی نازیبا بات ہے اور ہر ایک متکبر سرکش کے دل پر اسی طرح سے مہر کر دیا کرتا ہے۔

تفسیر: یہ اُس مومن کا ایک اور قول ہے یٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ تناد کو جمہور نے تخفیف دال و حذف یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی اصل تنادی ہے، باب تفاعل ہے۔ نادیٰ، ینادی نداء بمعنی آواز سے مشتق ہے کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت آواز دینے کے دن سے ڈر ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ ملائکہ پکاریں گے اور اہل جنت کو اُن کے مقامات کی طرف آنے کو کہیں گے یا ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکارے گا، جس طرح کہ مصیبت کے وقت پکارا کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ اُس سے غرض اُس کی دُنیا میں مصیبت اور ہزیمت کا دن ہو، جس کے آنے کی خبر اُس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی یا اُس کو خود سنت اللہ کو دیکھ کر معلوم ہو گیا ہو کہ انبیاء علیہم السلام سے مقابلہ کرنے والے ایک روز آسمانی بلا میں گرفتار ہوتے ہیں اور اُس مصیبت کے وقت اپنے یار و انصار کو پکارا کرتے ہیں، اُن پر بھی وہ دن آنے والا ہے وہ کون سا

دن ہے۔ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ وہ کہ جس روز تم پیٹھ دے کر بھاگو گے اور خدا کے قہر سے تم کو کوئی نہ بچاوے گا چنانچہ یہ معاملہ بحرقلزم میں غرق ہونے کے دن پیش آیا۔

نصیحت تمام کر کے یہ بھی فرمادیا۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا، یعنی اگر تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا اور نہ کرو گے تمہاری حالت سے معلوم ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ تم کو خدا ہی نے گمراہ کر دیا۔ پھر میری ہدایت کیا نفع دے سکتی ہے۔ یہ مایوسی کا کلمہ ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ الخ یہ بھی اُسی مومن کا کلام ہے، بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہ موسیٰ کا نبی ہو کر تمہارے پاس آنا کوئی نئی بات نہیں، ان سے کئی سو برس پہلے فرعون سابق کے عہد میں حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس دلائل و معجزات لے کر آئے تھے، انہوں نے بھی مصریوں کو بہت کچھ سمجھایا، بت پرستی سے منع کیا مگر نہ مانا۔ آخر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو کہنے لگے کہ اب ان کے بعد خدا تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا، اُن کی زندگی میں تو اُن کے منکر رہے اور اُن کے بعد اور آیندہ آنے والے رسولوں کے منکر ہو گئے اور سلسلۂ رسالت کا ہی انقطاع کر بیٹھے۔ یہ بڑی گمراہی اور سخت سرکشی ہے اور ان پر کیا موقوف ہے۔ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ بلکہ ہر بے ہودہ اور حد سے باہر ہونے والے اور شک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ یوں ہی گمراہ کر دیا کرتا ہے۔ ان کو جو یجادلون الخ اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند اور دلیل کے ناحق جھگڑا کیا کرتے ہیں جو عنداللہ اور عندالمومنین بڑی نازیبا بات ہے اور اس طرح سے ان کے دلوں پر مہر بھی کر دیا کرتا ہے، پھر اُن کے دلوں میں حق بات نہیں جاتی، یہ اُن کی سرکشی اور تکبر سے ہوتا ہے۔ اس میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ فرعونیوں پر کیا موقوف ہے، تمہارا بھی یہی حال ہے، پھر جو اُن کا انجام ہوا تمہارا بھی ہوگا۔ گو قریش بحرقلزم میں نہ ڈوبے مگر قحط اور قتل بدر کی بلا کے بحرعمیق میں ایسے غرق کیے گئے کہ الٰہی توبہ الٰہی توبہ!

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝۳۶ اَسْبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ
سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝۳۷ وَقَالَ
الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۳۸ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ۝۳۹ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى
اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۴۰ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ
اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝۴۱ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ
مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝۴۲ لَا جَرَمَ اَنَّمَا

تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى
اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۴۳ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ
اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۴۴

اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک محل تو تیار کر تا کہ میں اُن رستوں سے جو آسمان کے رستے ہیں پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ آؤں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے برے کام اُس کی آنکھوں میں بھلے معلوم ہو رہے تھے اور وہ رستہ سے روکا گیا تھا اور فرعون کی تدبیریں تو سراسر بربادی بخش تھیں اور اُس ایمان والے نے کہا اے قوم! میری پیروی کرو کہ میں تم کو سیدھے رستہ پر لے چلوں، اے قوم یہ دُنیا کی زندگانی جو ہے تو کچھ برتنے کے لیے ہے اور آخرت کا گھر ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے، جس نے برا کام کیا تو اتنی ہی سزا پاوے گا اور جس نے نیک کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایماندار بھی ہو سو وہ جنت میں داخل ہوں گے، جہاں اُن کو بے حساب روزی ملے گی اور اے قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھ کو آگ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کا منکر ہو جاؤں اور اُس کے ساتھ اُس کو شریک کروں کہ جس کو میں جانتا بھی نہیں ہوں اور میں تم کو زبردست بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ بلاشک تم مجھ کو جس کی طرف بلاتے ہو وہ تو نہ دنیا میں بلانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں اور بے شک ہم کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور بے شک بے ہودہ لوگ ہی دوزخی ہیں، پھر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ بدل مما قبلہ فَاَطَّلِعَ بالنصب علی جواب الامر وبالرفع عطفا علی ابلغ و تدعوننی الجملۃ وما یتصل بھا بدل او تبیین لتدعوننی الاولی۔ وافوض الجملۃ حال من الضمیر فی اقول۔

تفسیر : فرعون نے پہلے کہا تھا وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ اب اس جگہ اُس کی عقل وفہم کی کوتاہی بیان کی جاتی ہے کہ اپنے وزیر یا مصاحب ہامان سے کہا کہ میرے لیے کوئی ایسا بلند مکان بنا کہ جس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی جانتا ہوں۔ حماقت اس میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس کہنے سے کہ اللہ رب السماوات ہے، وہ یہ سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر رہتا ہے۔ جیسا کہ طبائع عامہ فوقیت کے لحاظ سے اُس کو آسمانوں پر بتاتے ہیں اور فرقہ مشبہ ومجسمہ فرعون کے قول کو سند میں لاتے ہیں۔ دوسری حماقت یہ تھی کہ اگر ہامان کوئی ایسا بلند مکان بھی بنا تا تو غایۃ الامر بڑے سے بڑے پہاڑ کے برابر بناتا۔ پھر اس احمق کو یہ نہ سوجھا کہ پہاڑ پر چڑھنے سے بھی تو یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ تیسری حماقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محسوس نہیں، وہ بلندی پر چڑھ کر کیونکر دکھائی دے سکتا ہے؟ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ وہ چیزیں کہ جن سے استمداد لی جاتی ہے۔ رسا وغیرہ۔ ہامان کی بابت اہل کتاب کا یہ اعتراض کرنا کہ فرعون کے عہد کے سینکڑوں برس بعد میں ہوا ہے، محض غلط ہے کس لیے کہ یہ اور ہامان ہے۔ اب یہ بات ہے کہ توراۃ میں اس کا ذکر نہیں۔ سو یہ بھی بیکار ہے توراۃ میں سینکڑوں باتیں مذکور نہیں، پھر کیا ان کا انکار ہو سکتا ہے؟ اور توراۃ محرف بھی ہو تو پھر اُس پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے؟ ہامان نے کوئی ایسا محل اس احمق کے کہنے سے بنایا نہ تھا، وہ تو اُس کی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے لوگوں کے سنانے کو ایک بات تھی۔ وَكَذٰلِكَ الخ خدا تعالیٰ فرماتا ہے، اس پر کیا بس ہے اور بہت سی باتیں غلط اور اعمالِ فاسدہ فرعون کے نزدیک عمدہ سمجھے جاتے تھے۔ وصد جمہور نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے، ای صد فرعون الناس عن سبیل اللہ اور کوفیوں نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ صَدُّ اس کا عطف زین پر ہوگا اور بعض نے صدر پڑھا ہے، اس کا عطف سوء عملہ پر ہوگا، اس کے بعد اخیر تک اُس مردِ مومن کی گفتگو نقل ہے جو اُس نے فرعونیوں کے مقابلہ میں کی تھی، جس میں دُنیا کی بے ثباتی اور دارِ آخرت کا ذکر اور اپنی نصیحت کا وثوق بیان ہوا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ
يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ
اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ
النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ
الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا
فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

پھر اللہ نے اُس کو تو ان کے فریبوں کی برائی سے بچایا اور خود فرعونیوں پر سخت عذاب آ پڑا وہ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن کہ قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا) فرعونیوں کو سخت عذاب میں لے جاؤ اور جبکہ دوزخی دوزخ میں باہم جھگڑیں گے پھر کمزور سرکشوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے پیرو تھے، پھر کیا تم ہم سے کچھ بھی آگ دور کر سکتے ہو۔ سرکش کہیں گے ہم تم بھی اس میں پڑے ہوئے ہیں، البتہ اللہ اپنے بندوں میں فیصلہ کر چکا اور دوزخی جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے عرض کرو کہ وہ ہم سے کسی روز تو عذاب ہلکا کر دیا کرے، وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہ آئے تھے وہ کہیں گے ہاں (لاتے رہے) فرشتے کہیں گے تو پڑے پکارا کرو اور کافروں کا پکارنا محض رائیگاں ہوگا۔

تفسیر : اس کے بعد خدا تعالیٰ اُس مومن کے ایمان کا نتیجہ بیان کرتا ہے جو دُنیا میں بھی اُس کے سامنے آیا اور فرعونیوں کا انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال فَوَقٰىهُ اللّٰهُ کہ اللہ نے اس مومن کو فرعونیوں کے فریب و ایذاء سے جو اُس کو مومن سمجھ کر دینا چاہتے تھے بچا لیا اور خود فرعونیوں پر بڑا عذاب آ پڑا کہ وہ اول تو طرح طرح کی مصیبتوں میں جو موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اُن پر آئیں، مبتلا ہوئے، پھر بحر قلزم میں غرق ہوئے اور مرنے کے بعد اُن کا یہ حال ہوا۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ الخ کہ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے کئے جاتے ہیں۔ صبح و شام[ا] سے مراد خاص یہی دو وقت نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔ اُس کو محاورہ میں صبح و شام سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور آگ کے سامنے لائے جانے سے مراد اُس کا دکھایا جانا ہے، یا کمتر عذاب ہونا بہ نسبت آخرت کے بعض کہتے ہیں۔ آگ میں داخل ہونا مراد ہے بولتے ہیں۔ عرضهم علی السيف اذا قتلهم، بخاری و مسلم وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر میت کو صبح و شام اُس کا اصلی ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اگر جہنمی ہے تو جہنم اور جنتی ہے تو جنت اور کہہ دیا جاتا ہے قیامت کے روز تیرا یہ ٹھکانا ہوگا۔ یہ عالم برزخ کی سزا و جزا ہے جو ارواح کو ہوتی ہے او یہ سزا بہ نسبت اصلی سزا کے جو قیامت کے روز ہوگی، کم ہوتی ہے۔ جیسا کہ قید سے پہلے حوالات ہوتی ہے۔ یہ آیت صاف دلیل ہے کہ مرنے کے بعد عذاب قبر ہوگا اور ثواب بھی جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ برخلاف معتزلہ کے وہ حشر کے روز جزا و سزا ہونا کہتے

ا عذاب قبر کا ثبوت

ہیں اور اس درمیانی زمانہ کو خالی قرار دیتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا اس کو خواب کا زمانہ کہتے ہیں۔ مرقدنا کے معنی ہم سورہ یٰس کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں، علاوہ اس آیت کے اہلِ سنت کے عقیدہ کے اثبات کے لیے بے شمار صحیح حدیثیں بھی وارد ہیں اور عذاب و ثواب قبر پر جو نظر نہ آنے کا اعتراض ہے، اُس کا جواب ہم دے چکے ہیں اور عالم آخرت میں یہ ہوگا۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ اور جس دن قیامت برپا ہوگی حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو پوری سزا اور سخت عذاب میں لے جاؤ۔ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ یہاں سے دوزخ میں اُن کی باہم تکرار ہونا بیان فرماتا ہے کہ جو دنیا میں کمزور اور تابع تھے اپنے سرداروں سے کہیں گے ایک دن کے لیے تو ہمارے عذاب کو دفع کرو تمہاری فرمان برداری کرنا کیا کام آوے گی، وہ کہیں گے ہم خود اس میں مبتلا ہیں اور جہنم کے فرشتوں سے ناچار ہو کر تخفیف کی درخواست کریں گے، وہ کہیں گے کیا دنیا میں رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر نہ آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے فرشتے کہیں گے اب تم پڑے پکارا کرو تمہاری شنوائی نہیں۔ کافروں کی پکار نہیں سنی جاتی۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دُنیا میں کافروں کی دُعا نہیں سنی جاتی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى
وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ
بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ
بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

ہم اپنے رسولوں اور ایمان داروں کے دُنیا کی زندگی میں بھی مددگار ہیں اور اس روز بھی جبکہ گواہ کھڑے ہوں گے، جس روز کہ ظالموں کو اُن کا عذر کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور اُن پر پھٹکار پڑے گی اور اُن کے لیے برا گھر ہوگا اور البتہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت نامہ (توریت) دیا تھا اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا تھا، جس میں عقلمندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ پس صبر کرو کیونکہ وعدہ اللہ کا سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے رہو۔ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، جھگڑتے ہیں اور کچھ نہیں بس ان کے دل میں غرور ہے[ا] کہ برائی کی ہوس ہے، جس کو وہ نہ پہنچیں گے، سو اللہ سے پناہ مانگو کیونکہ وہ سنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب : والذین فی محل نصب عطفا علی رسلنا ای لننصر رسلنا ونصر الذین آمنوا معھم ، فی الحیوۃ الجار متعلق بنصر و یوم معطوف علی فی الحیوۃ ای ننصرھم فی الدنیا وفی الاخرۃ، یوم بدل من يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ولھم اللعنۃ الجملۃ الاسمیۃ معطوف علی لاینفع ھدی بدل من الکتاب قال الزجاج الاشھاد جمع شاھد کصاحب واصحاب وقال النحاس لایجیء جمع فاعل علی افعال بل ھی جمع شھید کشریف واشراف۔

تفسیر : فرعونیوں کی بربادی اور بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کی سلامتی کا ذکر کر کے یہ بات جتلاتا ہے کہ کچھ موسیٰ علیہ السلام اور اُس کی قوم ہی پر

ا کہ ہم پیغمبر پر غالب آ جائیں گے۔ ۱۲ منہ

سلامتی اور امداد غیبی موقوف نہیں، ہم اپنے سب رسولوں اور اُن کے ماننے والوں کو دُنیا میں اور آخرت میں (کہ جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی عدالت کا تخت بچھے گا اور جس دن کہ ظالموں کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور اُن پر لعنت یعنی خدا کی ناراضگی اور برا گھر یعنی جہنم ہوگا) فتح دیں گے کامیاب کریں گے۔ دُنیا میں بھی فتح غلبہ پانے اور لوگوں میں ہمیشہ کے لیے بول بالا رہنے اور نیکی سے یاد کئے جانے اور اُن کے دل میں سرور اور فرحت و نور عطا ہونے اور بلاؤں سے نجات پانے اور مخالفوں کے دل میں رعب و وقار پیدا کرنے سے ہوتی ہے اور آخرت میں مغفرت اور جنت اور دوسروں کی سفارش کرنے کا اختیار دینے سے ہوگی۔ اس میں نبی ﷺ کو مژدہ دیا جاتا ہے اور کفارِ قریش کے کان کھولے جاتے ہیں، خبردار رہو تمہارا زور و شوکت، حشمت و دولت فرعونیوں کی حشمت و دولت سے بہت کم ہے، دیکھو ان کا انجام کیا ہوا۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ نصرت اور مدد انبیاء کی ایک خاص بات بیان فرماتا ہے کہ فرعونیوں کو ہلاک کر کے ہم نے موسیٰ کو ہدایت یعنی ہدایت کرنے والی کتاب تورات دی جو اُس کے دین کے استحکام کی ایک رکنِ اعظم تھی اور اُن کے بعد بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث کیا جو عقلمندوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔ اس تذکرہ کے بعد جو آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے ان کو سنایا گیا۔ رسول کریم ﷺ کو اُن کی چند روزہ تکالیف پر برداشت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ کہ صبر کرو اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ عنقریب تجھ کو اور تیرے رب کے ماننے والوں کو غلبہ ہوتا ہے اور صبر کر کے بیکار نہ بیٹھو نہ اپنی زبان کو اُن کے برا بھلا کہنے میں مستعمل کرو بلکہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ خود اپنے خداتعالیٰ کے روبرو اپنی خطاؤں سے معافی مانگو، کیونکہ اگر بشریت سے ان کی ایذاؤں کے مقابلہ میں کوئی بات خلاف اولیٰ سرزد ہوگئی ہو تو خداتعالیٰ سے اُس کی معافی مانگو تاکہ اب بالکل بے الزام رہیں۔ بندہ گو کیسا ہی نیکوکار و ابرار ہو اور معصوم بھی ہو مگر مقتضائے عبدیت یہی ہے کہ اپنی نیکی پر گھمنڈ نہ کرے، دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم ہر چند صغائر و کبائر سے پاک تھے، مگر بشر تھے محبت کے طریقے میں ذرا ذرا سی بات جو خلاف اولیٰ ہو اُن کے نفوسِ قدسیہ کے لیے ایک بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے استغفار کا حکم ہوا اور بے گناہی پر بھی استغفار کرنا رفع درجات کا باعث ہے اور صرف استغفار ہی نہیں بلکہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ صبح و شام اپنے رب کی مدح و ثنا تسبیح و تحمید کیا کرو تاکہ فضلِ الٰہی جلد فتح یاب کرے۔ ان الذین یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر سند کے جاہلانہ بحث کیا کرتے ہیں، یہ صرف اُن کے دلی غرور کا باعث ہے جو وہ آپ سردار بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ یہ اُن کو حاصل نہ ہوگا۔ پس اب ان کے مکائد و غرور سے اللہ کی پناہ چاہو وہ سمیع و بصیر ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع

البتہ آسمانوں اور زمین کا بنانا آدمیوں کے بنانے سے بڑھ کر ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ ایمان والے اچھے کام کرنے والے بدکاروں کے برابر ہیں۔ تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ بے شک قیامت تو ضرور آنے والی ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور تمہارے

رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، البتہ وہ جو ہماری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

تفسیر : ترغیب و ترہیب کے بعد پھر دلائلِ توحید و اثباتِ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ فقال لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ الخ کہ یہ منکرینِ حشر اس بات سے کیا تعجب کرتے ہیں کہ قیامت کے روز خداتعالیٰ بندوں کو بار دگر پیدا کرے گا اور اس بات کو کیا محال جانتے ہیں؟ کس لیے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جو انسانوں کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ آسمانوں کی وسعت اور اُن میں ایسے ایسے بڑے اجرام نورانی یعنی آفتاب و مہتاب اور ستارے کہ جو زمین سے ہزاروں حصہ بڑے ہیں، عاقل کے لیے اُس کی قدرتِ کاملہ پر دلیل بیّن ہیں۔

فیثا غورث حکیم اور اُس کے متبعین جو آسمانوں کا وجود ہمارے خیال کے موافق تسلیم نہیں کرتے اور آسمان فضاء کو کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اور زیادہ اُس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت ہے۔ وہ کہتے ہیں زمین بھی ایک چھوٹا سا تارا ہے جس میں یہ کچھ کائنات ہے اور دیگر ستاروں کی طرح آفتاب کے گرد لاکھوں کوس کے فاصلہ سے گھومتی ہے، اسی طرح زہرہ و مشتری وغیرہ ستارے اس سے بھی بڑے ہیں اور وہ بھی دورہ کرتے ہیں اور آفتاب بھی ایک بڑا اجرم ہے، وہ بھی دورہ کرتا ہے جو ہم کو نہایت چھوٹے چھوٹے تارے رات کو دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بُعد کی وجہ سے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں، ورنہ وہ زمین سے لاکھوں حصے بڑے ہیں، پھر حکماءِ حال نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان میں بھی انسان کی طرح سے حیوانات بستے ہیں اور وہاں روشنی آفتاب یا کسی اور ستارے سے پہنچتی ہے۔ آفتاب کے رہنے والوں کو کسی اور نیر سے آفتاب و ماہتاب کی طرح سے روشنی پہنچتی ہے، ان میں رہنے والوں کو زمین بھی ایک چھوٹا سا تارا معلوم ہوتا ہے اور ان لاکھوں کروڑوں ستاروں میں کہ جن میں سے ایک زمین بھی ہے۔ بعض آفتاب سے منور ہیں، بعض کسی اور سے پھر ان کی نورانیت اور ظلمت بھی مختلف ہے، پھر اُس کی قدرت کو دیکھو کہ یہ سب ایک فضاءِ غیر محدود میں کس انداز سے دورہ کر رہے ہیں۔ آپس میں ٹکرا نہیں جاتے نہ ان کے انتظام میں فرق آتا ہے۔ پس ایسے حکیم و قدیر کے نزدیک آدمی کا بار دگر پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ مگر اس بات کو آنکھوں والے یعنی علم و عقل والے جانتے ہیں نہ اندھے۔ اس لیے فرماتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى الخ اندھا اور آنکھوں والا یعنی جاہل و عالم برابر نہیں اور نہ مومن نیک کام کرنے والا اور بدکار برابر ہو سکتے ہیں، لیکن اے لوگو! تم کم سمجھتے ہو، اس کے بعد پھر قیامت کے برپا ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ان الساعة لاتية الخ کہ قیامت ضرور آوے گی اس میں کچھ بھی شبہ نہیں یعنی یقیناً آوے گی لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔[1]

قیامت دارِ آخرت میں جانے اور سرورِ ابدی پانے کا وسیلہ ہے، اس لیے جو باتیں اس عالم میں نافع ہیں، ان کی تعلیم دیتا ہے۔ فقال وَقَالَ رَبُّكُمْ الخ تمہارا رب فرماتا ہے مجھے پکارو میری عبادت کرو میں تم سے غائب نہیں ہوں، میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں۔ عبادت قبول کرتا ہوں جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ

[1] بعض نے اسی بات سے یہ خیال پیدا کیا ہے کہ ان اجرام میں سے جنت بھی ایک ایسا ہی جرم سماوی ہے جو بُعد کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ وہاں آرام [illegible] دائمی ہے، کیونکہ سب اجرام کے مادے یکساں نہیں، وہ سب میں زیادہ عافیت اور خلود و سرور کی جگہ ہے۔ ارواحِ بشریہ جو نیک ہیں [illegible] کے بعد یا قیامت برپا ہونے کے بعد وہاں بھیجی جاتی ہیں اور اُس میں آرام سے رہتی ہیں اور جہنم ان میں سے ایک بدتر جرم ہے۔ جو ظلمانی [illegible] سے پہنچتے وہاں بے شمار تکلیفیں ہیں، مشرکین و کفار و گناہگاروں کی روحیں وہاں جا کر عذاب میں رہتی ہیں اور جہنم اسی کرۂ ناری میں رہو یہ تب [illegible]

شَیْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام کے لیے رات بنائی اور دیکھنے کو دن بنایا[1]۔ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو، اس طرح وہ لوگ بھی بہک گئے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے ٹھہرنے کو زمین بنائی اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں، پھر تمہاری اچھی صورتیں بنائیں اور پاکیزہ چیزوں سے تم کو روزی دی وہ اللہ تمام جہان کا پالنے والا بڑا ہی بابرکت ہے، وہ وہی ہے زندہ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، پھر اُسی کو پکارو خاص اُسی کی بندگی کرتے ہوئے سب خوبیاں اللہ کو ہیں جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔

تفسیر : جبکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کو پکارا کرو کہ وہ تمہارا کہنا سنتا ہے، تمہاری مرادیں دیتا ہے تو مناسب ہوا کہ ان مشرکین کو کہ جن کے مقابلہ میں کلام ہو رہا ہے اور جو اوہامِ باطلہ کی پرستش صرف دنیاوی کامیابیوں کے لیے کرتے تھے، دو باتیں بتلائی جائیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ موجود و قادرِ مطلق بھی ہے کہ نہیں کس لیے کہ اوہامِ عامہ اُس کے محسوس نہ ہونے سے بیشتر تردد میں پڑ جاتے ہیں اور اس لیے اپنے تراشیدہ معبودوں کو جو اُن کے سامنے موجود دکھائی دیتے ہیں، پوجتے ہیں پس اَللّٰهُ الَّذِیْ الخ ان آیات میں دلائل و براہین سے خدا تعالیٰ کا وجود اور متصف بصفاتِ معبودیت ہونا ثابت کیا گیا اور خدا تعالیٰ کے آثار و علامات سے جو کسی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے، اس کا موجود ہونا بتایا گیا ہے کیونکہ پاؤں کے نشانوں سے چلنے والا اور کسی کارسے اُس کا کاریگر یقیناً ثابت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ثابت کرنی تھی کہ آیا وہ دیتا اور فیض بخشی بھی کرتا ہے؟ سو اس کا بھی انہیں آیات میں ثبوت کیا گیا۔

اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے چند دلائل بیان فرمائے۔ اول اَللّٰهُ الَّذِیْ الخ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام و سکون کے لیے رات بنائی اور دیکھنے کے لیے دن بنایا، اگر زمین و آفتاب ایک ہی حالت پر رہتے تو یا ہمیشہ رات رہتی یا دن۔ یہ دونوں باتیں انسان کی معاش میں خلل انداز تھیں بلکہ اُس کی زندگی بھی مشکل ہو جاتی، یہ اُس کی بڑی نعمت اور عنایت ہے۔ اس سے ثابت ہوا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ کہ اللہ لوگوں پر بڑی عنایت اور مہربانی کرتا ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یشکرون لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے یا تو اس لیے کہ اس نعمت کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں یا اُس کو کسی اور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ اللہ ہے، تمہارا رب خالق کل شیء ہر چیز کا پیدا کرنے والا نہ اور کوئی۔ ذلك اشارہ کا لفظ لا کر اور اس سے پہلے اپنی روز مرہ کی نشانی دکھا کر گویا آنکھ سے خدا تعالیٰ کو دکھا دیا کہ اے اندھو! آنکھیں کھولو اور دیکھو یہ اللہ ہے اور وہ ایسا بخشنے والا ہے۔ فانی توفکون پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو اوروں کو پکارتے ہو۔ اُن کی عبادت کرتے ہو، اُن کو نافع اور ضار سمجھتے ہو اور یہ بہکنا بہکانا ہی ہے

[1] کہ اس کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھتا ہے۔

ٹھہر نہیں بلکہ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ ان سے پہلے بھی لوگ بہکے ہوئے تھے وہ جو اللہ کی ایسی نشانیوں کا انکار کرتے تھے، یعنی یہ بھی اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

دوم اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارا قرار گاہ بنایا کہ اُس پر بستے ہو چلتے پھرتے ہو اور آسمان کو چھت بنا دیا کہ تم کو گھیرے ہوئے ہے، صد ہا نعمتیں چھت پر سے بے مشقت تمہارے گھر میں آ رہی ہیں۔ سوم وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ تمہاری صورت اُس نے بنائی پھر کیا خوب بنائی اس خوبی کو دیکھو تو معلوم ہو کہ کیسی نعمت تم کو عطاء ہوئی ہے۔ تشریح ابدان کے جاننے والے اس کو جانتے ہیں۔ چہارم وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ یہی نہیں کہ تم کو عمدہ بنا کر بھوکا مارا بلکہ عمدہ سے عمدہ روزی دی نفیس چیزیں کھلائیں۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے اللہ تمہارا رب فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ پھر کیا بابرکت رب ہے جو تمام عالم کا رب ہے۔ هُوَ الْحَيُّ الخ وہ زندہ معبود ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں جب یہ ثابت ہوا تو فَادْعُوْهُ اُسی کو پکارو اُسی کی عبادت کرو، مگر کس طرح سے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اُسی کے ہو کر مدعا ثابت کر کے کلام ختم کرتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ ہر قسم کی ستائش کا وہی منعم حقیقی ہے نہ کوئی اور۔

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع ۱۲

کہہ دو مجھ کو ان چیزوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے، جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جبکہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس کھلی کھلی نشانیاں آ چکیں اور مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر جھکاؤں، وہی کہ جس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے پھر خون کی پھٹکی سے، پھر تم کو بچہ بنا کے نکالتا ہے، پھر باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر یہاں تک (باقی رکھتا ہے) کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو کچھ تم میں اس سے پہلے مر جاتے ہیں (تم کو اور زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم وقتِ مقررہ تک پہنچو اور تاکہ تم سمجھو وہی زندہ کرتا اور مارتا بھی ہے، پھر جب وہ کسی کام کا حکم کرتا ہے تو صرف کن کہتا ہے۔ سو وہ ہو جاتا ہے۔

ترکیب : لما ظرف لاعبد طفلا حال من ضمیر فی یخرجکم ای المصوب المحصل اعنی کم۔ والتوحید لارادۃ الجنس اوعلی تاویل کل واحدہ منکم طفلا لتبلغوا اللام متعلقۃ بمحذوف ای ثم یبقیکم۔ لیتلغوا و کذا فی قولہ ثم لتکونوا شیوخا جمع الشیخ والشیوخ بضم الشین وبکسرہا ولتبلغوا کذلک لتبلغوا اجلا مسمی۔

تفسیر : دلائل توحید بیان فرما کر شرک کی برائی مؤکد کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے۔ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ کہ ان سے کہہ دو مجھ کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کامل ہو گیا ہے اور شرک کی قباحت منکشف ہو گئی ہے۔ میں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہوں

کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کیونکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات یعنی دلائل یقینیہ آچکے ہیں اور مجھ کو رب العالمین کے آگے سر جھکانے کا حکم ہوا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ الخ سے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی توضیح کی جاتی ہے کہ اُس کی ربوبیت کی ایک یہ شان ہے کہ اُس نے تم کو بذریعہ تمہارے باپ آدم کے خاک سے بنایا، کیونکہ انسان کا غالب مادہ خاک ہے، پھر اُس کے بعد تمہارے توالد و تناسل کا سلسلہ اس طور پر قائم کیا کہ تم کو منی کے قطرہ سے پیدا کرتا ہے۔ پھر وہ قطرۂ منی علقہ ہو جاتی ہے، پھر اُس میں ہاتھ پاؤں اعضاء نمودار ہو کر جان پڑ جاتی ہے، پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں سے بچہ بنا کر باہر نکالتا ہے۔ پھر تم کو باقی رہنے دیتا ہے، تمہاری پرورش کرتا ہے تا کہ تم جوان ہو جاؤ پھر اس عمرِ طبعی میں اور ماں کے پیٹ میں دیکھو اُس نے کیا کیا احسان تمہارے ساتھ کئے ہیں۔ حواسِ خمسہ، صحت و عافیت، رزق و دیگر سامان دیے۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى اور بعض تم میں سے اس حد سے پہلے مر جاتے ہیں اور اُن کو ان کی اجلِ مقرر تک باقی رکھتا ہے تا کہ تم سمجھو کہ کون معبود برحق ہے، کون رب ہے؟ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ انسان جو کسی کی اطاعت و عبادت کرتا ہے یا تو احسانات سابقہ اور موجودہ کے لحاظ سے سو یہ بھی استحقاق خالص اللہ ہی کا ہے۔ اس بات کو هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ الخ میں بیان فرما دیا، اس لیے کہ اس سے جان کا خوف اور جان باقی رہنے کی اُمید ہوتی ہے۔ سو یہ بات بھی اُسی کے لیے ہے، وہی مارتا ہے۔ وہی زندہ رکھتا ہے، اس میں اُس کے سوا کسی کو دخل نہیں یا کسی کار براری کی اُمید ہے کہ وہ انسان کی اڑی حاجت کو روا کر دیتا ہے۔ سو یہ بھی اسی کا کام ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا الخ کہ جب وہ کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی، اس کے کہنے سے فوراً ہو جاتا ہے، جس کو فوراً کرنا چاہتا ہے اور جس کو بتدریج کرنا چاہتا ہے، اُس کو بتدریج کرتا ہے، مگر اُس کو بھی اگر فوراً کرنا چاہے تو فوراً ہو سکتا ہے، یعنی وہ ایسا قادرِ مطلق ہے، پھر جب یہ ساری باتیں اسی کو حاصل ہیں تو پھر اور کسی کے پکارنے اور پوجنے کی کیا حاجت اور کون ضرورت پھر ایسے محسن و قادرِ مطلق کے سوا اور کو پکارنا اگر نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے اس نمک حرامی کی ممانعت کر دی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ
اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾
ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا
بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾
اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا مچایا کرتے ہیں، کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے کتاب کو اور جو کچھ ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا سب کو جھٹلا دیا۔ پھر ان کو بھی معلوم ہوا جاتا ہے، جبکہ طوق اور زنجیریں اُن کے گلوں میں ڈال کر کھولتے پانی میں گھسیٹے جائیں گے۔ پھر آگ میں

جھونکے جائیں گے، پھر اُن سے کہا جائے گا جن کو تم اللہ کے سوا شریک بناتے تھے کہاں ہیں، وہ کہیں گے وہ ہمارے پاس سے کھوئے گئے، بلکہ ہم پہلے تو کسی کو بھی نہیں پکارتے تھے۔ اللہ یوں کافروں کو بچلا دے گا (بدحواس کرے گا) یہ عذاب تم کو اس لیے ہوا کہ تم ملک میں ناحق کی خوشیاں منایا کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ تم اترایا کرتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے گھسو، پھر کیا ہی بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی۔

ترکیب : اذا الاغلال ظرف لیعلمون والمراد معنی الاستقبال والسلاسل جمع سلسلۃ معطوف علی الاغلال والخبر فی اعناقھم او مبتدا، ویسحبون والعائد محذوف ای یسحبون بھا وھو علی الاول حال وقری بالنصب و یسحبون بفتح الیا، ای یسحبون السلاسل۔

تفسیر : آیات الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والوں کی پھر مذمت بیان کی جاتی ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ الخ خدا تعالیٰ تعجب کے طور پر فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو آیاتِ الٰہیہ میں ناحق حجت کیا کرتے ہیں، وہ کہاں بہکے جاتے ہیں؟ فرماتا ہے وہ کون ہیں۔ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وہ ہیں کہ جنہوں نے کتاب اللہ کو جھٹلایا، عام ہے کہ قرآن مجید ہو یا اگلی کتابیں یا ان میں سے کسی کتاب کا انکار کیا ہو اور رسول جس چیز کو لائے اُس کا بھی انکار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کو جھٹلانا کفر ہے۔ خواہ صراحتہً یا کنایۃً۔ پھر آخرت میں جو سزا اُن کو ہوگی اُس کو بیان کرتا ہے۔ اِذِ الْاَغْلٰلُ الخ اُن کے گلوں میں طوق و زنجیر ڈال کر گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا۔ پھر آگ میں ڈالے جائیں گے یعنی طرح طرح سے عذاب ہوگا۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں تسلسل الشی، اضطراب اس کے معنی میں حرکت و اضطراب پایا جاتا ہے۔ زنجیر کو بھی اسی لیے سلسلہ کہتے ہیں کہ اس کی کڑیوں میں حرکت ہوتی ہے اور پانی کو بھی بوجہ روانگی کے ماء سلسل کہتے ہیں۔ اغلال جمع غل بمعنی طوق السحب زور سے کھینچنا اور بادل کو بھی اسی لیے سحاب کہتے ہیں کہ اس کو ہوا دھکیلتے ہوئی لے جاتی ہے۔ حمیم گرم کھولتا ہوا پانی بعض کہتے ہیں، پیپ مراد ہے۔ سجر تنور گرم کرنا اور نہر کو پانی سے بھرنا اس لیے کہتے ہیں، بحر مسجور ای مملوا۔

پھر ان سے سوال ہوگا کہ جن کو تم شریک بناتے تھے وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے ضلوا عنا کہ ہم سے کھوئے گئے، ہم کو نظر نہیں آتے۔ پھر کہیں گے بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں پکارا کرتے تھے، جس طرح کوئی شخص چور بد کام کرے اور سزا کے خوف سے انکار کرے کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا تا کہ سزا نہ ہو۔

فرماتا ہے كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ کہ جس طرح اس روز بہکیں گے، کئے کام کا انکار کریں گے، اسی طرح دنیا میں اللہ ان کو گمراہ کر رہا ہے جو وہ آیات اللہ میں جھگڑتے ہیں یا یہ معنی کہ اس طرح سے اُن کو آخرت میں مبہوت و بدحواس کرے گا۔ اُن سے وہاں کہا جائے گا ذٰلِكُمْ یہ عذاب تم کو اس لیے ہوا کہ تم دنیا میں گناہوں اور شرک اور طرح طرح کی بدکاری کر کے خوش ہوا کرتے تھے۔ مال و عیال میں مست تھے اور اس لیے بھی کہ تکبر کیا کرتے تھے۔ تکبر سے اہل اللہ کی بات نہیں سنتے تھے۔ لو اب اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ دوزخ کے دروازوں میں گھسو ہمیشہ رہنے کے لیے بری جگہ متکبروں کی ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا
عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا

ع بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

پھر (اے محمد) صبر کرو کیونکہ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر اگر ان چیزوں میں سے کہ جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کیا آپ کو دکھائیں یا آپ کو (اس سے پہلے ہی) موت دیں تو پھر وہ تو سب ہمارے ہی پاس آویں گے اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں کہ ان میں سے کسی کا حال تو آپ کو سنا دیا اور کسی کا حال ان میں سے آپ کو نہیں سنایا اور کسی رسول کا بھی مقدور نہ تھا کہ اللہ کی بے اجازت کوئی نشانی لے آتا۔ پھر جب حکم الٰہی آیا تو انصاف سے فیصلہ کیا گیا اور جو لوگ برسر باطل تھے اس وقت وہی نقصان میں رہے۔

ترکیب : فاما ان شرطیۃ وما مزیدۃ لتاکید الشرط فالینا یرجعون جواب نتوفینک وجواب نرینک محذوف مثل فذاک ویمکن ان یکون جوابا لھما بمعنی ان نعذبھم فی حیاتک اولم نعذبھم فانا نعذبھم فی الآخرۃ اشد العذاب ویدل علٰی شدۃ الاقتصار بذکر الرجوع فی ھذا العرض بیضاوی۔

تفسیر : اول اس سورہ سے لے کر یہاں تک آیات اللہ میں جھگڑنے والوں کی برائی اور ان کے طریقہ کی مذمت تھی، اس جگہ اپنے رسول کو ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم دیتا ہے اور منکروں کو ایک آنے والی مصیبت سے خبردار کرتا ہے کہ آپ صبر کیجئے، کیونکہ اگر آپ کی زندگی میں کفار کو بعض آنے والی مصیبت دکھاویں جیسا کہ بدر کے روز کا معاملہ تو فھو المراد آپ بھی دیکھ لیں گے اور اگر آپ مر گئے تو بھی یہ لوگ ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ ان کو سخت عذاب ہوگا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے۔ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۔ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ۔

غرض یہ کہ صبر کر خدا کا وعدہ برحق ہے، ان پر بلا آنے والی ہے۔ خواہ آپ کی حیات میں آوے یا بعد میں بہرحال ان نابکاروں پر وبال آئے گا اور سخت آوے گا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو اور بھی تسلی دی جاتی ہے۔ فقال وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ کہ آپ سے پیشتر بھی ہم بہت سے رسول دنیا میں بھیج چکے ہیں۔ جن کی تعداد بموجب بعض روایات ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تین سو پندرہ رسول تھے۔ (اخرجہ احمد) مگر قوی تر یہی ہے کہ ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اجمالاً سب کو برحق ماننا ضرور ہے اور وہ ہر ملک و ہر قوم میں آئے تھے۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ ان میں سے بعض کا حال آپ سے بیان کیا ہے، یعنی پچیس کا ذکر آیا اوروں کا ذکر آپ سے نہیں کیا مگر سب رسولوں کے ساتھ یہ بات پیش آئی ہے کہ ہر ایک قوم نے ان کی باتوں میں مجادلہ اور ناحق کا جھگڑا مچایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے معجزات بھی دکھائے۔ نشانیاں بھی پیش کیں مگر پھر بھی وہ سرکشی کی راہ سے بغیر ضرورت معجزات کی خواستگاری کرتے رہے۔ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِیَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ حالانکہ کسی رسول کی بھی طاقت نہ تھی کہ بغیر حکم الٰہی کے ان کی خواہش پورا کرنے کو کوئی معجزہ دکھا سکے۔ پس ان کی خواہش پوری نہ کی گئی ان کا انکار و اصرار بڑھتا گیا۔ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ پھر جب امر الٰہی یعنی عذاب کا وقت موعود آیا تو انصاف سے فیصلہ ہو گیا۔ بدکاروں، شریروں نے اپنے جرم کی سزا پائی ایمانداروں کو نجات دی گئی۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ اور اس وقت باطل کا اتباع کرنے والے آیات اللہ کو باطل ٹھہرانے والے برباد ہو گئے دنیا میں نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

یہ نبی ﷺ کے ہمعصر مشرکوں کو سنایا جاتا ہے کہ تم اسی طرح معجزات طلب کرتے ہو۔ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ

فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ

تُحْمَلُوْنَ ۝ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا

فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْا اَكْثَرَ

مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۚ

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ع

اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے چار پائے بنائے تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کو کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں اور بھی فائدے ہیں اور یہ بھی کہ ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچو جو تمہارے دل میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، پھر تم اللہ کی کس کس آیت کا انکار کرو گے۔ پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے تعداد میں زیادہ اور ان سے بھی زیادہ زور آور اوروں سے زیادہ تر زمین پر نشانیاں چھوڑ جانے والے تھے۔ پھر ان کی کارروائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی۔ پھر جب ان کے پاس (ہمارے) رسول نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے علم و دانش پر اترانے لگے اور جس پر وہ ہنسی کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑا۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور جس کو اس کا شریک کرتے تھے اس کے ہم منکر ہو گئے، پھر ان کا ایمان ان کو (اس وقت) کیا نفع دیتا جبکہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم سے یہی دستور چلا آرہا ہے اور اس جگہ منکر گھاٹے میں رہیں گے۔

تفسیر : خوف دلانے کے بعد پھر وہ دلائل بیان فرماتا ہے کہ جو اللہ حکیم رحیم کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور جن سے اس کا بندوں پر انعام و احسان ثابت ہوتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ الَّذِیْ الخ کہ اللہ وہ محسن و رحیم و کریم و قادر ہے کہ جس نے تم سے بڑے زور آور جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا کہ ان میں سے تم کسی پر سوار ہوتے ہو۔ جیسا کہ اونٹ، گھوڑا، گدھا بعض ملکوں میں بیل ہاتھی بھی یہی کام دیتے ہیں اور بعض کو تم ذبح کر کے کھاتے ہو گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ۔

اور اسی پر بس نہیں بلکہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اس کے علاوہ تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں، ان سے نفع لیتے ہو۔ دودھ، گھی فروخت کرتے ہو کھاتے پیتے ہو ہل جوتتے ہو، ان کی نسل بڑھا کر فروخت کرتے ہو، ان کی کھالوں سے فوائد اٹھاتے ہو، ان کی ہڈیوں اور سینگوں کو کام میں لاتے ہو۔ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ اور نیز ان پر چڑھ کر اپنی حاجات دلی کو پورا کرتے ہو، سفر کرتے ہو، اسباب لاد کر لے جاتے ہو، دشمنوں پر چڑھائی کرتے ہو اور یہ سوار ہونا چوپایوں ہی پر موقوف نہیں بلکہ عَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ان پر اور کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہو۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ اور وہ تم کو اپنی اور بہت سی نشانیاں دکھاتا ہے۔ فَاَیَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ، پس کون کون سی نشانیوں کو جھٹلاؤ گے۔

افلم یسیروا فی الارض یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی اس کے ہاں سخت سزا دنیا میں بھی ملا کرتی

ہے۔ اگر یقین نہیں تو ملک میں پھر کر اپنے سے پہلے لوگوں کا حال کیا اُنہوں نے نہیں دیکھ لیا ہے کہ اُن کا کیا انجام ہوا؟ اور ہمارے مقابلہ میں اُن کی کوئی تدبیر اور کوئی زور کارآمد نہ ہوا۔ پھر ان موجودہ لوگوں کا کیا کارآمد ہوگا، حالانکہ وہ ان سے زور آور بڑے نشان باقی چھوڑنے والے تھے۔ قلعہ اور عمارات بلند اور کنوئیں اُن کی یادگار موجود ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الخ یہاں سے ان کی بربادی کے اسباب بیان فرماتا ہے کہ ان کے پاس رسول نشانیاں معجزات لے کر آئے۔ انہوں نے اپنے خیالاتِ فاسدہ پر خوشی ظاہر کی اور نبیوں کی بات نہ مانی اور اُن پر ٹھٹھا کرنے لگے۔ وَحَاقَ بِهِمْ پس اُن پر وہ بلا کہ جس کے آنے کا ذکر سن کر اُس پر ہنسی کرتے تھے، اُلٹ پڑی۔ فلما راوا پھر جب بلا آتی دیکھی تو دولتِ دُنیا کا نشہ اُتر گیا کہنے لگے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ کہ ہم خالص ایک اللہ پر ایمان لائے اور اپنے معبودوں کے منکر ہوگئے، مگر اُس وقت کا ایمان لانا کیا فائدہ دیتا تھا، کس لیے کہ اللہ کا دستور ہمیشہ سے یوں ہی چلا آیا ہے کہ ہلاکت کے وقت کا ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ سو وہ زیاں کار برباد ہوگئے۔

فوائد : (۱) لام جو غرض کے لیے آتا ہے۔ لِتَرْكَبُوْا و لِتَبْلُغُوْا پر داخل ہوا اور باقی پر نہ داخل ہوا اس کا کیا سبب ہے؟ صاحب کشاف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چارپایوں پر چڑھنا حج اور جہاد میں واجب یا مستحب ہے۔ پس یہ دونوں دینی اغراض ہیں، اس لیے ان پر لام آیا لیکن کھانا اور منافع حاصل کرنا سو یہ جنس مباحات سے ہیں، اس لیے ان پر لام نہیں داخل ہوا اور نظیر اس کی یہ آیت ہے۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً دیکھو یہاں رکوب پر لام آیا زینت پر نہ آیا، یعنی رکوب مقصدِ اصلی ہے اور باقی فرعی ہیں۔

(۲) ای ایات اللہ فرمایا مذکر کا صیغہ آیات مؤنث کے لیے آیا اور آیۃ نہ فرمایا۔ صاحب کشاف اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہی فصیح اور مستعمل ہے۔ آیۃ نہیں کس لیے کہ اسماءِ غیر صفات میں جیسا کہ حمار و حمارۃ مؤنث اور مذکر میں تفرقہ بہت ہی کم ہوتا ہے، چہ جائیکہ ای کیونکہ یہ مبہم ہے۔

(۳) فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ فرحوا کی ضمیر یا تو کفار کی طرف راجع ہے۔ پس اُن کے اس علم سے کہ جس سے خوش وقت تھے، کیا مراد ہے؟ یا تو اُن کے وہ خیالاتِ فاسدہ کہ جو متوارث چلے آتے تھے یا اُن کی جہل پسند طبیعت اور آزادی پسند فطرت اور بے باکی نے از خود گھڑ لیے تھے۔ جیسا کہ يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا، وَمَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ، وَمَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى وغیر ذلک یعنی دہریے دہر ہی کو محی و ممیت کہتے تھے اور مشرک اپنے مذموم افعال کی صحت پر خدا کی مشیت کو دلیل بناتے تھے کہ ہمارے یہ کار برے ہوتے تو خدا اُن کو نہ ہونے دیتا یا وہ قیامت کے روز زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یا اپنے معبودوں کو اللہ کے تقرب کا وسیلہ جانتے تھے، ایسے ایسے ہی اقوالِ فاسدہ وہ انبیاء ﷺ کے مقابلہ میں پیش کرکے بغلیں بجایا کرتے تھے یا اُن کے علوم سے مراد فلاسفہ کے علوم ہیں۔ ریاضیات و عنصریات کے سو الٰہیات میں بھی اُن کو اُن کے اقوال پر بڑا زعم تھا اور آج کل بھی صدہا انسان فلسفہ محال پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بظاہر اسلام کا ترک کرنا اپنی بدنامی اور حریصانہ کوششِ دُنیاوی کے منافی جان کر اسلام کا ترک کرنا تو مناسب نہیں جانتے، اس لیے قرآن کے مطالب نفیسہ کی تاویلِ بعید کرکے یعنی تکمین ملا کر اقوالِ حکماء کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور اس کوشش بیکار کا جملہ مسلمانوں کو ممنونِ منت بناتے ہیں اور ایسی تاویلاتِ رکیکہ کا نام انہوں نے تفسیر الکلام بافعال اللہ و بقدرت اللہ رکھا ہے۔ ان علوم فلسفیہ سے وہ انبیاء ﷺ کا مقابلہ کیا کرتے تھے اور اب بھی بت پرست اپنے جاہلانہ خیالات کو قرآن مجید کے مقابلہ میں لایا کرتے ہیں یا اُن کے علم سے مراد امورِ دُنیاویہ کا علم ہے کہ اسی پر وہ شاداں و فرحاں رہتے تھے انبیاء ﷺ کی باتوں پر جو دنیا کی بے ثباتی اور خدا کے پاس جانے کی بابت تھیں، کان بھی نہ دھرتے تھے۔

اور یا یہ ضمیر حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں یا تو فرحت رسولوں کی مراد ہوگی کہ حضرات انبیاء، اُن کے انکار و

جاہلانہ مکابرہ سے دل تنگ نہ ہوتے تھے بلکہ جو علوم اُن کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوئے تھے، اُن پر شاداں و فرحاں تھے، اور یہ ان کے یقین کی برکت تھی۔ یا یہ معنی کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے علم پر جو اُن کو دیا گیا تھا۔ خوش ہوتے تھے، یعنی ہنسی اور تمسخر کرتے تھے، جیسا کہ آج کل نئے تعلیم یافتہ دینی باتوں پر ہنسی کیا کرتے ہیں، مگر نتیجہ ان کا خسران و حرمان ہوا۔ برباد ہوئے۔ آخرت میں مبتلاءِ عذاب ہوئے۔ الٰہی بطفیل نبی پاک ﷺ ہم کو خسارۂ دارین سے پناہ میں رکھیو یہ خسران و حرمان ہمارے پاس نہ آوے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ ع ۱۵

(یہ کتاب) بڑے مہربان نہایت رحم والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے کہ جس کی آیتیں عربی زبان میں علم والوں کے لیے واضح ہیں۔ (یہ) خوشخبری اور ڈر سنانے والی ہے، پھر ان میں سے اکثر نے تو منہ ہی پھیر لیا، پھر وہ سنتے بھی نہیں اور کہتے ہیں ہمارے دل اُس بات سے کہ جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے، پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ٹینٹیاں ہیں اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ پڑا ہوا ہے۔ پھر تو اپنا کام کیے جا ہم بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہی ہوں، میری طرف یہی حکم آتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ پھر اُسی کی طرف سیدھے چلے جاؤ اور اس سے معافی مانگو اور مشرکوں پر افسوس ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بے شک وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

ترکیب : حم ان جعلۃ مبتدأ فخبرہ تنزیل الکتاب الخ وان جعلت تعدید الحروف فتنزیل خبر محذوف او مبتداء التخصیص بالصفۃ وخبرہ کتاب وھو علی الاولین بدل منہ او خبر اخر او خبر محذوف۔ قراٰنًا نصب علی المدح او حال من فصلت لقوم یعلمون صفۃ اخری لقراٰنًا او صلۃ تنزیل او بفصلت بشیرًا و نذیرًا صفتان اخریان لقراٰنًا او حالان من کتاب وقرٔ بالرفع علی انھما صفۃ لکتاب او خبر محذوف وھم بالاٰخرۃ معطوف علی لایؤتون الزکوٰۃ داخل معنی خبر الصلۃ والمجئی بضمیر الفصل لقصد الحصر۔

تفسیر : اس سورۃ کو سورۃ سجدہ بھی کہتے ہیں اور سورۃ فصلت بھی اس کا نام ہے ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابویعلی و بیہقی وغیرہ محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو جو عرب میں بڑا گویا تھا۔ نبی ﷺ کے پاس بھیجا اُس نے کہا اگر آپ کو مال منظور ہو تو وہ لیجیے اور اگر عورتوں سے رغبت ہے تو قریش میں سے جو عورت پسند ہو وہ آپ کی

نذر ہے، آنحضرت ﷺ نے اس سورہ کی کچھ آیات پڑھ کر اُس کو سنائیں، اُس نے کہا بس بس پھر قریش کے پاس آ کر کہا کہ واللہ عمر بھر ایسا کلام میں نے نہیں سنا اور اُس کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔

حم سے کسی خاص بات کی طرف اشارہ کر کے قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا بیان فرماتا ہے کہ بندوں کی حاجت روائی کے لیے اس رحمان رحیم نے یہ کتاب نازل کی ہے، جس میں یہ صفتیں ہیں کہ یہ ایسی کتاب ہے، جس کی آیات میں تفصیل ہے۔ ابہام نہیں کہیں وعظ و پند ہے، کہیں مسائل حلت و حرمت وغیرہا ہیں، کہیں آخرت کا ذکر ہے۔ کہیں پہلوں کا عبرت انگیز نصیحت خیز حال ہے۔ عربی زبان میں عرب کی سہولت کے لیے بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ہے۔ کتاب کی خوبی اور اس کی ضرورت کے بعد کفار کی اس سے نفرت و اعراض بیان کر کے ان کی بدبختی و حماقت ثابت کرتا ہے۔ فاعرض سے عاملون تک پھر قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ نفرت فضول ہے۔ میں بھی تو تمہاری مانند ایک آدمی ہوں، کوئی فرشتہ نہیں جن نہیں جس سے غیر جنس ہونے کے سبب تمہیں نفرت ہو صرف یہ ہے کہ مجھ کو خدا نے وحی سے مشرف کیا ہے اور یہ ضروری باتیں جو تمام حسنات کا اصل اصول ہیں، میری طرف لوگوں کے بتانے کو وحی کی گئی ہیں۔ حسنات میں سے توحید اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ سو اُس پر قائم ہو۔ اس کے بعد واستغفروہ اپنے مالک سے معافی مانگو، اعتقادی و عملی دونوں باتیں آ گئیں اور اس کے برخلاف کرنے والے مشرک ہیں۔ توحید کے مقابلہ میں شرک کرتے ہیں۔ لوگوں سے نیکی کرنے کے بدلہ میں زکوٰۃ تک نہیں دیتے، حب دُنیا کی وجہ سے آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے کہ اُس کی امید پر نیکی و خیرات کرتے پس ان کے لیے خرابی ہے اور جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں، اُن کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ
لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا
وَبٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝١٠
ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا
اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝١١ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ
يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝١٢

کہو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے دو روز میں زمین بنائی اور اُس کے ساتھ اوروں کو برابر کرتے ہو وہ تو تمام جہان کا رب ہے اور اس نے زمین میں اوپر سے پہاڑ رکھے اور اُس میں برکت رکھی اور اس کی پیداوار کا اندازہ کیا چار دن میں برابر کر دیا۔ سوال کرنے والوں کے لیے۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور وہ دھواں ہور ہا تھا پھر اس کو اور زمین کو فرمایا کہ تم خوش ہو کر یا ناخوش ہو کر حاضر ہو۔ انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں، پھر دو روز میں سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان کی طرف اس کا حکم بھیجا اور نیچے کے آسمان کو ہم نے ستاروں سے سجایا اور نگہبانی کے لیے بھی (یہ ستارے بنائے) یہ تدبیر ہے خدائے زبردست دانا کی۔

ترکیب : قرء الجمہور بھمزتین للاستفہام بالھمزۃ وان واللام بعدھا تاکید الانکار والتشنیع و تجعلون لہ انداداً الجملۃ معطوفۃ علی تکفرون داخلۃ تحت الاستفہام وجعل فیھا معطوف علی خلق وقیل مستانف لوقوع الفصل بینھما بالاجنبی فی اربعۃ ایام ای فی تتمۃ اربعۃ ایام۔ سواءً منصوب علی انہ مصدر موکد لفعل محذوف ھو صفۃ لایام ای استوت الاربعۃ سواء للسائلین متعلق بہ محذوف تقدیرہ ای قدر فیھا الاقوات للسائلین طوعا او کرھا مصدران فی موضع الحال اتینا بالقصر بمعنی جئنا و بالمد بمعنی اعطینا الطاعۃ طائعین حال و حفظا مصدر۔

تفسیر : پہلے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرمایا تھا کہ کہہ دو يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ میری طرف یہ وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا اللہ واحد ہے، مگر مشرکین اوروں کو بھی اس کے ساتھ خدائی میں شریک کرتے تھے اور یہ اُس کی کمال قدرت کا کفر و انکار تھا، اس لیے اسی جگہ اپنی قدرت و استقلال الوہیت کا بیان کر کے اُن کے کفر پر تعجب و انکار ظاہر فرماتا ہے۔ فقال قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ کہ ان سے کہہ دو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے دو روز میں زمین بنائی اور اُس کے لیے شریک بناتے ہو؟ تمہارے معبود خدا نہیں خدا تو رب العالمین ہے کہ جس نے ایسا کر دیا اور زمین پیدا کرنے کے بعد اس کے اُوپر پہاڑ قائم کئے اور اس میں برکت اور منافع رکھے اور اُس کی پیداوار کا اندازہ کیا اور اُن کو قائم کیا، دو روز میں جو سب مل کر چار روز میں یہ کام تمام ہوا، یہ سب کچھ سائلوں کے لیے برابر کیا جو کچھ بندے مانگتے ہیں انہیں پیدا کیا اور باندازہ دیتا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ پھر آسمان بنانے کی طرف متوجہ ہوا اور یہ ایک دھواں یعنی ابخرات تھے، تب اُن کو اور زمین کو حکم دیا کہ تیار ہو جاؤ۔ وہ تیار ہو گئے، پس ان دھوؤں کو سات آسمان بنا دیا۔ دو روز میں اور ہر ایک آسمان میں اس کے مناسب احکام جاری کئے اور نیچے کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اُن کو شیاطین سے محفوظ کیا، یہ تدبیر ہے۔ خدا زبردست دانا کی یہ مطلب آیات کا صاف صاف ہے، غرض اس سے یہ ہے کہ خدائی کے لائق یہ ہے کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین اور ان کے متعلق چیزوں کو بنایا نہ وہ جن کو اُس کی خدائی میں تم شریک اور حصہ دار بناتے ہو، وہ تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت یا خیالی ڈھکوسلے ہیں یا اُن کو عالم کے پیدائش و انتظام میں کچھ بھی نہ دخل ہے نہ اختیار ہے۔

فوائد : (۱) دن تو آفتاب کی یا زمین کی حرکت مخصوصہ تمام کرنے سے ہوتا ہے۔ پھر زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے دو دن میں بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن سے مراد اُس کی مقدار ہے، یعنی دو دن کا جس قدر وقت یا زمانہ ہے، اُتنی دیر میں بنایا گیا۔ گرچہ وہ دفعۃً بنا سکتا تھا، اس قدر عرصہ میں بنانے سے یہ بات دکھائی گئی ہے کہ یہ حادث ہیں اور ان کے بننے میں اس قدر زمانہ لگا ہے۔ پس قدم باطل ہے اور نیز اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ بڑے کاموں کے کرنے میں جلدی نہ کرنا۔

(۲) توریت سفر الخلیقۃ کے پہلے باب میں بھی آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا بیان کسی قدر تغیر کے ساتھ مندرج ہے، اس میں یوں آیا ہے کہ ابتداء میں خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور زمین ویران و سنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا اجالا ہو اور اُجالا ہو گیا اور خدا نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جدا کیا اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا۔ سو صبح و شام پہلا دن ہوا اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضاء ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے، تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اُوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا اور خدا نے فضا کو آسمان کہا، سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا۔ پھر تیسرے دن پانی کو جدا کر کے زمین بنانا اور اُس میں نباتات کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور چوتھے دن میں تارے اور چاند اور سورج بنانا لکھا ہے اور پانچویں دن میں زمین کے حیوانات پرند چرند پیدا کرنا بیان ہوا ہے اور چھٹے دن آدم کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور ساتویں دن آرام کرنا۔

توریت اور قرآن مجید دونوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آسمان سے پیشتر زمین بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنایا مگر قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا کہ اس کے بعد زمین کو درست کیا، اس سے معلوم ہوا کہ زمین آسمانوں کے بعد بنی مگر اس کا

جواب یہ ہے کہ زمین کا بنانا اور چیز ہے اور اس کا درست کرنا نباتات اور پہاڑ اور دریاؤں کو موقع بہ موقع قائم کرنا اور بات ہے۔ زمین آسمانوں سے پہلے بنی اور آسمانوں کے بعد پھر اس کو ٹھیک کیا، اب کچھ بھی تعارض نہیں۔

اب جو کچھ مخالفت قرآن مجید اور اس توریت کی عبارت میں پائی جاتی ہے یا تو اس کی توجیہ کردی جائے، ورنہ توریت کی تحریف کی جاوے گی۔

(۳) حکماء کے تکوینِ عالم کے باب میں مختلف اقوال ہیں جن کی کسی قدر تشریح ہم جلد دوم میں کر آئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول یہ ہے کہ تمام عالم کی اصل آگ ہے۔ بعض ہوا کو کہتے ہیں، مگر قوی تر جو توریت سے سمجھا جاتا ہے اور شریعتِ مصطفویہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وكان عرشه على الماء کہ وہ یہ ہے سب سے اول خداوند عالم نے پانیوں کو پیدا کیا، وہی اس کی حکومت کی کرسی تھی، پانیوں کو جنبش ہوئی تو حرکت سے حرارت پیدا ہوئی۔ اجزاءِ لطیفہ بن کر ہوا بن گئی اور ابخرات اٹھ کر اوپر کو گئے اور جھاگ جو تھے وہ منجمد ہو کر زمین بنے اور پھر خدا نے آسمانوں کو بنانا چاہا۔ سو وہ تو ابخرات ہی تھے، وہی دخان۔ تو اس کو آسمان کر دیا اور اس منجمد مادہ کو کسی قدر بنایا، اس کا نام زمین رکھا، سو زمین بھی بن گئی اور آسمان بھی اور یہی معنی ہیں اس کے فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ پھر ان ادخنہ کو سات آسمان بنایا۔ کما قال فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اور پھر آسمان میں نیرین اور دیگر ستارے بنائے۔ باقی اس کی کیفیت وہی خوب جانتا ہے۔ فلسفۂ قدیم وجدید اپنی وہمی روشنی سے اس پر کچھ بھی حملہ نہیں کرسکتا۔ یہ حقیقتِ حقہ یوں ہی رہے گی۔ فلسفہ بدلتا رہے گا۔ پچھلا فلسفہ پہلے فلسفہ کے رد کو کافی ہے اور آیندہ آنے والا موجود کے غلط کرنے کو بس ہے۔

(۴) ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ یہ استوی بمعنی توجہ وقصد ہے، بولتے ہیں استوى الى مكان كذا اذا توجه اليه توجها لايلتفت معه الى عمل آخر وهو من الاستوى الذي هو ضد الاعوجاج ومنه قوله تعالى فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ (من الكبير للرازى رحمة الله) مطلب یہ کہ زمین بنانے کے بعد آسمان بنانے کا قصد کیا اور یہ ایک دھواں تھا۔ اجزاء لاتتجزی تھے جن میں ضو نہیں پیدا کی گئی تھی۔

(۵) ہیئتِ جدیدہ جو آسمانوں کو فضاء محض قرار دیتی ہے اور نیرین اور دیگر ثوابت وسیارات کو اپنے مدار خاص پر متحرک مانتی ہے اور زمین کو بھی ایک سیارہ بلکہ چھوٹا سا تارا کہتی ہے، اس کے نزدیک بھی کتبِ سماویہ کے بیان سے کچھ محال لازم نہیں آتا، کیونکہ سبع سموٰت کے بنانے کی تو وہ یہ تاویل کرلیں گے کہ سات فضائیں بنائیں جو سات مشہور ستاروں کے بعدار تفاعی کے لحاظ سے سات گنی جاتی ہیں۔ باقی زمین کی تکوین کا مادہ پانی ہونا اور اس میں سے حرکت عنیفہ پیدا ہونا اور جھاگ اٹھنا اور ابخرات کا مرتفع ہونا جھاگ کا منجمد ہو کر زمین بن جانا اور ابخرات مرتفعہ سے دیگر ستارے و نیرین بننا، اگر وہ اس تمام موجودات کا کوئی خالق بااختیار و قدرت مانتے ہیں تو کچھ بھی محال نہیں نہ اس کو کوئی آلۂ رصد یہ باطل کرسکتا ہے، نہ کوئی دوربین خوردبین غلط بتا سکتی ہے، نہ کوئی مشاہدہ رد کرسکتا ہے، لیکن کاتب الحروف کا وہ ایمان کہ جو نبی ہاشمی ﷺ کے ذریعہ سے حقائقِ موجودات کے ساتھ متعلق ہے۔ نبی علیہ السلام کے فرمودہ کے مقابلہ میں سب کو توہمات باطلہ اور دماغ کی تبخیر اور حواس کا قصور اور طبیعتِ دہریت پسند کا قارورہ سمجھتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

(۶) ائتیا۔ واتینا سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موافق مراد کے ہونا جیسا کہ کہتے ہیں۔ اتى عمله مرضيا، وجاء مقبولا۔ اب یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آسمان وزمین ذوی العقول نہیں۔ طائعین مذکور ذوی العقول کا صیغہ ان کے لیے کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ان کے وجود علمی کو مخاطب کیا تو اس جل وعلی کے خطاب سے ان کی عزت ومنزلت بڑھ گئی تو ان کو ذوی العقول اور مذکرون میں شمار کرکے ان کے امتثال امر کو انہی الفاظ سے تعبیر کیا جو ذوی العقول کے لیے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ فصحاء وبلغاء کے کلام میں کبھی غیر ذی روح و غیر ذوی العقول کی طرف خطاب اور ان کی زبانِ حال سے سوال وجواب کیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کی گفتگو اور حیات جو ان کو عطا کی گئی ہے۔ باری عزاسمہ سے خطاب اور جواب کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ولا تخفى هذا على من له ذوق صحيح وادراك اسرار الموجودات وتجلت على روحه حقائق الكائنات فسبحانه من خلق الموجودات على ما ينبغى۔

(۷) آیت میں زمین کا پیدا کرنا دو روز میں فرمایا اور اس کے اقوات وارزاق کی تدبیر و درستی کرنا چار روز میں فرمایا۔ یہ چھ روز ہوئے پھر آسمانوں کا بنانا دو روز میں ذکر ہوا فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ اس حساب سے یہ آٹھ روز ہوتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں اکثر جائے ان سب کا چھ روز میں پیدا ہونا بیان کیا ہے۔ ستة ایام کا لفظ آیا ہے۔ پس ان دونوں کلاموں میں تعارض پایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اربعہ ایام جداگانہ نہیں جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ پہلے دو روز مل کر کہ جن میں زمین کا پیدا ہونا بیان ہوا ہے اور محاورۂ عرب میں پہلے کام کی مدت کو اس کے بعد کے دوسرے کام کی مدت میں جو اسی جنس کی شامل کرکے مجموعی مدت بیان کردیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس مثال میں سرت من البصرة الى بغداد فى عشرة ايام وسرت الى الكوفة فى خمسة عشر يوما کہ میں نے بصرہ سے بغداد تک کی منزل کو دس روز میں تمام کیا اور کوفہ تک پندرہ روز میں پہنچا، یعنی کل پندرہ روز میں جو بصرہ کے سفر سے شمار کیے جاتے ہیں نہ یہ کہ بغداد سے کوفہ کی منزل کو پندرہ دن میں تمام کیا، چونکہ متصل ایک ہی قسم کا سفر تھا، اس لیے مجموعی مدت لگائی گئی زبان نہ جاننے سے ایسے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۸) سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ اس کے معنی یہ ہیں کہ مدتِ مذکورہ میں ان چیزوں کو پوچھنے والوں کے لیے برابر اور ٹھیک جواب دینے کے لیے بنایا، ان اشیاء کی مدتِ پیدائش سے اکثر سوال کیا کرتے ہیں۔ اس بیان سے ان کا برابر اور پورا جواب ملے یا یہ معنی کہ انسان خواہ زبانِ مقال سے خواہ زبانِ حال سے معاش کے متعلق خدا سے سوال کرتا رہتا ہے۔ اس نے اپنی نعمت کا دسترخوان ایسا وسیع اور عام کردیا ہے کہ مانگنے والوں اور غیر مانگنے والوں سب کے لیے برابر ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿١٣﴾
اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا
اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾
فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ
لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٦﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ع ۱۹

وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں تم کو عاد اور ثمود کی کڑک جیسی کڑک سے خبردار کر چکا ہوں، جبکہ اُن کے آگے اور پیچھے سے رسول[ل] آئے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا۔ انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا تو فرشتے بھیج دیتا، پھر جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ پس وہ جو قوم عاد تھی تو انہوں نے ملک میں ناحق کا تکبر کیا اور کہا ہم سے زیادہ کون زور آور ہے اور کیا اُن کو یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ اللہ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے، وہ اُن سے بھی زیادہ زور آور ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے، پھر تو ہم نے اُن پر منحوس دنوں میں آندھی بھیجی، تاکہ ہم اُن کو رسوائی کے عذاب کا مزہ دُنیا کی زندگانی میں چکھادیں اور آخرت کا عذاب تو اور بھی رسوائی کا ہے اور اُن کی مدد نہ کی جاوے گی اور وہ جو قوم ثمود تھی تو ہم نے اس کو رستہ بتایا تھا، پھر ان کو ہدایت سے گمراہی اچھی معلوم ہوئی، پھر تو ان کو ذلیل کرنے والے عذاب نے آلیا۔ اُن کے اعمال کے سبب سے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہتے تھے ہم نے اُن کو بچالیا۔

ترکیب : اِذْ جَآءَتْهُمُ یجوزان یکون ظرفا لانذرتکم ویجوزان یکون صفۃ لصاعقۃ او حالا منہ نحسات بکسر الحاء فھی اما اسم فاعل محل نصب ونصبات او مصدر مثل الکلمۃ ویقرء بالسکون فھی بمعنی المکسورۃ وسکن لعارض او اسم فاعل وسکن تخفیفا ثمود مبتدء و ھدینا خبرہ۔

تفسیر : ابتداءِ کلام اس بات سے تھی کہ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پھر اُس پر دلیل پیش کی گئی۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ الخ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مخالف دلیل سے بھی نہیں مانتا تو اُس کو اور دوسری طرح سے سمجھایا جاتا ہے، یعنی کسی سزا سے ڈرایا جاتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً کہ اگر وہ نہ مانیں تو اُن سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک عذاب اور مصیبت کی خبر دیتا ہوں، وہ عذاب قوم عاد و ثمود کے عذاب جیسا ہوگا، یعنی ہلاکت اور بربادی کے لیے تیار رہو، جیسا کہ عاد و ثمود برباد ہوئے۔ جمہور نے صاعقۃ بالالف پڑھا ہے، اس کے معنی بجلی کے ہیں جو آواز کے ساتھ اُوپر سے گرتی ہے۔ کڑک اور اُس کے ساتھ جلانے والی آگ یعنی وہ ہلاکت بجلی کی طرح سے تم پر آوے گی۔ کلام عرب میں سخت حوادث کو جو ناگہاں آپڑتے ہیں۔ صاعقۃ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ ہماری زبان میں بجلی پڑنا کہتے ہیں اور بعض قرأت میں صعقۃ آیا ہے۔ بغیر الف کے اس کے معنی کڑک کے ہیں۔ وصعق کسمع بمعنی بے ہوشی۔ اس سے بھی آنے والی مصیبت مراد ہے۔ پھر عاد و ثمود کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے۔ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ کہ ان کے پاس ہر طرف سے ان کے رسول آئے اور ان سے کہا کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے یہ حجت پیش کی کہ اگر خدا کو رسول ہی بھیجنے تھے تو فرشتوں کو کیوں نہ بھیج دیا، معلوم ہوا کہ تم رسول نہیں۔ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ، ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ یہ تو دونوں قوموں کی مشترک حالت تھی، پھر ہر ایک کی جداگانہ بیان فرماتا ہے۔ فَاَمَّا عَادٌ الخ کہ قوم عاد نے تکبر کیا اور اپنی قوت پر گھمنڈ کیا اور یہ نہ جانا کہ وہ اللہ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے، ان سے بھی بڑھ کر قوت والا ہے، اُن کو اپنی قد آوری اور بہادری پر ناز تھا۔ یہ گناہ تو ان کا خلق خدا پر احسان نہ کرنے کے بدلے تھا۔ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ اور خدا سے بھی اچھے نہ تھے کہ اُس کی آیتوں کا سخت انکار کرتے تھے۔ فارسلنا پس ان کو ہم نے سخت آندھی سے غارت کیا، جو نحس دنوں میں اُن پر چلی دنوں کی نحوست نجومی طور پر نہ تھی۔ ایامِ مصیبت کو نحس ہی کہا کرتے ہیں۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ الخ ثمود کو رسولوں کے ذریعہ سے ہم نے ہدایت کا رستہ دکھایا، مگر اُس کو اختیار نہ کیا گمراہی پر رہنا پسند کیا، پس اُن پر عذاب آیا اور ایمانداروں، پرہیزگاروں کو بچالیا۔ عاد و ثمود کا حال قریش کو یمن و شام جانے سے بہت پہلے معلوم تھا، اس لیے ان کا قصہ سنایا اور قریش

ل یعنی کثرت سے رسول آئے۔ ۱۲ منہ

کے کفار پر بھی بلا آئی۔ جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا

جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ

شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ

يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ

اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ

اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جس روز کہ اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف گھیر کر لایا جائے گا، پھر اُن کی قطار باندھی جائے گی۔ جب جہنم کے پاس آویں گے تو ان پر ان کے کان اور آنکھیں اور جلد جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، اس کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کس لیے گواہی دی۔ وہ کہیں گے ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا کہ جس نے ہر چیز کو گویا کیا اور اسی نے تم کو اول بار پیدا کیا اور اسی کے پاس پھر جاؤ گے اور تم اپنے کانوں اور آنکھوں اور چمڑوں کی اپنے اوپر گواہی دینے سے پردہ نہ کرتے تھے لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ نہیں جانتا اور تمہارے اسی خیال (بد) نے جو تم نے اپنے رب کے حق میں کیا تھا تم کو برباد کیا، پھر تم خسارہ میں پڑ گئے پھر اگر وہ صبر کریں گے (تو کیا) پھر آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ عذر کریں گے تو عذر بھی قبول نہ ہوگا۔

ترکیب : یوم ظرف لما دل علیہ ما بعدہ وھو قولہ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ان یشھد ای من ان یشھد لان یستتر لا یتعدی بنفسہ و ذلکم مبتدء و ظنکم خبرہ الذی لغت للخبر او خبر بعد خبر واردکم خبر آخر ویجوزان یکون الجمیع صفت او بدلاء و اردکم الخبر ویجوزان یکون حالا یستعتبوا طلب العتبی۔

تفسیر : دُنیا کی سزا بیان کر کے آخرت کی سزا اور اُس عالم کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ بیان کامل ہو جاوے فقال وَ يَوْمَ يُحْشَرُ کہ جس روز دشمنانِ خدا آتش جہنم کی طرف جمع کر کے لائے جائیں گے، اُن کو ٹھہراویں گے۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو جاویں گے، پھر اُن کے اعمال قبیحہ پر اُن کی آنکھیں اور کان جلدیں گواہی دیں گے۔ حواس گو پانچ ہیں، مگر قوت شامہ سے کوئی تعلق نہیں اور ذائقہ بھی لامسہ کے متعلق ہے، اس لیے تین حواس کی گواہی دلائی جائے گی جو اعمال کا ذریعہ ہیں۔ سماعت بصارت لمس چھونا، بعض کہتے ہیں جیسا کہ سدی و عبیداللہ بن ابی جعفر و فراء کہ جلود سے بطور کنایہ کے فروج مراد ہیں، یعنی شرمگاہ کہ جس سے وہ زنا کرتے تھے اور وہ زبان کہ جس سے بری باتیں بکتے تھے۔ وہ کان کہ جن سے بری باتیں یا مزامیر سنتے تھے، وہ آنکھیں کہ جن سے ناجائز چیزیں دیکھتے تھے۔ سب گواہی دیں گے۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ تب وہ اپنی چمڑی سے کہیں گے۔ مراد تمام اعضاء ہیں یا شرم گاہ سے کہ تم نے کس لیے ہم پر گواہی دی، کیونکہ تم ہی تو دُنیا میں گناہ صادر ہونے

کا ذریعہ تھے، وہ کہیں گے اَنْطَقَنَا اللّٰهُ ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا جو مخلوقات میں سے ہر گویا کو گویائی دیتا ہے اور دے چکا ہے۔ عقلا یہ کچھ بھی محال نہیں۔ کس لیے کہ جس نے زبان کے مضغہ گوشت میں یہ گویائی کی طاقت رکھ دی ہے، وہ اس کو اور عضو میں بھی رکھ سکتا ہے یا وہ گویائی جو اُن کے مناسب ہے اور جس سے وہ شہادت ادا ہو سکے۔ وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یہ بھی اعضاء کا کلام ہے اور ممکن ہے کہ یہ جملہ اللہ کی طرف سے ہو اور اس طرح مابعد کا کلام سمجھنا چاہیے۔ وَمَا كُنْتُمْ کہ تم اُن اعضاء کے گواہ ہونے سے کچھ پردہ نہ کرتے تھے اور لوگوں سے پردہ میں گناہ کرتے تھے، کیونکہ تمہارا خیال تھا کہ اللہ پردہ کی باتیں نہیں جانتا۔ بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں کعبہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا کہ تین آدمی آئے۔ ثقفی اور ایک قریشی تھا۔ کچھ باتیں کرنے لگے، مخفی طور پر ایک نے کہا کہ کیا اللہ ہماری یہ باتیں بھی سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا، اگر بلند آواز سے بولیں گے تو سنے گا، ورنہ نہیں۔ تیسرے نے کہا اگر کچھ بھی سنتا ہے تو سب سنتا ہے، اس کا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی فرماتا ہے۔ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ کہ تمہارے اسی خیال نے تو تم کو برباد کیا ہے، اب صبر کرو تو یہی جہنم تمہارا ٹھکانا ہے، نہ کرو تو بھی تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ بھی اُس حشر کی گفتگو کا بقیہ ہے جو اُن سے اُن کے اعضاء کریں گے۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سنایا جائے گا۔ خدا سے بدگمانی کرنا بری بات ہے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور ہم نے کفار کے لیے (برے) رفیق معین کر دیے کہ انہوں نے ان کی اگلی اور پچھلی باتوں کو ان کی نظر میں بھلا کر دکھایا اور منجملہ ان جن و انسان کے گروہوں کے کہ جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں، اُن پر بھی اللہ کا کلام پورا ہوا، بے شک وہ خسارے میں پڑے ہوئے تھے اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو سنو بھی نہیں اور (سنو تو) اس میں غل مچاؤ تاکہ تم غالب ہو جاؤ، پھر کافروں کو ہم ضرور سخت عذاب چکھا دیں گے اور اُن کو اُن برے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے کہ وہ جو کیا کرتے تھے۔ یہ آگ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی اُن کا اس میں سدا گھر ہوگا، اس کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو وہ جن اور وہ آدمی تو دکھا دے کہ جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا کہ ہم اُن کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالیں تاکہ وہ بہت ہی ذلیل ہوں۔

ترکیب : النار عطفا بیان للجزاء او خبر محذوف جزاء یجزون جزاء مفعول مطلق۔ الذین تثنیۃ فی حالۃ النصب لکونہ مفعولا ثانیا لارنا من الجن والانس بیان لہ نجعلھما بالسکون لکونہ جواب الامر وھوارنا بکسر الراء عند الجمھور۔

تفسیر : کفار کے کفر پر جہنم کی سخت سزا بیان فرما کر اُن کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ الخ تقییض کے معنی ہیں آسان کرنا اور آمادہ کرنا، صاحب صحاح کہتے ہیں یقال قاضیت الرجل معایضۃ ای عاوضتہ بمتاع و بما قیضان قرنا جمع قرین ساتھی۔ یعنی ہم نے اُن کفار کا شیاطین کو یار و مددگار بنا دیا تھا، پس شیاطین نے اُن کی نظروں میں اُن کے سامنے یا آگے جو باتیں ہیں امور دنیا اور اُس کی شہوات و لذات مرغوب کر دکھائیں انہی پر ریجھ گئے۔ زجاج کہتے ہیں مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وہ اعمال جو کر چکے ہیں۔ وَمَا خَلْفَهُمْ وہ اعمال کہ جن کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ سے مراد دنیا وَمَاخَلْفَهُمْ سے مراد آخرت بعض کہتے ہیں برعکس..... کیونکہ آخرت سامنے ہے اور دنیا پیچھے چھوٹی جا رہی ہے۔ یعنی اُن کے رفیقوں نے اُن کے دل میں بری باتیں رچھا اور کھا دیں، پس حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ان پر نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا۔ فی امم اُن پر وہی بات پوری ہوئی، جیسا کہ اُن سے اگلوں پر ہوئی تھی۔ فی امم ای کائنین فی جملۃ امم سابقۃ یعنی یہ بھی ان پہلے گروہوں کے غول میں شامل ہو گئے، کس لیے کہ یہ زیاں کار تھے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ان کفار کی ایک اور حرکت ناشائستہ نقل کرتا ہے جو وہ دین حق کے سنانے اور چراغ ہدایت کے بجھانے کے لیے کرتے تھے۔ فقال وَقَالَ الَّذِيْنَ کہ کفار کہتے ہیں، اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور جب پڑھا جایا کرے تو غل مچا دیا کرو، اس سبب سے ہم غالب رہیں گے، لوگ اس طرف آنے نہ پائیں گے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ میں قرآن مجید کی منادی کرتے تھے اور لوگ سننے کے لیے جمع ہوتے تو کفار کہتے تھے، مت سنو اور غل مچا دو، چنانچہ لوگ ایسا کرتے تھے۔ الغوا جمہور نے بفتح غین پڑھا ہے، لغا سے ہے جس کے معنی ہیں بے ہودہ گوئی کے اور بعض نے بضمہ غین پڑھا ہے۔ لغا یلغو دعا یدعو سے اور اسی سے ہے لغوت ان کے اس فعل بد کی سزا بیان فرماتا ہے۔ فَلَنُذِيْقَنَّ کہ ہم ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب چکھا دیں گے اور ان کے برے کاموں کی آخرت میں بھی سزا دیں گے۔ ذلک الخ فرماتا ہے، خدا کے دشمنوں کی سزا یہ جہنم ہے۔ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہ اُن کے انکار کی سزا ہے اور جہنم میں پڑ کر کفار یہ کہیں گے کہ ہمارے شیاطین جن و انس کو کہ جنہوں نے ہم کو دنیا میں گمراہ کیا تھا۔ یا رب ہمیں دکھا کہ ہم اُن کو جہنم میں اپنے پاؤں تلے روندیں اور ذلیل کریں کہ کیوں تم نے گمراہ کیا تھا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ شیطان دو قسم کے ہیں، ایک جن دوسرے انسان، شیطان جنی ابلیس اور اُس کی ذریت جو دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور شیاطین انسی بہت سے دکھائی دیتے ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں جو طرح طرح کے لباس میں آ کر کام کر جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الآیۃ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

بے شک وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اُسی پر قائم رہے، اُن پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے) کہ تم نہ ڈرو اور نہ کچھ رنج کرو اور اس بہشت کا مژدہ

سنو کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے دُنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم کو جو مانگو گے وہاں ملے گا۔ یہ مہمانی ہے غفور و رحیم کی طرف سے۔

ترکیب : الذین اسم ان تتنزل خبرھا الا اصلہ ان لا وان مفسرۃ ای قائلین لا تخافوا۔ او مصدریۃ او مخففۃ مقدرۃ بالباء ما تشتھی موصولۃ ھی مع صلتھا مبتدا ء لکم خبرھا فیھا متعلق بتشتھی او بالمحذوف، نزلا حال من الموصول او من عائدہ۔

تفسیر : وعید کے بعد وعدہ ذکر کرتا ہے اور یہ عمدہ ترتیب ہے۔ واضح ہو کہ کمالات تین قسم پر ہیں۔ نفسانیہ بدنیہ، خارجیہ ان میں سب سے بڑھ کر نفسانیہ ہیں اور اوسط بدنیہ اور کمتر مرتبہ میں خارجیہ۔ پھر کمالاتِ نفسانیہ کی دو قسم ہیں۔ ایک علمِ یقینی دوسرا عملِ صالح، علمِ یقینی میں کمالات کی بات اللہ جل جلالہٗ کی معرفت اور اُس کی توحید کا اقرار کرنا ہے، اُس کی طرف اس جملے میں اشارہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ اور اعمالِ صالحہ میں سب سے بڑھ کر وسط پر استقامت ہے۔ افراط و تفریط کی طرف میلان نہ ہو جیسا کہ سورہ فاتحہ میں آیا ہے۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اور ایک جگہ آیا ہے۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے۔ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا ترمذی نسائی و ابویعلیٰ وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کلمۂ توحید پر مرتے دم تک ثابت رہا ہے، اُس نے اس پر استقامت حاصل کر لی۔ احمد و دارمی و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان اور بخاری نے اپنی تاریخ میں سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ کسی نے نبی ﷺ سے آ کر عرض کیا کہ یا حضرت مجھے اسلام میں ایسی بات بتلایئے کہ آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہہ ایمان لایا، میں اللہ پر پھر قائم رہ پھر عرض کیا کس چیز سے بچوں آپ نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اس استقامت میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ استقامت سے دین و توحید و معرفت پر قائم رہنا مراد ہے۔ دوم یہ کہ عبادات و اعمالِ صالحہ پر قائم رہنا مراد ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ ایمانداروں پر ملائکہ مژدہ لے کر اترتے ہیں۔ پھر اس کے بدلہ میں جو کچھ مرحمت ہوگا اس کا ذکر فرماتا ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا کہ اُن پر ملائکہ اُترتے ہیں۔ یہ مژدہ دیتے ہوئے کہ تم خوف و غم نہ کرو اور ہم تمہارے دُنیا و آخرت میں رفیق ہیں اور تمہارے لیے جنت کا مژدہ ہے، وہاں تم کو ہر چیز ملے گی، یہ کفار کا مقابلہ ہے کہ اُن کے پاس شیاطین آتے ہیں، گمراہی میں پھنسا لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے اللہ پر ایمان لانے والے نیک بختوں کو فرشتے آ کر تسلی دیتے ہیں۔ یہ ملائکہ موت کے وقت اُترتے ہیں اور قبر میں بھی آویں گے اور حشر کے دن بھی، بلکہ آیت عام ہے دنیا میں بھی بوقتِ مصیبت و ضرورت ملائکہ ایمانداروں کے دل کو سرورِ جاودانی کا بطور الہام کے مژدہ دیتے ہیں۔ کس لیے کہ ملائکہ کی ارواحِ بشریہ پر الہامات و مکاشفاتِ یقینیہ و مقاماتِ حقیقیہ کے بارے میں تاثیرات ہیں، جیسا کہ شیاطین کو وسواس و تخیلاتِ باطلہ دل میں ڈالنے کے لیے تاثیرات ہیں۔ حاصل کلام ارواحِ طیبہ کو ملائکہ کی طرف سے طرح طرح سے ولایت و حمایت ہے۔ اہلِ مکاشفہ اور مشاہدہ کو بخوبی معلوم ہے اور یہ دُنیا میں حاصل ہے، مرنے کے بعد باقی رہے گی بلکہ اور بڑھ جائے گی۔ کس لیے کہ حجابِ جسمانی دور ہو جاتا ہے، پس یہ معنی ہیں اس قول ملائکہ کے نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ میں جنت جسمانی کی طرف اشارہ ہے، وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ میں جنتِ روحانی کی طرف اشارہ ہے اور یہ سب کچھ جلبِ منفعت کے متعلق ہے جو دفعِ مضرت کے بعد رعایتِ مصالح میں شمار ہوتا ہے اور دفعِ مضرت مقدم ہے، اس لیے سب سے پہلے دفعِ مضرت کا مژدہ دیا اور مضرت میں بھی بڑی مضرت آنے والی چیز سے ہوتی ہے جس کے فکر کو خوف کہتے ہیں، اس لیے اَلَّا تَخَافُوۡا کو مقدم کیا۔ اس کے بعد گزشتہ باتوں کا رنج ہوتا ہے، جس کو حزن کہتے ہیں۔ جیسا کہ اولاد کی مفارقت، مال کی جدائی، احبا کا فراق وغیرہ ان سب باتوں کی بابت تسلی کریں گے۔

فائدہ: احادیث میں آیا ہے کہ بوقتِ مرگ جب ادھر سے پردہ پڑ جاتا ہے تو دوسرا عالم منکشف ہوتا ہے، اس وقت فرشتے آ کر یہ کہتے ہیں اور یہ مژدہ دیتے ہیں جس سے مرنے والے کو بے حد سرور ہوتا ہے اور دُنیا کی مفارقت کا رنج و غم مٹ جاتا ہے۔

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَمَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۶﴾

اور اُس سے بہتر کس کی بات ہے کہ جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور خود بھی اچھے کام کئے اور کہہ دیا میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کا دفعیہ نیکی سے کرو، پھر تو وہ شخص کہ اس میں اور تجھ میں عداوت تھی، گویا وہ دوست حمایتی ہے اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے کہ جو صبر کرنے والے ہیں اور یہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا ہی نصیبہ والا ہے اور جو کبھی تجھے کوئی شیطانی وسوسہ گدگدائے تو اللہ سے پناہ مانگو، کیونکہ وہ (بڑا) سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

ترکیب : ومن استفہامیۃ ومحلہا الرفع بالابتداء والخبر احسن قولا تمیز لاحسن ممن متعلق باحسن ولا السیئۃ لا زائدۃ جاءت لتاکید النفی ادفع بالتی ای ادفع السیئۃ حیث اصابتک من احد بالتی ھی احسن ای بالحسنۃ۔

تفسیر : کمال انسانی دو قسم پر ہیں، ایک تام دوسرا اُس سے بھی بڑھ کر کمالِ تام۔ اپنے تئیں صفاتِ حمیدہ سے مزین کرنا اُس کا ذکر اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ میں آ چکا، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اپنی تکمیل کے بعد ناقصوں کی تکمیل کی طرف متوجہ ہونا، اُس کی طرف ان آیات میں اشارہ کرتا ہے۔ فقال وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ اور نیز اس میں مخاطبین پر ایک ملائم طور پر حجت قائم کی جاتی ہے کہ تم کس لیے قرآن میں غل مچاتے، سننے سے منع کرتے ہو، اصل بات کو تو دیکھو کہ نبی کیا کہتا ہے اور بذاتِ خود کیسا ہے اور اُس کا کیا دعویٰ ہے؟ کہہ سکتے تھے کہ نبی کوئی بری بات نہیں کہتا، برے کام کے لیے نہیں بلاتا اور خود را فضیحت دیگرے را نصیحت کا بھی مصداق نہیں، بلکہ نیکوکار ہے اور کسی سلطنت یا حکومت یا شیخی کی بات کا بھی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو خداوند کا فرمانبردار کہتا ہے۔ اسی کا دعویٰ ہے مگر یوں نہ کہا۔ کس لیے کہ ان بدبختوں کو نبی ﷺ سے سخت نفرت تھی، بلکہ عام طور پر فرمایا کہ اس سے بات کہنے میں کون بہتر ہے کہ جو اللہ کی طرف بلاوے اور خود بھی نیک ہو اور فرماں برداری کا اظہار کرے، اس سے اشارہ آنحضرت ﷺ کی طرف ہے مگر ایک عجیب لطف سے اشارہ کیا۔

مکارمِ اخلاق کی تعلیم: مگر اللہ کی طرف بلانے میں جو تکمیلِ ناقصاں ہے اور یہ خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے یا اُن کے نائبوں کا جو علماء اور اُمراء ہیں، مخالفوں کی طرف سے ایذائیں بھی پہنچا کرتی ہیں، دُنیا میں کون سا نبی آیا ہے کہ لوگوں نے اُس کی راہ میں کانٹوں کی جگہ پھول بچھائے ہوں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ کہ بدی کو نیکی کے ساتھ دفع کرو کیونکہ نیکی جو ہے نیکی ہے اور بدی جو ہے تو بدی ہے۔ اس لیے اس جملہ سے پیشتر بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے، وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ کہ نیکی اور بدی برابر نہیں، نیکی کا مرتبہ بدی سے بڑھ کر ہے، پس واعظِ حق کے مقابلہ میں جو کوئی بدی کرے، اُس کو لازم ہے کہ اُس کے درجواب نیکی کرے، اگر وہ سخت کلامی کرے تو یہ نرمی کرے۔ اگر وہ بددعا دیوے تو یہ دعا دیوے، اگر وہ گالی دے تو یہ اللہ سے دعا کرے کہ اُس کی اصلاح کرے۔ اشاعتِ دین کے لیے یہ عمدہ قانون ہے جو کبھی منسوخ نہیں ہوا اور جہاد و سیف کا حکم اور موقع پر ہے۔ یہ کمالِ مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے، پھر

اس کا فائدہ بیان فرماتا ہے۔ فَاِذَا الَّذِیْ الخ کہ پھر تیرا دشمن دوست خالص ہو جائے گا، کس لیے کہ طبیعت انسانیہ کا بشرطیکہ سلیمہ ہو، خاصہ ہے کہ بدی کے مقابلہ میں جو اس سے نیکی کی جاتی ہے تو بدی کرنے والا خود شرمندہ ہو کر اس کو اچھا اور عمدہ شخص جاننے لگتا ہے اور دل میں محبت ہو جاتی ہے، مگر مَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا یہ بڑے بڑوں کا کام ہے، وہی اس کو حاصل کر سکتے ہیں اور بڑے خوش نصیبوں کو یہ بات حاصل ہوتی ہے، کیونکہ ان کے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں۔ دوسرے کی برائی سے متغیر اور متاثر نہیں ہوتے، ان کی ہمدردی و خوبی کے پہاڑ کو اس برائی کی ہوا ہلا نہیں سکتی۔

شنیدم کہ مردان راہِ خدا　　دل دشمناں ہم نکردند تنگ

رسول اللہ ﷺ وصحابہ کبار واہلِ بیت اطہار نے کچھ ایذائیں پا کر مخالفوں سے نیکیاں کی ہیں، کتب سیرت میں مشرح مذکور ہیں۔ واما ینزغنک اور جو بشریت سے اور شیطانی تحریک سے دل میں ولولہ آ جاوے تو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کہنا چاہیے، اس کی مدد سے وہ شیطانی خیال دور ہو جاتا ہے، کس لیے کہ اللہ سنتا ہے۔ فریادرس کو موجود ہے خبردار ہے، دلی حالات پر واقف ہے۔

اور اس کی نشانیوں میں رات دن اور سورج اور چاند بھی ہے۔ تم نہ سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو کہ جس نے ان کو بنایا ہے۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا
لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ
اسْتَکْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ
لَا یَسْـَٔمُوْنَ ۩ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا
الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

ہو، پھر اگر وہ تکبر کریں تو پھر وہ لوگ کہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں رات دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ (اے مخاطب!) تو زمین کو پژمردہ دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا وہی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: جبکہ پہلی آیات میں یہ بیان فرمایا کہ احسن اعمال و اقوال اللہ کی طرف بلانا ہے تو اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اس کے وجود و قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے کہ اللہ کی طرف بلاتا دلائل بیان کرتا ہے اور یہ کہ اللہ کی طرف بلانا کسی مجہول چیز کی طرف بلانا نہیں بلکہ وہ ایسا متجلی ہے کہ ہر چیز میں اس کے پرتوے نظر آ رہے ہیں۔ کما قال وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ کہ اس کی نشانیوں میں سے یہ چار چیزیں تمہارے سامنے ہیں، رات، دن، سورج، چاند رات عدمی چیز ہے، اس لیے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ یہ چاروں چیزیں اپنے انقلابات کی نیرنگیوں میں ثابت کر رہی ہیں کہ کوئی قادر مختار ہے جو ان کو یوں الٹتا پلٹتا

۱ ہزبز الریح یعنی وزیدن باد وجنبانیدن درخت

ہے، اس کی تشریح متعدد مقامات پر ہم کر آئے ہیں۔ رات سے چاند کا اور دن سے سورج کا تعلق خاص ہے۔ جب یہ ثابت کر دیا گیا کہ چاند و سورج اُس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اس کی دو مشعلیں روشن کی ہوئی ہیں تو یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ تم نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو جیسا کہ کواکب پرست قومیں ان کو نورانی پیکر جان کر پوجتی تھیں۔ مجوس و ہنود و بعض عرب بلکہ اب بھی پوجتے ہیں، ان مخلوق کو کیا سجدہ کرتے ہو، ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو یعنی اللہ کو اگر تم کو اللہ کا پوجنا منظور ہے۔ اس جملہ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ جو کواکب پرست ان کے سجدہ کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور سجدہ سمجھتے ہیں، غلط بات ہے۔ عاقل و نادان میں بھی تو فرق ہے کہ نادان تصویر پر شیدا ہوتا ہے۔ دانا تصویر دیکھ کر اس پر مفتون ہوتا ہے کہ جس کی یہ تصویر ہے۔

پھر فرماتا ہے فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا اگر یہ منکرین اے محمد (ﷺ)! تیرا کہنا نہ مانیں اور خدا کی طرف نہ آئیں، تکبر سے اڑے رہیں تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں کس لیے کہ جو اللہ کے پاس ہیں یعنی اس کی بارگاہ عزت میں حاضر ہیں۔ ملائکہ مقربین رات دن اس کو سجدہ کرتے ہیں اور تھکتے نہیں کس لیے کہ وہ انوار مجردہ ہیں، خدا کی عبادت و تسبیح و تقدیس ان کی روزی ہے اور بمنزلہ نفسِ انسانی کے جو ان کو اور کسی تدبیر اور تصرف سے مانع نہیں آتا۔

یہ تو بالاتفاق ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے مگر امام شافعی کے نزدیک تعبدون پر سجدہ ہے، کیونکہ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ سے متعلق ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک لا یسئمون پر کس لیے کہ کلام یہاں تمام ہوتا ہے۔ آیاتِ فلکیہ کے بعد آیات ارضیہ بیان فرماتا ہے، وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً کہ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو زمین کو خشک دیکھتا ہے۔ الخشوع التصاغر والتذلل واستعیر لحال الارض حال خلوها عن المطر والنبات، پھر جب اس پر پانی خدا برساتا ہے تو اهتزت حرکت کرتی ہے۔ یعنی اگنے کی طرف آتی ہے۔ وربت اور پھول جاتی ہے تر ہونے سے اور خصوصاً جبکہ اگنے کو کوئی چیز ہوتی ہے، ابھر جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترو تازہ اور زندہ ہو جاتی ہے، پھر جو اس کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ ایک دوسرا مطلب ہے جو دعوۃ الی اللہ کے لیے اصل اصول ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ
خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴿۴۱﴾
لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ
حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ؕ اِنَّ
رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا
لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ ؕ

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں، ہم پر مخفی نہیں ہیں۔ بھلا وہ جو آگ میں ڈالا جاوے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آوے گا جو چاہو کرو وہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے نصیحت سے انکار کیا، جبکہ وہ ان کے پاس آ چکی۔ (ہم کو معلوم ہیں) اور بے شک یہ ایسی معزز کتاب ہے کہ جس میں نہ آگے اور نہ پیچھے سے غلطی کا دخل ہے، وہ خوبیوں والے حکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ آپ سے بھی وہی بات کہی جاتی ہے جو آپ سے اگلے رسولوں سے کہی گئی تھی۔ بے شک آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سخت سزا بھی دیا کرتا ہے اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے تو کہتے کس لیے اس کی آیتیں واضح نہیں کی گئیں۔ کیا عجمی کتاب اور عربی لوگوں کے لیے۔ کہہ دو یہ ایمانداروں کے لیے ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اس سے ان کے کان بہرے ہیں اور یہ کتاب ان کو سوجھتی بھی نہیں وہ قرآن سے اتنے غافل ہیں کہ گویا دور سے پکارے جاتے ہیں۔

تفسیر : دعوت الی اللہ اور اس کے طرق اقامۃ الدلائل کے بعد یہ بیان کرتا ہے کہ جو آیات الہیہ میں کجروی کرتے ہیں۔ وہ ہم پر مخفی نہیں، یعنی دُنیا و آخرت میں سزایاب ہوں گے، آخرت میں آگ میں ڈالے جائیں گے، پھر جو آگ میں ڈالا جائے گا، اُس کے برابر ہوسکتا ہے، جو امن سے آوے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ دونوں طریقوں کی برائی بھلائی تم کو خوب معلوم ہوگئی۔ اللہ کے رستہ کی بھی اور آیات اللہ میں کجروی کی بھی۔ اب تم کو اختیار ہے جو چاہو سو کرو، کیونکہ وہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ الالحاد المیل والعدول ومنہ اللحد فی القبر لانہ المیل الی ناحیۃ منہ یقال الحد فی دین اللہ ای مال عنہ۔ الالحاد فی الآیات کے معنی ہیں ان میں تحریف کرنا اور ہیر پھیر کر ان سے غلط مطلب ثابت کرنا۔ متبادر معنی کو بلاضرورت چھوڑ دینا۔ حقیقت میں یہ بڑا عیب ہے۔ خصوصاً کلام اللہ میں ایسا کرنا۔ مکہ کے کفار بھی ایسا کیا کرتے تھے، یہ تحریف و ہیر پھیر دراصل معنی کا انکار ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ الخ ان کی خبر بعض کے نزدیک محذوف ہے، جیسا کہ اور جگہ بھی قرآن مجید میں سامع کی سمجھ پر چھوڑ کر جملے عبارت میں محذوف کر دیے گئے ہیں، اس کی خبر یجازون۔ بعض کہتے ہیں اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ خبر ہے کہ وہ جو قرآن کا جس میں آیات اللہ ہیں، ان کے پاس پہنچنے کے بعد بھی انکار کرتے ہیں اپنے انکار کی سزا پائیں گے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی صفت بیان کرتا ہے جس کا وہ انکار کرتے ہیں۔ وانہ الکتاب الخ (۱) یہ کہ قرآن کتاب ہے۔ (۲) کیسی کتاب عزیز زبردست یا بے نظیر جس کے مطالب کی خوبی اس کے بے نظیر ہونے کی آپ سند ہے۔ (۳) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ الخ کہ اس میں غلط کو دخل نہیں، نہ بالفعل نہ اس کے بعد کوئی اس کو غلط ثابت کر سکے گا، نہ اس میں غلطی مل سکے گا، نہ کوئی پہلی کتاب اس کو منسوخ کر سکتی ہے نہ آیندہ کوئی منسوخ کرنے والی آئے گی، نہ اس میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ نقصان۔ (۴) تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ حکیم اور حمید کی نازل کی ہوئی جس کی کوئی بات بھی حکمت کے خلاف نہیں۔ حکیم بھی کیسا کہ حمید بھی ہے، اس کی حکمت جابرانہ نہیں بلکہ قابل تعریف۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور اسی جملہ میں کفار کا بھی اطمینان کرتا ہے۔ فقال مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کو جو کچھ یہ کفار کہتے ہیں، نئی بات نہیں پہلے رسولوں کو بھی ایسا ہی کہا گیا ہے۔ جھوٹا جادوگر وغیرہ، یا یہ معنی کہ آپ کو توحید و مکارم اخلاق کا کوئی نیا حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہی جو ہمیشہ سے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ نوح ابراہیم اسحاق یعقوب موسیٰ ؑ بھی اپنی اُمتوں سے یہی کہا کرتے تھے، جو تم کہتے ہو اور آپ کو اور اگلے انبیاء کو یہ احکام کیوں دیے گئے اس لیے کہ ان ربک الخ کہ آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ عمدہ باتوں سے خوش اور بری باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ اس لیے اُس نے انبیاء ؑ کی معرفت اپنی پسند اور ناپسند باتوں سے لوگوں کو خبردار کر دیا تاکہ موجبات سزا و انعام سے واقف ہو جائیں، یہ وجہ ہے قرآن کے نازل کرنے کی اور انبیاء کے بھیجنے کی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات صادر نہ ہو چکی ہوتی تو اس کا فیصلہ ہی ہو چکا ہوتا اور ان کو تو قرآن میں قوی شک ہے جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے لیے اور برائی کرتا ہے تو اپنے سر پر اور آپ کا رب تو بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر : اس کے بعد اُن کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے۔ قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ہمارے دلوں پر غلاف ہے اور یہ قرآن مجید کس لیے عربی زبان میں آیا، ایسی زبان تو ہم بھی بول سکتے ہیں۔ فقال وَلَوْ جَعَلْنٰهُ یعنی اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں اُتارتے تو یہ عذر کرتے کہ عربی شخص عجمی زبان بولتا ہے، کلام عجمی و رسول عربی عربی و عجمی میں یاء مبالغہ کے لیے ہے، جیسا کہ احمری میں عجم اس کو کہتے ہیں جو اچھی طرح بول نہ سکے اور اس لیے حیوانات کو عجماء کہتے ہیں اور عرب کے مقابلہ میں غیر زبان والے فصیح نہیں سمجھے جاتے اس لیے عرب کے سوا سب کو عجم کہتے ہیں اور کبھی ان میں خاص اہل ایران پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حمزہ و کسائی و عاصم نے ءاعجمی کو دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، ایک استفہام انکاری کے لیے اور بعض نے ایک ہمزہ سے بطور اخبار کے، پھر جواب پہلی بات کا دیتا ہے۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ کہ کہہ دے قرآن مجید ایمان والوں کے لیے ہدایت اور امراض قلبیہ کے واسطے شفاء ہے، ان کے دلوں پر اس سے غلاف نہیں۔ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ ہاں جو ایمان اس پر نہیں لاتے، اُن کے دلوں میں حسد و عداوت کا پردہ پڑا ہوا ہے جس لیے فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ان کے کان بھی اس سے بہرے ہیں، سنتے ہی نہیں اور جو کوئی سنانا چاہے تو کان بند کر لیتے ہیں۔ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اور آنکھوں پر اس کے پردہ پڑا ہوا خود بھی نہیں دیکھتے۔ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ اب اُن کی ایسی حالت ہے کہ جیسا کسی کو دور سے آواز دے کر پکارا جاتا ہے، جس طرح بہائم کو پکارتے ہیں۔ گائے بھینس وغیرہ کہ آواز سنتے ہیں، بات نہیں سمجھتے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید میں کوئی عیب نہیں، تمہارے دلوں اور دیگر حواس میں فتور ہے۔ جس لیے قرآن سے دلوں اور آنکھوں اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس میں اختلاف کرتے ہو، پھر یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی یعنی تورات سو اُس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا، کسی نے مانا کسی نے انکار کیا۔ اب غضب الٰہی تو یہی چاہتا تھا کہ اس سرکشی پر ہلاک کر دیے جائیں مگر اُس کی رحمت سے اُن کے ہلاک ہونے کا ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے اور کسی کے لیے ایک وقت میں آ کر ایماندار ہو لکھ دیا ہے اور کسی کے ہلاک نہ ہونے کی وجہ کوئی خاص مصلحت رکھی ہوئی ہے کہ یتیم اس کے ساتھ متعلق ہیں یا کوئی اور بات ہے، اس لیے اُن کا ابھی فیصلہ نہیں ہوتا، اس سے وہ اور بھی قرآن مجید سے بڑے شک میں پڑ گئے کہ اگر یہ کلام الٰہی تھا تو اس کے انکار سے ہم پر بلا کیوں نہ آئی؟ اور قرآن اور نبی اُن کو اپنے کام کے لیے نہیں بلاتا جو وہ کھنچے ہیں وہ تو انہی کو بھلائی برائی کا رستہ بتاتا ہے۔ پھر مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اپنے لیے اُس کا فائدہ دنیا و آخرت میں اُسی کو ہے، کسی پر کیا احسان ہے؟ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا اور جو کوئی بدی کرتا ہے تو اپنے اُوپر اُس کا بدنتیجہ آپ ہی پاوے گا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ کڑوے پھل دُنیا کی

مصیبت آخرت کا عذاب اُسی کے ہاتھ کے بوئے ہوئے درخت کے ہیں۔ سبحان اللہ کیا پر اثر کلام اور کیا موعظت بلیغہ ہے کہ جس کے سننے سے سنگدل بھی نرم ہو جاتے ہیں، مگر شقی ازلی بے بہرہ رہتے ہیں۔ ظلام بروزن فعال نسبت کا صیغہ ہے، جیسا کہ تمار و بقال چھوارے بیچنے والا اور ترکاری بیچنے والا ظلام ظلم کرنے والا، بعض کہتے ہیں۔ مبالغہ کا صیغہ ہے، مگر نفس ظلم مراد ہے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بہت ظلم کرنے والا نہیں، تھوڑا سا روا رکھتا ہے۔ (سبحان اللہ عما یصفون)۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

اُس کی طرف قیامت کی خبر کا حوالہ دیا جاتا ہے (وہی جانتا ہے) اور نہ کوئی ایسا پھل جو اپنے گابھے سے نکلتا ہے اور نہ کوئی مادہ جو حاملہ ہوتی اور جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس روز اُن سے پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک تو کہیں گے آپ سے عرض تو کر دیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں اور جن کو وہ پہلے پکارا کرتے تھے سب گے گزرے ہو جائیں گے اور یہ یقین کر لیں گے کہ ان کو کسی طرح بھی چھٹکارا نہیں انسان بھلائی مانگنے سے تھکتا نہیں اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو آس توڑ کر نا امید ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی اپنی کچھ رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہنے لگتا ہے یہ میرا حق تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو میرے لیے اس کے پاس بہتری ہے، ہم کافروں کو ضرور بتا دیں گے کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور ہم ضرور ان کو سخت عذاب بھی چکھائیں گے۔

ترکیب : وَمَا تَخْرُجُ مانافیہ و من الاولی للاستغراق والثانیہ للابتداء وقیل ما موصولۃ فی محل جر عطفا علی الساعۃ ای علم الساعۃ وعلم التی تخرج۔

تفسیر : جبکہ کفار کے مقابلے میں یہ کہا گیا تھا کہ جو نیکی کرتا ہے اپنے لیے اور بدی جو کرتا ہے تو اپنے لیے۔ جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پوری جزاء و سزا قیامت کو ملے گی، اس پر سامع کا خیال جا سکتا تھا کہ قیامت کب ہوگی، اس بات کا جواب دیتا ہے۔ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ کہ قیامت کی خبر اسی کے پاس ہے، یعنی جب کوئی کسی سے اس کے تعین وقت سے سوال کرتا ہے تو اس کی خبر اللہ ہی کے سپرد کی جاتی ہے کہ وہی جانتا ہے اور اس پر کیا موقوف ہے جو کچھ عالم غیب سے دنیا میں ظہور کرتا ہے، جیسا کہ گابھے کے اندر پھل اور مادہ کے پیٹ میں بچہ سب

کی خبر اسی کو ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں۔ اکمام کم یا کمہ کی جمع ہے۔ میوے یا پھل کے اوپر جو چیز لپٹی ہوئی ہوتی ہے، اُس کو کم کہتے ہیں اور اس لیے آستین کو بھی۔ مغیبات پر رمل یا نجوم یا تعبیر خواب سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ ظن ہوتا ہے، علم یقینی نہیں اور جو انبیاء ﷺ اور اولیاء کرام کو الہام یا مکاشفہ سے کچھ بتایا جاتا ہے تو اللہ ہی کے بحر علم کا ایک قطرہ ہوتا ہے اور وہ بھی اُسی قدر کہ جس قدر اُس نے اُن کو بتا دیا، وہی علام الغیوب ہے۔

اس کے بعد کچھ قیامت کے احوال بیان فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الخ کہ اس روز مشرکین سے پکار کر پوچھا جائے گا کہ میرے شریک جو تم نے دنیا میں بنا رکھے تھے کہاں ہیں؟ کہیں گے ہم نے بتا تو دیا یعنی آپ کو خود علم ہے کہ ہم میں سے ان کو کوئی بھی دیکھنے والا نہیں، یعنی نظر نہیں آتے یا یہ معنی کہ ہم میں سے کوئی بھی شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کا کوئی شریک ہے، یعنی انکار کریں گے، جیسا کہ ملزم سزا کے وقت ارتکاب جرم کا انکار کیا کرتے ہیں۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ الخ اور دنیا میں جن کو پہلے پوجتے تھے وہ اُن سے غائب ہو جاویں گے اور جان لیں گے کہ ہماری خلاصی نہیں۔ انسان کو یہ تبدل و تغیر کچھ آخرت ہی میں پیش نہ آئے گا کہ جن بتوں اور خیالی معبودوں کو دنیا میں پکارا کرتے تھے اُن سے عذاب دیکھ کر برات کریں گے بلکہ دنیا میں بھی اُس کی ایسی حالت ہے کہ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ اپنے لیے بھلائی مانگنے میں تھکتا نہیں۔ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ اور جو دکھ پہنچتا ہے تو نا اُمید اور ہراساں ہو جاتا ہے۔ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا اور جو اس مصیبت کے بعد ہم پھر راحت عطا کرتے ہیں، اپنی مہربانی سے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق اور اسی کے لائق ہوں اور پھر اسی عیش و کامرانی میں ایسے پھولتے ہیں اور یہاں کے رہنے کو ایسا پسند کرتے ہیں کہ قیامت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً اور اگر بالفرض میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو مجھے وہاں بہتری ہوگی، کیونکہ دنیا میں بھی میں معزز تھا، وہاں بھی معزز رہوں گا۔ دنیا پر آخرت کا قیاس کرتا ہے، یہ معلوم نہیں وہاں کے اور ہی حالات ہیں۔ یہ قول بطور حسن ظن کے نہ تھا جو باخدا لوگوں کو اللہ سے ہوتا ہے بلکہ بطور تکبر و سرکشی کے اس لیے فرماتا ہے۔ فلننبئن الذین کہ ہم کافروں کو اُن کے اعمال پر متنبہ کریں گے اور سخت عذاب چکھائیں گے، یعنی اُن کے لیے اُس جہان میں بہتری تو کیا ہے عذاب شدید ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَي الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاۗءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور اکڑنے لگتا ہے اور جب اُس کو دکھ پہنچتا ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے تو کہو بھلا دیکھو تو سہی اگر یہ (قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور پھر تم اس کا انکار کر بیٹھے تو ایسے پرلے درجہ کے ضدی سے کون زیادہ گمراہ ہوگا، ہم اُن کو اپنی نشانیاں ملک (کے اطراف) میں اور خود ان

میں بھی یہاں تک دکھائیں گے کہ ان کو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ برحق ہے۔ کیا ان کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ دیکھو تو ان کو اپنے رب کے پاس حاضر ہونے میں شک ہے۔ دیکھو وہ ہر چیز کو قابو میں کئے ہوئے ہے۔

تفسیر : وَاِذَا اَنْعَمْنَا اور جب ہم انسان پر عنایت کرتے ہیں تو سرکشی کرتا ہے۔ (والجانب مجاز عن النفس ونائی بمعنی بعد یقال نائت ونایت ای بعدت وتباعدت والمتنائی الموضع البعید) اور جب اُس پر بلا آتی ہے تو بڑی دُعا کرتا ہے۔ (العرض والطول یستعمل فی الکثرۃ مجازافی کلام العرب) یہ انسان کی جبلی بات ہے، غرض یہ کہ یہ تمام سرکشی خدا تعالیٰ کی عطاء کی ہوئی نعمت کی بدہضمی سے ہے۔

اس کے بعد پھر کفار کے شبہات دفع کرتا ہے۔ فقال اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الخ ان سے کہہ دے تم جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہو اچھا یہ بھی تو خیال کرلو (کیونکہ تمہارے انکار پر کوئی حجت قوی نہیں ہے صرف توہمات ہیں) کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا، پھر تم سے زیادہ کون گمراہ اور ضدی ہے؟ (ممن هو صلۃ منکم وضع مَنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍ موضع الضمیر لبیان حالھم فی الشقاق) یہ ایک الزامی گفتگو ہے، مخاطب کو قائل کرنے کے لیے جبکہ وہ خلاف حق ہو کر اپنے توہمات پر اصرار کرے۔

اس کے بعد ایک پیشین گوئی فرماتا ہے۔ اسلام اور قرآن کے برحق ہونے پر فقال سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ الخ آفاق جمع افق کا بمعنی اس کے معنی ہیں کنارے کے۔ آیت کی تفسیر میں علماء کرام نے متعدد وجوہ بیان فرمائے ہیں، مگر صاف یہ ہے اور یہی سیاق کلام سے چسپاں زیادہ ہے کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ وہ دو قسم کی ہوں گی، ایک آفاق یعنی بلاد و ممالک کے متعلق اور دوسری وہ جو ان کی ذات سے علاقہ رکھتی ہوں گی۔ وہ جو آفاق سے علاقہ رکھتی ہیں، بہت سی نشانیاں ہیں کہ جن کی رسول کریم ﷺ نے خبر دی تھی، جن کا لوگوں نے معائنہ کیا اور یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اور ان پر حق ظاہر ہو گیا جیسا کہ تھوڑے سے دنوں میں اسلام کا دور دراز ملکوں میں ظہور کرنا کسریٰ و قیصر کا مقہور ہونا عرب کا کایا پلٹ ہو جانا سب میں ایک نئی زندگانی کا پیدا ہونا وغیرہ ذلک۔ اس طرح زلزلوں کا آنا بڑے بڑے حوادث کا ظہور کرنا حجاز میں مہینوں تک ایک عجیب وغریب آگ کا مشتعل ہونا وغیرہ ذلک جن کی تفصیل کے لیے ایک بڑی مجلد کتاب بھی کافی نہیں اور آیاتِ انفس بھی بہت لوگوں نے دیکھیں۔ مکہ میں ہجرت سے پہلے ایک انقلاب شروع ہوا اور ہجرت کے بعد سے ترقی کرتا گیا، سنگدل سفاک رحم دل ہو گئے۔ بت پرستوں کو خدا پرستی سوجھنے لگی، وحشی اور جاہلوں کو قیصر و کسریٰ کے ملک کے انتظام کا علم آ گیا۔ دغابازی کی جگہ راست بازی کی طرف طبائع مائل ہو گئے۔ نفاق کی جگہ دلوں میں اتفاق نے گھر بنایا، پست حوصلگی کی جگہ بلند حوصلگی پیدا ہوئی۔ اُن کے سینے علوم و حکمت کے چشمہ بن گئے۔ پھر ان آیات کے دکھانے پر وثوق دلاتا ہے۔ فقال اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ الخ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شہید ہے، کوئی بات اُس کی قدرت و علم سے باہر نہیں، پھر وہ کیا ان آیات کے دکھانے پر قادر نہیں؟ یہ سب کچھ ہے، مگر اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ وہ اپنے رب کے ملنے سے شک میں ہیں، جانتے ہیں کہ مر کر مٹی ہو جاویں گے، خدا کے پاس کیا جانا ہے، جس لیے وہ یہ باتیں کرتے ہیں مگر وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ہوشیار وہ ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے، کوئی اُس کی قدرت سے باہر نہیں، سب کو گھیر کر اپنے پاس دربارِ عدالت میں حاضر کرے گا۔ سبحان اللہ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے اور اثنائے کلام میں کیا کیا باریکیاں رکھی ہیں۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۡ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦

اسی طرح سے اللہ زبردست حکمت والا آپ کی طرف وحی کیا کرتا ہے اور ان کی طرف بھی (کیا کرتا تھا) جو تم سے پہلے تھے اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب سے بڑا بالا دست ہے (اس کی ہیبت کے مارے) قریب ہے کہ اوپر سے آسمان پھٹ پڑیں اور فرشتے ہیں کہ اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں اس کی خوبیوں کے ساتھ اور زمین والوں کے لیے معافی مانگتے ہیں دیکھو اللہ ہی معاف کرنے والا مہربان ہے وہ لوگ کہ جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں وہ اللہ کی نظر میں ہیں اور آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔

ترکیب : اللہ فاعل لیوحی وما بعدہ لغت والکاف فی موضع نصب بیوحی والذین مبتدا اللہ حفیظ الجملۃ خبر۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابن الزبیر و حسن و عکرمہ و جابر کا قول ہے۔ اس سورہ کا نام سورہ شوریٰ اور سورہ حٰم عسق ہے حٰمٓ عٓسٓقٓ سے جو کچھ خدا پاک نے اپنے کلام میں مراد لیا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے۔ مکہ میں قریش کو اس بات سے بڑا تعجب تھا کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے محمد (ﷺ) پر وحی کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات ان کے نزدیک نئی تھی۔ ان کے اس تعجب کو چند حروف میں ایک سرِ نہانی کی طرف اشارہ کر کے دور کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ کذالک یوحی الخ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام پر یوں ہی وحی کرتا چلا آیا ہے اور تیری طرف بھی وحی کرتا ہے۔ کذلک میں اشتراک نفس وحی کی طرف ہے اور یوحی جو مضارع کا صیغہ ہے حال ماضی کے لیے ہے اللہ کے بعد العزیز الحکیم دو وصف بیان فرمائے تا کہ یہ استعجاب بالکل دور ہو جائے۔ عزیز بمعنی زبردست غالب اس میں اس کی شاہنشاہی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شاہنشاہ اپنے بندوں پر فرمان بھیجتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جب دنیا کے بادشاہ رعیت کے حال سے غافل نہیں اور ان کے تمرد کی پروا نہیں کرتے کسی کو فرمان دے کر احکام جاری کرنے کے لیے بھیجتے ہیں پھر وہ کیوں نہ بھیجے الحکیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی حکمت بندوں کی اصلاح کے لیے انبیاء پر احکام وحی کرنا ضروری سمجھتی ہے اس کے بعد اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جو اس کی جلالت و عظمت پر دلالت کرتے ہیں (۱) لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی اسی کی بادشاہی ہے اور اس کی بادشاہی اور بادشاہوں کی طرح نہیں بلکہ وہ العلی ہے برتر اور عظیم ہے۔ (۲) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ الخ اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کی ہیبت و عظمت سے آسمان پھٹے جاتے ہیں۔ مِنْ فَوْقِهِنَّ کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ان کے اوپر جو آسمان ہیں ان کا یہ حال ہے تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں؟ (۳) وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ اور ملائکہ جواہر نورانی اور بڑی قوت و طاقت والے ہیں اس کی تسبیح اور تحمید کیا کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہتے ہیں اور اس کے سوا يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ زمین والوں کے لیے خدا سے بخشش مانگتے ہیں اہلِ ایمان کے لیے بعض کہتے ہیں سب کے لیے کفار و مشرکین کے لیے بھی کہ الٰہی تو ان پر مہربانی کر راہِ راست سجھا کہ یہ اپنی بدی سے باز آویں اور بخشے جاویں۔ (۴) اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ دیکھو اللہ جو ہے بڑا معاف کرنے والا

مہربانی کرنے والا ہے۔ اس نے بخشنے اور مہربانی کے لیے دنیا میں انبیاء بھیجے اور ان پر وحی کی۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا الخ مگر بندوں کو دیکھئے کہ
اللہ کے سوا انہوں نے اور بھی حمایتی اور معبود بنا رکھے ہیں اَللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ اللہ ان کو دیکھ رہا ہے وہ کہاں جا سکتے ہیں وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ
بِوَکِیْلٍ اے محمد (ﷺ) آپ ان کے ذمہ دار نہیں اس میں ایک شان استغنائی ہے اور توحید کی طرف تہدید کے پیرائے میں ترغیب ہے اور
آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ کیا لطائف آیات میں رکھے ہوئے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا
وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۞ وَلَوْ
شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۞ ع

اور اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان کا قرآن نازل کیا تاکہ آپ مکہ والوں اور ان کے پاس والوں کو ڈر سنا دیں اور قیامت کے دن سے بھی ڈرا دیں کہ جس میں کوئی شبہ نہیں (اس روز) ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت جہنم میں ہوگی اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی گروہ کر دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی مددگار بنا رکھے ہیں پھر اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب : قرآنا مفعول لاوحینا لتنذر متعلق باوحینا فریق خبر مبتدء محذوف ای بعضهم فریق فی الجنۃ و الظالمون مبتدء وما بعدہ خبرہ اولیاء بالنصب علی انہ مفعول لاتخذوا من دونہ حال منہ ای حال کون الاولیاء غیر اللہ الولی خبر فاللہ ھو ضمیر الفصل للتاکید۔

تفسیر : پھر مسئلہ نبوت کا ذکر کرتا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ الخ کہ جس طرح انبیاء سابقین پر وحی کی گئی تھی اسی طرح اے محمد (ﷺ) ہم نے تیری طرف عربی زبان میں قرآن وحی کیا کس لیے لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى تاکہ تو اہل مکہ کو اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کر دے ڈرا دے کہ تم پر اگر باز نہ آؤ گے بلا آنے والی ہے اور ان کو قیامت کے دن سے بھی ڈرا دے کہ جس میں کوئی شک نہیں کہ اس روز ایک جماعت جنت میں اور ایک دوزخ میں ہوگی۔ یعنی جس طرح اور انبیاء اپنی امتوں کے ڈرانے کے لیے آئے اسی طرح آپ اہل مکہ اور ان کے آس پاس والوں کے لیے۔ نبوت قائم کرنے کی وجہ لوگوں کا ڈرانا اکثر قرآن میں آیا ہے اور بشارت اس کے ساتھ میں آتی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب بنی آدم کی حالت خراب ہو جاتی ہے فلسفہ و علوم عقلیہ اس کی اصلاح سے عاجز آ کر کسی گوشہ میں منہ چھپا کر بیٹھ جاتے ہیں اگر اس وقت خدا تعالیٰ کا داعی و ہادی نہ آوے تو اس بدکاری وغیرہ امراض روحانیہ میں مبتلا ہو کر نہ صرف آخرت میں جہنم کے ایندھن بن جائیں بلکہ معاش بھی بگڑ جاوے جس سے کسی دنیاوی بلا کا بھی سخت اندیشہ ہوتا ہے ایسے وقت میں خدا رحیم و کریم اپنے کسی بندے کو نبی اور مؤید من اللہ بنا کر بھیجتا ہے اس کا پہلا کام ان لوگوں کو آنے والی بلا سے ڈرانا ہوتا ہے تاکہ افعال بد سے باز آویں اس لیے

لِتُنْذِرَ فرمایا۔ اور منہیات ترک کرنے کے بعد اگر اچھے کام کرنے لگیں تو ان کو انعام و اکرام الٰہیہ کی بشارت دی جاتی ہے اور نبی کا مبعوث کرنا اتمام حجت کے لیے ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں تمام عالم ہر قسم کی گمراہی و بدکاری سے تاریک ہو گیا تھا اور آپ کو مصلحت الٰہی نے مکہ میں سے مبعوث کیا جس کو عرب ام القریٰ کہتے تھے اس لیے ام القریٰ اور اس کے آس پاس والوں کا زیادہ استحقاق تھا لہٰذا ان کی تخصیص کی گئی اور نیز سب سے پیشتر نبی اپنی قوم اور شہر اور وطن سے تبلیغ شروع کیا کرتا ہے پھر دور تک یا تمام عالم تک پہنچتا ہے اپنے نائبوں کے ذریعہ سے اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا تمام عالم کے نبی نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ لتنذر میں عام بلاؤں سے ڈرانا بتایا ہے وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ میں اخروی بلاؤں سے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ الخ کے متعلق ایک حدیث ہے جس کو ترمذی و نسائی و احمد و ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار دو کتابیں ہاتھ میں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا ان کو تم جانتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ خداوند تعالیٰ کی دو کتابیں ہیں جو دائیں ہاتھ میں ہے اس میں تمام اہل جنت اور ان کے باپ دادا کے بالتفصیل نام درج ہیں اور بائیں ہاتھ میں اسی تفصیل سے دوزخ والوں کے نام ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا اب عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کوشش کیے جاوے۔ اہل جنت کا خاتمہ نیک کاموں پر ہوتا ہے کچھ ہی کیوں نہ کرے اور دوزخی کا برے کاموں پر کچھ ہی کیوں نہ کرے۔ یہ تقدیری بات ہے کیونکہ ولو شاء اللہ الخ اگر اللہ چاہتا تو دو فریق نہ کرتا ایک ہی کر دیتا مگر وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں لیتا ہے والظالمون اور ازلی گمراہوں کو کوئی مدد و حمایت کر کے راہ پر نہیں لا سکتا ہے ان کی گمراہی کی ایک یہ بات ہے اَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللہ کے سوا اور حمایتی فرض کر رکھے ہیں حالانکہ اصل حمایتی اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے نطفوں سے زندہ انسان پیدا کرتا ہے اور آخرت میں بھی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر شے پر قادر ہے پس اس کو حمایتی بنانا چاہیے نہ اوروں کو۔ اس مسئلہ ثبوت میں مسئلہ حشر بھی ثابت کر دیا گیا۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۞ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ
لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۞ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ شَرَعَ
لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا
وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا
فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَي الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ
مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۞

اور (کہہ دو) جن باتوں میں تمہارا اختلاف پڑا ہوا ہے اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ یہی اللہ تو میرا پروردگار ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے بنائے اور چارپایوں کے بھی جوڑے بنائے اس تدبیر سے تم کو زمین پر پھیلاتا ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی مثل نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے وہ ہر ایک بات جانتا ہے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا کہ جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور اسی رستہ کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین پر قائم رہنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ جس چیز کی طرف آپ مشرکوں کو بلاتے ہیں وہ ان پر شاق گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نزدیک برگزیدہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر: وَلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ کی بابت (جس میں ایمان و کفر تقدیری کی طرف اشارہ ہے) مخالفین جھگڑتے تھے بعض اس طور پر کہ کیوں اللہ نے بعض کو رحمت میں داخل کیا اوروں کو نہ کیا؟ بعض اس طور پر کہ رحمت میں ہم داخل ہیں کفار اپنے جاہ و مال کے لحاظ سے اپنے تئیں رحمت میں داخل سمجھتے تھے ایماندار دولتِ آخرت کے لحاظ سے اپنے تئیں۔ اس لیے اس کے بعد یہ فرمایا وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ کہ ان اختلافی باتوں میں فیصلہ اللہ کے سپرد ہے جو وہ کہہ دے برحق ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ یہ اللہ میرا رب ہے جس پر میرا توکل ہے اور اس کے پاس مجھے پھر کر جانا ہے یا ہر امر میں میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں نہ کسی اور کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ اگر تمہارا بھی اللہ سے یہی حسن ظن ہے تو بہتر۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ جمیع امور میں خداوندی فیصلہ کا پابند رہنا چاہیے اس کے بعد خداوند تعالیٰ اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے غیر اللہ کے ولی معبود بنانے پر ایک لطف کے ساتھ تعریض بھی ہے (۱) فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے نہ کوئی اور جو چاہے کرے۔ جس کو جس حال پر چاہے پیدا کرے کون پوچھ سکتا ہے۔ (۲) جَعَلَ لَكُمْ الخ کہ تمہاری جنس کے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح چارپایوں میں بھی اور اس نر و مادہ سے تم کو پھیلایا نسل کو بڑھایا۔ یہ بھی اسی کا کام ہے نہ تمہارے کسی معبود کا۔ پھر کوئی مادہ کہہ سکتی ہے کہ مجھے نر کیوں نہ بنایا اور چارپائے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو انسان کیوں نہ بنایا؟ پس وہ مختار ہے ازل میں جس کو چاہے رحمت میں شامل کیا جس کو نہ چاہا نہ شامل کیا۔ (۳) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ عرب کے کلام میں مثل بول کر خاص شخص بطور کنایہ کے مراد لیا کرتے ہیں کہتے ہیں مثلک لا یبخل آپ کی مثل یعنی آپ جیسے لوگ بخل نہیں کرتے مطلب یہ کہ آپ نہیں کرتے کیونکہ جب آپ کی مثل نہیں کرتے تو آپ بطریق اولیٰ نہیں کرتے۔ ہمارے محاورے میں بھی مثل اور جیسے کے لفظ سے وہی شخص مراد ہوا کرتا ہے مراد یہ کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں جس پر ان کا قیاس کر کے اس کے فعل میں اس کو ظلم کی طرف منسوب کیا جاوے اور نیز جب اس کی مانند کوئی نہیں تو اور کسی کو حمایتی اور معبود بنانا عبث و بیکار ہے۔ یہ آیت تنزیہ باری تعالیٰ کے لیے ایک اصل اصول ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ اس کے مانند نہ آدم تھے نہ کوئی اور نہ وہ جسمانی ہے نہ اعضاء جسمانی رکھتا ہے مکان و خیز موت و فنا وغیرہ جمیع نقائص سے پاک و مبرا ہے۔ (۴) وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اور وہ سنتا دیکھتا ہے مگر نہ بندوں کی طرح جس کا سننا کان بغیر نہیں ہو سکتا دیکھنا آنکھ بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک بات اس کو معلوم ہے پس جو کچھ وہ فیصلہ کرے گا علم و بصیرت سے کرے گا (۵) لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ الخ اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اور خزانے ہیں جس کو چاہتا ہے روزی بہت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے نپی تلی یعنی کم۔ اس میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ظلم کیا فلاں کو امیر کیا فلاں کو فقیر کیوں کیا ظلم کر دیا۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہر ایک بات جانتا ہے مناسب اور غیر مناسب کا اس کو علم ہے اسی طرح سے کرتا ہے اسی کا فیصلہ ناطق ہے اس کے بعد مسئلہ نبوت شروع کرتا ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ الخ کہ اے لوگو! تمہارے لیے کوئی نئی بات نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ وہی قدیم

دین کہ جس پر نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام مامور تھے اور اسی پر محمد ﷺ مامور کیے گئے[1] وہ کیا ہے اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ الخ کہ دین یعنی اصولِ شرائع توحید و اقرارِ رسالت و مکارمِ اخلاق و ترک منہیات پر قائم رہو اختلاف نہ کرو مگر مشرکوں پر اے محمد (ﷺ)! تیرا توحید و مکارمِ اخلاق پر بلانا شاق گزرتا ہے کہ تجھ میں کیا خصوصیت تھی جو نبی کیا گیا حالانکہ اللہ مختار ہے جس کو چاہے نبوت کے لیے برگزیدہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا
الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۴ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ
كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ
كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵
وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝۱۶

اور انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد کیا (محض) آپس کی ضد سے اور اگر ان کے رب کی طرف سے ایک وقتِ مقرر تک کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور جو آپ کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے ہیں (آپ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ) تو وہ دین حق سے شک میں پڑے ہوئے ہیں پھر اس لیے اس کو بلائیے اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا ہے خود بھی قائم رہو اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے اور کہہ دیجئے کہ ہر ایک کتاب پر جو اللہ نے نازل کی میرا ایمان ہے اور مجھے تم میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم کو تم کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس پھر جانا ہے اور وہ جو اللہ کی بات میں جھگڑا ڈالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مانی گئی تو ان کی حجت ان کے رب کے ہاں باطل ہے ان پر غضب الٰہی ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

ترکیب: الا من استثناء متصل ای ما تفرقوا فی وقت من الاوقات الا وقت مجی العلم بغیا موصوف بینهم صفة وانتصابه علی انه مفعول لاجله کما یقال قعدت عن الحرب جبنا ولولا شرط سبقت صفة لکلمة لقضی جواب الشرط لفی شک خبر ان فلذلک الاشارة الی الکتاب او العلم فاللام فی موضع الی واصلة ادع مذکورة صریحا۔

[1] اصولِ دین تمام انبیاء کے ایک ہیں نہ یہ منسوخ ہوا کرتے ہیں نہ مٹائے جاتے ہیں ہاں ہر امت کے لیے حسب زمانہ ان اصول کے قواعد جداگانہ ہوتے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں۔ اس میں ضرور اختلاف اور نسخ ہوتا ہے قال تعالیٰ لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا اسی طرح جزئیاتِ مسائل میں اختلاف آراء و اجتہاد کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

تفسیر : شبہ ہوتا تھا کہ جب تمام انبیاء کو اقامتِ دین کا متفق بنا کر حکم دیا گیا پھر ان اصول میں کیوں اختلاف پڑا؟ یہود و نصاریٰ مجوس وغیرہ مختلف فرقے پیدا ہو گئے اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا تَفَرَّقُوْٓا کہ یہ آپس کی ضد سے لوگوں نے جان بوجھ کر اختلاف ڈالا ہے یہود نے کہا ہم عیسیٰ (علیہ السلام) کو کیوں مانیں اور عیسائیوں نے کہا ہم محمد (ﷺ) کو کیوں قبول کریں اسی طرح کتاب میں تحریف و تبدیل کر کے جھگڑے ڈال دیے اپنے رسم و رواج و تراشیدہ خیالات کے مطابق کرنے کے لیے کتاب اللہ میں تحریف و تبدیلی ہونے لگی اور عرصہ دراز سے یہ جھگڑے مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوئے یہاں تک کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان سابقین کے بعد جن لوگوں کو کتاب پہنچی توریت و انجیل وغیرہ محرف و مبدل ہو کر۔ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ وہ اس سے خود شک میں پڑے ہیں یہ آنحضرت ﷺ کے معصر لوگوں کا حال تھا۔ ان کا بھی اس کتاب پر کامل ایمان نہ تھا نہ اس کے پورے طور پر پابند تھے کوئی کسی بات کو مانتا تھا اور دوسرا منکر تھا گو ان کو اپنے ادعاء کے مطابق اپنی کتابوں پر ایمان کا دعویٰ تھا مگر ان کی حالت یہی کہہ رہی تھی کہ یہ اس سے شک میں ہیں اور آیت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اگلوں کے بعد جو آنحضرت ﷺ کے ہمعصروں کو کتاب یعنی قرآن پہنچا تو اس سے شک میں ہیں لیکن اول معنی قوی ہیں لفظاً اور قوّۃ اسی کے مناسب ہے۔ جب لوگوں کا اصولِ دین میں یہ اختلاف ہے تو اے محمد فَلِذٰلِكَ اس لیے فادع لوگوں کو ہدایت و راہِ راست کی طرف بلا اور خود بھی اس پر جمے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنہ یہود کی نہ نصاریٰ کی نہ مشرکین کی اور صاف صاف کہہ دیجئے اے لوگو! یہ تم کو شک ہو تو ہوا کرے۔ امنت الخ اللہ نے جو کوئی کتاب نازل کی ہے میں ہر ایک پر ایمان لایا اور اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ مجھے تمہارے اختلافی مسئلوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس لیے کہ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اللہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا رب ہے۔ ہر ایک اس کی اطاعت پر مامور ہے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل و عرب و عجم کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے لیے اپنے اعمال تمہارے لیے اپنے جو کرے گا بھرے گا۔ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ ان الفاظ میں آنحضرت ﷺ کو ان کی بیجا تقریروں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا کہ اس جھک جھک میں کچھ فائدہ نہیں۔ کہہ دیجئے ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے حق و باطل وہاں معلوم ہو جائے گا۔ وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ اس کے بعد اطمینان بخش حکم سناتا ہے کہ جو کوئی اللہ کے بارے میں یعنی اس کے دین میں تسلیم ہو جانے کے بعد حجت و تکرار کرتا ہے اس کی حجت خدا کے نزدیک مردود ہے اور اس پر غضب الٰہی اور عذاب شدید ہے یعنی قرآن میں وہی اصول ہیں کہ جن کو اے اہل کتاب و مشرکین تم بھی تسلیم کرتے ہو پھر جو تکرار کرتے ہو اور سخن پروری اور نفسانیت کرتے ہو تو خدا کے ہاں یہ مردود ہے اس پر اس کی دنیا میں ناراضی اور آخرت میں عذاب شدید ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۱۷ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۱۸ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۱۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ

حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۲۰

اللہ ہی ہے کہ جس نے سچی کتاب اور ترازو نازل کی اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید (قیامت کی) وہ گھڑی نزدیک ہی ہو اس کی جلدی تو وہ کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈرتے اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ دیکھو وہ جو اس گھڑی میں جھگڑتے ہیں البتہ وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں پر (بڑا) مہربان ہے جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ قوی زبردست ہے۔ جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو اس کو قدرے دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت میں تو اس کا کچھ بھی حصہ نہیں۔

ترکیب : قال الکسائی قریب نعت ینعت بھا المذکر والمونث کمافی قولہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ویمکن ان یکون فاعل قریب ایجا محالا الضمیر الراجع الی الساعۃ۔

تفسیر : اس تمام گفتگو کے بعد مسئلہ نبوت کو تمام کر کے دارِ آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے یا یوں کہو کہ پہلے جو فرمایا تھا کہ جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اب اس کی ایک اور وجہ بیان فرماتا ہے کہ اللہ کی طرف اس لیے کہ اس نے کتاب برحق اور عدل کی ترازو نازل کر دی ہے اس میں ہر بات کو تول دیکھو۔ المیزان سے مراد کتاب آسمانی ہے اسی میں نیک و بد اچھا برا کام وزن ہوتا ہے اور اس کے اتارنے سے کیا غرض ہے وہ یہ کہ قیامت کے لیے ہر ایک اپنے اعمال اور ایمان کو تول رکھے وہاں وہ کام آوے گا۔ اس کے بعد فرما دیا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ کہ اے مخاطب تجھے کیا خبر ہے کہ وہ نزدیک ہے یعنی اس کو دور کیوں سمجھتے ہو؟ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کی جلدی کرتے ہیں کہ جلد قیامت آجاوے یہ اس لیے کہ اس کے قائل نہیں محض تمسخر اور ہنسی کی راہ سے جلدی کرتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو ایمان لائے ہیں قیامت پر یا اللہ اور اس کے رسول پر اور ان کے کہنے سے قیامت کا برپا ہونا حق جانتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ الخ کہ جو قیامت کے برپا ہونے میں شک کرتے ہیں بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

منکرین قیامت کا انکار دنیا کے عیش و نشاط کی مستی سے کرتے تھے اور اسی عالم کو راحت و رنج کا اصلی مقام جانتے تھے اور اپنی دنیاوی کامیابی کو خدا کی خوشنودی کا باعث جانتے تھے اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ کہ اللہ اپنے بندوں پر مہربانی کرتا ہے اس لیے دنیا میں ہر ایک نیک و بد کو روزی دیتا ہے۔ نہ یہ اس کی رضامندی کی دلیل ہے نہ اس بات کی کہ یہی عالم مقام اصلی ہے۔ دشمن کو باوجود ناراضی کے کھانا پینا قید میں دے دیا کرتے ہیں پھر کیا یہ رضامندی کی دلیل ہو سکتی ہے؟ اور صرف وہ لطیف ہی نہیں کہ سرکشوں بدکاروں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو بلکہ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ قوت والا زبردست بھی ہے۔ اس تمام جملہ کو قیامت کے ساتھ یہ بھی تعلق ہے کہ اللہ کی صفتِ لطف و قوت کا یہی مقتضا ہے کہ وہ اپنی مہربانی سے دارِ آخرت میں نیکوں کو رزق و سرورِ ابدی عطا کرے اور بدکاروں شریروں ظالموں سے قوتِ جبروت کے ساتھ پیش آوے مگر دنیا اس کا مقام اصلی نہیں۔ بلکہ یہ نیکی اور بدی حاصل کرنے کا کھیت ہے پس مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ حرث کے معنی لغت میں کسب اور کمانے کے ہیں کہتے ہیں ھو یحرث لعیالہ و تحرث الکلب ومنہ سمی الرجل حارثا اور اس کے اصل معنی زمین میں تخم ریزی کرنا بطور استعارہ کے تشبیہ کے علاقہ سے اس کا اطلاق ثمرات اعمال پر ہونے لگا یعنی جو آخرت کے کمانے میں کوشش اور اس کا ارادہ کرے گا ہم اس کی نیکیاں دو چند کریں گے سات سو تک یا اس کو توفیق زیادہ دیں گے اور خیر کے رستے اس کے لیے آسان کر دیں گے اور جو دنیا کا ارادہ کرے گا تو اس میں سے کس قدر دیں گے یہ نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا کی حرص کرے سب اس کو مل جاوے مگر وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اس سے مراد اللہ سے غافل

اور آخرت کا منکر ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے جو آخرت سے بے نصیب کر دیتا ہے نہ کسب معاش حلال طور پر اپنے نفس و اہل و عیال کی پرورش کے لیے کس لیے کہ یہ ضروری ہے بقدر ضرورت۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾

کیا ان کے اور معبود ہیں کہ جنہوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ نکالا ہے کہ جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اگر فیصلہ کا وعدہ نہ ہوا ہوتا تو ان کا دنیا ہی میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہوتا ہے (اے مخاطب) تو ظالموں کو (قیامت میں) دیکھے گا کہ وہ اپنے اعمال کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے حالانکہ وہ ان پر پڑ کر رہے گا اور جو ایمان لائے اور اچھے کام بھی کیے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے پائیں گے یہی وہ بڑا فضل ہے یہی تو وہ ہے کہ جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں۔ کہہ دو میں تم سے اس پر کچھ اجرت بھی نہیں مانگتا مگر محبت قرابت کی (تو قائم رکھو) اور جو کوئی نیکی کمائے گا تو ہم اس میں اور بھی خوبی زیادہ کر دیں گے البتہ اللہ معاف کرنے والا قدردان ہے۔

ترکیب: ام منقطعہ وقیل بمعنی ھمزۃ الاستفہام الظالمین مفعول اول لتری مشفقین مفعول ثان لہ وھو الضمیر راجع الی ما کسبوا تقدیرہ مضاف علی قول الزجاج والجملۃ حالیۃ عند ربھم ظرف یشاؤن الذین امنوا بدل من عبادہ الا المودۃ استثناء متصل ای لا اسئلکم علیہ الا للمودۃ الثابتۃ فی اھل القرابۃ وقیل منقطع۔

تفسیر: پہلی آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ فیصلہ کرنے کا مستحق اللہ ہے اس نے دنیا میں دستور العمل و صراط مستقیم و میزان عدل قائم کر کے سب بندوں کو اصول حسنات پر چلنے کا حکم دیا اور یہ اصول حسنات تمام انبیاء سابقین کا طریقہ قدیمہ ہے۔ مشرکین مکہ اس راہ راست کو چھوڑ کر نئے منئے دستورات کے پابند تھے اس لیے اب ان سے بطور استفہام انکاری کہا گیا ام لھم الخ کیا ان کے معبودوں نے اللہ کے خلاف طریقے بتلائے ہیں۔ یعنی ان کا کوئی حق نہیں کہ دنیا میں خلاف اللہ کے کوئی طریقہ ایجاد کریں اور نہ کسی کو ان شیاطین کی شہوانی و وہمانی طریقوں پر چلنا چاہیے مگر انہوں نے ان کی پابندی کی جس کی سزا میں ان کی بربادی میں کوئی دیر نہ تھی مگر فیصلہ کا وعدہ ہو چکا اور وہ دوسرے وقت پر محول کیا گیا اس لیے ہلاک نہ ہوئے اور آخرت میں ان ستمگاروں کو اس فعل پر عذاب ہوگا اور قیامت کو اپنے جرم کی سزا سے ڈریں گے لیکن وہ ان کو ضرور ملے گا ان کے مقابلہ میں راہ راست کے متبعین کا حال بیان فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ ایمانداروں نیکوکاروں کے لیے جنت کے باغوں میں دلخواہ نعمتیں ملیں گی یہ بڑا فضل ہے اور اس کا اللہ ایمانداروں نیکوکاروں کو مژدہ دیتا ہے یہ ایک بڑی بشارت ہے اور عموماً بشارت پر

لوگ کچھ صلہ طلب کیا کرتے ہیں خدا تعالیٰ اپنے رسول کو اس سے بھی منع فرماتا ہے تا کہ کسی کو شبہ نہ گزرے کہ آپ اس صلہ یا انعام کے لیے یہ بشارت دیتے ہیں کس لیے کہ بے غرض و بے تعلق و بے طمع کی بات دل میں زیادہ اثر کرتی ہے فقال قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کہہ دو میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا صرف محبت قرابت کا خواستگار ہوں جو ہر ایک اہل قرابت کے لیے لازم ہے سو کوئی اجرت نہیں آیت کے معنی بہت صاف ہیں مگر مفسروں نے اس میں بہت کچھ قیل[1] و قال کی ہے اس آیت میں تین قول ہیں (۱) شعبی کہتے ہیں لوگوں نے ہم سے اس کی بابت سوالات کیے تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک بطن قریش سے قرابت تھی پس اللہ تعالیٰ نے حکم کیا کہ کہہ دو کہ تم سے کچھ نہیں مانگتا مگر میری اپنی قرابت کے حق محبت کو قائم رکھو مجھ سے عداوت نہ کرو تکلیف تو نہ دو قربیٰ بمعنی رحم ہے۔ (۲) کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد انصار نے حضرت کے لیے کچھ مال و اسباب سے مدد دینے کا ارادہ کیا اور آپ کے پاس لائے آپ نے قبول نہ فرمایا تب یہ آیت نازل ہوئی کہ میں کچھ نہیں چاہتا مگر میرے اقارب سے محبت رکھو اب قربیٰ کے معنی اقارب کے ہو گئے۔ (۳) حسن کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا لیکن تم اللہ سے محبت کرو ان اعمال کے کرنے سے جن میں قرب حاصل ہوتا ہے اس تقدیر پر قربیٰ بروزن فعلیٰ ہے قرب و تقرب سے تفسیر کبیر کلبی کی روایت میں ضعف ہے اور نیز آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور جس نے اس کو مدنی کہا ہے محض اسی روایت کے زور پر اس سے قطع نظر کی جاوے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اہل قرابت کی محبت و تعظیم کو بے اصل روایتوں اور غلط توجیہوں کا محتاج نہ کیا جاوے تو بھی ہر کلمہ گو پر اہل قرابت رسول کی محبت و تعظیم خواہ وہ اہل بیت ہوں خواہ ان میں سے بھی حسنین و فاطمہ و علی رضی اللہ عنہم ہوں خواہ اور لوگ ہوں واجب فرض ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اس کے بعد ترغیب کے لیے فرماتا ہے ومن یقترف الخ الاقتراف الاکتساب جو کوئی نیکی کرے گا ایمان و عمل صالح یا مودت اہل قرابت ہم اس کو جنت میں زیادہ اجر دیں گے یا اس نیکی میں دوبالا کر کے خوبی بڑھا دیں گے کس لیے کہ اللہ معاف کرنے والا قدردان ہے پہلے گناہوں کو معاف کرتا ہے نیکی کی قدردانی کرتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّـيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ

[1] شیعہ مفسرین نے تو اس کو خاص حضرت حسنین و علی و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم کے لیے قرار دیا ہے اور عجب تاویلیں کی ہیں اور قرآن میں ہر جگہ ایسا ہی کرتے ہیں گویا تمام قرآن اسی بات کے لیے نازل ہوا ہے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز اس کے اور کوئی کام ہی نہ تھا گویا اس کے لیے دنیا میں مبعوث کیے گئے تھے اسی طرح اور لوگوں نے بھی اس کے متعلق خارج از تفسیر سینکڑوں افسانے لکھ ڈالے قرآن شریف کے اصل مطلب سے کوسوں دور پڑ گئے۔ ۱۲ منہ

بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ
وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ
فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ع

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے پھر اگر اللہ چاہے تو اس کے دل پر مہر کر دے اور اللہ تو جھوٹ کو مٹایا کرتا اور حق کو اپنے کلام سے ثابت کیا کرتا ہے اور وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے اور وہ دعا قبول کرتا ہے ان کی جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور کافر کے لیے سخت عذاب ہوتا ہے اور اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دے تو زمین پر سرکشی کرنے لگیں لیکن جس اندازہ سے چاہتا ہے (روزی) اتارتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے اور وہی تو ہے جو نا امید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور وہی کارساز خوبیوں والا ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اس پر ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلائے ل اور وہ جب چاہے گا ان کو جمع کرنے پر قادر ہے۔

ترکیب: ام بمعنی بل فان یشا اللّٰہ خذ لانک شرط یختم جواب ولذا اصار الفعل مجزوما ویمح اللہ جملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلھا من نفی الافتراء غیر داخلۃ الجزاء لقبل التوابۃ مفعول اول عن عبادہ مفعول ثان لان المقبول یعدی الی مفعول ثان بمن و عن لتضمنہ معنی الاخذ والاثابۃ ویستجیب الذین مفعول بہ فیستجیب بمعنی یجیب وقیل حذف اللام کما فی قولہ و اذا کالوھم ای کالوا لھم وقیل الذین فاعل یستجیب ای ینقادون

تفسیر: اس کے بعد بھی کہ آپ کسی سے اس تبلیغ کی اجرت نہیں مانگتے شبہ باقی رہتا یہ گمان کرتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے بنا کر کہتے ہیں اللہ نے وحی نہیں کی اس لیے اس بدگمانی کو دفع کرتا ہے فقال ام یقولون افتری الخ اور یہ بھی ہے کہ شروع سے کلام مسئلہ نبوت میں تھا کہ وحی بھیجتے ہیں جس پر مخالفوں کے شبہات اور وجوہ انکار و استبعاد کو یہاں تک دفع کرتا آیا اب پھر اس میں کلام کرتا ہے اور اس شبہ کو عادت اللہ سے رد کرتا ہے فقال یختم علیٰ قلبک عادت اللہ یوں جاری ہے کہ وہ انتظام معاش و معاد میں خلل انداز کو رسوا کرتا ہے اور نبوت کے جھوٹے دعویٰ کرنے سے بڑھ کر معاد و معاش میں کیا خلل اندازی ہوگی؟ فرماتا ہے اگر محمد (ﷺ) یہ جھوٹا دعویٰ کرتے تو اللہ ان کے دل پر مہر کر دیتا کبھی ایسے دلچسپ کلام کرنے پر قادر نہ ہونے دیتا۔ توریت سفر پیدائش میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ اگر کوئی نبی بن کر جھوٹا دعویٰ کرے گا تو قتل کیا جائے گا اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ یوں آیا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل الخ اور اس لیے یہ کہ ویمحو اللّٰہ الباطل الخ کہ اللہ کی عادت یوں ہے کہ وہ حق کو غلبہ دیا کرتا ہے اور باطل اور غلط کو مٹایا کرتا ہے کوئی جھوٹا مدعی نبوت دنیا میں سرسبز نہیں ہوا انہ علیم الخ کیونکہ وہ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے کسی مکار کا مکر و زور اس سے مخفی نہیں پھر باایں ہمہ اسلام روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے یہ اس کی منجانب اللہ ہونے کی کامل دلیل ہے۔

مخالفوں کا نبوت حقہ سے انکار کرنا بڑا گناہ ہے اور اس کے بندے اور بھی گناہ کرتے ہیں جس پر وہ بلا کی کے مستحق تھے مگر ھو الذی

ل مابث فیھما من دآبۃ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آسمانوں میں تو ملائکہ ہیں ان کے حق میں دبیب نہیں پایا جاتا ہے نہ ان کو دابہ کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ تغلیبا فیھما کا لفظ بولا گیا جیسا کہ چاند اور سورج کو قمرین کہتے ہیں ماں باپ کو ابوین اور دبیب کے معنی خاص طور پر چلنا ہی نہیں بلکہ جس کے لیے جیسا چلنا مناسب ہو پس فرشتے بھی آسمانوں میں چلتے پھرتے ہیں یا وہاں بھی حیوانات ہوں۔ ۱۲ منہ

یقبل التوبۃ عن عبادہ اللہ وہ ہے جو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے ویعفوا عن الخ اور بہت سے درگزر کرتا ہے ہاں کبھی بعض پر سزا دیتا ہے اگر ہر ایک پر مواخذہ کرے تو کیا ٹھکانا لگے ویعلم ما تفعلون اور وہ بندوں کے اعمالِ نیک و بد کو جانتا ہے اس لیے توبہ کی تعلیم اور گناہوں کی معافی کے لیے اور افعال کی اصلاح کے لیے نبی برپا کیا اور جو اس کا انکار کر چکے ہیں ان کے لیے بھی دروازہ توبہ کا کشادہ ہے توبہ گناہ پر ندامت کرنا اور اس سے باز آنا آئندہ اس کے نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔ ویستجیب الذین الخ اور وہ ایمانداروں کی عبادت و دعا قبول کرتا ہے اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ایماندار اس کی بات مانتے ہیں ویزیدھم الخ اور ان کی طلب سے زیادہ دیتا ہے عبادت سے دوگنا بلکہ سو گنا زیادہ بدلہ دیتا ہے والکافرون الخ اور منکروں کو آخرت میں سخت عذاب ہے۔ یہاں تک مسئلہ نبوت کے متعلق کلام تھا ویستجیب الخ پر ایک شبہ ہوتا تھا کہ بہت سے مومن اور دیگر بندے دعا فراخی رزق کے لیے کرتے ہیں اسی طرح اور باتوں کے لیے پھر قبول نہیں ہوتی تنگدست ہی رہتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے ولو بسط اللّٰہ الرزق الخ کہ اگر اللہ بندوں کی روزی زیادہ کر دے تو زمین میں فساد کریں یعنی یہ ان کی مصلحت کے موافق نہیں اس لیے نہیں دیتا مگر باایں ہمہ دعا کے ظہور میں دیر ہونے سے ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ ھو الذی الخ اللہ ناامیدی کے بعد بارش نازل کرتا ہے ناامیدوں کی امیدیں پوری کرتا ہے اور اس کی رحمت و قدرت و فیضان کی یہ نشانی ہے خلق السمٰوٰت کہ اس نے آسمان و زمین پیدا کر کے ان میں ان کے رہنے والے پھیلائے یہ کیسا فیض عام ہے؟ اور جب چاہے گا ان کو جمع کرے گا یعنی حشر میں۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾
وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا
نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُسْکِنِ الرِّیْحَ
فَیَظْلَلْنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ﴿۳۳﴾
اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا کَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ کَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ
فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾

اور تم پر جو کوئی مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کام سے پڑتی ہے اور بہت سی تو وہ معاف ہی کرتا ہے اور (تیز بھاگ کر) تم اس کو زمین پر ہرا نہیں سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی ہو سکتا ہے اور نہ مددگار اور اس کی نشانیوں میں سے دریا میں چلنے والے پہاڑوں جیسے جہاز ہیں اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے پھر وہ سطح دریا پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں البتہ اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں یا چاہے تو ان کے عملوں کی وجہ سے ان کو غرق کر دے اور وہ بہت کچھ درگزر کرتا ہے اور وہ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں خوب جانتے ہیں کہ ان کے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔

ترکیب: ما اصابکم شرط فی موضع رفع بالابتدا فبما کسبت جواب والمراد بالفعلین الاستقبال ویعفوا الخ جملۃ مستانفۃ من ولی اسم مالکم خبرھا الجوار بحذف الیاء من الخط لانھا من الزوائد وباثباتھا جمع جاریۃ ای سائرۃ والمراد بھا الفلک مبتداء و من آیاتہ خبرھا فی البحر متعلق بالجواری ویمکن ان یکون حالا منہ والعامل فیہ الاستقرار۔ کالاعلام جمع علم وھو الجبل او کل شیء مرتفع حال ثانیۃ او من الضمیر فی

الجواری یسکن جواب الشرط فیظللن معطوف علیہ وکذلک اَوۡ یُوۡبِقۡهُنَّ وَیَعۡفُ۔ رواکد جمع الراکد وھوالساکن ویقال اوبقہ ای اھلکہ ویعلم بالنصب علی الصرف ای صرف العطف علی للفظ الی العطف علی المعنی قالہ الزجاج ویقرء بالکسر علی ان یکون مجزوما حرک لالتقاء الساکنین ویقرء بالرفع علی الاستیناف مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ الجملۃ المنفیۃ تسد مسد مفعولی علمت یعنی ھذہ الجملۃ مفعول لیعلم المحیص مھرب علی قول قطرب وقال السدی ملجاء من قولھم حاص بہ البعیر حیصۃ اذا رمی بہ ومنہ قولھم فلا تحیص عن الحق ای یمیل عنہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا بعض دعائیں مصلحت کی وجہ سے قبول نہیں ہوتیں ورنہ وہ تو اَلۡوَلِيُّ الۡحَمِيۡدُ ہے مبدء فیاض ہے۔ اس پر شبہ ہوتا تھا کہ جب وہ حمید یعنی خیرِ محض ہے تو بندوں کو دنیا میں مبتلائے مصائب کیوں کرتا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ الخ کہ یہ جو کچھ تکلیفیں تم کو پہنچتی ہیں تمہارے اعمالِ بد کا ثمرہ ہے اور وہ بھی کسی قدر ورنہ بہت سے تو وہ درگزر کرتا ہے نیکوں پر جو دنیا میں مصائب آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ صرف ان کی آزمائش یا رفعِ درجات کے لیے ہوتے ہیں دنیا کی بھٹی میں یہ ان کے جوہرِ نورانی چمکانے کے لیے آنچیں یا تاؤ دیے جاتے ہیں ہاں انسان کے اعمالِ بد بھی مصائب بن کر اس کے متنبہ کرنے کو اس پر گرتے ہیں اور بلاؤں کے تازیانوں سے ادب و اصلاح سکھائی جاتی ہے۔ افسوس اس پر بھی یہ غافل کروٹ تک نہیں بدلتا اور بعض تکالیف جسمِ طبعی پر عناصر و دیگر اسباب کے نمودار ہونے اور اثر کرنے سے ہوتی ہیں جیسا کہ برسات میں گھاس کا سبز ہونا' خریف میں خشک ہو جانا سردی گرمی کا اثر حیوانات واطفال پر بھی پیش آتا ہے پس اس کو کسی اگلے جنم کا خمیازہ سمجھ کر تناسخ کا قائل ہونا اقسام مصائب سے بے خبری اور باہم تمیز نہ کرنے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد ان سرکشوں کو جو تازیانہ الٰہی سے محفوظ رہنا اپنے زور و شوکت و حشمت و مال و جاہ کی وجہ سے خیال کرتے ہیں متنبہ کرتا ہے وما انتم الخ کہ زمین پر تم ہم کو ہرا سکو گے نہ ہمارے بس میں سے باہر ہو سکو گے اور جو تم کو اپنے خیالی معبودوں کا گھمنڈ ہے تو وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی و مددگار نہیں یہ محض توہمات باطلہ ہیں کہ ہمارے فلاں دیوتا یا دیوی یا فلاں بزرگ ان کی نذر و نیاز کرنے سے ہم کو مصائب سے بچالیں گے۔

اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ و فیضِ عامہ کا نقشہ بندوں کی آنکھوں میں اپنی ایک روزمرہ کی کبریائی سے کھینچتا ہے جس کا مواجہہ و معائنہ ہر دریائی سفر میں ہوتا ہے فقال وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِي الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ کہ دیکھو اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے جہاز ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح بلند کھڑے ہیں اور پانی پر ایسے اجسامِ ثقیلہ اس طرح سے چلتے پھرتے ہیں کہ جس طرح مویشی زمین پر دوڑتے پھرتے ہیں ہوا اور پانی کو ان سے کس طرح مسخر کر دیا اور اس نے تم کو علوم سکھا دیے بایں ہمہ اگر ہوا کو (اس میں دھواں اور بھاپ بھی شامل ہے کہ جس کے زور سے آگبوٹ انجن کے ذریعہ سے چلتا ہے) تھام دے تو کھڑے رہ جاویں چلنے نہ پاویں البتہ اس میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں سفرِ دریا میں تکالیف بھی پہنچتی ہیں اور اخیر راحت و کامیابی بھی اس لیے صبار و شکور فرمایا اور چاہے تو ان کے گناہوں سے ان کو غرق کر دے سارے علم و فن دھرے رہ جاویں پر وہ بہت سے درگزر کرتا ہے اور ہماری آیتوں میں جھگڑنے والے دل میں اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ان کو عتابِ الٰہی اور اس کی بلاؤں سے کوئی پناہ نہیں مگر پھر بھی اپنی بدکرداری سے باز نہیں آتے۔

فَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنۡ شَيۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ يَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا

الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۪ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡيُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾

پھر جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا اسباب ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور سدا رہنے والا ہے یہ ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیا کرتے ہیں اور (وہ غیرت مند بھی ہیں) جب ان پر حملہ ہوتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں۔

ترکیب : فما موصولۃ متضمنۃ لمعنی الشرط لان ایتاء ما اوتوا سبب للتمتع بہ فی الدنیا فجاءت الفاء فی الجواب فمتاع ای فھو متاع وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ موصولۃ مع صلتھا فی محل الرفع لکونہ مبتداء خیر وابقی خبرہ والذین فی موضع خبر بدلا من الذین امنوا کبائر جمع کبیرۃ ھم مبتداء یغفرون خبرہ والجملۃ جواب اذا و الشوریٰ مصدر شاورۃ مثل البشری والقربی والجمل کلھا من الَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الخ بدل من الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا۔

تفسیر : دنیا حسبِ مراد حاصل نہ ہونے اور مصائب نازل ہونے کی وجہ بیان فرما کر اب دنیا کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس کے غرور میں انسان خدا سے سرکشی کرتا ہے اور تلف ہونے اور نہ ملنے پر کیا بے چین ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کیسی کیسی بدگمانیاں کرتا ہے فقال فَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنۡ شَيۡءٍ الخ کہ جو کچھ دنیا کی نعمتیں تم کو دی گئیں وہ بے حقیقت چیزیں ہیں متاع یعنی چند روز برتنے کا اسباب ہے وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ الخ اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے ثوابِ اطاعت اور اس کی جزاء جنت اور وہاں نعمتیں اور سرورِ ابدی وہ بہتر ہے کیونکہ ان سے جو کچھ راحت حاصل ہے وہ بے مشقت ہے اور دنیا کے اسباب سے راحت بھی کلفت پر مبنی ہے اور نیز کجا عالمِ قدس کی چیزیں کجا عالمِ خسیس کی چیزیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور نیز وہ باقی ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی یہ فانی ہیں اور وہاں کی جوانی و حسن دائمی ہے وہاں کے اسبابِ معیشت بھی ابدی ہیں۔ مگر یہ نعمتیں کس کے لیے ہیں؟ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں یہ اول صفت ہے۔ ایمان کے بعد توکل جمیع حسنات کا اصل اصول ہے خیرات و نماز و روزہ جہاد وغیرہ حسنات سب توکل ہی پر مبنی ہیں کیونکہ ان سب میں اللہ ہی پر بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی جزاءِ خیر دے گا۔ (۲) وَالَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ وہ جو کبیرہ گناہوں اور پھر ان میں سے بھی فواحش سے بچتے ہیں کہ کبائر کی تفصیل صحیح حدیث میں آچکی ہے کہ وہ سات ہیں شرک باللہ و سحر و قتلِ ناجائز' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جہاد میں سے بھاگنا' پاکدامنوں پر تہمت لگانا (متفق علیہ) اور بھی کبائر احادیثِ صحیحہ میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ چوری' زنا' جھوٹ بولنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرائض کا ترک کرنا اور محرمات کا عمل میں لانا کبیرہ ہے اور فواحش سے مراد زنا و لواطت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان کی تین قوتیں ہیں اول نفسانی اس کے متعلق یہ گناہ ہیں چوری' جھوٹ بولنا' ماں باپ کی نافرمانی وغیرہ اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ يَغۡفِرُوۡنَ کہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کرتے ہیں مگر یہ تینوں اقسام کبائر میں داخل ہیں عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا آیا ہے۔ ان میں ایمان کے بعد عملی حصہ پورے طور پر آ گیا مگر ان میں سے بعض بعض کی پھر تخصیص کی جاتی ہے فقال وَالَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ کہ وہ اپنے رب کا کہا کرتے ہیں جو حکم آتا ہے بسر و چشم قبول کرتے ہیں یہ (۳) صفت ہے (۴) اَقَامُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرتے ہیں (۵) اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ اپنے دنیاوی امور کو مشورہ سے کرتے ہیں۔ مشورہ میں دینی و دنیاوی

برکتیں رکھی ہوئی ہیں اسلامی سلطنت خلفاءِ راشدین کے عہد میں مشورہ ہی پر مبنی تھی اس میں قطع نظر بیشمار فوائد کے ایک باہمی اخوت ومحبت کا زیادہ ہونا ہے جس کے سبب سینکڑوں راحتیں اور نیکیاں نصیب ہوتی ہیں۔ (۶) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ خیرات کرتے ہیں (۷) وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ الخ جب کوئی ان پر سرکشی کرتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں۔ یعنی غیرت وحمیتِ دینی بھی رکھتے ہیں۔ اس پر بھی صدہا مصلحتوں کا دارومدار ہے عفو کے مقابلہ میں بدلہ لینا یہ بھی صفاتِ حمیدہ میں گنا۔ یہ تعارض نہیں کیونکہ عفو اس کے حق میں ہے کہ جس سے آیندہ جرأت کرنے کی امید نہ ہو اور بدلہ لینا اس سے جس سے آیندہ جرأت وبیباکی کا خطرہ ہو۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع

اور برائی کا بدلہ اسی قدر برائی ہے پھر بھی جو معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے کیونکہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو کوئی ظلم اٹھانے کے بعد بدلہ بھی لے لے تو ان پر کوئی الزام بھی نہیں۔ الزام تو اس پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق زیادتی کرتے پھرتے ہیں یہی ہیں کہ جن کو عذاب الیم ہوگا اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

ترکیب : وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ بالاضافۃ مبتداء سیئۃ مع صفتھا خبرہ، فَمَنْ شرطیۃ عفا واصلح شرط فاجرہ الجملۃ جواب الشرط، ویمکن ان یکون موصولۃ متضمنۃ لمعنی الشرط وقس علیھا، ولمن انتصر ولمن شرطیۃ صبر وغفر فی محل الجزم بھا ان ذلک الجملۃ جواب الشرط وقد حذف الفاء۔

تفسیر : معاف کرنے اور بدلہ لینے کا تذکرہ آ گیا تھا اس لیے اس کی تشریح کرنی مناسب ہوئی فقال وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کہ ہم نے پہلے جو بیان فرمایا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ اس بدلہ لینے سے یہ مراد نہیں کہ جس نے کچھ یا ایک محدود تعدی کی ہو تو بدلہ اس سے ایسا لیا جاوے کہ جوش وطیش میں آ کر اس کو برباد کردیا جاوے اور بیحد اس پر تعدی کی جاوے بلکہ بدلہ لیا جاوے تو اسی قدر کہ جس قدر اس نے تعدی کی ہے۔

اگرچہ رحمدلی اور فروگذاشت اور معافی دینا ایک عمدہ بات ہے ہر قوم وہر ملت میں سلیم الطبع انسان اس کو اچھا جانتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی متعدد جگہ اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہیں آیات میں کئی جگہ اور پہلے بھی اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ عیسائیوں کی انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول منقول ہے کہ جو تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کردے مگر جب غور کیا جاتا ہے تو دنیا میں مختلف الطبائع لوگ پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ ایک دوبار جو کوئی ان پر زیادتی کرلیتا ہے تو برداشت کر جاتے ہیں مگر پھر جو کوئی قصداً بھی کرتا ہے تو وہ حلم سابق غضب کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں نہ اور کی زیادتی کی ان کو مطلقاً برداشت ہے ذرا چھیڑا تو آگ ہوگئے اور ایسے بھی ہیں کہ کبھی ان سے بمقتضائے بشریت

زیادتی ہو جاتی ہے تو اس پر خود ہی نادم ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اگر دوسرا نرمی کرتا ہے تو ندامت کے دریا میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زیادتی پر معافی دینا اور نیکی اور نرمی سے پیش آنا بہت ہی مناسب ہے بلکہ ان کو عمر بھر کے لیے دوست بنالیتا ہے اور بعض ایسے بھی کینہ طبیعت ہوتے ہیں کہ زیادتی کر کے فخر کرتے ہیں اور ان سے بدلہ نہ لیا جاوے تو ان کو ہر کسی پر زیادتی کرنے کا حوصلہ ہو جاتا ہے پھر ان بدمعاشوں سے آبرو بچانا مشکل پڑ جاتا ہے پھر جو علام الغیوب طبائع بشریہ سے واقف ہے اپنے فرمان میں سب کے لیے یکساں حکم کیونکر دے سکتا ہے اور طبائع بشریہ اس کے کیونکر پابند ہو سکتے ہیں؟ اس لیے اول الذکر کے لیے عفو ودرگزر کا حکم دیا ثانی کے لیے بدلہ لینے کا حکم دیا مگر بدلہ بھی عدل وانصاف کے ساتھ کہ زیادتی نہ ہونے پاوے۔ یہ احکام فقیہہ کے لیے ایک بڑا اصل الاصول ہے۔ ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ کاٹنا کان کے بدلہ میں کان اور قتل کے بدلہ میں قتل اور مال کے نقصان کے بدلہ میں اس کا معاوضہ کتب فقہ میں اس پر بہت سے مسائل متفرع کیے ہیں۔ جن کا یہاں ذکر کرنا تفسیر کو فقہ کی کتاب بنادینا ہے برائی کی جزاء کو جو در اصل برائی نہیں اس لیے برائی کہا گیا کہ ظالم کے حق میں تو یہ برائی ہے مگر اس کے بعد بھی طبائع حلیمہ کا لحاظ کر کے یہ فرمادیا فَمَنْ عَفَا الخ کہ جو اس سے درگزر کرے گا اور جو دونوں میں صلح کرا دے گا تو اس کا اجر اللہ دے گا مگر بدلہ لینے والے کے لیے بھی یہ کہہ دیا وَلَمَنِ انْتَصَرَ الخ کہ اس پر کوئی الزام نہیں ہاں الزام ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے پھرتے ہیں چوری ڈکیتی کرتے ہیں ان کو دنیا وآخرت میں عذاب الیم ہے دنیا میں سزا سخت آخرت میں جہنم مگر اس کے بعد بھی پھر عفو کے پہلو کو ترجیح دیتا ہے وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ کہ معاف کرنا صبر کرنا بڑی عمدہ بات ہے۔ ع

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

قانونِ معدلت اور باخدا حلیم لوگوں کی طبائع کے کلام کی کس طرح سے رعایت رکھی گئی ہے؟ یہ کمالِ اعجاز اور منجانب اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ۚ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۚ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں (اے مخاطب!) اور تو ظالموں کو دیکھے گا جبکہ وہ عذاب دیکھ کر کہیں گے (دنیا میں) پھر کر جانے کا بھی کوئی رستہ ہے اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ آگ کے سامنے لائے جائیں گے ذلت سے ڈرتے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے کہ خسارے میں تو وہی ہیں کہ جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی ہار دیا، دیکھو ظالم ہمیشہ کے عذاب میں ہیں اور ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی نہ ہوگا کہ ان کو بچاوے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی بھی رستہ نہیں۔

ترکیب : وتری من الرؤیۃ البصیریۃ الظالمین مفعول بہ لما شرطیۃ یقولون جواب والجملۃ حالیۃ خاشعین حال من الضمیر المفعول فی تراھم من الذل ای من اجلہ من طرف خفی من لابتداء الغایۃ ای یبتدی نظرھم الی النار والطرف الخفی النظر بالسارقۃ لحیۃ الخوف۔

تفسیر : معاف وصبر کرنے کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بڑے کاموں میں سے ہے۔ ہدایت پانے والوں کو یہ باتیں نصیب ہوتی ہیں اس موقعہ پر ازلی گمراہوں کا اور ان پر جو کچھ وہاں پیش آوے گا اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوا۔ فقال وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ الخ کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کو پھر کون حمایت کر کے راہ پر لاسکتا ہے۔ بدنصیبوں کی نہ صرف عفو وانتقام میں ناراستی وکجروی ہوتی ہے بلکہ ان کے ہر کام بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اخروی نتائج کا ذکر فرماتا ہے وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ الخ کہ تو حشر میں ظالموں کو بری حالت میں دیکھے گا وہاں دنیا میں واپس آنے کا رستہ ڈھونڈیں گے مگر پھر وہاں سے کون آسکتا ہے؟ آج ہی کچھ کرنا تھا تو کر لیتے۔ وتریٰ اور آپ ان کو دیکھیں گے مجرموں کی طرح سے بڑی ذلت وخواری کے ساتھ آتش جہنم کے سامنے لائے جاویں گے' آگ کو کن انکھیوں سے دیکھیں گے' آنکھ سامنے کر کے دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور ایماندار ان کو یہ سنائیں گے (جیسا کہ دنیا میں مجرم کو جیل خانے جاتے ہوئے ملامت کیا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بدنصیب تھا) کہ خسارہ میں یعنی بدبختی اور محرومی میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے آپ کو اور اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو برباد کر دیا۔ آپ تو جہنم میں گئے ہی تھے اپنے ساتھ گمراہ کر کے ان کو بھی لے گئے۔ اور اگر ان کے گھر والے دولت ایمان سے بہرہ مند تھے جنت کے مستحق ہیں تو بھی ان کی طرف سے خسارہ میں پڑنا ہے کس لیے کہ وہ جنت میں اور یہ جہنم میں ابدی جدائی نصیب ہوئی' دیکھو ظالموں کو دائمی عذاب ہے۔ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور وہاں ان کا کوئی معبود ان کے کام نہ آوے گا کہ ان کو اس مصیبت سے بچا سکے یہ تمام مصائب اخروی سن کر اور کس سے؟ اس سے کہ جس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا اور صدہا امارات اس کے صدق کے دیکھ چکے یہ بھی خیال نہ آیا کہ (شاید اس کا کہنا سچ ہو) کچھ تو بندوبست وفکر کرنی چاہیے اور جن باتوں سے وہ منع کرتا ہے ان کو عقل سے نہ دیکھا کہ دراصل وہ برے ہیں یہ بھی نہ سوچا کہ ہم محض تقلید آبائی ورسم رواج قوم سے اور نیز ان حمقاء کے ڈھکوسلوں سے جو خواہ مخواہ سردار اور پیشوا بن بیٹھے ہیں عمل میں لاتے ہیں یا کچھ ان کی اصل بھی ہے اور یہ بھی خیال نہ کرتا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے آخر مر کر کہیں جاتا ہے اور وہاں جا کر یہاں کے اعمال کی جزاء وسزا پانا ہے یا مر کر مٹی میں مل جانا اور نیست ونابود ہو جانا ہے نہ جزاء اور سزا ہے نہ دار وگیر ہے اور اگر یوں ہی ہے تو بھی اس رسول کی بات مان لینے میں کیا حرج ہے؟ یہ ازلی گمراہی ہے تقدیر ازلی نے ان کی قسمت میں بہتری نہیں لکھی۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو اس کے ہدایت پر آنے کا کیا رستہ ہے؟ فائدہ: یہاں آیا ہے يَنْظُرُوْنَ کہ وہ دیکھیں گے حالانکہ ایک جگہ یہ آیا ہے وَنَحْشُرُهُمْ اِلٰى عُمْيًا کہ وہ اندھے اٹھیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب قبروں سے اٹھیں گے تو کفار اندھے اٹھیں گے پھر دیکھنے لگیں گے اور یہ بھی ہے کہ اس جہاں کی راحت دیکھنے سے اندھے ہوں گے ان کو وہاں کے عیش وعشرت کے سامان کا دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا

رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اس دن کے آنے سے پہلے اس کا کہا مان لو جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن تمہارے لیے نہ کوئی بچاؤ کی جگہ ہوگی اور نہ تم انکار کر سکو گے۔ پھر بھی اگر نہ مانیں تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر بھی نہیں بھیجا ہے۔ آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اور جب ہم انسان کو اپنی کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر ان کے اعمال سے کوئی مصیبت پڑ جاتی ہے تو انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔ اللہ ہی کا راج ہے آسمان اور زمین میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ تو خبردار قدرت والا ہے۔

ترکیب : من اللہ صلۃ لامرد وقیل صلۃ یاتی ای یاتی یوم من اللہ لایمکن ردہ۔ اذا شرطیہ فرح بہا جواب وان شرطیہ والجواب یعنی النعمۃ راسا واقیم مقامہ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ لانہ علۃ الجزاء عقیما الخ بدل من یخلق بدل البعض۔

تفسیر : کفار کی حالت مذکورہ کو ازلی تقدیر کا باعث بنا کر اطاعت وفرمانبرداری کا ارشاد فرماتا ہے فقال اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ کہ اپنے رب کا کہا مانو جو تم کو راہ راست کی طرف بلاتا ہے مِنْ قَبْلِ الخ اس دن سے پہلے کہ تم پر اللہ کی طرف سے کوئی دن آوے اور وہ کسی کے ٹالے سے نہ ٹلے۔ اس دن سے مراد موت کا دن ہے یا قیامت کا دن اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی اور نہ انکار کی گنجائش ہوگی۔ نکیر کے معنی اوپری کے بھی ہیں جو پہچانا نہ جاوے یعنی اس دن کوئی ہیئت بدل کر بے پہچان ہو کر بھی نہ بچ سکے گا۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا الخ پھر اگر اب بھی نہ مانیں تو اے محمد (ﷺ) تم کو ان کے اعمال کا محافظ بھی بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ آپ سے باز پرس کی جائے اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ تم پر تو صرف حکم پہنچا دینا ہے اب آیندہ اپنے کیے کا یہ پھل پاویں گے۔ اس میں رسول کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اس کے بعد ان کے تمرد واصرار کا باعث بیان فرماتا ہے وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا کہ انسان کی جبلی بات ہے جب اس کو اپنی کوئی نعمت چکھا دیتے ہیں تو اس کے سبب وہ اترا جاتا ہے۔ واقعی بات ہے کہ جہاں اس نے فراخدستی اور کامیابی پائی تو آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر یہ کس کی سنتا ہے پھر تو یہ ہے اور اس کی ملحدانہ چرپری چکنی باتیں اور گردن ہلا ہلا کر اور ہنس ہنسا کر لمبی چوڑی تقریریں اور بڑے بڑے لکچر۔ پھر کیسا رسول اور کہاں کی قیامت اور خدا بھی ایک برائے نام (معاذ اللہ)۔ حوصلہ بھی یہ ہے کہ اَذَقْنَا یعنی چکھانا فرمایا تھوڑا سا دیا جانا جو نعماء اخرویہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے اگر کھلائی جاویں یعنی نعماء ابدیہ عطا ہوں تو جانے کیا کرے مگر ناصبری اور بودے بھی ایسے ہیں وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اگر اس پر کوئی مصیبت آپڑے وہ بھی بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اس کے اعمال بد سے فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ تو حضرت ناشکر ہو جاتے ہیں کہنے لگتے ہیں کہ ہم پر بھی کوئی انعام الٰہی ہوا ہی نہیں۔ اس کے بعد اس پیٹ بھرے متکبر کو بتایا ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کو ہے تو اس کے آگے کیا چیز ہے اور تیری دولت وحشمت' اسباب تکبر کیا ہیں؟ اسی نے تجھ کو یہ چیزیں دی ہیں وہی چھین بھی سکتا ہے وہ رب الافواج ہے اس کی آسمانی فوجوں اور زمین کے لشکروں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے[1] تیرا غرور توڑنے کو اس کے پاس بہت

[1] آسمانی فوجیں ملائکہ اور آسمانی بلائیں بجلی اور اولے اور دیگر اجرام جو قوموں پر برسے اور زمین کے لشکر مخالفوں کی فوجیں جو خدا چڑھا لاتا ہے اور تند ہوائیں اور زلزلے اور طغیانی انہار ٹڈی و دیگر حشرات الارض وامراض صعبہ ہیضہ وطاعون بخار وذات الجنب والافلاس وغیرہ ...

چیزیں ہیں۔

اس کے بعد عالم میں اپنے مختلف تصرفات بتا کر یہ جتلاتا ہے کہ جو کچھ دیتے ہیں فقال یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ہم جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا الخ کہ جس کو ہم چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں لڑکے بخشتے ہیں کسی کو ہم دیتے ہیں دونوں کسی کو دونوں سے محروم رکھتے ہیں اِنَّهٗ عَلِیْمٌ ہر ایک کی مصلحت واسباب ذکورت وانوثت ہم ہی خوب جانتے ہیں باایں ہمہ قدیر قدرت بھی رکھتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ
رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ اَلَاۤ
اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿٥٣﴾ ع

اور کسی بشر کا بھی مقدور نہیں کہ اللہ اس سے (دوبدو) کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ اپنے حکم سے فرشتہ بھیج کر جو چاہے حکم پہنچادیتا ہے۔[1] وہ جو ہے تو عالیشان حکمت والا ہے اور اسی طرح سے ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا۔ آپ کیا جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے قرآن کو ایسا نور بنایا ہے کہ اس کے سبب ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور البتہ آپ جو ہیں تو سیدھا رستہ بتلاتے ہیں۔ اس اللہ کا رستہ کہ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں ہیں۔ دیکھو اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں۔

ترکیب : لبشر خبر کان ان مصدریۃ یکلمہ اللہ الجملۃ بتاویل المصدر اسم کان۔ الاوحیاء استثناء منقطع لان الوحی لیس بتکلیم اومن وراء حجاب الجار متعلق بمحذوف تقدیرہ او یکلمہ وھذا المحذوف معطوف علی وحی فتقدیر الکلام ان یوحی الیہ او یکلمہ او یرسل منصوب عطفا علی موضع وحیا وقیل فی موضع جرای بان یرسل ما کنت الجملۃ حال من الکاف فی الیک صراط اللہ بدل من صراط مستقیم المعرفۃ من النکرۃ۔

---

[1] مسئلہ نبوت اور الہام کی حقیقت بیان فرماتا ہے کہ عیاناً دوبدو کوئی بشر بھی خدا سے کلام نہیں کرسکتا مگران تین صورتوں سے اول یہ کہ دل میں کلام القا ہو بالالفاظ یا صرف بمعنی اول وحی متلو دوسری غیر متلو ہے۔ دوم یہ کہ حجاب نورانی کے پیچھے سے کلام کرسکتا ہو اور بشر جب ملکیت کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے تو خدا کا مقرب ہو جاتا ہے مگر پھر بھی نورانی حجاب درمیان حائل ہوتے ہیں جیسا کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کا خدا سے کلام ہوا اور دیگر اوقات میں بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر کلام ہوا۔ تیسرے یہ کہ فرشتہ یعنی جبرئیل کے ذریعہ سے جو چاہے پیغام پہنچائے جبرئیل جو ناموس اکبر ہیں ان سے تجرد میں نبی کو مناسبت ہوتی ہے اس لیے ان کو نظر آتے اور دکھائی دیتے ہیں اوروں کو نہیں مگر ان سب صورتوں میں بہیمیت اور شیطان کا گزر بھی نہیں ہوتا جو مصری اور گز کے مزے میں امتیاز کرسکتا ہے ہو وہ ادراک معنوی سے ان باتوں میں بھی امتیاز کرسکتا ہے اور خدا کا سامان بغیر ابتداء سے جاری ہے۔ حضرت ﷺ کو بھی اس نے وحی کی کہ لوگوں کی رہنمائی کریں ورنہ اس سے پہلے نہ آیت کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو۔ ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوتکم۔ ۱۲ منہ حقانی

تفسیر ...... وحی والہام کی بحث : یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ تھا کہ وہ جس کو چاہتا ہے یہ رتبہ عطا کرتا ہے۔ انبیاء سابقین کا نام اہل مکہ سن کر اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے۔ مگر نبی کا مرتبہ بشریت کے جامہ سے باہر تصور کرتے تھے اس خیال باطل کو جابجا قرآن مجید میں رد کیا ہے اور یہاں بھی اس کو رد کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلہ نبوت کی تشریح فرماتا ہے فقال وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ الخ کہ کسی آدمی کا خدا سے باتیں کرنے کا دنیا میں آمنے سامنے ہو کر مقدور نہیں الاوحیاً مگر ان تین طریقوں سے: اول یہ کہ کسی مبلغ کے واسطے سے نہ ہو مگر عین کلام الٰہی نہ سنا جاوے بلکہ مطالب ومضامین عام ہے کہ خاص الفاظ میں سے مقرر ہو کر یا اس کے الفاظ میں اس کو وحی کہتے ہیں اول قسم کو وحی متلو دوسرے کو وحی غیر متلو اور یا عین کلام بھی سنے۔ اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ سے یہ مراد ہے یہ دوسری قسم ہے اور یا یہ کسی مبلغ کے واسطے سے ہو اور اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ سے یہ تیسری قسم مراد ہے۔ گو تینوں وحی کے اقسام ہیں مگر ان میں سے اول کو القاء فی القلب کے معنی لحاظ کر کے وحی کہا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو کوہ طور پر کلام کیا تھا جیسا کہ خود فرماتا ہے وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا تو وہ بھی عیاناً نہ تھا کہ جس کی یہاں نفی کی گئی بلکہ وہ کلام کرنا ان تینوں قسموں سے ایک قسم پر تھا اول قسم سے ہو یا دوم سے ہر ایک قسم کی پھر کئی صورتیں ہیں مثلاً اول قسم خواب میں بھی واقع ہوتی ہے اور بیداری میں بھی مع الفاظ مقررہ یا بغیر الفاظ مقررہ کے ساتھ قرآن جو نازل ہوتا تھا تو بیشتر قسم اول پر تھا پھر دوسری قسم جس کو پس پردہ کلام سننا کہتے ہیں اس قسم پر بھی کلام اللہ نازل ہوا ہے مگر پس پردہ کے یہ معنی نہیں کہ خدا پاک کسی کوٹھری یا مکان میں پردہ ڈال کر باتیں کیا کرتا ہے بلکہ حجابات نورانی اس کے اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں اور ان حجابوں میں جو بندہ کو تجرد وانکشاف کامل اور روح پر تجلی کامل ہوتی ہے تو بوجہ نورانیت کے یہ شخص خدا تعالیٰ کی باتیں سننے لگتا ہے اور خدا تعالیٰ کی باتیں ان الفاظ واصوات سے مبرا ہوتی ہیں کہ جن میں جسمانیات کلام کرتے ہیں۔ عالم اجسام میں بھی تار برقی وآئینوں کے ذریعہ سے خوب باتیں کرسکتے ہیں جہاں کوئی خاص زبان اور اصوات ضروری نہیں ہوتے ہاں بعد میں ان کو مصطلح الفاظ میں لاسکتے ہیں اور نقوش مصطلحہ میں مقید کرسکتے ہیں۔ رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے کہ پس پردہ کلام کرنے والا شیطان یا کوئی خبیث روح ہو محض بے اصل ہے برگزیدہ خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے حواس ومدرکات باطنیہ حقائق الاشیاء میں اس سے زیادہ تمیز کرتے ہیں کہ جیسا عالم حسی میں ہمارے حواس خوشبو اور بدبو خوش رنگ اور بدرنگ خوش الحان وبدصورت نرم وسخت یا سرد وگرم میں کرتے ہیں اور جب تک یہ ہمارے حواس سلامت ہیں ان میں کوئی فتور نہیں کبھی دھوکا نہیں کھاتے عالم حسی کے حواس ومدرکات کا جب یہ حال ہے تو عالم روحانی کے مدرکات کا کیا کہنا ہے۔ اس لیے سورہ نجم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مازاغ البصر وما طغی کہ پیغمبر کی چشم باطنی نے غلطی نہیں کی اور تیسری قسم میں بھی فرشتہ جس کو ناموس اکبر یا جبرئیل کہتے ہیں بارگاہ قدس سے مطالب نفیسہ لاتا ہے اور پیغمبر کے دل میں آکر اترتا ہے کما قال نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ اور اسی قسم کی بابت ہے عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جبرئیل کسی آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر آتے اور کچھ بتا جاتے تھے مگر متشکل ہو کر قرآن مجید کا لانا کسی صحیح اور قوی روایت سے ثابت نہیں ہوتا اور ہونا بھی نہ چاہیے نہ اس لیے کہ اس میں احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی شیطان شکل بدل کر آیا ہو کس لیے کہ یہ التباس ہم کو ہو سکتا ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ کو جن کی چشم باطن حقائق الاشیاء میں امتیاز کرنے پر بدرجہ اکمل قادر تھی بلکہ اس لیے کہ کسی شکل میں ظاہر ہو کر آنا حواس ظاہریہ سے یہ زیادہ تعلق رکھتا ہے نہ کہ قلب سے جو ادراکات روحانیہ کا منبع ہے۔ اب یہ احتمال نکالنا کہ جبرئیل کو کسی درخت یا پتھر میں سے آواز آتی تھی کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے مطالب ادا کرنے کے لیے اس میں پیدا کردیتا تھا محض فضول بات ہے جو اسرار روحانیہ کے نہ سمجھنے سے پیدا کی گئی ہے اور ہمارے بیان سے یہ جھگڑا بھی اٹھ گیا کہ کلام الٰہی حروف واصوات سے مرکب ہے یا صفت قائم بذاتہ تعالیٰ ہے اور پھر قرآن مجید جو قدیم کہا جاتا ہے کیا اس کے یہ الفاظ وحروف اور یہ اقوام گزشتہ کے قصص بھی قدیم ہیں یا کیا؟

میں خواہ تینوں صورتوں میں سے کسی طور پر ہو ان کو حجاب ہیولانی دامنگیر نہیں ہوتے اور القاء ہونے کے بعد قوت وہمیہ اس میں خلل اندازی نہیں کرنے پاتی اس لیے کہ ان کے جواہر نفوس اعلیٰ درجہ کے مجلی ہوتے ہیں برخلاف ان سے کمتر درجوں کے لوگوں کے جو انہیں کے انوار سے منور ہوتے ہیں جن کو اولیاء اللہ یا محدث یا ملہم کہا جاتا ہے اس لیے ان کے الہامات ظنی گنے جاتے ہیں۔ اور ان کے الہامات میں یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ خود اس کے معنی کما ینبغی نہیں سمجھتے قوت وہمیہ جو ان کو اپنے مناسب قوالب میں ڈھال دیتی ہے اس سے انتزاع کرنے میں کہیں خود ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ ھذا وقد اطنبنا الکلام فی ھذا المقام لانہ من مزال اقدام الفحول الاعلام۔ ولنرجع الی تفسیر باقی الایات الشریفۃ۔

ان سب صورتوں کے بعد فرماتا ہے اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ کہ وہ نہایت برتر ہے کسی کے ادراک اور کسی کا فہم اس کی پوشیدہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور نیز عالم حسی میں کوئی آنکھ اور کوئی کان نہ اس کو دیکھ سکتا ہے نہ بالمقابل ہو کر بات سن سکتا ہے مگر حکیم ہے اپنی حکمت کاملہ سے بندوں کو اپنے سے اطوار مخصوصہ میں کلام کرنے کا شرف عطا کر کے اس کو اپنے بندوں کے لیے پیغامبر بنا کر بھیجتا ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی کرتا آیا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ روحامن امرنا اور اسی طرح سے اے محمد (ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح یعنی قرآن مجید وحی کیا۔ روح چونکہ حیاتِ جسم کا باعث ہے اسی طرح کتاب اللہ عالم کی حیات ابدیہ کا باعث ہے اس لیے لفظ روح کا اس پر اطلاق ہوا (یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے) بعض کہتے ہیں روح سے مراد جبرائیل ہے اس کی حکمت کا مقتضی تھا ورنہ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ آپ تو اس سے پہلے نہ کتاب جانتے تھے نہ ایمان۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وحی سے پہلے آپ کتاب یعنی قرآن کو نہ جانتے تھے مگر ایمان کے نہ جاننے میں کلام ہے کس لیے کہ بعثت اور وحی سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام مومن تھے کبھی کسی نے شرک نہیں کیا نہ زنا کیا نہ کوئی بدکاری اس کی علماءِ تفسیر نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے کہا ایمان سے مراد نماز ہے اور ایمان کا اطلاق نماز پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت میں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ای صلاتکم یعنی وحی سے پہلے آپ نماز اور اس کے ارکان و شروط سے واقف نہ تھے نہ شرائع معلوم تھے۔ بعض کہتے ہیں لفظ اہل محذوف ہے یعنی اہل ایمان کون کون ہوں گے آپ نہ جانتے تھے اور سہل توجیہ یہ ہے کہ ایمان سے مراد جمیع وہ امور ہیں کہ جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے بہت باتیں وحی سے پہلے معلوم نہ تھیں۔ فقیر کہتا ہے کہ گو ایمان کو جانتے تھے مگر وہ جاننا اس جاننے کے مقابلہ میں جو وحی کے بعد ہوا کالعدم ہے۔ دیکھو کوئی کامل استاد جب کسی طالب علم کو جو پہلے بھی کچھ پڑھا تھا تکمیل کے بعد یہ کہہ دیتا ہے کہ آپ پہلے جانتے بھی تھے کہ علم کیا ہے؟ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے اس سے ہم جس کو چاہتے ہیں صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ بتا دیتے ہیں اور اے محمد ﷺ تو بھی خود نور ہے سیدھی راہ بتاتا ہے اور وہ سیدھی راہ کیا ہے صراط اللہ کا رستہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور سب اختیارات اسی کو حاصل ہیں جو اس رستہ پر جو قرآن سے ثابت ہے (نہ کہ کسی اور رستہ پر) چلے گا اللہ کے پاس دار الخلد میں پہنچے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مع حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٣
وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝٤ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا
اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝٥ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝٦ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٧ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى
مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨

قسم ہے روشن کتاب کی ہم نے بنایا ہے اس کو عربی زبان کا قرآن تا کہ تم سمجھو اور یہ کتاب لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بلند مرتبہ (اور) حکمت والی ہے۔ کیا تمہارے سمجھانے سے ہم اس لیے مونہہ پھیر لیں گے کہ تم بیہودہ لوگ ہو۔ اور پہلے لوگوں میں بھی ہم نے بہت سے نبی بھیجے ہیں اور ان کے پاس ایسا کوئی نبی نہ آتا تھا کہ جس سے وہ ٹھٹھا نہ کرتے تھے۔ پھر تو ہم نے ان میں بڑے زور والوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی نظیریں چلی آتی ہے (ان کے واقعات ضرب المثل ہیں)۔

ترکیب : والکتاب من جمل حم قسما فالواو للعطف ومن لم یجعل فالواو للقسم و الکتاب مجرور بھا وانہ عطف علی انا فی متعلقۃ بعلی واللام لایمنع ذلک لدینا بدل من الجار والمجرور اَفَنَضْرِبُ الھمزۃ للاستفھام الانکاری والفاء للعطف علی محذوف ای نھملکم فنضرب عنکم الذکر والضرب ھذا بمعنی الترک یقال ضربت عنہ اذا ترکتہ قالہ الزجاج والفراء، وانتصاب صفحا علی المصدریۃ من معنی نضرب لان الصفح و الضرب معنی واحد وھو الترک والاعراض یقال صفحت عنہ اذا اعرضت عنہ۔ اوعلی الحال ای صافحین، وکم منصوب بارسلنا و بطشا تمیز وقیل مصدر فی موضع الحال من الفاعل۔

تفسیر : اس سورہ کا نام سورہ زخرف ہے۔ یہ بھی باتفاق علماء صحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی بیشتر توحید و رسالت و دار آخرت وغیرہ اصولِ نظریہ مذکور ہیں مکہ میں جس قدر قرآن کی سورتیں نازل ہوئیں ان میں عملیات کا بہت کم حصہ ہے بیشتر اعتقادیات ہیں۔ حم بھی انہیں مفردات میں سے ہے جو سورتوں کے ابتداء میں آتے ہیں جن کی بہت جگہ ہم تشریح کر آئے ہیں۔

ان آیات میں مسئلہ نبوت کا اثبات ہے فقال وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ عرب میں گو صدہا قبائح مروج تھے مگر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر قسم کھانا بہت ہی سخت گناہ سمجھا جاتا تھا اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا کبھی سرسبز نہ ہوگا۔ اس لیے حم خدا تعالیٰ کی ذات و صفات جلالیہ کا ذکر کر کے کتاب مبین کی قسم کھا کر یہ کہتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ کہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا تمہارے سمجھنے کو کتاب مبین سے مراد قرآن ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک قرآن بڑی عزیز چیز ہے اور ہر شخص اپنے عزیز و مرغوب چیز کی قسم کھایا کرتا ہے پس قرآنِ مبین کی قسم کھا کر قرآن مجید کی صداقت ثابت کرتا ہے۔ مبین بیان کرنے والا روشن اس کے بعد اور چند اوصاف قرآن مجید کے بیان فرماتا ہے (۱) وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا کہ یہ قرآن کوئی بے اصل اور تراشیدہ کتاب نہیں بلکہ یہ ہمارے نزدیک ام الکتاب یعنی لوح محفوظ علم الٰہی کا ایک جریدہ ہے۔ ثبت است بر جریدۂ عالم کتاب ما۔ (۲) عَلِيٌّ ہے بلند مرتبہ کتاب ہے اس کی مثل اور کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔ (۳) حَكِيْمٌ پرحکمت ہے اس میں جس قدر حکمتیں اور خوبیاں رکھی ہوئی ہیں وہ خود اس کی اصالت اور منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں۔ یہ سن کر جہلاء مکہ کہتے تھے کہ خدا کو ہمارے لیے کتاب بھیجنے کی کون ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے اَفَنَضْرِبُ الخ کہ کیا ہم تمہاری بیہودگی سے تم سے منہ موڑ کر بیٹھ جاتے تمہاری اصلاح نہ کرتے؟ کیونکہ ہم رحیم و کریم ہیں پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں وَكَمْ اَرْسَلْنَا الخ پہلے بھی انبیاء بھیجے ہیں اور لوگ ان سے ٹھٹھے کرتے رہے انجام کار ہم نے بھی ان میں سے بڑے سرکشوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی کہاوت چلی آتی ہے کہ وہ یوں برباد ہوئے اب تم بھی ڈرو انکار نہ کرو۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٩
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ
تُخْرَجُوْنَ (۱۱) وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ
وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ (۱۲) لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ
اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ
مُقْرِنِیْنَ (۱۳) وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (۱۴) وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ
ع الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ (۱۵)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ ان کو اللہ زبردست علم والے نے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہ جس نے زمین کو تمہارا بچھونا بنایا اور تمہارے لیے اس میں رستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ۔ وہ کہ جس نے آسمان سے اندازے کے ساتھ پانی اتارا پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو تازہ کیا تم بھی اسی طرح (قبروں) سے زندہ نکالے جاؤ گے اور اللہ وہ کہ جس نے ہر قسم کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے وہ کشتیاں اور چارپائے بنائے کہ جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ ان کی پیٹھ پر چڑھ کر اپنے رب کا احسان یاد کرو جبکہ تم ان پر خوب بیٹھ جاؤ۔ تو کہو پاک ذات ہے وہ کہ جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو اس کو بس میں نہیں کر سکتے تھے اور ہم کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور لوگوں نے اس کے بندوں کو اس کی اولاد ٹھہرا دیا۔ بیشک آدمی جو ہے تو صریح ناشکرا ہے۔

تفسیر : اب اور جواب دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اپنے انعام بیحد بھی یاد دلاتا ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دے کر توحید ثابت کرتا ہے اور ان انعام پر بندے کی اوروں کو شریک بنانے پر اس کی شکایت کرتا ہے۔ واللہ کیا بحرِ ذخار کلام ہے جس کے اندر سینکڑوں گوشوں میں ہزاروں دُرِ شہوار رکھے ہوئے ہیں اور کس طرح سے مسلسل کلام چلا آتا ہے فقال وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ اگر ان سے اے محمد (ﷺ) پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ تو کہیں گے اللہ نے جو زبردست حکمت والا ہے۔ پس جس نے تمہارے لیے آسمان اور زمین بنائے اور جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اور زمین کو تمہارا بچھونا بنایا کہ اس پر چلتے پھرتے ہو وجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا اور تمہارے لیے چلنے پھرنے کے لیے زمین میں راستے بنائے اور رستوں کے نشان قائم کیے ان کے پتے سے راہ نہیں بھولتے واللہ کہ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ جس نے آسمان سے ایک اندازہ سے پانی اتارا جس سے مردہ یعنی خشک زمین کو شاداب کیا اور قسم قسم کے اس میں درخت نباتات پیدا کیے۔ قال سعید بن جبیر الازواج الاصناف کلہا اسی طرح بار دیگر تم کو زندہ کرے گا قبروں سے نکالے گا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ اور دریا کی سواریاں کشتیاں بنائیں اور زمین کے چارپائے اونٹ، گدھا، گھوڑا، بیل، ہاتھی، خچر وغیرہ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ الضمیر راجع الی ما الموصولۃ قالہ ابو عبید۔ تاکہ تم ان پر سوار ہو اور سوار ہو کر اکڑو نہیں بلکہ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ الخ اپنے رب کا احسان یاد کرو اور یہ کہو سُبْحٰنَ

ا مشرکین نے ان دلائل پر بھی اس کی مخلوق میں سے اس کا جز بنا دیا۔ فرشتوں کو بیٹیاں بعض انبیاء کو بیٹا کہتے ہیں بعض اس کی ذات کا ٹکڑا کہتے ہیں کہ اس سے منفصل ہو کر بنا فلاں خدا کے منہ سے فلاں ہاتھ سے فلاں پاؤں سے بنا ہے۔ ہنود چاروں ذاتوں برہمن چھتری وغیرہ کے نسبت ایسا ہی کہتے ہیں اور یہ ثبوت دیا کرتے ہیں جزء کے معنی شریک کے بھی ہو سکتے ہیں کہ عبادت اور خدائی کا حصہ دار بنا دیا۔ حقانی

الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ کہ پاک ہے وہ کہ جس نے اس جانور کو ہمارے بس میں کر دیا اور یہ ہمارے بس کا نہ تھا مقرنین مطیقین یقال اقرن ھذا البعیر اذا اطاقہ ھذا قول ابن عباس ؓ۔ وقال الاخفش وابو عبیدۃ مقرنین ضابطین وقیل مماثلین فی القوۃ اور چونکہ سفر طے کرنے کے لیے یا کسی مسافت طے کرنے کے لیے سوار ہوا کرتے ہو یہ بھی سمجھ لیا کرو کہ اسی طرح یہ عمر بھی ایک سفر ہے اس کو طے کرنا اور اللہ کے پاس پہنچنا ہے اس سفر سے اس سفر کو یاد کر لیا کرو اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ وہیں سے آئے ہیں وہیں جانا ہے۔ مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و حاکم نے ابن عمر ؓ سے نقل کیا ہے کہ جب نبی ﷺ سوار ہوتے تھے تو تین بار تکبیر پڑھتے تھے پھر سُبْحٰنَ الَّذِیْ الخ تک یہ پڑھتے تھے۔

اس نے تو یہ یہ عنایتیں کیں مگر کفار و مشرکین نے یہ کیا وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۱ کہ اسی کے بندوں کو اس کا بیٹا بنا دیا کہہ دیا فلاں اس کا بیٹا ہے اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ آدمی صریح ناشکرا ہے اسی نے نبی اور کتاب بھیجی اس میں ضمنی طور پر مسئلہ توحید اور اپنے کمال و قدرت و صفاتِ کمالیہ کا ثبوت کر کے اصل بات کا بھی جواب دے دیا کہ جس نے تمہارے لیے یہ سامان کیے پھر وہ تمہیں گمراہی میں کس لیے پڑا رہنے دیتا یہ بھی اس کا ایک انعام ہے پھر اور انعامات پر نہیں کہتے کہ خدا کو ان کے بنانے سے کیا مطلب تھا؟ حالانکہ خود اقرار کرتے ہو کہ یہ چیزیں انسان کے نفع و قضاء حاجت کے لیے اس نے بنائیں پھر نبوت اور کتاب نازل کرنے کے امر میں یہ کہتے ہو کہ اس کو کیا غرض پڑی تھی کیا مطلب تھا کیا پروا تھی؟ نبوت و توحید کا کس عمدگی سے ثبوت کیا۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ (۱۶) وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا
ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ (۱۷) اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا
فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ (۱۸) وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ
عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَیُسْئَلُوْنَ (۱۹)
وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا
یَخْرُصُوْنَ (۲۰) اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ (۲۱) بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا
وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (۲۲) وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى
اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (۲۳)

کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں لے لیں اور تم کو بیٹے چن کر دیے اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جائے کہ جس کو رحمان کے لیے ٹھہراتا ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاوے اور دل میں گھٹ کر رہ جائے کیا اس کے لیے وہ ہے کہ جو زیور میں پلتی ہے اور جھگڑے میں بات بھی نہ کر سکے اور فرشتوں کو کہ جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں فرض کر لیا۔ کیا انہوں نے ان کو پیدا ہوتے دیکھا ہے ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا اور کہتے ہیں اگر رحمان چاہتا تو

ہم ان کو نہ پوجتے ان کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ محض اٹکل دوڑاتے ہیں کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس پر قائم ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی گاؤں میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے (یہی) کہہ دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں۔

ترکیب : بنات مفعول اِتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ حال منھا، مثلاً مفعول ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ متعلق بہ واذا شرطیۃ ظل الجملۃ الشرط وجہہ بالرفع علی القراۃ المشہورۃ اسم ظل مُسْوَدًّا خبرہ اومن فی موضع نصب تقدیرہ اتجعلون من ینشؤا قرء الجمہور بفتح الیاء واسکان النون وقرا ابن عباس والضحاک وحفص بضم الیاء وفتح النون وتشدید الشین قال الھروی الفعل علی القراۃ الاولی لازم وعلی الثانیۃ متعدی متعلق مبین وغیر لایمنعہ والجملۃ حال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اب یہاں اس کی اور زیادہ تشریح کرتا ہے فقال ام اتخذ الخ کہ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے لڑکیاں پسند کیں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے پسند کیے ہیں؟ یعنی یہ جو تم کہتے ہو کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یہ غلط بات ہے کیونکہ بیٹیوں سے بیٹے بہتر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ الخ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دیتا ہے تو غم کے مارے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور دل میں گھٹ جاتا ہے عرب بیٹیوں کا پیدا ہونا اپنی عزت کے خلاف جانتے تھے اس لیے قتل کر ڈالتے تھے اور خبر سن کر بڑا رنج ہوتا تھا پھر ایسی چیز تو آپ لے اور بیٹے تم کو دے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد سے جو فائدہ متصور ہوتا ہے کہ وہ میدان کارزار میں کام دے اور مجالس میں سیفِ لسانی سے کام لے۔ یہ بھی ان سے حاصل نہیں اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے او من ینشؤا الخ کہ کیا جو زیور میں اور آرائش میں پرورش پاتے ہیں (یعنی لڑکیاں) اور جھگڑوں میں گویائی سے عاجز ہیں کیونکہ عورت کی تربیت میں زیور و آرائش ہے جو مردانگی کے خلاف ہے اور شرم و لحاظ کی وجہ سے خوب بات نہیں کر سکتیں۔ وہ اس نے اپنے لیے پسند کی ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ زنانہ تجمل و آرائش مذموم ہے۔ اس کے بعد ایک اور دلیل سے ان کو رد کرتا ہے فقال وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں ان کو انہوں نے عورت بنا دیا جو ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں کیا انہوں نے ان کو پیدا ہوتے دیکھا ہے اس کی وہ شہادت دیں گے؟ اچھا دیں ہم ان کی شہادت لکھے لیتے ہیں اور ان سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ اس کے بعد ان کفار و مشرکین کا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور حجت میں ساکت کیے جاتے تھے ایک جواب نقل کرتا ہے جو محض جاہلانہ جواب ہے وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ان معبودوں کو نہ پوجتے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اس کی مرضی کے موافق ہے اس کا جواب دیتا ہے مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ انہیں مشیت اور مرضی کا فرق معلوم نہیں اس قضاء و قدر اور عالم اسباب کے مسئلہ کو یہ نہیں جانتے محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں کہ اس کی مشیت ہے تو مرضی بھی ہے اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ الخ کیا ان کے پاس اس بت پرستی کے جواز میں کوئی نوشتۂ الٰہی ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور جس کے یہ پابند ہیں نہیں۔ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے اِنَّا وَجَدْنَآ کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یوں کرتے دیکھا ہے ان کے طریقہ پر ہم چلتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ کہ یہ نئی بات نہیں ان سے پہلے بھی جہاں کہیں کوئی نبی آیا وہاں کے پیٹ بھروں نے یہی عذر کیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے پیرو ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

رسول نے کہا اگر میں تمہارے پاس اس سے بھی بہتر طریقہ لاؤں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو بھی باپ دادا کے طریقہ پر چلو گے وہ بولے جو کچھ تو لایا ہے ہم اس کو جانتے بھی نہیں پھر تو ان سے ہم نے بدلہ لے لیا پھر دیکھ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا اور یاد کرو جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ جس کو تم پوجتے ہو میں اس سے بیزار ہوں مگر جس نے کہ مجھے پیدا کیا (اس سے سروکار ہے) پھر وہی مجھ کو رستہ بھی بتا دے گا۔ اور ابراہیم اسی بات کو اپنے بعد باقی چھوڑ گئے (کلمہ توحید کی وصیت کر کے) تا کہ لوگ (دین حق کی طرف) رجوع کریں بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو رسایا بسایا یہاں تک کہ ان کے پاس دین حق اور صاف کہنے والا رسول (محمد ﷺ) آ گیا۔ اور جبکہ ان کے پاس سچا دین پہنچا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم تو اس کے منکر ہیں۔

ترکیب : قراء الجمہور قل و قرئ قال حکایۃ لما جری بین النذر وقومھم۔ ای قال کل نذیر لقومہ۔ الھمزۃ انکار وللعطف علی المحذوف ای تتبعون ذالک۔ وجواب لو محذوف۔ اِلَّا الَّذِيْ استثناء منقطع او متصل علی ان کلمۃ مافی مصاعم لانھم کانوا یعبدون اللہ والاوثان او صفۃ بمعنی غیر علی ان ما موصوفۃ ای اننی براء من الھۃ تعبدونھا غیر الذی فطرنی وَجَعَلَهَا فاعل جعل الضمیر یرجع الی اللہ او الی ابراہیم وھا الی کلمۃ التوحید التی قالھا ابراہیم۔

تفسیر : یہ بتایا ہے اس گفتگو کا جو انبیاء سابقین اور ان کی قوم میں ہوئی تھی کہ کیا جب تمہارے باپ دادا کے طریقہ سے اچھا اور ہدایت کا طریقہ ہم تمہارے پاس لاویں جب بھی تم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلو گے؟ اس کے جواب میں بھی کہہ دیا انا بما ارسلتم بہ کافرون ہم تمہاری سب باتوں کے منکر ہیں فانتقمنا منھم الخ پس ان سے بدلہ لیا ہلاک و برباد کر دیا پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا بدانجام ہوا۔

تقلید کا ذکر : اس کے بعد اس تقلید آبائی کے رد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے جو مخاطبین کے جدامجد تھے کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے طریقے کو جو ناپسند تھا چھوڑ دیا پھر اگر تم کو باپ دادا کی پیروی منظور ہے تو اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو اس نے اپنے باپ اور قوم سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں بجز اس کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا تمہارے معبودوں میں سے کسی کو نہیں مانتا وہی مجھ کو اپنے دین کا رستہ بتلاوے گا۔ دلیل چونکہ تقلید سے بہتر ہے اس لیے جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو (اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ) اس کے بعد تک خدا پرست قوموں میں قائم رکھا کیونکہ یہ کلمہ بمنزلہ لا الٰہ الا اللہ کے ہے اور موحدین کے پیشوا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد اس کلمہ کو باقی چھوڑا تا کہ لوگ شرک سے توحید کی طرف رجوع کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام و دلائل سماویہ کے مقابلہ میں بے سوچے سمجھے باپ دادا کی تقلید و پیروی حق کے خلاف میں کرنا مذموم ہے اور ایسی تقلید شرک و گمراہی ہے مگر ائمہ مجتہدین کے فتووں پر چلنا (جو ادلہ اربعہ کتاب و سنت اجماع و قیاس یعنی استنباط نصوص پر مبنی ہیں) یہ سمجھ کر کہ ناسخ و منسوخ اور ماؤل و مفسر مشترک وغیر مشترک کی شناخت موارد نصوص کی تخصیص و تعمیم احادیث میں صحیح و ضعیف کی پہچان یہ ہم سے زیادہ تر جانتے ہیں اور اہل توحید کا جم غفیر سلف سے خلف تک ان کو ان باتوں میں پیشوا جانتا آیا ہے محاورات عرب اور ان کے رسم و رواج

سے بھی یہ خوب واقف تھے باایں ہمہ اہل ورع و پرہیز گار تھے جو ایک خاص قسم کی تقلید ہے اس کو بھی اسی میں ملا کر شرک و بدعت کا حکم لگا دینا بڑی ناانصافی ہے۔

مشرکین ایک حجت یہ بھی قائم کیا کرتے تھے کہ اگر تقلید آبائی اور یہ بت پرستی عند اللہ بری ہے تو سینکڑوں برسوں سے یہ لوگ دنیا میں کیوں پھلتے پھولتے آئے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے بل متعت الخ کہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا میں اب تک پھلنے پھولنے دیا اس پر یہ پھول گئے اور اس بات کو حق اور رسول مبین کے مقابلہ میں پیش کرنے لگے اور دین حق اور رسول کو جادو کہہ دیا اور انکار کر دیا۔ یہ ان کی غلطی ہے کس لیے کہ دنیا کی برومندی اس کی ربوبیت کا مقتضی ہے یہ کوئی دلیل ان کے برحق ہونے کی نہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع

اور کہنے لگے کس لیے یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی سردار پر نہ نازل کیا گیا۔ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت بانٹنا چاہتے ہیں؟ ان کی روزی تو دنیا میں ہم نے ان میں بانٹ دی ہے اور ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو محکوم بنا کر رکھے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے کہ جس کو وہ جمع کر رہے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک طریقے کے ہو جاویں گے (کافر) تو جو اللہ کے منکر ہیں ان کے گھروں کی چھت اور ان پر چڑھنے کی سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی چاندی کے کر دیتے کہ جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور دوسری آرائش بھی دیتے اور یہ سب کچھ تو صرف دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے اور دار آخرت آپ کے رب کے ہاں پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

ترکیب: عظیم بالجر بدل من رجل لبیوتھم بدل باعادۃ الجار ای لبیوت من کفر و جمع الضمیر فی بیوتھم وافرد فی یکفر باعتبار معنی من ولفظہا سقفا قرأ الجمہور بضم السین والقاف فھی جمع سقف کرھن ورھن وقال الفراء ھو جمع سقیف کرغیف ورغف وقیل جمع سقوف فیکون جمعا لجمع۔ وقرء بفتح السین واسکان القاف فھو واحد فی معنی الجمع ومعارج جمع معرج بفتح المیم وکسرھا۔ ابوابا و سررا (جمع سریر) منصوبان بجعلنا ای جعلنا لبیوتھم ابوابا و سررا لمابھا بالتخفیف وقرئ بالتشدید فعلی الاولی ان مخففہ من الثقیلۃ وعلی الثانیۃ ھی النافیۃ ولما بمعنی الا۔

ل یعنی رسول اور قرآن کے ظہور تک یہاں تک وہ اسی میں مبتلا تھے کہ ان کے پاس رسول اور دین حق آ گیا ہے اور ہم کو قاضی شوکانی اور ابن القیم اور ان کے مقلدین سے کمال تعجب ہے کہ وہ باوجود علم اس بات کے کہ کتب اصول فقہ میں مسلم ہو چکا ہے کہ نص کے مقابلہ میں قیاس مجتہدین کوئی چیز نہیں کیسی جرات کرتے ہیں اور اہل اسلام کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس!

تفسیر: کفار مکہ کا آنحضرت ﷺ کی نبوت پر یہ بھی ایک بیہودہ شبہ تھا جس کو یہاں نقل کر کے جواب دیتا ہے فقال وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل ہوا۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ قریتین سے مراد ان کے دو شہر تھے مکہ اور طائف اور رجل عظیم یعنی بڑے عظیم شخص سے مراد وہ کہ جو بڑا مالدار، صاحب شوکت و جاہ ہو۔ مکہ میں ایسا شخص جو منصب نبوت کا مستحق دنیاوی مال و جاہ کے لحاظ سے ان حمقاء کے نزدیک سمجھا گیا تھا ولید بن المغیرہ تھا اور طائف والوں میں سے عروہ بن مسعود ثقفی۔ یہ کہنا تو ان کا درست تھا کہ کسی بڑے شخص پر قرآن اترنا تھا مگر یہ ان کی حماقت تھی کہ وہ بڑائی مال و جاہ میں منحصر جانتے تھے اور ان پر کیا موقوف ہے اب بھی حمقاء میں مال و جاہ دنیاوی پر بڑائی کا انحصار ہے خصوصاً بے دینوں کے نزدیک اب اس کے دو جواب دیتا ہے: اول اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ الی قولہ سُخْرِيًّا کہ جب دنیاوی مرتبوں میں ہم نے تفاوت کر دیا کہ جس کو کوئی اٹھا نہیں سکتا کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے کوئی مفلس ہے کوئی زردار جس کے سبب انتظام عالم ہو رہا ہے کیونکہ سب یکساں ہوں تو کوئی کسی کی اطاعت و خدمت کیوں کرے؟ تو دینی تفاوت کو وہ کیونکر اٹھا سکتے ہیں ہم جس کو چاہیں ولی اور جس کو چاہیں کافر و فاسق بنا دیں۔ اور یہ بھی ہے کہ مال جو کچھ کسی کو دیا ہے ہم نے اپنے فضل و کرم سے عطا کیا ہے پھر کسی کو مال دے کر کیا ہم نبوت دینے پر بھی مجبور کیے جا سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ نبوت بھی اسی کو دیں۔ پس ہم مختار ہیں ہم پر کسی کا دینا نہیں آتا کہ جس کو مال و جاہ دیں خواہ اس میں نبوت کی لیاقت ہو یا نہ ہو اس کو نبوت بھی عطا کریں۔ دوم: وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ یہ کہ مال و جاہ کی شرافت کو نیکی و سعادت ازلی کی شرافت سے بڑھ کر جاننا نادانی ہے۔ کس لیے کہ مال و جاہ لذاتِ دنیا کے حاصل کرنے میں کام آتا ہے جو محض فانی ہے اور یہ سعادت ازلی لازوال دولت ہے جو باقی ہے اور جس چیز کو وہ سمیٹ رہے ہیں یعنی مال اس سے بہتر ہے۔ پس اسی دولت کا مالا مال شریف اور بڑا ہے اور تمہارے عقیدہ کے موافق بڑے آدمی کو نبوت کا مرتبہ ملنا چاہیے تو وہ بڑے شخص نہیں بلکہ محمد ﷺ بڑے ہیں اس کے بعد دنیا اور اس کے کر و فر کی بے وقعتی بیان فرماتا ہے کہ جس پر وہ شیدا تھے اور جو ان کی آنکھوں میں بڑی چیز تھی فقال وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ الخ کہ دنیا کی ہمارے نزدیک کیا عزت ہے؟ صرف یہ بات نہ ہوتی کہ دنیا کا تجمل دیکھ کر سب یا اکثر لوگ کفر کی طرف راغب نہ ہو جاتے تو ہم کفار کو جو رحمان کے منکر ہیں اس جہان کے بدلہ دنیا میں اس قدر دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہاں تکیہ لگا کر بیٹھنے کو تخت بھی چاندی کا کر دیتے اور بہت آرائش کے سامان عطا کرتے مگر یہ سب کچھ دنیائے فانی کا چند روزہ اسباب ہے اور آخرت جو ہے تو پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے۔ وہاں ان کے لیے اس سے زیادہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے اگر دنیا کی اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی قدر ہوتی تو کسی کافر کو سرد پانی بھی نہ دیتا۔ (رواہ الترمذی) حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مومن کو دنیا سے اس طرح روکتا ہے کہ جیسا کوئی بیمار کو پانی سے روکتا ہے۔ (رواہ الترمذی) بے شک قیامت کے قریب کفار کو دنیا اور اس کے تجملات بکثرت دستیاب ہوں گے اور فسق و فجور میں مبتلا ہوں گے۔ یورپ کو دیکھو اسی بات کی مسلمانوں میں نہ ہونے سے نیچری کہتے ہیں کہ اسلام مٹ گیا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ

ل بعد المشرقین ای بعد المشرق والمغرب ومن عادۃ العرب تسمیۃ الشیئین [illegible] ۱۲ منہ

اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝٣٩ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٤٠

اور جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے اور شیاطین آدمیوں کو رستے سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ راست پر ہیں یہاں تک کہ آدمی جب ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا اے کاش مجھ میں اور تجھ میں مشرق اور مغرب کا فرق ہوتا پھر کیا برا ساتھی ہے۔ اور تم کو اس روز جبکہ تم مجرم قرار پا چکے یہ بات کچھ فائدہ بھی نہ دے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔ (اے محمد ﷺ) پھر کیا آپ بہرے کو سنا سکتے ہیں یا اندھے کو اور اس شخص کو جو صریح گمراہی میں ہے ہدایت کر سکتے ہیں۔

ترکیب : ومن شرطیۃ یعش العشو الاعراض والعدول ہذا قول الفراء والزجاج وقال الخلیل النظر الضعیف قراء الجمہور بضم الشین من عشا یعشو من نصر ینصر وقریٔ بفتح الشین من عشی یعشی۔ ای من سمع یسمع۔ وسقط الواو من الشرطیۃ۔ قال الجوہری العشا مقصور مصدر الاعشی ہو من لا یبصر باللیل والمراۃ عشوی نقیض جواب الشرط انکم بفتح ان علی ان وما بعدہا فاعل ینفعکم ویمکن ان یکون ضمیر التمنی وانکم لانکم۔ ومن کان عطف علی العمی باعتبار تغایر الوصفین۔

تفسیر : اب دنیا کا خراب نتیجہ بتاتا ہے ومن یعش کہ جب شہوات ولذات دنیا خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور جو اس کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک شیطان قائم ہو جاتا ہے جو اس کا ہر کاروبار میں ساتھی رہتا ہے اور اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ الخ اور شیاطین انسان کو راہ راست سے باز رکھتے ہیں اور لطف یہ کہ انسان اپنے آپ کو راہ راست پر جانتا ہے۔ اس نشہ میں یہاں تک مبتلا رہتا ہے کہ اذا جاءنا الخ ہمارے پاس آتا ہے مر کر یا قیامت میں تب یہ نشہ اترتا ہے اور اس کی برائی ثابت ہوتی ہے تو اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کاش تجھ میں اور مجھ میں مشرق و مغرب کا فرق ہو جاوے یعنی جس قدر مشرق سے مغرب دور ہے یہ مردود مجھ سے اتنا دور ہے وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ مگر آج کی بیزاری کیا فائدہ دیتی ہے جب کہ جو کچھ نہ کرنا تھا کر چکے اب وہ شیطان بھی اور اس کے ساتھی یہ بھی دونوں جہنم میں گرے۔ دنیا میں ایسا ساتھی پیدا ہوا تھا کہ اپنے ساتھ جہنم میں لے کر گرا۔

یہ شیطان جو یاد الٰہی سے غافل ہونے پر قائم ہوتا ہے شیطان جنی ہے جس کا مرکب اس کے بدن میں قوتِ شہوانیہ وغضبانیہ ونفسانیہ وجمیع قوائے بہیمیہ ہیں انسان جب یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے تو روح کا جو ہر نورانی اس مبدءِ فیاض ونور مطلق کی تجلی سے منور رہتا ہے نیک وبد کا کامل امتیاز رہتا ہے خدا کی سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ اس کے تمام کاروبار فطرت کے موافق سرزد ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام چونکہ ہمہ وقت یاد الٰہی میں رہتے ہیں شیطان سے محفوظ رہتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں اور جب یہ ادھر سے غافل ہوا قوائے بہیمیہ کی تاریکیاں اس پر ہر طرف سے محیط ہوئیں اور اس کو اندھا کر دیا اب اس کے جو کام ہوں گے خلاف فطرت ہوں گے اور ان سے اور بھی تہ بر تہ تاریکیوں کی اس پر چڑھتی جاویں گی اور اس کو ابد الآباد تک جہنم بن کر گھیرے رہیں گے جو جہل مرکب کا نتیجہ ہے یہاں تک کہ جب اس عالم سے کوچ کرے گا اور قوائے بہیمیہ کا انجن ٹھنڈا ہو جاوے گا تب اس کو اپنے مرض کی خبر ہوگی اور تاسف کرے گا مگر کیا فائدہ۔ دنیا کی محبت اور خدا سے غافل ہونے کے ساتھ یہ بلائیں لگی ہوئیں ہیں کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

زتو یک نفس جدا شدم شدہ صد بلا نصیبم
من و بے تو زندگانی نکند خدا نصیبم

پس جو ایسی تاریکیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے حواس باطنیہ بھی زائل ہو جاتے ہیں وہ اندھا ہوتا ہے کچھ نہیں دیکھتا بہرہ ہوتا ہے کچھ

نہیں سنتا۔ اب اس کو کسی کی نصیحت نفع نہیں دیتی۔ اسی بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ فقال اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کہ اے محمد (ﷺ) کیا تو ایسے بہرہ کو سنا سکتا ہے اور ایسے اندھے کو راہ بتا سکتا ہے اور اس کو جو ضلال مبین میں ہو راہ پر لا سکتا ہے؟ نہیں کس لیے کہ ان میں صلاحیت ہی نہیں رہی۔ اس مرتبہ کو ضلال مبین کہتے ہیں۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝٤١ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝٤٢ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٤٣ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔـلُوْنَ ۝٤٤ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝٤٥ ع

پھر اگر ہم آپ کو لے بھی جائیں (دنیا سے) تو بھی ہم ان سے ضرور بدلہ لیں گے اور اگر تجھے ہم وہ بھی دکھا دیں کہ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو ہم ان پر قادر ہیں پھر تو اس کو مضبوط پکڑے رہ کہ جو تیری طرف وحی کیا گیا تو جو ہے تو سیدھے رستہ پر ہے اور یہ قرآن تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے نصیحت ہے اور آگے تم سے پوچھا جاوے گا۔ اور پوچھ دیکھ ان رسولوں سے کہ جن کو تجھ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا اللہ کے سوا ہم نے اور بھی معبود پرستش کے لیے بنائے تھے۔

تفسیر : اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ایسے بہرے اندھے کو جو ضلال مبین میں گرفتار ہو تو ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسی حالت میں ان ازلی گمراہوں کو اور بھی جرأت ہوتا اور نبی کی تکذیب وایذا پر کمر باندھ کر اس کہنے کا موقع ملتا (کہ تجھ سے ہماری ہدایت ممکن نہیں اور ہم ایسے بدراہ ہیں تو تیرا خدا اپنے وعدہ کے موافق ہمیں کچھ سزا دیوے تاکہ تیری سچائی معلوم ہو کہ تو اس کا بھیجا ہوا ہے) قرین قیاس ہے۔ ان کی اس شوخ چشمی کا جواب دیتا ہے فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ الخ کہ اگر تجھے اے محمد (ﷺ) ہم دنیا سے لے جاویں کیونکہ تو اپنا کام جو تھا سو کر چکا اور یہ ایک روز ہونا ہے تو یہ نہیں کہ پھر ہم ان سے بدلہ نہ لیں یا تیری زندگی ہی میں تجھے بھی آنکھ سے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ ہوا ہے دکھا دیں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل مکہ کو اپنی نسبت فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور اندھا بہرا سننا سخت ناگوار گزرا اور قصد کیا کہ ان کو مار ڈالیں یا شہر سے نکال دیں اس کے ساتھ اس کے وہ وعدے بھی تمام ہو جاویں گے کہ جن سے ہم کو دھمکیاں دیا کرتا ہے۔ اس بات کا بیان کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے از انجملہ یہ ہے[1] اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ کہ تیرے مارنے یا نکال دینے کا قصد کرتے ہیں اور بدبخت لوگ جو مرتبہ ضلال مبین میں ہوتے ہیں باغوائی بئس القرین ایسا ہی کیا کرتے ہیں اپنے خیر خواہ ہونے کے ساتھ ان کی اس بات کا اس آیت میں جواب دیتا ہے کہ اگر انہوں نے ایسا ہی کیا کہ تجھے مار ڈالا یا نکال دیا فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ ان دونوں باتوں کو شامل ہے دنیا سے لے جانا یا مکہ سے باہر لے جانا۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے ہم ہر حال میں قادر ہیں کہ تیرے جانے کے بعد بھی ان کو عذاب دکھا سکتے ہیں اور تیرے روبرو بھی اور ایسا ہی ہوا کہ مکہ میں جب آپ تھے ان پر سات برس کا قحط پڑا۔ سب شرارت نکل گئی اور مکہ چھوڑنے کے بعد بھی جنگ بدر وغیرہ معرکوں میں ان پر وہ مصیبتیں آئیں پس اے محمد (ﷺ)! آپ ان کی دھمکی کی کچھ پروا نہ کریں فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ آپ اس پر خوب مضبوط رہیں جو تیری طرف توحید ومکارم اخلاق وعبادت کی بابت وحی کیا گیا ہے۔ اور وہ جو تیرے رستہ کو برا اور الٹا تجھے گمراہ کہتے ہیں کہنے دو اِنَّكَ عَلٰي

[1] سورہ انفال رکوع ۴ وتمامہ واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک الآیۃ ۱۲

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بے شک آپ سیدھے رستہ پر ہیں۔

وَاِنَّهٗ اور یہ قرآن لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے ایک پند سود مند ہے اور خدا کو اور دار آخرت کو یاد دلانے والی اور سمجھانے والی چیز ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد شرف ہے کہ قرآن تیرا اور تیری قوم کا شرف اور پچھلی نسلوں کے لیے یادگار ہے۔ بے شک قرآن ہی کی وجہ سے قریش کا شرف دنیا میں مانا گیا اور یہی لوگ نبی کی خاص الخواص قوم بن کر خلافت اور جانشینی کے قابل قرار دیے گئے۔ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ مگر عنقریب تم سے سوال ہوگا پوچھا جاوے گا کہ تم نے اس پر کیسا عمل کیا اس امانت کی رعایت کیسی کی؟

مشرکین مکہ کی بہت سے گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے بت پرستی سے منع کرنا نیا کام ہے جو محمد (ﷺ) نے ایجاد کیا پہلے کسی نبی نے نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں بھی اس وقت نئی قسم کی بت پرستی مروج تھی ان کی تسلی فرماتا ہے وَاسْـَٔلْ الخ کہ پہلے رسولوں سے یعنی ان کے علماء سے تو پوچھو کہ کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود بھی پوجنے کے لیے مقرر کر دیے ہیں؟ ان کے علماء بھی نہیں کہیں گے کہ خدا نے متعدد معبودوں کے پوجنے کی اجازت دی ہے گو ان کے عوام شرک میں مبتلا ہوں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ
اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۚ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ
السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا
عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ
لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَمْ اَنَا
خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ
مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ ع ۱۱

اور ہم نے موسیٰ کو بھی اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ تب موسیٰ نے کہا میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان کی ہنسی اڑانے لگے اور ہم ان کو جو کوئی نشانی دکھاتے تھے تو ایک دوسرے سے بڑھ کر ہی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو جتانے مصیبت بھی کیا تا کہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں اور انہوں نے (عذاب آنے پر بھی یہی) کہا اے جادوگر! اپنے رب سے ہمارے لیے اس عہد سے کہ جو تجھ سے خدا نے کر لیا ہے دعا کر البتہ ہم ہدایت پر آ جاویں گے پھر جب ہم نے ان کی تکلیف دور کر دی تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور فرعون نے اپنی قوم میں

منادی کروا کے کہہ دیا کہ اے قوم! کیا مجھے مصر کی بادشاہت نہیں اور کیا یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے سے نہیں بہہ رہی ہیں۔ پھر تم کیا نہیں دیکھتے؟ کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے۔ اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا پھر کس لیے اس کے لیے سونے کے کنگن نہیں اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے اردلی میں آئے ہوتے۔ پس اس نے (ایسی باتوں سے) اپنی قوم کو احمق بنا دیا پھر وہ اس کے کہنے میں آ گئے کیونکہ وہ تھے ہی بدکار قوم۔ پھر جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا پھر تو ان سب کو ڈبو دیا۔ پھر ہم نے ان کو گزرے ہوؤں اور پچھلوں کے لیے نمونہ بنا دیا۔

ترکیب : بما عھد بعھدہ عندک من النبوۃ او من ان یستجیب دعوتک او ان یکشف العذاب عمن اھتدی او بما عھد عندک فوفیت بہ وھو الایمان والطاعۃ بیضاوی۔ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ جملۃ حالیۃ ویمکن ان یکون الانہار معطوفۃ علی مُلْكُ مِصْرَ وتجری حال منہا فَاسْتَخَفَّ ای حملھم علی الخفۃ وقال ابن الاعرابی المعنی فاستجھل قومہ فاطاعوہ سَلَفًا قرء الجمہور بفتح السین واللام جمع سالف کخدم وخادم وقرئ سلفا بضم السین واللام قال الفراء ھو جمع سلیف نحو سرر وسریر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَاسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا کہ پہلے رسولوں کا حال دریافت کر الخ اب ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ جو آپ سے بہت مناسبت رکھتا ہے اور وہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح کفار قریش نے حضرت ﷺ کی نبوت پر مال و جاہ نہ ہونے سے طعن کیا تھا اور کہا تھا کہ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اسی طرح فرعون نے باوجود معجزات دیکھنے کے بھی طعن موسیٰ کی نبوت پر کیا تھا کہ یہ ذلیل ہے اس کے پاس سونے کے کنگن نہیں جو تاجداری کی علامت تھی اور میں ایسا ہوں کہ ملک مصر کا مالک ہوں میرے حکم میں نہریں جاری ہیں۔ پس ایسی باتوں سے اس نے اپنی قوم کو بھی احمق بنا دیا۔ آخر سب غرق ہوئے اور پچھلی امتوں کے لیے ان کا قصہ یادگار اور مثال ہو گیا کہ فلاں ایسا جیسا فرعون اور یہ قوم فرعونیوں جیسا انجام ہوگا۔ عرب میں مشہور ہو گیا لکل فرعون موسیٰ یہ قریش مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ تم بھی وہی باتیں کرتے ہو جو انہوں نے کیں تھیں خبردار تمہارا بھی یہی حال ہونا ہے جو ان کا ہوا یعنی ہلاک و بربادی و خرابی۔ یہ تمام آیات کا خلاصہ ہوا۔ اب ہم الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا کہ ایک نشانی دوسری سے بڑھ کر تھی جو ان کو ہم نے موسیٰ کی معرفت دکھائیں۔ گو وہ نشانیاں سب ہی بڑھ کر تھیں مگر محاورہ میں جب کئی چیزوں کی تعریف کرنی ہوتی ہے تو یوں بھی بولتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر۔

اور وہ نشانیاں ید بیضا، عصا وغیرہ تو تھیں جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ ان پر مینڈکوں اور اولوں اور پانیوں میں خون پائے جانے کی بلائیں آئیں اور بھی آئیں تا کہ اپنی سرکشی سے باز آئیں۔ عذاب کے وقت میں بھی یہ شرارت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ اے جادوگر! اپنے رب سے کہہ اور اس کو وہ عہد یاد دلا کہ جو تجھ سے اس نے کیا ہے کہ جو مانے گا میں اس سے تکلیف دور کر دوں گا۔ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ کے یہ معنی ہیں۔ یا عہد سے مراد نبوت ہے یا دعا قبول کرنے کا عہد۔ ما مصدریہ یا موصولہ ہے اور ب سببیہ جب وہ تکلیف دور ہوئی تو پھر گئے۔ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ دریائے نیل میں سے متعدد نہریں نکالی گئیں تھیں تجری من تحتی وہ میرے محل کے نیچے بہتی ہیں یا میرے حکم میں ہیں اسورۃ من ذھب یعقوب و حفص نے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے یعنی کنگن اور اکثر نے اساورۃ پڑھا ہے وہ بھی اسوار بمعنی سوار کی جمع ہے۔ (بیضاوی) مصریوں میں دستور تھا کہ جس کو بادشاہ یا سردار بناتے تھے تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور گلے میں سونے کا طوق ڈالتے تھے یہ اس کی علامت تھی جیسا کہ ہندو راجوں میں اب تک ہے اور ان کی تقلید سے بعض سلاطین و امرائے اسلام ہند میں پہنتے ہیں۔ یعنی اس کے پاس خزانے و حکمرانی نہیں۔ نہروں اور پانی کا اس کو فخر تھا پانی ہی میں خدا نے اس کو غرق [1] کیا۔

---

[1] احمد و طبرانی و بیہقی و ابن ابی حاتم نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو کوئی نعمت دے اور بندہ گناہ و نافرمانی کرتا جاوے تو یہ خدا تعالیٰ کا اس کے لیے داؤ ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فلما اسفونا انتقمنا منھم فاغرقنا ھم اجمعین۔ ۱۲ منہ

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝۵۷ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ
اَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝۵۸ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ
اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۵۹ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ
مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝۶۰ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا
وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ۝۶۲ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ
بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۶۳ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۴ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۶۵ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ
تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۶۶ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ
اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝۶۷ ع ۱۲

اور (یاد کرو) جبکہ ابن مریم (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو اس سے آپ کی قوم اکڑنے لگی اور کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ یہ ذکر آپ سے صرف جھگڑنے کے لیے کرتے ہیں بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو قوم۔ وہ تو ہمارا ایک بندہ ہے کہ جس پر ہم نے کرم کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنا دیا تھا اور اگر ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے بنا دیں کہ زمین پر کیے بعد دیگرے رہا کریں اور البتہ عیسیٰ جو ہے تو قیامت کی ایک نشانی ہے پس تم اس میں شبہ نہ کرو اور میرا کہا مانو۔ یہ ہے سیدھا رستہ۔ اور تم کو شیطان نہ روکنے پاوے کیونکہ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے اور جبکہ عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے۔ کہنے لگے کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے بھی آیا ہوں کہ بعض وہ باتیں بیان کروں کہ جن میں تمہارا اختلاف ہے پھر اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ بے شک اللہ جو ہے تو وہ میرا اور تمہارا رب ہے پھر تم اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا رستہ ہے۔ پھر لوگ باہم مختلف ہو گئے پھر ظالموں کو خرابی ہے سخت دن کی سزا سے۔ کیا وہ قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ ان پر یکا یک آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو اس دن دوست بھی آپس میں دشمن ہو جائیں گے مگر پرہیزگار لوگ۔

تفسیر: جبکہ یہ فرمایا کہ پہلے انبیاء سے دریافت کرو اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال بیان فرمایا تو بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بطور معارضہ کیا کہ دیکھو عیسائی اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کو خدا اور خدا کا بیٹا جانتے ہیں پھر آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ پہلے انبیاء سب توحید کے مروج تھے۔ عیسائیوں کا طریقہ عیسیٰ پرستی انہیں کا قائم کیا ہوا ہے۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں تو ہمارے معبود ملائکہ وغیرہ ان سے کم نہیں بلکہ بہتر ہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ ان مشرکین کی یہ بیجا حجت نقل کر کے جواب دیتا ہے جیسا کہ ان کے اور اقوال

باطلہ کا جواب دیتا چلا آتا ہے فقال ولما ضرب ابن مریم مثلاً یعنی جبکہ ابن مریم عیسیٰ کی مثال بیان کی گئی۔ قرآن مجید میں مثال بیان کرنے والے کا نام نہیں۔ مگر جمہور مفسرین کہتے ہیں وہ عبداللہ بن زبعریٰ تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہوا۔ اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ اس مثال کے بیان کرنے سے تیری قوم خوشی میں آ کر غل مچاتی ہے۔ اور کہتے ہیں ہمارے معبود ملائکہ وغیرہ بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ؟ یعنی اس سے ہمارے معبود بہتر ہیں پھر جب اس کی پرستش جائز ہے تو ہمارے معبودوں کی پرستش کیوں نہ جائز ہوئی؟ یہاں تک تو ان کی گفتگو تھی اب اس کا جواب دیتا ہے مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا۔ کہ یہ مثال ان کی محض ناحق شناسی سے ہے اور بیجا ہے یہ لوگ ناحق جھگڑا کرنے والے ہیں۔ غلط حجت جو محض سخن پروری کی وجہ سے ہو جدل باطل ہے۔ یہ تمہید تھی اب مسیح کا اصل حال بیان فرماتا ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ الخ کہ عیسیٰ نہ خدا تھا نہ خدا کا بیٹا وہ ہمارا بندہ تھا صرف یہ بات تھی کہ اس پر ہم نے انعام کیا تھا فضیلت دی تھی منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ اس کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تھا جس سے اس کو جاہل خدا اور اس کا بیٹا سمجھنے لگے وہ ملائکہ سے تو اس بات میں بڑھ کر نہ تھا جن کی ماں ہے نہ باپ کھانے پینے سے بھی پاک ہیں اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ ان کو دنیا میں بھیج دیں کہ یہاں آ کر خلافت کریں۔ بس بات یہ تھی کہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے میں ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنایا تھا تاکہ وہ اس بات سے اس پر ایمان لاویں اور نیز وہ قیامت کی نشانی ہے کہ قریب قیامت کے دنیا پر اترے گا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے تم اس میں یعنی قیامت کے قائم ہونے میں شک نہ کرو میرا کہا مانو یہ سیدھا رستہ ہے۔ اور شیطان کے بہکانے میں نہ آؤ وہ تمہارا دشمن ہے یہ حقیقت ہے عیسیٰ علیہ السلام کی۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝۶۸ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا
مُسْلِمِيْنَ ۝۶۹ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝۷۰ يُطَافُ عَلَيْهِمْ
بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۷۱ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝۷۲ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۳ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ
جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝۷۴ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝۷۵ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷۶ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ
مّٰكِثُوْنَ ۝۷۷ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝۷۸

(کہا جاوے گا) اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم کو کوئی خوف ہے اور نہ تم رنج کرو گے۔ ہمارے بندے وہ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے۔ (حکم ہوگا) تم اور تمہاری بیویاں خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ ان پر سونے کی رکابیوں اور آبخوروں کا دور چلے گا اور وہاں جس چیز کو دل چاہے گا اور جس سے آنکھیں خوش ہوں گی موجود ہو گی وہاں ہمیشہ رہا کرو گے اور تم کو اس جنت کا ان کاموں کے بدلے میں وارث کیا گیا جو تم کیا کرتے تھے تمہارے لیے وہاں بہت سے میوے ہیں کہ جن میں سے تم کھایا کرو گے البتہ گنہگار عذاب جہنم میں سدا رہا کریں گے وہ عذاب ان سے دور نہ ہوگا اور وہ اس میں

نا امید رہیں گے اور ہم ان پر ظلم نہ ہوگا بلکہ وہی خود ظلم کیا کرتے تھے۔ اور پکاریں گے اے مالک! کہیں تیرا رب ہم کو موت دے چکے۔ وہ کہے گا تم کو (اسی حال میں) رہنا ہے ہم تمہارے پاس حق بات لائے لیکن تم میں سے اکثر حق بات سے نفرت کرتے ہیں۔

تفسیر: اس کے بعد خود عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال نقل کرتا ہے کہ اس نے بھی اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہا بلکہ وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ الخ کہ جب وہ نشانیاں یعنی معجزات لے کر آئے تو لوگوں سے یہ کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی وہ باتیں لے کر آیا ہوں جو انسان کی شائستگی کا باعث ہیں اور اس لیے بھی آیا ہوں کہ موسوی شریعت کی اصلاح کروں جو لوگوں نے اختلاف کر کے بگاڑ رکھی ہے سخت احکام کو اٹھاؤں اور سید ھا رستہ دکھاؤں۔ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے عجائب خرابیاں و اختلافات پھیلے ہوئے تھے۔ فرقہ صدوقی قیامت کا منکر تھا اور فقیہوں اور فریسیوں نے عجب عجب باتیں گھڑ رکھیں تھیں مغز شریعت سے بالکل بے خبر تھے۔ پس اللہ سے ڈرو اے بنی اسرائیل جو مغز شریعت ہے ریا کاری سے باز آؤ وَاَطِيْعُوْنِ اور میرے کہنے پر چلو اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اللہ جو میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو۔ صاف اقرار کر دیا کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں اور خدا پرستی کا حکم دے دیا۔ اناجیل مروجہ میں بھی یہ بات متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی سید ھا رستہ ہے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول تھا۔

پھر اس کے بعد جو لوگوں نے خصوصاً عیسائیوں نے بدعات ایجاد کر کے اس کی طرف منسوب کیں ان کو ذکر کرتا ہے فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ الخ احزاب حزب کی جمع جس کے معنی گروہ کے ہیں یعنی کلیساؤں کے باہم اختلافات ہو گئے کسی نے کہا عیسیٰ خدا اور خدا کا بیٹا تھا کسی نے کہا وہ صلیب نہیں دیا گیا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کلیسا کی تاریخوں میں مفصل مذکور ہے اور یہ فرقے اور اختلافات مسیح کے تھوڑے دنوں بعد سے شروع ہو گئے۔ پولوس بھی اپنے زمانہ میں اس کا شاکی تھا۔ غرض یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا اور خدا کا بیٹا عیسائیوں نے بنا لیا ہے خصوصاً اس وقت میں رومن کاتھولک عیسائی تو ان کی والدہ اور صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں فرمایا ہے ان جہلا نے بنا لیا ہے پھر کیا اس حجت سے تم خوش ہوتے ہو۔

اب ان عیسائیوں کی طرف روئے سخن ہوتا ہے فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ کہ ان ظالموں کو بڑے دن میں خرابی اور عذاب ہے۔ اور اب بھی یہ باز نہیں آتے تو کیا قیامت کو باز آویں گے اور کیا اسی کے منتظر ہیں کہ یکا یک آ جاوے اور ان کو مہلت بھی نہ دے۔ اب اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس روز یہ جو آج باہم دوست ہیں ناحق پر بھی دوستی کی وجہ سے جمع ہوئے ہیں باہم دشمن ہو جاویں گے صرف پرہیزگاروں کی دوستی اور محبت اس دن باقی رہے گی جن کو یہ کہا جاوے گا یا عباد الخ کہ اے میرے بندو! آج تم کو کوئی خوف نہیں اور نہ تم کسی بات کا رنج کرو وہ بندے کون ہیں؟ وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور فرمانبرداری کرتے ہیں حکم ہوگا کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں چلو وہاں تم کو جو چاہو گے وہ نعمت ملے گی۔ یہ تمہارے اعمالِ حسنہ کا بدلہ ہے اس کے بعد گنہگاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ عذابِ جہنم میں رہیں گے وہ عذاب کبھی کم نہ ہوگا۔ وہاں موت مانگیں گے موت بھی نہ آوے گی یہ ان پر ہم نے ظلم نہیں کیا وہی اس کے بانی ہیں جو حق کا انکار کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ ان کی حجتِ جاہلانہ کا کس خوبی کے ساتھ جواب دیا اور اس کے ضمن میں دارِ آخرت کا بھی حال بیان کر دیا جو اہم مقاصد میں سے تھا۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى
وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ
اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾
وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾
وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

وقف لازم ع ۱۴

کیا انہوں نے کوئی بات ٹھہرا رکھی ہے سو ٹھہرانے والے تو ہم ہی ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی مخفی باتیں اور مخفی مشورے نہیں سنتے۔ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں کہہ دو اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو سب سے اول میں عبادت کرتا پاک ہے آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں۔ پھر ان کو بحثیں کرنے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اور وہی تو ہے جو آسمان میں خدائی کرتا ہے اور زمین پر بھی اور وہ حکمت والا خبردار ہے اور مبارک ہے وہ ذات جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان میں ہے اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کے پاس تم لوٹائے جاؤ گے اور جن کو وہ ان کے سوا پکارتے ہیں ان کو تو شفاعت کا بھی اختیار نہیں۔ ان کے لیے جو جان بوجھ کر کلمۂ حق کی شہادت دیتے تھے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ ضرور اللہ نے پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں۔ اور اس کا یہ کہنا کہ اے رب! یہ وہ قوم ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے پھر آپ بھی ان سے منہ پھیر لیں اور کہیں سلام۔ وہ ابھی جان لیں گے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ جہنم کا فرشتہ ان کے جواب میں کہے گا اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ اب یہاں ان کی کراہتِ حق کو بیان فرماتا ہے کہ حق کے قبول کرنے کا تو کیا ذکر بلکہ وہ اس کے رد کرنے میں سینکڑوں مکر و تدابیر کیا کرتے تھے مگر کیا کر سکتے تھے کیونکہ ام ابرموا امرا کیا وہ قضاء و قدر میں مداخلت کر کے کوئی بات اس کے برعکس قائم کر سکتے تھے۔ نہیں بلکہ فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ مدبر امور ہم ہیں اور اس پر لطف یہ ہے کہ جانتے تھے خدا کو ہماری ان تدابیر و مکر و زور کی خبر نہیں حالانکہ ہمارے رسول یعنی فرشتے ان کے پاس ان کی باتیں لکھ رہے تھے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے اس کا چھاپا عالمِ غیب میں لگ جاتا ہے خواہ اس کام کو ستر پردوں میں کرے۔ ان تدابیر سے ان کی غرض بت پرستی کا قائم رکھنا تھا اس کے رد میں ان کو ایک تسلی بخش جواب دیتا ہے قل ان کان للرحمن ولد الخ کہ ان سے کہہ دے تم جو لوگوں کو یا بتوں کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجتے ہو یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں اگر ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرتا اور اس کو پوجتا سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ بلکہ وہ تمہاری ان باتوں اور لغو خیالات سے پاک ہے اس کے بعد ان کو تنبیہ کرتا ہے فَذَرْهُمْ الخ کہ اے محمد (ﷺ)! ان کو چھوڑ کہ وہ بیہودہ باتیں بنائیں اور کھیلیں کود یں یہاں تک کہ اپنی سزا کے وقت کو پہنچ جاویں۔

وَهُوَ الَّذِیْ سے لے کر وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ تک خدا تعالیٰ کی عظمت اور ان کے بتوں کی کمزوری بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو نہ پوجیں اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ کہ اس کی آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی حکومت اور خدائی ہے اور کسی کی نہیں اور وہ حکیم ہے اور علیم اور نہ صرف اس کی حکومت ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے بیچ جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کو ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح وہ ان کا پیدا کرنے والا ہے فنا بھی کرے گا اور سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے بلکہ جا رہے ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اس کی طرف اس عالم میں احتیاج ہے اور تمام جہاں کا وہی خالق و مالک ہے اسی طرح دوسرے عالم کا بھی وہی مالک و مختار ہے کہ جہاں ہر ایک کو جانا ہے اور خلقت چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک تو اس کے اوصاف الوہیت تھے اب غیر معبودوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے وَلَا يَمْلِكُ الخ کہ جن کو وہ پکارتے ہیں اور ان کے بیحد اختیارات بڑھانے کے لیے ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں از خود کسی کو کچھ لینا دینا تو در کنار وہ کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کہ اس جہاں میں یا وہاں سفارش کر کے کسی کو کچھ دلوا دیں یا عذاب سے چھڑا دیں۔ مگر ان کے معبودوں میں سے وہ سفارش کے مجاز ہیں کہ جنہوں نے حق کی شہادت دی یعنی لا الہ الا اللہ کہا توحید و رسالت کے قائل ہوئے اور یہ شہادت بھی علم و یقین سے ہے۔ ایسے لوگ خدا کے نزدیک مرتبہ اور درجہ سفارش رکھتے ہیں۔ اس سے مراد ارواح طیبات علیہم السلام اور ملائکہ کرام ہیں کیونکہ مشرکین ان کو بھی پوجتے تھے خدا نے ان کے مرتبہ کو مستثنیٰ کر لیا۔

اس کے بعد انہیں کے اقرار سے مشرکین کو قائل کرتا ہے بقولہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ الخ کہ اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ ان چیزوں کو کہ جن کو وہ پکارتے ہیں یا خود ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے کیونکہ اس بات کا ان کو فطرتاً علم ہے فَاَنّٰی يُؤْفَكُوْنَ تو پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں کہ جو خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر اس کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ وقیلہ کو بالجر پڑھا ہے لفظ الساعۃ پر معطوف ہونے کی وجہ سے تب یہ معنی ہوں گے کہ خدا کو قیامت کا بھی علم ہے اور رسول کے اس کہنے کا بھی کہ اے رب! یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ پھر دیکھیے قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا عدالت کا یاد دلانا اور جرم کا معلوم ہونا جتلانا بڑا اثر بخش کلمہ ہے اس کے لیے جو کچھ بھی سعادت ازلی سے بہرہ یاب ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قیلہ منصوب ہے محل الساعۃ پر معطوف ہونے کے سبب یا نجواهم و سرهم پر معطوف ہونے کے سبب ای یعلم نجواهم اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مجرور ہے حرف قسم مضمر ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم کو رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے رب! یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ اور جواب محذوف ہے کہ ہم ان کو ان کی سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ کہ اے رسول! یہ سرکش لوگ گمراہ ازلی ہیں نہیں مانیں گے ان سے اعراض کیجیے اور سلام کہیے۔ سلام کہنا محاورہ ہے رخصت کرنے سے اور علیحدہ ہونے سے اس کو سلام رخصت کہتے ہیں۔ یہ کس لیے فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ان کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔ یعنی موت ہر شخص کے بہت قریب ہے مرتے ہی سب نیک و بد کا نتیجہ سامنے ہو جاوے گا۔ الٰہ العلمین ہم کو اپنی مرضی پر چلنا نصیب کر اور اپنی رضامندی میں رکھ کہ پھر ہم کو اپنی نافرمانی کے رنج و اندوہ نہ اٹھانے پڑیں آمین۔ بحرمۃ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مع حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا

مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا
مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ
رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ
يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾
رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَاۗءَهُمْ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا
الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَاۗىِٕدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ
اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

قسم ہے روشن کتاب کی ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے ہم تھے کیونکہ ہم کو جتلا کرنا منظور تھا خبردار کرنے والے اس رات میں ہر ایک کام جو حکمت پر مبنی ہے ہمارے حکم سے تصفیہ پاتا ہے (از انجملہ نزولِ قرآن بھی تھا) ہم تھے کس لیے کہ ہم کو رسول بھیجنا منظور تھا آپ کے رب کی رحمت سے ہوا کیونکہ وہ جو ہے تو سننے والا خبردار ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کا جو ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم کو یقین آوے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے (وہ) تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے بلکہ وہ شک میں پڑ کر کھیل رہے ہیں۔ پھر آپ بھی اس دن کا انتظار کریں کہ جس دن آسمان سے دھواں ظاہر آوے جو لوگوں کو ڈھانک لے گا یہ ہے تکلیف کی سزا (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم سے عذاب دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں وہ کہاں سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول بھی آ چکا پھر وہ اس سے بھی پھر گئے اور کہہ دیا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے ہم تھوڑے دنوں کے لیے عذاب دور کیے دیتے ہیں (مگر تم پھر وہی کرو گے (پھر بدلہ اس دن لیں گے کہ) جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے ہم بدلہ تو لے کر رہیں گے۔

ترکیب: والکتاب۔ الواو للقسم انا انزلناہ جواب القسم وقیل ہذہ صفۃ للمقسم بہ والجواب انا کنا منذرین واختارہ ابن عطیہ۔ انا کنا مستانفۃ جواب ثان بغیر عطف فِيْهَا يُفْرَقُ ہذہ الجملۃ الصفۃ اخرٰی للیلۃ وما بینہما اعتراض۔ او مستانفۃ۔ امرا انتصابہ بطرق ای یفرق فرقا لان امرا بمعنی فرقا قالہ الزجاج والفراء۔ وقال الاخفش انتصابہ علی الحال ای امرین۔ رحمۃ منصوب لکونہ مفعولا لاجلہ وقیل مصدر فی موضع الحال من ربک متعلق بالرحمۃ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ قرء الجمہور بالرفع علی انہ مبتداء او عطف بیان علی السمیع۔ وقرء الکوفیون بالجر بدلا من ربک۔

تفسیر: قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ دارمی وغیرہ نے اس کے فضائل نقل کیے ہیں خدا تعالیٰ ان آیات میں قرآن مجید کی تعظیم تین طور سے بیان فرماتا ہے۔ (۱) اس کی تعظیم عظمت پھر اس کو تین طرح سے بیان فرمایا اول اس کی قسم کھائی بقولہ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ دوم اس کو مبین فرمایا کہ اس میں انسان کی تمام دینی ضرورتوں کا بیان ہے یا یہ کہ

یہ روشن ہے کوئی بات اس کی خلاف عقل سلیم نہیں۔ سوم اس کا نازل کرنا اپنی طرف منسوب کیا بقولہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ کہ اس کو ہم نے اتارا کسی بندہ نے ازخود تصنیف نہیں کیا ہے (۲) اس کی عظمت باعتبار عظمت وقت کے فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کہ یہ مبارک رات میں اترا ہے۔ اور ہم نے اس کو کیوں اتارا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ کہ ہم کو بندوں کا خبردار اور ہوشیار کر دینا اور ان کے افعال بد کی سزا سے آگاہ کر دینا مقصود تھا۔ اس کے بعد لیلۃ مبارکۃ کی عظمت بیان فرماتا ہے فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا کہ اس رات میں ہر حکمت کی بات بیان اور ظاہر کی جاتی ہے۔ یعنی جو حوادث دنیا میں ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں (جیسا کہ کسی کا مرنا' کسی کا امیر ہونا' کسی کا فقیر ہونا' بیمار و تندرست ہونا' قحط و ارزانی کا ہونا' سلطنت و حکومت کا تبدل و تغیر وغیرہ) ان کو بارگاہ قدس سے ملائکہ مدبران عالم پر ظاہر کیا جاتا ہے گو لوح محفوظ میں روز اول لکھے گئے تھے مگر اس رات میں انتظام عالم کے لیے ایک سال کے حوادث ان کے مدبر اور کارکن ملائکہ پر ظاہر کیے جاتے ہیں تا کہ اس کی تعمیل کریں۔ یہ اس رات کی بڑی عظمت و عزت ہے اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ عالم ناسوت میں جو معاملات ظہور کرنے والے ہیں عالم ملکوت میں اس رات میں ظاہر کیے جاتے ہیں۔ گو خدا تعالیٰ کے نزدیک رات دن برابر ہے اور عالم ملکوت میں رات دن نہیں ہے بلکہ زمین پر بسبب آفتاب کے طلوع و غروب کے مگر مراد ایک وقت خاص ہے۔ اور وہ وقت ہم بندوں کو لیلۃ مبارکۃ کے پتے سے بتلایا گیا ہے کہ جس وقت تم پر یہ رات آتی ہے گو وہاں رات نہ ہو مگر اس وقت یہ کارروائی ہوتی ہے۔ اور گو اس کے نزدیک سب اوقات یکساں ہیں مگر اس فاعل مختار نے بعض اوقات کو بعض پر فوقیت دی ہے جب اس رات میں اور حوادث ظاہر ہوتے ہیں تو قرآن مجید کا نزول جو دنیا میں سب سے بڑا حادثہ اور مہتم بالشان ہے۔ بدرجہ اولیٰ ہونا تھا لیلۃ مبارکۃ میں علمائے اسلام کے دو قول ہیں۔ جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر مراد ہے جو رمضان کے اخیر میں پائی جاتی ہے غالباً ستائیسویں رات۔ اس قول پر اس آیت میں اور دوسری آیات میں جیسا کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ یا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔ ہاں ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ باتفاق مورخین قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی تو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ ہے اور وہ شوال میں نازل ہوئی تھی اور یہ بھی کہ قرآن مجید ایک بار نازل نہیں ہوا ہے تھوڑا تھوڑا مکہ اور مدینہ میں تیئس برس کے عرصہ میں نازل ہوا ہے پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ لیلۃ مبارکۃ میں نازل ہوا ہے عام ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے لیلۃ القدر مراد لی جاوے یا شب برات؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف سب کا سب قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا جو رمضان کے مہینے میں واقع ہوئی تھی یا ہمیشہ رمضان ہی میں واقعہ ہوتی ہے پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسب حاجت دنیا میں آنا شروع ہوا شوال میں یا رمضان میں جیسا کہ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنے سے مراد تمام قرآن مجید نہ ہو پس اس کا ایک حصہ آنحضرت ﷺ پر رمضان میں لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور آپ نے اس کا اظہار شوال میں دو چار روز بعد کیا پس لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنا فرمانا صحیح ہو گیا۔

عکرمۃ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے جس کو شب برات بھی کہتے ہیں۔ امام نووی شرح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں یہ قول غلط ہے صحیح پہلی بات ہے۔ شاید عکرمۃ نے شعبان کی اس رات کو فضائل کے لحاظ سے لیلۃ مبارکۃ کہا ہے کیونکہ احادیث میں اس رات کے بھی بہت فضائل آئے ہیں نہ وہ لیلۃ مبارکۃ کہ جس کا ان آیات میں ذکر ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (۳) فضیلت باعتبار نازل کرنے والے کے کہ کس نے یعنی بڑے عظیم القدر نے اس کو نازل کیا ہے کما قال انا کنا مرسلین کہ ہم قرآن بھیجنے والے ہیں یا ہم رسولوں اور محمد (ﷺ) کو بھیجنے والے ہیں اور کیوں؟ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ تیری رب کی رحمت کا یہی مقتضا تھا کہ وہ بندوں کو ورطہ ضلالت سے نکالے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت بندوں کی حاجت کے موافق واقع ہوئی بقولہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کیونکہ وہ سنتا جانتا ہے ہر حاجت انسانی کا اس کو علم ہے اس کے بعد اور چند اوصاف الٰہی کا ذکر کرتا ہے تا کہ اس کا معبود حقیقی ہونا ذہن نشین ہو کر اس کی طرف رجوع

کریں رَبِّ السَّمٰوٰتِ سے لیکر رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ تک۔ پھر فرماتا ہے کہ ایسا قرآن ایسے وقت مبارک میں اپنی رحمت سے ایسے پروردگار عالم' محسن قدیم' رحیم و کریم' شہنشاہ حقیقی نے بندوں کے فائدہ کے لیے نازل کیا مگر وہ اب بھی نہیں مانتے بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ بلکہ شک میں پڑے ہوئے دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں دار آخرت کی کچھ بھی فکر نہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور ان مشرکوں کو ایک دنیاوی مصیبت کو پیش آنے کی خبر دے کر متنبہ کرتا ہے فقال فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ الخ کہ اے رسول آپ اب اس دن کے منتظر رہیں کہ آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہو جو سب کو ڈھانک لے گا اور سخت تکلیف دہندہ ہو گا پھر یہ کہیں گے کہ الٰہی اس بلا کو دفع کر دے ہم ایمان لاتے ہیں مگر اس کے بعد بھی کہاں ایمان لاویں گے۔ ان کے پاس بیان کرنے والا رسول آیا اس کو دیوانہ اور کسی کا بہکایا سکھایا ہوا بتایا خیر ہم وہ بلا تو دفع کر دیں گے مگر پھر اخروی عذاب میں گرفتار کریں گے جو سخت عذاب ہو گا۔ اس دھوئیں میں علماء کے دو قول ہیں اول جمہور کا قول کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش پر آنحضرت ﷺ کی بددعا کرنے سے سات برس کا سخت قحط پڑا جس میں مردار اور ہڈیوں کے کھانے کی نوبت پہنچی اور بھوک کے مارے جو اوپر دیکھتے تھے تو ایک دھواں سا ضعف بصر سے معلوم ہوتا تھا اور عرب ایسے عظیم اور ہائلہ واقعہ کو دخان سے تعبیر کیا کرتے ہیں (کبیر) اس بات کو بخاری نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریب قیامت کے ظاہر ہو گا۔ جس کا ذکر بعض احادیث میں ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ
عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْٓ
اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾
وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ
مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ
اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ
وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا
قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا
مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں اور ان کے پاس عزت والا رسول (موسیٰ) آیا کہ خدا کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کر دو کیونکہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اور یہ کہ میری سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیل لایا ہوں اور میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگ چکا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر میرا تمہیں یقین نہیں تو مجھ سے الگ رہو (مگر وہ نہ مانے) پھر اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ نابکار قوم ہے (تب ہم نے حکم

دیا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور دریا کو جما ہوا چھوڑ کر چلے چلو کس لیے کہ وہ لشکر غرق ہوگا۔ فرعونی بہت سے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑ گئے اور ایسی نعمت کو بھی جس میں وہ مزے کیا کرتے تھے یوں ہوا اور ہم نے ایسے ساز و سامان کا اور لوگوں کو مالک کر دیا۔ پھر نہ تو ان پر آسمان و زمین روئے اور نہ ان کو مہلت ملی۔ ل

ترکیب : ان ادوا قیل ان مفسرۃ لان مجیٔ الرسول متضمن لمعنی القول وقیل مخففۃ من الثقیلۃ عباد اللہ اما مفعول بہ لا دوا ای ارسلوھم معی او انہ منادی والتقدیر ادوا الی یا عباد اللہ ما ھو واجب علیکم من الایمان والاعمال الصالحۃ۔

تفسیر : کفار مکہ کو ان کی سرکشی پر ایک آنے والی بلا سے ڈرایا گیا تھا اب اس جگہ فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ وہ باوجودیکہ تم سے زیادہ مالدار طاقت ور تھے ان کو رسول نے سمجھایا مگر نہ مانا اور سرکشی سے باز نہ آئے۔ بنی اسرائیل کے پیچھے دوڑے آئے کہ پکڑ لاویں اور غلامی میں رکھیں آخر اس کے فضل سے بنی اسرائیل بحرِ قلزم سے خشک پار اتر گئے اور فرعونی غرق ہو گئے تمام باغ و مکان و آرائش کی چیزیں چھوڑ گئے اس کے اور وارث و مالک ہو گئے۔ (۱) رھوا ای ساکنا یقال رھا یرھو رھوا اذا سکن لا تتحرک۔ اکثر اہلِ لغات و مفسرین رھوا کے یہی معنی بیان کرتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ بحر کی صفت ہے مطلب یہ کہ دریائے قلزم تمہارے گزرنے کے وقت موجیں نہ مارے گا ٹھیرا رہے گا یعنی پانی منجمد کھڑا رہے گا تم اس کے درمیان سے صاف نکل جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی جیسا توریت میں مصر حاً مذکور ہے حسن و کعب کہتے ہیں اس کے معنی ہیں رستہ کے کہ دریا کو رستہ بنا۔

نیچر مفسر نے عجب الٹ پلٹ اور اگر مگر ملا کے اس کے معنی یہ بیان کئے کہ دریا کو خشک چھوڑ کر اس کے کنارے کے پاس سے نکل جاؤ جیسا کہ جوار بھاٹے کے وقت ہوتا ہے مگر بجز اس کے کہ خرقِ عادات و تصرفاتِ خداوندی کا انکار اس بات کی تحریک دلائے اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسے غلط معنی تسلیم کر لیے جاویں۔ (۲) اَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ بعض مفسرین نے آیت میں غور نہ کرنے سے یہ سمجھ لیا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کے لشکر ہلاک ہونے کے بعد قلزم پار سے لوٹ کر پھر مصر میں آئے اور فرعونیوں کی ان چیزوں کے مالک و وارث ہوئے۔ مگر یہ خیال غلط ہے قلزم پار اترنے کے بعد بنی اسرائیل کوہ سینا کی طرف روانہ ہوئے اور چالیس برس تیہ میں ٹکراتے پھرے اور یہیں سینکڑوں واقعات پیش آئے اسی سفر میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی انتقال کر گئے۔ ان کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل ملک شام کے مالک و وارث بنے جہاں مصر کے باغوں اور چشموں اور میووں اور کھیتوں اور مکانوں جیسے باغ اور چشمے اور میوے اور کھیت اور عمدہ مکانات موجود تھے۔ اَوۡرَثۡنٰهَا کی ضمیر اگر خاص مصر کی اشیاءِ مذکورہ کی صرف پھرائی جائے تو قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ سے مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ ان غرق ہونے والوں کے علاوہ اور لوگ ساکنانِ مصر جو ان کے خاندان کے نہ تھے اور اگر ھا کی ضمیر بالخصوص اشیاءِ مذکورہ کی طرف نہ پھرائی

ل بعض نادانوں نے اس مقام پر دو اعتراض کئے ہیں اول یہ کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے ان مقامات کے کبھی وارث نہیں ہوئے وہ قلزم عبور کرنے کے بعد ملکِ شام میں حاکمانہ طور پر آئے اس بات کی تواریخ موافق و مخالف شاہد ہیں۔ اس کا جواب جیسا کہ مفسر نے اشارۃً بتایا ہے کہ اگر قوما آخرین سے بنی اسرائیل ہی مراد لیے جائیں تو ان چیزوں کے وارث کیے جانے سے یہ مراد نہیں کہ خاص انہیں چیزوں کا ان کو وارث بنا دیا۔ بلکہ ایسے ہی ساز و سامان کا ملک شام میں وارث کر دیا جیسا بولتے ہیں وہی باغ وہی کھیت دیے۔ ناز و نعیم جو ہمارے پاس ہیں ہمارے پاس بھی ہیں حالانکہ بالخصوص نہیں ہوتے بلکہ ان جیسے اشتراک جنسی کے لحاظ سے اس اس جنس کے ایک فرد کو دوسرے سے تعبیر کرنا ملک اور ہر قوم کا محاورہ ہے جس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ آسمان و زمین کا فرعونیوں کے حالِ زار پر نہ رونا قرآن میں بتلایا گیا ہے حالانکہ یہ چیزیں نہ روتی ہیں نہ ہنستی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ استعارہ یا مجاز ہے کہ آسمان اور زمین والوں کو ان کے حال پر ان کی بدکاری و بدکرداری کے سبب حسرت و افسوس نہ آیا دوم آسمان و زمین بھی حکماء کے نزدیک نفوس رکھتے ہیں جیسا پھر رونا ہنسنا ان کی شان کے مناسب ہے وہ پھر ایسا روتے ہنستے ہیں۔ حقانی

جاوے بلکہ جنس و نوع و صفت مراد لی جاوے اور یہی قوی بھی ہے تو قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو ان اقسام کے ملک شام میں جا کر وارث و مالک ہوئے۔ اب کذلک سے کچھ مطلب نہ رہا خواہ اس کو محلاً مرفوع پڑھو خواہ منصوب۔ فَمَا بَکَتۡ آسمان و زمین کسی کو کیا روئیں گے بلکہ یہ ایک محاورے کی بات ہے سخت حادثہ اور بڑے شخص کی موت پر محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کو آسمان و زمین روئیں گے یعنی لوگ افسوس کریں گے یہ استعارہ یا مجاز ہے۔ سو ان فرعونیوں پر کسی نے افسوس نہ کیا ان کی شرارت سے اور ممکن ہے کہ درحقیقت اچھے لوگوں کے مرنے پر آسمان و زمین اور دیگر چیزیں روتی بھی ہوں۔

وَلَقَدۡ نَجَّيۡنَا بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ۳۰ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۳۱ وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰى عِلۡمٍ عَلَى
الۡعٰلَمِيۡنَ ۳۲ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰيٰتِ مَا فِيۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيۡنٌ ۳۳ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
لَيَقُوۡلُوۡنَ ۳۴ اِنۡ هِىَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِيۡنَ ۳۵ فَاۡتُوۡا
بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۳۶ اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيۡنَ
مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ۳۷ وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ ۳۸ مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ
لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۳۹ اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِيۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۴۰ يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ مَوۡلًى
عَنۡ مَّوۡلًى شَيۡـئًا وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۴۱ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
ع الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۴۲

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کی تکلیف سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھی کیونکہ وہ سرکش بیہودہ لوگوں میں سے تھا اور ہم نے بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر دنیا پر برگزیدہ کیا تھا اور ان کو وہ نشانیاں بھی دی تھیں کہ جن میں صاف امتحان تھا۔ یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ ہمارے لیے تو صرف یہی پہلی موت ہے اور ہم مر کر زندہ نہ ہوں گے پھر ہمارے باپ دادا کو تم لے آؤ اگر تم سچے ہو کیا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے کہ جن کو ہم نے ہلاک کر ڈالا کیونکہ وہ نافرمان تھے۔ اور (اے نبی!) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان کے اندر ہیں کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا ہے ہم نے ان کو بہت ہی مصلحت سے بنایا ہے لیکن اکثر ان میں سے جانتے نہیں بیشک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر ہو چکا ہے جس دن کہ کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جاوے گی مگر جس پر کہ اللہ نے مہربانی کی ہوگی کیونکہ وہ جو ہے تو زبردست مہربان ہے۔

ترکیب : من فرعون بدل من العذاب علی حذف المضاف ای من عذابہ وقیل لا حاجۃ الی الحذف لان فرعون فی نفسہ کان عذابا مهینا لافراطہ فی تعذیب بنی اسرائیل قرء ابن عباس رضی اللہ عنہ من فرعون فیکون استفہاما انہ کان الخ جوابہ ما فیہ الخ مفعول ثان لآتینا۔

تفسیر : وَلَقَدْ نَجَّیْنَا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سخت عذاب سے نجات دی جو فرعون سرکش کے ہاتھ سے ان پر ہوا کرتا تھا اور صرف مصیبت ہی دفع نہیں کی بلکہ ذلت کے بدلے ان کو عزت دی۔ یہ ہیں اِخْتَرْنٰھُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کے معنی اور مصیبت کے بدلہ بڑی نعمتیں دیں کہ جن میں ان کی آزمائش تھی اور وہ نعماء خدا کی نشانیاں تھیں جیسا کہ قلزم سے پار اتارنا' من وسلویٰ' پانی کا چٹان میں سے نکلنا' ملکِ شام کی حکومت' عمالیق وغیرہ سرکش وطاقت ور اقوام پر غلبہ' فرمانبرداری و نافرمانی کا نیک و بد نتیجہ بیان فرما کر پھر قریش کی طرف روئے سخن کرتا ہے اور مسئلہ نبوت کو تمام کر کے مسئلہ معاد میں ان کے انکار کو نقل فرما کر اس کا ثبوت دیتا ہے کہ بار دگر مر کر جینا برحق ہے فقال اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ الخ کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے صرف یہی دنیا کی موت ہے اور اس کے بعد جینا نہیں۔ اگر اے مسلمانو! تم سچے ہو تو ہمارے مردہ باپ دادا کو زندہ کر کے دکھادو۔

اس کے جواب میں اولاً تو ان کو اس بیہودہ گستاخانہ انکار حشر پر دھمکایا جاتا ہے اھم خیر ام قوم تبع[1] کیا یہ لوگ تبع حمیری کی قوم سے جو یمن میں آباد تھے اور بڑے دولت وقوت والے تھے اور ان سے پہلے اور بہت قومیں تھیں ان سے بہتر ہیں زور میں' دولت میں زیادہ ہیں؟ ہرگز نہیں پس ہم نے ان کے جرم پر ان سب کو ہلاک کر دیا تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں؟ اس کے بعد ان کے شبہ کا جواب دیتا ہے وَمَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو عبث و بیکار نہیں بنایا ہے بلکہ ٹھیک اور درست بنایا ہے یہ تو تم بھی جانتے ہو پس اگر بعث برحق نہ ہو تو ان کا پیدا کرنا بیکار و عبث ہو جاوے یہ اس لیے کہ ان سب میں افضل انسان ہے اور اسی کے لیے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے اگر حشر برحق نہ ہو تو نیک و بد کی دنیا میں تو پوری سزا و جزاء ہے نہیں پھر نیکوں کی نیکی رائیگاں جاوے اور بد آزاد ہو جاوے ایسا ہو تو عالم خراب ہو جاوے۔ یا یوں کہو انسان اس عالم میں تکمیل کے لیے آیا ہے اور کسی دوسری جگہ سے بھیجا گیا ہے پھر اگر یہی چند روزہ زندگی ہے اور یہ عالم کسی اور عالم کی ایک منزل نہ ہو تو اس تھوڑی دیر کے لیے اتنے سامان کرنا عبث ہو جاویں ستارے بنائے کیا کیا؟ اور روح تکمیل پانے کے بعد کسی اور عالم میں جانا چاہتی ہے یہ عالم اس کے لیے مقام راحت نہیں اگر اور عالم نہیں تو یہ سب کچھ بیکار ہے پھر فرماتا ہے کہ یوم الفصل فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا روز ان سب کے لیے معین کر دیا ہے اس دن سب کے فیصلے ہو جاویں گے کوئی حمایتی کسی کے کام نہ آوے گا مگر اس کے کہ جس پر اللہ کا رحم ہوگا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ کَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾
کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ
رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾
اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ﴿۵۱﴾
فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۲﴾ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۵۳﴾

[1] تبع حمیر کا بادشاہ تھا یہ نیک تھا قوم کو توحید کی طرف متوجہ کرتا تھا سرکش قوم نے انکار کیا آخر برباد ہوئے اس کا بیٹا ذوالقرنین تھا اس کو کثرت اتباع کی وجہ سے تبع کہتے تھے پھر عموماً شاہانِ یمن کا لقب ہو گیا اس تبع کی بابت ان احادیث میں کہ جن کو حاکم و ابن المبارک و احمد و طبرانی و ابن ماجہ وغیرہ جماعت کثیرہ نے نقل کیا ہے آیا ہے کہ وہ ایماندار تھا۔ ۱۲ منہ

كَذٰلِكَ ۫ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ﴿۵۴﴾ یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ
اٰمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ۚ وَوَقٰىهُمْ
عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا
یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

بے شک تھوہر کا پیڑ گناہگاروں کا کھانا ہوگا۔ جیسا پگھلا ہوا تانبا پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح کھولے گا (حکم ہوگا) اس کو پکڑو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر عذاب کا کھولتا ہوا پانی ڈالو (فرشتے کہیں گے) لے مزہ چکھ کیونکہ تو ہی تو معزز و محترم تھا۔ یہ وہی تو ہے کہ جس میں تم شک کیا کرتے تھے البتہ پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے باغوں اور چشموں میں مہین اور دبیز لباس پہن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ایسا ہی ہوگا اور ہم ان کو گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں بیاہ دیں گے۔ وہاں ہر ایک قسم کے میوے مانگیں گے۔ وہاں پہلی موت کے سوا اور موت کا مزہ نہ چکھیں گے اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے بچادے گا۔ آپ کے رب کا فضل ہے۔ یہی تو وہ بڑی کامیابی ہے اس قرآن کو ہم نے آسان کر دیا آپ کی زبان میں تاکہ وہ سمجھیں پھر آپ بھی انتظار کیجئے کیونکہ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

تفسیر: دار آخرت کا ثبوت کر کے اب کچھ وہاں کے حالات بیان فرماتا ہے۔ سب سے پہلے بدکاروں کی سزا بیان کرتا ہے فقال اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ گناہگاروں کا کھانا تھوہر ہوگا جو نہایت تلخ اور بدمزہ چیز ہے لاچار ہو کر اسی کو کھاویں گے وہ پیٹ میں جا کر گرم پانی کی طرح کھولے گا مہل تلچھٹ یا تانبا سیسہ وغیرہ پگھلا ہوا۔ مہل پر جملہ تمام ہو گیا پھر یغلی سے اس کے غلیان کی کیفیت شروع ہوتی ہے۔ بعض کالمهل کو یغلی سے بھی ربط دیتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بھی فرشتوں کو حکم دیا جاوے گا کہ اس کو پکڑو اور دھکے دیتے ہوئے جہنم میں لے جاؤ اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالو اور کہو چکھ کیونکہ تو اپنے زعم میں بڑا عزت والا زبردست سمجھا ہوا تھا ان باتوں کو تم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ ابن السکیت کہتے ہیں عتلتہ الی السجن واعتقلتہ اذا دفعتہ دفعا عنیفا۔ اگر یوں بولتے صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ حِیْنَ... تو اس میں وہ لطف نہ ہوتا جو عذاب کے لفظ نے دیا۔ اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے ان المتقین کہ پرہیزگار عمدہ مقامات میں رہیں گے' عمدہ لباس پہنیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے' حور عین سے شادی ہوگی' عمدہ چیزیں کھاویں گے۔ لذت و عیش کی سب چیزیں آگئیں مکان' لباس' عورت' حسین کھانا پینا یہی تو لذات ہیں۔ سندس مہین ریشمی کپڑا۔ استبرق دلدار ریشمی کپڑا جیسا کہ مخمل کا شائی حور واحدی کہتے ہیں اس کے اصلی معنی سفیدی کے ہیں یہ جمع ہے حوراء کے جس کے معنی گوری۔ عین عیناء کی جمع جس کے معنی بڑی آنکھوں والی۔ لَایَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی یعنی جنت میں کبھی موت کا مزہ نہ چکھیں گے بجز اس کے کہ جو پہلے دنیا میں چکھ چکے ہیں استثناء منقطع ہے۔ الا لکن الموتۃ کذا قال الزجاج والفراء۔ ابتداء سورہ میں قرآن مجید کے چند اوصاف بیان فرمائے تھے منجملہ ان کے ایک یہ کہ وہ مبین ہے یعنی اس میں ہر چیز کا بیان وضاحت کے ساتھ ہے اب یہاں اس کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ کہ اے محمد (ﷺ) تیری زبان میں سمجھنے کے لیے اس کو آسان کیا تاکہ لوگ سمجھیں مگر بدبخت نہیں سمجھتے اور تجھ پر موت یا ہلاکت آنے کے منتظر رہتے ہیں سو تو بھی اے محمد (ﷺ) ان پر بلا آنے کا انتظار کر۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ
لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ﴿۳﴾ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ
لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ
السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ
اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ
حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ وَیۡلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ ۙ﴿۷﴾
یَّسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتۡلٰی عَلَیۡہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا ۚ
فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۸﴾ وَ اِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡئَۨا اتَّخَذَہَا ہُزُوًا ؕ
اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ؕ﴿۹﴾ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ جَہَنَّمُ ۚ وَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُمۡ
مَّا کَسَبُوۡا شَیۡئًا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ
عَظِیۡمٌ ﴿ؕ۱۰﴾ ہٰذَا ہُدًی ۚ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَہُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ
رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور (نیز) تمہارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کے پھیلانے میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے (بڑی بڑی) اور نیز رات دن کے پلٹنے میں اور آسمان سے روزی کی چیز نازل کرنے میں کہ اس سے خشک ہوئی زمین کو شاداب کیا کرتا ہے۔ اور ہواؤں کے بدلنے میں عقلمندوں کے لیے (بڑی) نشانیاں بھی۔ یہ ہیں اللہ کی آیتیں کہ جو ہم آپ کو ٹھیک طور سے سناتے ہیں پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ہر جھوٹے گناہگار کا ستیاناس ہو جائے جو اللہ کی آیتیں سن کر جو اس کے اوپر پڑھی جاتی ہیں غرور میں آ کر ہٹ کرتا ہے، گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہ تھا پھر اس کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری دے اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی کو کہیں پاتا ہے تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے (اور) ان کے سامنے جہنم ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کمایا تھا ان کے کچھ بھی کام نہ آوے گا اور نہ وہ معبود کام آئیں گے جن کو اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھا تھا۔ اور ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ یہ (قرآن) ہدایت ہے اور وہ جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں ان کو سخت دردناک عذاب کی سزا ہوتی ہے۔

ترکیب : حٰمٓ امامبتدا تَنۡزِیۡلُ الۡکِتَابِ خبرہ والتقدیر حٰمٓ تنزیل الکتاب اوقسم وتنزیل الکتاب جواب القسم اواِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ العزیز الحکیم صفة اللہ تعالیٰ ویجوزان یکون صفة الکتاب۔ لَاٰیٰتٍ منصوبة لکونھا خبراِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ الخ خبرھا۔ آیات بالرفع علی انہ مبتدأوفِیۡ خَلۡقِکُمۡ خبرہ وھی جملة مستانفة۔ ویقراء بکسر التاء ایضا علٰی ان مضمرة خدلت لدلالة ان الاولی علیھا ولیست معطوفة علی آیات الاولی لمافیہ من العطف علی عاملین وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ بالجر معطوفا علی المجرور فی وآیات توکیدوا جازقوم ان یکون ذلک من باب العطف علی عاملین وماالمجرور نملا للعطف علی اختلاف وکذاتَصۡرِیۡفِ الرِّیَاحِ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی انہیں تین مسائل سے بحث ہے نبوت، توحید، معاد۔ اس سے پہلے دخان میں اول مسئلہ نبوت میں کلام تھا یہاں بھی افتتاحِ سورہ میں اسی مسئلہ میں ایک عجب لطف کے ساتھ کلام کیا ہے وہ یہ کہ حٰمٓ میں کسی خاص ثبات کی طرف اشارہ کرکے یا اپنی ذات وصفات وحیت کی قسم کھا کر یہ بتاتا ہے کہ یہ کتاب اللہ زبردست کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو بڑا حکیم ہے اور یہ بھی اس کی حکمت کا مقتضٰی تھا کہ بندوں کو بحرِ ضلالت سے نجات دے اس کے بعد مسئلہ توحید و اثبات باری میں کلام کرتا ہے۔

فقال اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یہ (۱) آئینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنا جمال دیکھتا ہے مگر کئی طرح سے۔ اس لیے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اس کے وجود و توحید کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ آیات فرمایا کیونکہ ان کی مقدار اور حرکات الوانِ مختلفہ انوار کی کمی زیادتی ہر ایک بات ایک نشانی ہے اول اس لیے کہ یہ اجسام حوادث سے خالی نہیں اور جو حوادث سے خالی نہیں وہ حادث ہے پس یہ تمام اجسام حادث ہیں اور ہر حادث کے لیے ایک محدث ضرور ہے۔ (دوم) یہ کہ یہ اجسام اجزاء سے مرکب ہیں اور یہ اجزاء باہم متماثل ہیں پھر ایک جزء کو ایک جگہ میں اور ایک خاص بات میں کون خاص کرنے والا ہے وہی اللہ ہے نہ طبیعت اجسام کیونکہ اس میں پھر بھی کلام ہوگا۔ (سوم) یہ افلاک وستارے و زمین اگر از خود ہیں تو یا ہمیشہ سے ہیں یعنی قدیم یا حادث ہیں قدیم تو ہیں نہیں کیونکہ قدیم تغیرات سے پاک ہوتا ہے اور ان میں تغیرات ضرور ہوتے ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کی لاکھوں برسوں کی عمر ہو اس لیے پہلے لوگوں نے ان کو قدیم سمجھ لیا ہے پس حادث ہیں کس لیے کہ باوجود اشتراکِ جسمانیت کے پھر مختلف الالوان والحرکات والابعاد ہونا حدوث کی دلیل اور کسی قادر مختار کے لیے برہان ہے اس کے بعد اور چند نشانیاں ذکر کرتا ہے (۲) آدمیوں کا پیدا ہونا۔ (۳) زمین پر مختلف قسم کے جانوروں کا پایا جانا۔ (۴) رات دن کا بدلنا (۵) اوپر سے پانی برسانا پھر اس سے مختلف نباتات پیدا کرنا۔ (۶) ہواؤں کا بدلنا۔ یہ سب نشانیاں ہیں نہ اندھوں کے لیے بلکہ آنکھوں والوں کے لیے جن کو اہلِ ایمان و اہلِ یقین کہتے ہیں۔

دلائلِ یقینیہ بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے تِلۡکَ آیَاتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡھَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو اے محمد (ﷺ) آپ کو بہت اچھی طرح سے سنائی جاتی ہیں۔ یہاں سے پھر مسئلہ نبوت کی طرف رجوع کیا دلائلِ وجود و توحید باری بیان فرما کر۔ اور مناسبت یہ ہے کہ جس

۱ ح سے اس کی حقانیت مراد ہے یعنی عالم وجود میں جو کچھ اس کے سوا ہے عدم کے رنگ میں اور بطلان کی رسیوں میں رنگا اور بندھا ہوا ہے مگر وہی حق و ثابت ہے اور م سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عالم اور اس کی سب چیزیں اس کے مظاہر اور اس کے جمال کے آئینہ ہیں پھر جو اس کا یا اس کی توحید کا انکار کرتا ہے اندھا ہے۔ ان آیتوں میں غور سے نہیں دیکھتا پھر ان فی السماوات سے لیکر یعقلون تک کئی آئینہ پیش کرکے اپنی ذات بابرکات کو مختلف جلوؤں میں دکھایا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ح اس کی حیات کی طرف اور م سے محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہو کہ ہماری حیات کی قسم احمد ﷺ کو ہم نے بھیجا ہے یا ہماری حیات کا بڑا روشن آئینہ محمد ﷺ ہیں جس نے ایک عالم کو اللہ دکھا دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالم باطن میں یہ دونوں حرف کسی حقیقت کا مرکز ہوں جو ہدایت میں اثر رکھتی ہوں یہاں ان سے ان کو یاد کیا ہو جیسا کہ حفظ و حمایت کہ ہم محمد ﷺ اور اس کے دین کی حفاظت کریں گے ح سے حفظ م سے حمایت اور م کے درمیان طلانے سے درمیانی زمانہ میں حمایت کی حاجت یا زور مراد ہے۔ اور حٰ قوم کی طرف بھی اشارہ ہے ح سے حٰم سے قوم کی طرف۔ ۱۲ منہ

کتاب میں اس کیفیت کے ساتھ توحید و جود باری کے ایسے دلائل ہوں وہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قرآن مجید اور جس پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ خدا کا رسول برحق ہے یعنی محمد ﷺ۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ پھر کس بات پر ایمان لاویں گے جبکہ اللہ یعنی اس کے کلام پر ایمان نہ لائے اور اس کی آیات بینات پر یقین نہ لائے۔ پھر آگے ان کے انکار کی کیفیت اور اس کی سزا جو دار آخرت میں ہوگی بیان فرماتا ہے اس مناسبت سے مسئلہ معاد کا بھی بڑے عمدہ محل پر ذکر ہو گیا یہی وہ بلاغت ہے جو حدِ اعجاز کو پہنچ گئی۔ فرماتا ہے وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ الخ یہاں سے منکروں کے اقسام ذکر کرتا ہے اور انکار پر برانگیختہ کرنے والی خباثت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ قسم اول سن کر کانوں میں مار جانے والے گویا سنا ہی نہیں تکبر کی راہ سے اس کی کچھ پرواہی نہ کی۔ اور اس کا محرک اور مادہ کیا ہے افک اثم جو افاک واثیم سے سمجھا گیا۔ افک جھوٹ بولنا افاک بڑا جھوٹا اثم گناہ اثیم بڑا گنہگار۔ بے شک جس میں یہ بد خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے حق قبول کرنے کا مادہ نہیں رہتا۔ یہ قریش کے بعض سرداروں کی عادت تھی جن کی طرف ان لفظوں میں اشارہ ہے۔ اول اس کے لیے صرف لفظ ویل فرمایا تھا یعنی خرابی ہو اس کی یا ویل جہنم کی ایک جگہ ہے کہ یہ جگہ اس کی ہے اس کے بعد اس کے جرم کی کافی سزا بیان فرماتا ہے فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اس کو عذاب الیم کا مژدہ سنا۔ اس کے بعد دوسری قسم کے انکار کا ذکر کرتا ہے وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا الخ کہ اس کو جب ہماری کوئی آیت معلوم ہوتی ہے تو انکار ہی نہیں بلکہ اس پر تمسخر اور ٹھٹھا بھی کرتا ہے اس کو ذلیل کرنے کے لیے یہ پہلے سے بھی بڑھ کر جرم ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ بیان کرتا ہے کہ اس کے لیے ذلت دینے والا عذاب ہے اور ان کے آگے جہنم ہے اور ان کی کمائی اور ان کے معبودان کے وہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس بحث کو تمام کر کے پھر اصل بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ ھذا ھدی یہ قرآن مجید جس کا انکار اور جس پر ٹھٹھا کرتے ہیں ہدایت ہے پھر جو ہدایت کا انکار کرے اس کو سخت عذاب ہے من رجز والرجز اشد العذاب بدلیل قولہ تعالیٰ وَلَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٢ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١٣ قُلْ
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا
بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝١٤ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ
فَعَلَیْهَا ؗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝١٥

اللہ وہ ہے کہ جس نے دریا کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو اور اس نے آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو اپنے کرم سے تمہارے کام پر لگا دیا ہے البتہ اس میں فکر کرنے والوں کی (بڑی) نشانیاں ہیں (اے رسول!) ایمانداروں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کے وقائع کی پروا نہیں کرتے ان کو معاف کریں ان لوگوں کو جو کچھ کیا کرتے تھے اس کا آپ بدلہ دے گا جو کوئی نیک کام کرتا ہے اپنے ہی لیے کرتا ہے اور جو کوئی برا کرتا ہے تو اپنے سر پر وبال لیتا ہے پھر تم کو تو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔

ترکیب : جمیعا حال من مافی السماوات الخ وتاکید لہ ومنہ متعلق بمحذوف ای کائنا منہ او بسخر او حال من مافی السماوات او خبر لمبتدء محذوف لتجری اللام متعلقۃ بیغفروا وقری لنجزی بالنون۔

تفسیر ..... دریا کا مسخر ہونا : پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان کرتا ہے اور عرب کے روزمرہ کی بات میں اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاویں فقال اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے دریا کو بس میں کر دیا کہ اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور روزی تلاش کرتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے دریا میں کہ سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے ہواؤں کے ذریعہ سے لاکھوں من بوجھ لے کر پانی عمیق پر سے گزرتے ہیں اور ہوا بھی وہ شے ہے کہ اگر مخالف ہو جاوے تو یہی ہلاک کرنے کو بس ہے اب وہ کون ہے کہ جس کے بس میں کرۂ ماء اور کرۂ ہوا ہے؟

ہر چیز کا مسخر ہونا: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اس پر کیا موقوف ہے جس قدر چیزیں آسمان و زمین میں ہیں آفتاب، ستارے، بارش، آندھی، حجر، شجر، حیوانات سب تمہارے لیے بس میں کر دیے اور کام پر لگا رکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب چیزوں سے تم کو فوائد حاصل ہیں اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کو اگر صرف ایک روٹی بہم پہنچنے کے سامانوں کو غور کیا جائے تو بیساختہ بول اٹھے کہ یہ سب کاری گری اسی قادر مختار کی ہے۔ ان دلائل سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لاشریک لہ ہونا اور محسن و مربی ہونا کمال درجہ پر ثابت ہو گیا اور اس کا علم بھی ظاہر ہوا کہ بندوں کی سرکشیاں دیکھتا ہے اور ایسا قادر ہے مگر پھر بھی درگزر کرتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمانداروں سے کہہ دے وہ بھی حلم و مغفرت کی عادت سیکھیں اور ان لوگوں سے جو اللہ کے وقائع کے قائل نہیں اور اس کے مصائب سے نہیں ڈرتے جو اعداء دین پر نازل ہوئی تھیں ان سب کو وہ جھوٹ جانتے ہیں اور ایمانداروں سے سختی سے پیش آتے ہیں، سخت کلامی، بدگوئی، بدمزاجی، بدمعاملگی، دست درازی مومنوں پر کرتے ہیں، درگزر کریں انتقام کے درپے نہ ہوا کریں۔ کفار مکہ مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے مسلمان بھی انہیں کے ملک اور انہیں کے قوم کے لوگ تھے غصہ آتا تھا کہ ان سے لڑ مریں ماریں مر جاویں مگر صبر کرنے کا حکم ہوا۔ یہ مسئلہ جہاد کے مخالف نہیں ہے کس لیے کہ جہاد تنہا اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مجموعی طاقتِ اسلامیہ کا فعل ہے جو اس کے موقع پر بصورت عمل میں لائی جاتی ہے۔

لیجزی معاف کریں تاکہ اللہ خود اس قوم کفار کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اگر تم نے آپ بدلہ لے لیا تو پھر خدا نہیں لے گا۔ تم صبر کرو تمہاری طرف سے وہ بدلہ لے گا۔ قوما سے بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان مراد ہیں تب یہ معنی ہوئے اے ایماندارو! معاف کیا کرو تاکہ اللہ ایک قوم یعنی ایمانداروں کو ان کے اعمال کا نیک بدلہ دے منجملہ ان کے اعمال حسنہ کے یہ معاف کرنا ہے۔ اور معاف کرنا اس لیے چاہیے کہ من عمل صالحا فلنفسہ الخ جو کوئی نیک کام کرے گا اس کا آپ عمدہ پھل پاوے گا اور جو کوئی بدی کرتا ہے اپنے سر پر بوجھ دھرتا ہے پھر تم کیوں ان کی بدی سے ڈرتے ہو اور کس لیے ان سے الجھتے ہو جہاں نیک بات کہنے اور بدی سے منع کرنے میں فتنہ و فساد ہو وہاں سکوت کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ یہ آیت اس طرف ایماء کر رہی ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ
مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝١٦ وَ اٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ
فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ

رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ
جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا
السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً
مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۸

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی تھی اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی بھی دی تھی اور ان کو دنیا پر بزرگی بھی دی تھی اور ان کو دین کے کھلے (کھلے) احکام بھی دیے ان پر انہوں نے اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد صرف آپ کی ضد سے۔ بے شک آپ کا رب ان میں قیامت کے دن فیصلہ کردے گا جن چیزوں میں کہ وہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے پھر تجھ کو دین کے رستہ پر قائم کیا پھر آپ اسی پر چلیے اور نادانوں کی خواہشوں پر نہ چلیے کیونکہ وہ اللہ کے سامنے آپ کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور ظالم آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوا کرتے ہیں اور اللہ تو پرہیزگاروں کا رفیق ہے۔ یہ لوگوں کے لیے بصیرت اور ہدایت ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے رحمت کیا گناہ کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ان کو ایمان داروں نیک کام کرنے والوں کے برابر کردیں گے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے وہ بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

ترکیب : ام منقطعۃ۔ بمعنی بل مع الانکار۔ قیل الانتقال من البیان الاول الی الثانی والھمزۃ لانکار الحسبان۔ والاجتراح الاکتساب ومنہ الجوارح ان نجعلھم الجملۃ بتاویل المصدر مفعول لحسب کالذین مفعول ثان لنجعل۔ سواء بالنصب ھو حال من الضمیر المستتر فی قولہ کالذین آمنوا وانہ مفعول ثان لحسب وقرء بالرفع فمحیاھم مبتداء ومماتھم معطوف علیہ وسواء خبر مقدم۔ وقیل رفع مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ بسواء لانہ بمعنی مستو۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ کہ اللہ نے تم پر یہ یہ احسانات کیے اس کے بعد دینی احسانات کا تذکرہ کرتا ہے اور سب سے اول بنی اسرائیل کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو کتاب توریت دی تھی یا عام ہے اور کتب انبیاء بھی مراد ہوں اور حکومت بھی اس کے نافذ کرنے کے لیے عطا کی تھی اور نبوت کا سلسلہ بھی ان میں قائم کیا کہ یکے بعد دیگرے بہت سے نبی ان میں پیدا ہوئے اور دنیا کی بھی ان کو فراخ دستی عطا کی اور فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ان کو اس عہد کے سب لوگوں پر عزت و بزرگی بھی دی تھی۔ اور بینات امر بھی عطا کیے تھے یعنی معجزات وکرامات اکثر لوگ ان میں ایسے ہوتے تھے کہ مستجاب الدعوات تھے اور ان کی بزرگی و خداپرستی کی دلیلیں ان کے کشف و کرامات ہوتے تھے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حلال و حرام طہارت و نجاست کے صاف صاف احکام و دستورات ہیں۔ بعض کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبریں۔ یہ بھی بنی اسرائیل کے علماء کو دی گئی تھیں جن سے ان کو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کا انتظار تھا۔ خیر یہ سب کچھ تو دیا مگر پھر بنی اسرائیل کی ناشکری دیکھیے فَمَا اخْتَلَفُوْا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ جان بوجھ کر آپس میں اختلاف ڈال دیا بہت

سے فرقے بن گئے۔ سلطنت کے بھی کئی ٹکڑے ہو گئے اور یہ کیوں کیا بَغْيًا بَيْنَهُمْ محض باہمی سرکشی و عداوت سے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام نعمتیں ان سے چھن گئیں اور ان کے جرم کی سزا اور اختلافی امور کا فیصلہ آخرت میں ہوگا اور یہ نعمت اے محمد ﷺ تجھے عطا ہوئی کما قال ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ کہ جب ان میں اختلاف پڑا اور وہ دینی نعمت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور دنیا ظلمات و جہالت سے بھر گئی تو اس محسن قدیم نے اے محمد ﷺ تجھے مبعوث کیا اور تجھ کو شریعت دی گئی سوائے کفار و مشرکین اے اہل کتاب آنحضرت ﷺ کی نبوت کوئی نئی بات نہیں پھر کیوں تعجب کرتے ہو؟

پھر آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے فَاتَّبِعْهَا آپ اس شریعت کا اتباع کیجیے ان نادانوں کی خواہشوں کو نہ دیکھیے جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ تیرے کچھ کام نہ آویں گے اللہ کے مقابلے میں۔ ہاں یوں یہ ستمگار آپس میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار رہیں ہوا کریں۔ اللہ پرہیزگاروں کا رفیق و مددگار ہے۔ یہ قرآن ایمان والوں کے لیے بینائی و ہدایت و رحمت ہے۔ سبحان اللہ مسئلہ نبوت کو کس عمدہ اسلوب سے ثابت کیا اور کس موقعہ پر کلام کو تمام کیا۔ اس کے بعد بدی کر کے اس پر دلیری کرنے والوں کو تنبیہ کرتا ہے ام حسبوا الخ کہ کیا بدی کرنے والے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم ان کو دنیا و دین میں نیکوں کے برابر کردیں گے کہتے ہیں صاحب جب یہ بخشے جاویں گے تو ہم کیا جنت سے پیچھے رہ جائیں گے یہ ہرگز نہ ہوگا سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کیا ان کی اور ان کی حیات و موت برابر ہے؟ نہیں نیکوں کی حیات بھی عمدہ موت بھی بہتر بدوں کی دونوں خراب۔ ابن عباس ؓ یا یہ معنی کہ گو زندگی میں تو ایمانداروں کے برابر ہیں رزق میں تندرستی میں پھر کیا موت میں بھی برابر ہو جاویں گے۔ موت و حیات دونوں میں برابر ہو گئے؟ نہیں یا یہ کہو کہ بدوں کی موت و حیات دونوں یکساں ہیں نہ اس جہان میں خیر نہ وہاں خیر اور مومنوں کی دونوں برابر ہیں یہاں بھی خیر وہاں بھی خیر۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ
اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ
فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا
حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ
بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ
ع ۳ ۱۹ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا اور تاکہ ہر ایک شخص کو اس کے کیے کا بدلہ ملے اور ان پر ظلم نہ ہوگا بھلا تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جو اپنی خواہش کا

مردہ بن گیا اور اللہ نے باوجود سمجھ کے اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا پھر اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کرتا ہے حالانکہ ان کو اس کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو کہہ دو اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر وہی تم سب کو قیامت میں جمع کرے گا جس میں کچھ بھی شبہ نہیں لیکن اکثر آدمی جانتے ہی نہیں۔

تفسیر : جبکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ کافر و مومن درجات سعادت میں برابر نہیں تو اس کے اب دلائل بیان فرماتا ہے: فقال وَ خَلَقَ اللّٰہُ الخ یہ اول دلیل ہے کہ اللہ نے آسمانوں و زمین کو برحق بنایا اگر نیک و بد برابر ہو جائیں تو یہ انتظام عالم درہم برہم ہو جاوے (۲) لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ الخ اس کا عطف بالحق پر ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق ظاہر کرنے کے لیے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے ظلم نہ ہو یعنی مقصود اس عالم کے پیدا کرنے سے عدل و رحمت کا ظاہر کرنا ہے اور یہ جب ہی پورا ہوگا کہ قیامت برپا ہو وہاں نیک و بد کا پورا انصاف ہو کر پوری جزاء و سزا دی جاوے۔ (۳) اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـھَهٗ ھَوٰهُ یہاں کلام کا دوسرا طرز پلٹ دیا اور استفہام انکاری کے طور سے پوچھتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب! تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جس نے اپنی خواہش نفسانی کو معبود بنا رکھا ہے خواہش کے بندے ہیں جو وہ حکم دیتی ہے اسی کے بجالانے پر کمربستہ ہیں۔ یعنی بد اور نیک کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ بد نے خواہش نفسانی کے آگے سر جھکا رکھا ہے نیک و مومن نے اپنے اللہ کے آگے۔ (۴) وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ اس کا عطف اتخذ پر ہے کہ اس کو بھی دیکھا کہ جس کو اللہ نے علم سے گمراہ کر دیا۔ یعنی بد خو ہے تو ازلی گمراہ ہے عَلٰی عِلْمٍ یعنی اللہ جانتا تھا کہ اس کی روح صلاحیت قبول نہیں کر سکتی۔ واضح ہو کہ ارواح بشریہ مختلف ہیں بعض نورانی علوی ہیں اور بعض مکدر ظلمانی سفلی ہیں جن کو لذائذ جسمانیہ و شہوات نفسانیہ کی طرف بڑا سخت میلان ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ویسا ہی کرتا ہے جو اس کی ماہیت و جوہر کے لائق ہو۔ پس عَلٰی عِلْمٍ کے یہ معنی ہوئے۔ اور اسی کی تائید ہے اس جملہ میں وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ الخ کہ اللہ نے اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا یہ اس کے پردے ہیولانی و حجابات ظلمانی ہیں پھر اس کو حق کیونکر دکھائی دے کیونکر سنائی دے کیونکر دل میں جمے۔ ایسے کو کون ہدایت کر سکتا ہے اللہ کے بعد یعنی اس کے گمراہ کرنے کے بعد مطلب یہ کہ کافر و بدکار کی ذات و اصالت میں قصور ہے برخلاف مومن صالح کے کہ اس کی ذات یعنی جوہر روح میں نورانیت رکھی ہوئی ہے پھر دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ یہ خدا کے گمراہ کردہ ہیں آنحضرت ﷺ سے ہدایت پر نہ آنا آنحضرت ﷺ کی منقصت ثابت نہیں کرتا۔ عَلٰی عِلْمٍ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودیکہ اس کافر و بد کو سمجھ بوجھ دی نیک و بد میں امتیاز کرنے کا ملکہ دیا مگر اس نے سب کو بیکار کر دیا بگاڑا تھے خوبصورت بنا کے۔ (۵) وَقَالُوْا مَاهِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا الخ یعنی مہر کرنے کا یہ اثر ہوا کہ دار آخرت کو بھول گئے اسی چند روزہ زندگی پر پھول گئے کہ صرف یہی زندگی ہے یہی ایک مرنا جینا ہے۔ اور خدا کو بھی بھول گئے وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ اور کہہ دیا کہ ہم کو صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے خدا کوئی نہیں گردش ایام سے قوائے بدنیہ تحلیل ہوتے ہوتے اس مرتبہ ہو جاتے ہیں کہ ایک روز اس کا چراغ حیات گل ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے یہ حمقاء دہر کو نہیں جانتے عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں دراصل ان گردش ایام کا مالک اللہ ہے اسباب پر نظر ہے مسبب الاسباب پر نہیں۔ (۶) وَاِذَا تُتْلٰی الخ اور یہاں تک ان پر خباثت غالب آئی ہے کہ جب ان کو اللہ کی کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو حشر کے بارہ میں یہ حجت کرتے ہیں کہ ہمارے مرے باپ دادا کو لے آؤ تو جانیں۔ فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ کہ کہہ دے اللہ تم کو زندہ رکھتا ہے وہی موت دے گا پھر وہی قیامت میں سب کو جمع کرے گا لیکن اکثر کو خبر نہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّخْسَرُ

الْمُبْطِلُوْنَ (۲۷) وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ کُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤی اِلٰی کِتٰبِهَا ؕ
اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۸) هٰذَا کِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ
بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۹) فَاَمَّا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ (۳۰) وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ
فَاسْتَکْبَرْتُمْ وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ (۳۱) وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ
اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (۳۲) وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (۳۳)

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو ہے اور جس روز کہ قیامت برپا ہوگی اس دن جھٹلانے والے تباہ ہوں گے اور ہر فرقے کو گھٹنوں پر سر ڈالے ہوئے دیکھے گا ہر ایک جماعت کو ان کے دفتر کی طرف بلایا جاوے گا (کہیں گے) آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہمارا دفتر تم پر سچ سچ بول رہا ہے کیونکہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کو ہم لکھوا لیا کرتے تھے پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے پس ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہ ہے صریح کامیابی اور وہ کہ جنہوں نے کفر کیا (ان کو کہا جائے گا) کہ کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی جایا کرتی تھیں پھر تم نے غرور کیا اور تم نافرمان لوگ تھے اور جبکہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شبہ نہیں تو تم کہہ دیا کرتے تھے ہم نہیں جانتے کیا چیز ہے قیامت ہم تو اس کو صرف خیالی بات جانتے ہیں اور ہم کو یقین نہیں اور ان پر ان کے اعمال کی برائی ظاہر ہو جاوے گی اور ان پر وہ آفت آ پڑے گی کہ جس سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

ترکیب : یوم ظرف والعامل فیہ یَخْسَرُ یومئذ بدل منہ وقیل العامل الملک ینطق منصوب محلا علی الحال اومرفوع علے انہ خبر آخر لھذہ الساعۃ قرء بالرفع علی معنی وقیل الساعۃ لاریب فیھا بالنصب عطفا علی وعد اللہ۔ جواب اما محذوف تقدیرہ واما الذین کفروا فیقال لھم۔

تفسیر : کفار کے عقائد فاسدہ کے ذکر میں بیان ہوا تھا کہ وہ حشر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دکھاؤ۔ اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ کہہ دیجئے اللہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور وہ حشر کے دن جمع کرے گا۔ اب امکان حشر اور اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے فقال وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ کہ اللہ کے قبضہ میں آسمان و زمین ہیں یعنی وہ اتنی بڑی چیزوں پر قادر ہے پھر انسان کو مرنے کے بعد زندہ کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہے۔ الغرض وہ قادر مطلق ہے۔ یہ امکان حشر کی دلیل تھی۔ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ سے لے کر آخر تک اس کے واقع ہونے کا بیان ہے اور اس کے ضمن میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس روز کیا ہوگا؟ وہ یہ کہ اس روز مبطل یعنی حق کو جھوٹا کہنے والے اور جھوٹ سمجھنے والے یا اپنی سعادت کے حصہ کو باطل و غلط کرنے والے۔ الغرض بد اور ناکارہ لوگ خسارہ پاویں گے عمر گرانمایہ لے کر جو دنیا میں جنس سعادت خریدنے آئے تھے اس کو بری چیزوں کے خریدنے میں برباد کر دیا۔ اب مالک کے

سامنے جو حساب ہوا تو معلوم ہوا کہ خسارہ میں پڑے۔ اور اس دن ہر گروہ ادب سے تختِ رب العزت کے سامنے سرنگوں یا گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا۔ لیث کہتے ہیں الجثو الجلوس علی الرکب کما یجثی بین یدی الحاکم۔ مورج کہتے ہیں کہ اس کے معنی زبانِ قریش میں خاضعہ کے ہیں یعنی باادب۔ اور ہر ایک گروہ کو ان کے نامہ اعمال دینے کو بلایا جاوے گا بعض کہتے ہیں کتاب منزل کی طرف بلائیں گے کہ مقابلہ کیا جاوے اس کے موافق عمل کیا تھا یا مخالف۔ مطلب یہ کہ حساب شروع ہوگا دفترِ الٰہی ہر بات سچ سچ کہہ دے گا کیونکہ جو تم اے بندو! کرتے تھے اس کو ہم اس میں لکھ لیتے تھے یعنی وہ عالمِ مثال میں منقش ہو جاتا تھا یعنی اس کا چھاپا چھپ جاتا تھا سو وہ یہ دفتر ہے پس نیک جنت میں آرام پاویں گے جو رحمتِ الٰہی ہے یعنی اس کی رحمت کا مظہر ہے۔ اس جملہ میں لفظ رحمت نے جنت کی حقیقت بھی بیان کردی کہ وہ مظہرِ رحمت ہے دنیاوی باغ نہیں ہے۔ اور جو بد ہوں گے یعنی کافروں سے کہا جاوے گا کیا تم کو آیاتِ الٰہی نہیں سنائی جایا کرتی تھیں مگر تم نے سرکشی کی اور تم بڑے مجرم تھے۔ اور جب تم سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت بلاشک آوے گی تو تم اے کافرو! یہی کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کو یقین نہیں ہاں ایک وہم سا ہے۔ کفار کے اس بارے میں دو فریق تھے بعض تو صریح انکار کرتے تھے جن کا پہلی آیتوں میں ذکر ہوا بقولہ وقالوا ما هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا اور بعض کو شک و تردد تھا جن کا اس جگہ ذکر ہے اس کے بعد ان کا انجام بتلاتا ہے فقال وَ بَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ کہ ان کے اعمالِ بد کی برائی ان کے سامنے ظاہر ہو کر آوے گی عذاب کی شکل میں اور جس سے وہ دنیا میں تمسخر کیا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا یعنی عذاب۔

وَ قِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا
لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝۳۴ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ
الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۳۵ فَلِلّٰهِ
الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۳۶ وَ لَهُ الْكِبْرِیَآءُ
فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۳۷

اور کہا جائے گا آج کے دن ہم تم کو فراموش کریں گے جیسا کہ تم نے اپنے آج کے دن کے ملنے کو فراموش کر دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور تمہارا کوئی بھی مدد کرنے والا نہیں۔ یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی میں اڑایا تھا اور تم کو دھوکے میں ڈال دیا تھا دنیا کی زندگی نے۔ پھر آج نہ وہ یہاں سے نکل سکیں گے اور نہ ان کا عذر قبول ہوگا۔ پس اللہ ہی کو سب خوبی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب جہان کا رب ہے۔ اور اسی کی عزت ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب : اضاف اللقاء الی الیوم توسعالانہ اضاف الی الشیٔ ما ھو واقع فیہ کمکر اللیل کما تقدم اعرابہ فی اکثر المواضع و ماوٰکم الجملۃ معطوفۃ علی الیوم الخ وکذا لاھم یُسْتَعْتَبُوْنَ ای لا یطلب منھم العتبی وھو الرجوع الی طاعۃ اللہ۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ ان کے اعمال کی برائی جو ان پر پڑے گی منجملہ اس کے ایک یہ بات ہوگی کہ جہنم میں ڈال کر ان سے یہ عتاب آمیز کلام کیا جاوے گا جس سے ابدی مایوسی ٹپکتی ہے اور جو کچھ آس تھی وہ بھی ٹوٹ جاوے گی۔ تین جملے بیان ہوئے۔ اول اَلْیَوْمَ نَنْسٰكُمْ کہ آج ہم تم کو بھول جاویں گے یعنی بمنزلہ بھولے ہوئے کے کردیں گے سخت بے پروائی کریں گے۔ جیسا کہ تم آج کے دن کے سامان اور اس کے پیش آنے سے غافل و بےخبر و بے پروا ہو گئے تھے۔ نسیان سے وہ ذاتِ مقدس پاک ہے ایسے الفاظ کا اس کی نسبت استعمال

مجازاً ہے جیسا کہ متعدد مقامات میں ہم بیان کرآئے ہیں۔ (دوم) وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔ (سوم) وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ تمہارا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا کہ تم کو اس بلا سے چھڑائے۔

اس کے بعد ان کے تین جرم بھی بیان ہوتے ہیں جن پر ان کو یہ سزا ملی۔ اول دینِ حق کا انکار اور پھر اس پر اصرار دوم اس سے تمسخر اور ٹھٹھا کرنا ان دونوں جرموں کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آیَاتَ اللّٰهِ هُزُوًا۔ سوم حبِّ دنیا میں ڈوب جانا اور آخرت سے مطلقاً غافل ہو جانا۔ اس جہانِ فانی کی زینت اور لذات میں ایسا مبتلا ہونا کہ انہیں باقی سمجھ لینا اور ان کے مقابلہ میں دوسرے عالم کی پروا نہ کیا اس سے منکر ہو جانا۔ یہ ہے دنیا کا دھوکا جس میں لاکھوں مبتلا ہیں۔ بوڑھے ہو گئے ہیں سفر درپیش ہے اور ایسا کہ پھر کر یہاں کبھی نہیں آنا مگر دنیاوی مال و جاہ اور اس کے فراہم کرنے میں ایسے بے ہوش ہیں کہ آگے کی کچھ بھی خبر نہیں رہی کیا خوب کہا ہے کسی دانا نے۔

بدنیا دل منہ بندد ہر کہ مرد است ۔۔۔ کہ ایں دنیا سراپا رنج و درد است
برو بارے بگورستاں گزر کن ۔۔۔ کہ ایں دنیا حریفاں راچہ کرد است

سو یہ بڑا جرم ہے اس کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وَغَرَّتْكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا کہ تم کو حیاتِ دنیا نے فریب میں ڈال رکھا تھا۔ ان کے بعد سزا کو تمام کرتا ہے فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا کہ آج اس جہنم سے چھٹکارا نہیں نہ کوئی عذر قبول ہوگا۔ ان مباحثِ روحانیہ کو ذکر کرکے سورۃ کو حمدِ باری پر تمام کرتا ہے فقال فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ الخ کہ اللہ کو سب ستائش اور خوبیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب یعنی خالق اور پرورش کرنے والا ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے عزت و بڑائی ہے اور وہ زبردست بھی ہے حکمت والا بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت ازار پھر جو کوئی میرے مقابلہ میں ان کا طالب ہوگا ان کو میں جہنم میں ڈال دوں گا۔ رواہ مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

مر اورا رسد کبریاء و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حٰمٓ ۝۱ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝۲ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ
مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ
قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۴ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ

غفلون ﴿۵﴾ واذا حشر الناس کانوا لھم اعداء وکانوا بعبادتھم کفرین ﴿۶﴾

(یہ) کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے اتری ہے ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو درستی سے اور ایک وقت معین تک ہی بنایا ہے اور منکروں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں تو کہہ دو بھلا بتاؤ تو سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ زمین میں انہوں نے کونسی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یا کوئی علم چلا آتا ہو وہ لاؤ اگر تم سچے ہو اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے کہ جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا ہے کہ جو قیامت تک اس کے پکارنے کا جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو اور جب آدمی جمع کئے جاویں تو ان کے دشمن ہو جاویں اور ان کی عبادت کا انکار کریں۔

ترکیب: من قبل فی موضع جرای بکتاب منزل من قبل ھذا۔ الا بالحق استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای الاخلقا ملتبسا بالحق۔ واجل مسمی عطف علی الحق بتقدیر مضاف ای بتقدیر اجل مسمی او اثارۃ مجرور عطفا علی کتاب و من فی موضع نصب بیدعوا وھی نکرۃ موصوفۃ او بمعنی الذی۔

تفسیر: احقاف ملکِ یمن میں ایک وادی ہے جہاں قومِ عاد رہا کرتی تھی۔ یہ حقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ریتے کا ٹیلا۔ اس وادی میں ریتے کے بہت ٹیلے ہیں زیادہ تحقیق جغرافیہ عرب میں بیان ہوتی ہے۔ اس بڑے حادثہ کا ذکر اس سورہ میں تھا اس لیے اس کو سورہ احقاف کہنے لگے۔ یہ سورہ بھی باتفاق جمہور مکہ میں نازل ہوئی تھی سرکش قریش کو قومِ عاد کی حالت بتا کر خوف دلانے کے لیے۔

حم کے معنی بیان کر آئے ہیں اس سورہ میں بھی انہیں چاروں اصولِ ملیہ سے بحث ہے مگر ہر جگہ نئے عنوان اور نئے پیرائے سے اور اسی لیے یہ مضامین قرآن مجید میں مکرر واقع ہوئے کیونکہ یہ باتیں بڑی ہیں ان کو مختلف عنوان سے بیان کرنا چاہیے تاکہ ناظر کے ذہن نشین ہو جاوے۔ وہ چار اصول یہ ہیں: (۱) اثباتِ نبوتِ آنحضرت ﷺ کس لیے کہ جب تک صدقِ قائل ثابت نہ ہوگا اس کی بات دل میں جگہ نہ پاوے گی۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اثبات قرآنِ مجید کے آسمانی کتاب ہونے سے کیا تاکہ اس کتاب کی بھی وقعت ثابت ہو جاوے اور در حقیقت قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی معجزہ یا سند آنحضرت ﷺ کی نبوت کے لیے نہیں ہو سکتی اس لیے سب سے اول اسی اصل کا ذکر کرتا ہے فقال تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم کہ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ عزیز و حکیم کے لفظوں میں اس کی صداقت کے لیے دو گواہ عدل بٹھا رکھے ہیں اول عزیز جس سے شوکت و حکومتِ شاہانہ کی طرف ہے اگر بغور دیکھئے تو تمام قرآنِ مجید کا طرزِ کلام یہ گواہی دے گا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دوسرا گواہ حکیم کہ جو کچھ اس میں حکمتیں اور مصالحِ عباد ہیں اور مشرق و مغرب شمال و جنوب کے طبائعِ مختلفہ کے لیے یکساں نافع ہیں۔ کلام کی شان کہہ دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے؟

(۲) اثباتِ صانعِ عالم یعنی اس جہان کے بنانے والے کا ثبوت اس جہان کی حالت ہی کو گواہ بنا کر اور اس کے صفاتِ کاملہ کا ثبوت یہ بھی بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ اس کو کن سہل لفظوں میں اور سہل طریقے سے بیان فرماتا ہے ماخلقنا السماوات الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کو بنایا ہے ہمیں ان سب کے خالق ہیں اور کوئی نہیں اور اثبات کی دو دلیل ہیں: اول کہ اگر یہ بڑے بڑے کرے اور ان کے اندر کی یہ چیزیں از خود ہوتیں تو ان میں یہ حق یعنی موزونیت نہ ہوتی اور باوجود گردش کے اب تک کئی بار ٹکرا گئے ہوتے۔ (دوم) اجل مسمی کہ یہ چیزیں ابدی نہیں بلکہ ان کی ایک عمر طبعی رکھی ہوئی ہے اس کے بعد یہ فنا ہو جاویں گے یہ بات اطوار و اوضاعِ عالم میں نظر کرنے سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ (۳) توحید بت پرستی کی قباحت اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے قل ارایتم الخ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں ان سے پوچھا انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ اب اگر کوئی دلیل نقلی رکھتے ہو تو کسی نبی کی کتاب یا ان سے کوئی

روایت ہے وہ بیان کرو۔ اثارۃ[1] کے یہ معنی ہیں پھر فرماتا ہے اس سے گمراہ زیادہ کون ہے جو ایسی بیکار چیز کو پکارے کہ جو حشر تک اس کی بات کا جواب نہ دے اور نہ سن سکے یعنی بت اور جو ارواح طیبات ملائکہ وغیرہ کو پکارتے ہیں تو وہ الٹے ان کے دشمن ہو جاویں گے اور انکار کریں گے کہ ہم کو نہیں پکارتے تھے بلکہ شیاطین کو۔

واذا تتلی علیھم ایتنا بینت قال الذین کفروا للحق لما جاءھم
ھذا سحر مبین ﴿۷﴾ ام یقولون افترىه قل ان افتریته فلا تملکون لی
من اللہ شیئا ھو اعلم بما تفیضون فیه کفی به شھیدا بینی
وبینکم وھو الغفور الرحیم ﴿۸﴾ قل ما کنت بدعا من الرسل وما
ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا
نذیر مبین ﴿۹﴾ قل ارءیتم ان کان من عند اللہ وکفرتم به
وشھد شاھد من بنی اسراءیل علی مثله فامن واستکبرتم
ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین ﴿۱۰﴾

اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو منکر سچی بات کو جبکہ ان کے پاس آئی کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو از خود بنا لیا ہے ان سے کہہ دو اگر میں نے اس کو از خود بنا لیا ہے تو تم اللہ کے مقابلہ میں میرا کچھ بھلا نہیں کر سکتے وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم پڑے ہو۔ اس کی گواہی بس ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وہ غفور رحیم ہے۔ تم کہہ دو میں کچھ انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور مجھے کیا خبر کہ مجھ سے کیا کیا جاوے گا اور تم سے کیا۔ میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میری طرف بھیجا جاتا ہے میں جو ہوں صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ کہہ دو بتاؤ تو سہی اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوئی اور تم اس کے منکر ہو چکے اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایک ایسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان بھی لے آیا اور تم اکڑتے ہی رہے بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر: پہلی بات کا پھر اعادہ کرتا ہے یعنی مسئلہ نبوت کا۔ کس لیے کہ عرب میں سینکڑوں برس سے کوئی نبی نہیں آیا تھا بلکہ اس سے ان کے کان بھی آشنا نہ تھے۔ ہاں اہل کتاب سے بھی کچھ انبیاء کا ذکر سنا کرتے تھے اس لیے ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں بڑا شک و تردد تھا اور ہم کہہ چکے ہیں کہ باقی باتوں کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے طبائعِ عامہ کے نزدیک۔ پس اس کے قوی کرنے کو پھر اس میں کلام کرتا ہے فقال واذا تتلی علیھم الخ کہ ان جہال کا عجب حال ہے کہ جب ان کو ہماری آیتیں کھلی کھلی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہہ دیتے ہیں۔ یہ تو صاف جادو ہے۔ عرب میں اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر چیز کو سحر کہتے تھے چونکہ قرآن مجید کی خوبیاں جو اہل زبان ہونے کے سبب ان کے اذہان میں آئیں اس کو اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر سمجھ کر خدا کی طرف تو منسوب نہ کیا بلکہ جادو کہہ

[1] ابوعبیدہ و زجاج کہتے ہیں اس کے معنی ہیں من علم ای بقیۃ معنی باقی بچی ہوئی چیز اس کی تفسیر میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس کے معنی بقیہ کے ہیں اثیرہ و اثارہ بقیہ۔ دوم اثر بمعنی روایت۔ سوم اثر بمعنی علامۃ ۱۲ منہ

دیا۔ آنحضرت ﷺ سے بطور انکار و تعجب کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طبیعت سے بنالیا ہے؟ کہہ دے اگر میں نے ایسا کیا ہے تو ضرور ایسے شخص پر ہلاکت نازل ہوتی ہے جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں مذکور ہے کہ جو کوئی نبی خدا کی طرف وہ بات منسوب کرے کہ جو اس نے نہیں کہی وہ قتل کیا جائے گا۔ اور عقل بھی چاہتی ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو نظام ملی میں فرق آجائے۔ پس مجھ کو اللہ کے عذاب سے کون بچا سکے یعنی اگر میں جھوٹا ہوتا تو سرسبز نہ ہوتا آسمانی بلا مجھ پر آتی۔ پس معلوم ہوا کہ تم جھوٹے ہو جھوٹی باتیں بناتے ہو وہ اللہ سے مخفی نہیں میرے تمہارے درمیان اس کی گواہی بس ہے۔

پھر ان کے تعجب کو دفع کرتا ہے فقال قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہ ان سے کہہ دے میں کوئی نیا یا انوکھا رسول نہیں ہوں جو مجھ سے بار بار معجزات طلب کرتے ہو اور میرے حوائج بشریہ پر طعن کرتے ہو کہ رسول ہو کر کھانا کھاتا ہے بازاروں میں خرید و فروخت کو جاتا ہے اس لیے اوصاف بشریت بیان کرتا ہے کہ کیسا ہی اولوالعزم نبی کیوں نہ ہو ان سے الگ نہیں ہو سکتا۔ فقال وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ آیت کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے مگر صاف معنی یہ ہیں کہ دنیا میں حوادث پیش آنے والوں کی بابت کہ کل میرے ساتھ کیا ہوگا بیماری تندرستی وغیرہ ذلک اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا مجھے کیا معلوم ہے؟ یہی مضمون ایک جگہ یوں آیا ہے وما تدری نفس ماذا تکسب غدًا کہ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا؟ ان امور میں آنحضرت ﷺ اسی قدر کے غیب داں تھے جس قدر کہ آپ کو بتلایا گیا اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے اور کفار کے امور اُخروی میں لاعلمی تھی اپنے مطیعوں کا جنتی مخالفوں کا جہنمی ہونا معلوم تھا۔ اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اعتراض کیا ہے بڑی غلطی کی ہے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کہ میں صرف وحی کا تبع اور ڈرسنانے والا ہوں خدا نہیں ہوں نہ فرشتہ ہوں۔ اس کے بعد مسئلہ نبوت کو اور دوسری طرح سے بیان فرماتا ہے قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الخ کہ قریش مکہ ذرا اس بات کو تو سوچو کہ اگر یہ منجانب اللہ ہو (جو ہے مگر اس طرح سے گفتگو علی سبیل الزام ہوا کرتی ہے) اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس پر گواہی دی تو بتاؤ تمہارا کیا درجہ ہوگا؟ کیونکہ اس کے باطل ہونے پر بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ شاہد کا بیان شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ کے معنی میں علماء کے دو قول ہیں جمہور کا یہ قول ہے کہ اس گواہ سے مراد کہ جس نے گواہی اس پر دی (کیونکہ مثل کا لفظ زائد ہے اس سے مراد وہی شے ہے جیسا کہ کہتے ہیں مثلک لا تبخل مراد یہ کہ تم بخل نہیں کرتے) وہ عبداللہ بن سلام ؓ ہیں جو کتب سابقہ میں آنحضرت ﷺ کی پیشین خبری دیکھ کر ایمان لائے۔ یہی حسن و مجاہد و قتادہ و عکرمہ وغیرہ کا قول ہے اور صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ جو سعد ابن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے۔ اور ترمذی و ابن جریر و ابن مردویہ نے بھی عبداللہ بن سلام ؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ عباس ؓ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن شعبی و مسروق اور ایک جماعت کہتی ہے۔ کوئی اور شاہد ہے نہ عبداللہ بن سلام ؓ کس لیے کہ سورہ مکیہ ہے اور عبداللہ بن سلام ؓ ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات سے کل دو برس پیشتر ایمان لائے تھے نزول سورہ کے وقت انہوں نے شہادت نہیں دی تھی۔ اس کے لیے دو جواب دیے گئے ہیں اول یہ کہ اس سورہ میں صرف یہ آیت مدنیہ ہے دوم یہ کہ گو تمام سورہ مکیہ ہے تب بھی یہ اعتراض نہیں وارد ہو سکتا کس لیے کہ شہد کا عطف کان پر ہے جو کل خبر شرط میں داخل ہے اس صورت میں ماضی بھی مستقبل کے معنی میں ہو جاتی ہے یعنی اگر یہ کتاب منجانب اللہ ہے اور کوئی بنی اسرائیل کا شاہد بھی اس کی شہادت دے اور حال یہ کہ تم انکار کر چکے پھر کہو تمہارا کیا درجہ ہو؟ پس گو اس وقت تک عبداللہ بن سلام ؓ نے شہادت نہ دی تھی مگر اس پیشین گوئی کے مطابق بعد میں ادا کی صدق اللہ العلی

العظیم۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں میرے نزدیک شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور تنوین تعظیم کے لیے ہے اور آپ نے توریت میں مثل ہونے کی شہادت دی ہے جیسا کہ توریت سفر استثنا کے اٹھارہویں باب میں ہے۔ اور خداوند نے مجھے کہا۔ ۱۸۔ میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) ان کے بھائیوں میں سے بنی اسماعیل میں سے جو بنی اسرائیل کے بھائی اور ہم جدی ہیں۔ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا لکھی ہوئی کتاب اس کے پاس نہ آوے گی بلکہ الہام کے طور سے خدا اس کے دل پر نازل کرے گا بواسطہ جبرئیل اور اپنے مونہہ سے آپ اس کو ادا کریں گے چنانچہ خدا نے بنی اسرائیل میں سے موسیٰ کے مانند حضرت محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ اے بنی اسماعیل موسیٰ علیہ السلام تو آپ کی شہادت دیں اور تم انکار کرو۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور منکروں نے ایمان والوں سے کہا اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ اس پر ہم سے پہلے نہ دوڑ جاتے اور جب اس کو نہ پایا تو کہہ دیں گے یہ تو قدیم جھوٹ ہے اور اس سے آگے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب اس کو سچا کرنے والی ہے عربی زبان میں تاکہ ستمگاروں کو خبردار کرے اور نیکوں کو خوشخبری دے۔ بے شک وہ کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو نہ ان کو کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے یہ لوگ بہشت والے ہیں اس میں سدا رہا کریں گے اس کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

ترکیب : من جار قبلہ مجرور والجار مع مجرور ہا خبر مقدم و کتاب موسٰی مبتدء و خبر والجملۃ محل النصب علی الحال او مستانفۃ۔ اِمَامًا وَّرَحْمَةً قال الزجاج انھما حالان وقال الاخفش منصبان علی القطع وقال ابو عبیدۃ ای جعلناہ اماما ورحمۃ۔ لِسَانًا عَرَبِیًّا حال من الضمیر فی مصدق العائد الی کتاب اللہ وبشرٰی فی محل النصب عطف علی محل لتنذر لانہ مفعول بہ کذا قال الزمخشری وقیل مرفوع ای ھو بشری وقیل معطوف علی مصدق۔

تفسیر : قریش نے اس نالائقی پر یہ بھی کہہ دیا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ الخ کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور اس میں کچھ بہتری ہوتی تو کیا ہم سے پہلے یہ غریب لوگ اس کو قبول کرتے بلکہ سب سے پہلے ہم مانتے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ دنیا میں کامیاب ہونا دینی فضائل کا حاصل کرلینا ہے۔ مکہ میں سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے تھے منجملہ ان کے حضرت عمر ؓ کی ایک لونڈی بھی تھی اس کو اس بات پر مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر وہ دین سے باز نہ آتی تھی اس بات پر کفار قریش تمسخر کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن حق ہوتا تو سب سے پہلے ہم قبول

ل مسروق کا بھی یہی قول ہے۔ ۱۲ منہ

کرتے کیا فلاں لونڈی ہم سے پہل کر جاتی ابن المنذر نے روایت کیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ
كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ
سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ
وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ
إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝١٥ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝١٦

اور ہم نے انسان کو تاکید سے حکم دیا کہ اپنے ماں باپ سے نیکی کیا کرے۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے یہاں تک کہ جب جوان ہوا اور چالیس برس کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں کہ جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کیا کروں جن سے تو خوش رہے اور میری اولاد کو میرے لیے ٹھیک کر دے میں تیری طرف رجوع ہوا۔ اور میں فرمانبرداروں میں ہوں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے عمدہ کام ہم قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں اہل بہشت سے ہوں گے یہ اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا گیا تھا کہ وہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔

ترکیب : اِحْسَانًا انتصابہ علی المصدریۃ ای ان یحسن احسانا حتٰی غایۃ لعاش اشد جمع شدۃ عند سیبویہ وقیل لاواحد لہ قال رب الخ جواب لاذا بلغ فی اصحاب الجنۃ الجار والمجرور فی محل النصب علی الحال ای کائنا فی جملتھم وعد الصدق انتصابہ علی المصدریہ ای وعدھم اللہ وعد الصدق۔

تفسیر : اس کے جواب میں فرماتا ہے وَاِذْلَمْ یَھْتَدُوْابِہٖ الخ یعنی جب ان کی سمجھ میں نہ آیا تو اس کو قدیمی[1] جھوٹ بتا دیا۔ اور قدیم کا جھوٹ بتانا بھی ان کا غلط ہے کس لیے کہ قدیم سے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی توریت جو رہنما و رحمت تھی اور تمہارے نزدیک بھی الٰہی یعنی جھوٹ نہ تھی وَھٰذَا کِتَابٌ مُّصَدِّقٌ اور یہ کتاب یعنی قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے توحید و اصول شرائع و قصص انبیاء و امم سابقہ میں ایک دوسرے کے موافق ہے پھر یہ کیونکر جھوٹ ہوا ہاں یہ بات ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے تاکہ بدکاروں کو ان کے بدنتیجہ سے ڈراوے اور نیکوں کو خوشخبری دے۔ اس کے بعد نیکی کے چند اصول بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ کہ جس نے اللہ کی ربوبیت و توحید کا اقرار کیا اور پھر وہ اس پر قائم بھی رہا۔ اس ایک جملہ میں بہت سی باتیں آ گئیں۔ پس ایسے لوگوں کے لیے نہ کچھ غم ہے نہ آیندہ رنج ہوگا یہ لوگ ہمیشہ جنت میں رہا کریں گے۔ یہ ہے وہ خوشخبری نیکوں کے لیے جن کے لیے قرآن آیا سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ قرآن کا کتاب الٰہی ہونا بتایا اور اس کے ضمن میں اصول حسنات اور اس کے ثمرات بھی بیان کر دیے۔

اصول حسنات کا ذکر آ گیا تھا اور اس کی ایک قسم یعنی حقوق اللہ کی بجا آوری بیان ہو چکی۔ بقولہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ تو مناسب ہوا

[1] یعنی ہمیشہ سے لوگ ایسی باتیں بناتے آئے ہیں۔ ۱۲۔ منہ

کہ اس کی دوسری قسم بھی بیان ہو یعنی حقوق العباد تاکہ اس بیان کی تکمیل ہو جاوے اس لیے حقوق العباد میں سے جو سب سے زیادہ مؤکد تھے ان کو ذکر کرتا ہے۔ فقال وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ الخ کہ ہم نے انسان کو تاکید[1] حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔ نیکی کی تصریح نہیں کی بلکہ اس کو عرف پر چھوڑ دیا جو عرف میں نیکی سمجھی جاتی ہے کھانا کھلانا کپڑا پہنانا وغیرہ پھر اس کی طبیعت کو مادر ضعیفہ کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ بالخصوص اس پر زیادہ رحم کیا کرے اور اس کا حق زیادہ ہے۔

مسئلہ رضاع: فقال حملتہ امہ کرھًا کہ اس کی ماں نے تکلیف سے اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اڑھائی برس تک دودھ پلانے اور حمل میں رکھنے میں ایک ساتھ محنت کی۔ دو برس دودھ پلانے کے حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ اور چھ مہینے کم سے کم حمل کے۔ اس سے حمل کی اقل مدت چھ مہینے ثابت ہوئے۔ یہ امام شافعی و امام ابو یوسف و محمد کا قول ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں اس آیت میں حمل و فصال سے مراد گود میں اٹھانا اور اتارنا ہے اس سے ثابت ہوا کہ مدتِ رضاعت اڑھائی برس ہیں۔ اور اگر حمل و فصال کے وہی معنی مراد لیے جاویں تو ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا دونوں کی خبر ہے پس ثابت ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل اور دودھ پلانے کے اڑھائی برس ہے اور حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ اس کے منافی نہیں۔ کس لیے کہ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ اس صورت میں جہاں باپ کو دودھ پلانے کی اجرت دینی پڑتی ہے اور اسی کی تعیین کے لیے حولین کاملین آیا کہ کب تک باپ سے اجرت لے کر دودھ پلایا جائے نہ یہ کہ اصل مدت یہی ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ رضاعت میں اڑھائی برس کے زمانہ کا لحاظ کیا جائے[2] یعنی اڑھائی برس تک جو بچہ کسی کا دودھ پیوے گا رضاعت ثابت ہوگی۔ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ۔ یہاں تک کہ جب جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر آئی قوائے بہیمیہ کا زور ٹوٹا تب اس نیک اور پاک روح کو اپنا اصلی وطن عالم قدس یاد آیا اور وہاں کے توشہ کی فکر ہوئی تو خدا سے دعا کرنے لگتا ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ الخ اے اللہ! مجھے اپنی ان نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق عطا کر جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی تھیں اور مجھے اپنے پسندیدہ نیک کاموں کی بھی توفیق دے۔ اور میری نسل میں صالحیت عطا کر کہ تیری عبادت کریں اور مجھے بھی آرام دیں اور یادگار خیر پیچھے رہے۔ یہ تین باتوں کی دعا تھی اور چونکہ سعادت کے تین مرتبہ ہیں سب سے بڑھ کر سعادت نفسانیہ دوم بدنیہ سوم خارجیہ۔ اس لیے سب سے اول شکر کی درخواست کی جو دل سے متعلق ہے اور سعادتِ نفسانیہ ہے اس کے بعد عملِ صالح کی جو سعادتِ بدنیہ ہے پھر اولاد کی نیک بختی کی جو سعادتِ خارجیہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شکر قلب کا فعل ہے اس لیے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کو اول میں لائے اس کے بعد اور اعمالِ صالحہ کو یہ بندگی اور فرضِ منصبی تھا اس کے بعد اپنے لیے منافعِ دنیا و دین طلب کئے اور دعا کے بعد اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ بھی کہہ دیا اس بات کے اعلان کے لیے کہ توبہ و اسلام سرکاری حلقہ میں داخل ہونے کے لیے شرط ہیں ورنہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بدلہ میں مژدہ سناتا ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا کہ ان کے نیک اعمال کو ہم قبول کریں گے اور جو کچھ ان سے برائی ہوئی ہوگی اس سے درگزر کریں گے اور یہ لوگ بموجب وعدۂ الٰہی جو سچا ہے جنتی ہوں گے۔

[1] وصیت وقتِ اخیر حکم کا نام ہے چونکہ وہ بڑی مؤکد ہوتی اس لیے ہر مؤکد بات کو بلفظ وصیا کہنے لگے ہیں۔ ۱۲۔ منہ

[2] مگر حمل میں زیادہ سے زیادہ مدت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول بموجب صرف دو برس ہوں گے میں کہتا ہوں زیادہ مدتِ حمل کی دو برس میں منحصر کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا کس لیے کہ جب لڑکا پیدا ہوگا اسی وقت سے اس کے احکام جاری ہوں گے خواہ دو ہوویں یا کم ہاں کم مدت کا اندازہ کرنا چاہیے تاکہ صحیح النسب اور ولد الزنا میں فرق کیا جاوے۔ اسی طرح دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ کو مقرر کرنا چاہیے کم میں تو اختیار ہے۔ ۱۲۔ منہ

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ⑰ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ⑱ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ⑲

اور ایک وہ بھی کہ جو اپنے ماں باپ سے کہتا ہے پھٹے منہ کیا تم مجھے قبر سے زندہ ہو کر نکلنے کا وعدہ دیتے ہو حالانکہ مجھ سے پیشتر بہت سے قرن گزر گئے اور ماں باپ ہیں کہ خدا کی دہائی دے رہے ہیں کہ او کمبخت! ایمان لا بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر وہ کہتا ہے یہ ہے کیا مگر پہلوں کے افسانے ان سے پہلے جو بہت سی امتیں جن اور آدمیوں سے ہو گزری ہیں کہ جن پر خدا کا فرمودہ کہ وہ خود زیاں کار ہیں پورا ہو گیا کہ یہ خراب ہوں گے اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور تا کہ اللہ ان کے اعمال کا ان کو پورا عوض دے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہو گا۔

ترکیب : وَالَّذِیْ مبتدأ المراد بہ الجنس اولئك خبرہ تعداننی بنونین مخففتین۔ ان اخرج مفعول ثان اتعدان وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ حال واللہ مفعول یستغیثان لانہ فی معنی یسالان وَیْلَكَ مصدر لم یستعمل فعلہ وقیل مفعول بہ الزمک اللہ ویلک۔

تفسیر: اہلِ سعادت کے بعد اہلِ شقاوت کا بھی اس کے مقابلہ میں ذکر کرتا ہے کہ نیک اولاد ایسی ہوتی ہے اور نالائق بیٹے ایسے ہوتے ہیں۔ پس فرماتا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا الخ ایک وہ بد ہے جو اپنے ماں باپ سے سخت کلامی کرتا ہے تف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تم مجھے مر کر باردگر زندہ ہونے کا وعدہ دیتے ہو کہ مر کر زندہ ہوں گا اور اپنے کیے کا وہاں بدلہ پاؤں گا۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ الخ بہت سے قرن مجھ سے پہلے مر چکے ہیں ہم نے تو کسی کو بھی مر کر زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ماں باپ خدا کی دہائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے کمبخت! کیا بکتا ہے۔ توبہ کر ایمان لا اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ مگر وہ ناخلف کہتا ہے ایسے ایسے افسانے بہت سے سنے ہیں پہلے سے لوگ ایسی باتیں بناتے آئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں کہ ماں باپ تو ان کو دنیا و دین کی بھلائی کی کہتے ہیں اور یہ ان سے یہ کہتے ہیں پس یہ کون ہیں اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یہ وہ بدبختِ ازلی ہیں کہ جن پر نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا جیسا کہ ان سے پہلے اور بہت سے جن و انس کی جماعتوں پر ہو چکا کہ یہ زیاں کار ہیں۔ پس دونوں فریق نیک و بد اپنے اعمال کا بدلہ پاویں گے اور کسی پر ظلم نہ ہو گا۔

بعض کہتے ہیں پہلا کلام حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ الخ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اور وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا ہے مگر یہ تخصیص محض تکلف ہے۔ کلام عام ہے جو کوئی ایسا ہو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے اول کلام کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر صادق آتا سمجھا اور مروان کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز کا عامل بنا کر بھیجا تھا وہ لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرتا تھا عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہہ دیا یہ تو خلفاءِ راشدین کا طریقہ نہیں بلکہ شاہانہ طریق ہے اس پر مروان نے خفا ہو کر کہہ دیا کہ عبدالرحمٰن وہ ہے کہ جس کے حق میں والذی قال لوالدیہ اف نازل ہوا ہے۔ مگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سن کر مروان کو جھوٹا کہہ دیا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس کے اتہام سے بری کیا۔ اس قصہ کو بخاری نے نقل کیا ہے پھر اس سے یہ سمجھنا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے غلط سمجھ ہے۔

فوائد : (۱) جمہور نے حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ دونوں کو مجموعی اور تخمینی مدت جو اکثر وقوع میں آتی ہے فَلٰثُوْنَ شَهْرًا اڑھائی برس مراد لیے ہیں کہ اس عرصہ میں عورت حمل سے لے کر دودھ بڑھانے تک سب کاموں سے فارغ ہو جاتی ہے۔ پھر اس مدت کو باہم حمل و فصال پر جو تقسیم کیا تو بحکم آیت حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ پورے دو برس تو دودھ پلانے کے اور باقی چھ مہینے حمل کے کم از کم ٹھہرائے۔ یہ ایک اصل تھی پھر اس پر مسائلِ فقہیہ بہت سے متفرع ہوئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جب آیت میں اکثر یہ مدت دونوں کی بیان کی ہے یعنی ایک عام دستور تو پھر چھ مہینے کا حمل تو عام دستور نہیں یہ تو شاذ و نادر ہوتا ہے عام تو نو مہینے کا ہے اور دو برس پورے نہیں ہونے پاتے کہ بچے کا دودھ بڑھا دیتے ہیں اس عرصہ میں وہ کھانے پینے لگتا ہے ہاں اگر بچہ ضعیف ہے تو مہینے دو مہینے اور پلواتے ہیں دو برس پورے کر لیتے ہیں اس تقدیر پر آیت کے معنی تو بہت ٹھیک ہو گئے مگر وہ جو رضاعت و حمل کے اصول قرار دیے ہیں ان کے ثبوت کو احادیث و آثارِ صحابہ اور ان کا تعامل و فتویٰ بھی لینا چاہیے ورنہ صرف اس آیت سے ثبوت مشکل ہے۔

(۲) بَلَغَ اَشُدَّهٗ اشد زورِ جوانی۔ اس کی مدت میں علماء کے کئی قول ہیں۔ عطاء کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھارہ برس کی عمر میں اشد حاصل ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ شاید بلوغ مراد لیا ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اگر اشد سے بلوغ مراد لیا جاوے گا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علی اختلاف البلاد والامزجہ دس گیارہ سے لے کر اٹھارہ تک میں لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اور چودہ سے لے کر اٹھارہ تک لڑکا بالغ ہو جاتا ہے اس میں کوئی خاص مدت متعین نہیں ہو سکتی اور جو اشد سے مراد عمدہ توانائی اور بھرپور جوانی لی جاوے تو یہ بیس سے لیکر تیس بتیس برس تک کا زمانہ ہے اکثر مفسر اسی لیے اس کی مدت ۳۲ برس کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اشد کا زمانہ جوشِ جوانی کا ہے اور چالیس برس کا زمانہ اکمالِ قویٰ و مدرکات کا ہے۔

(۳) حکماء کہتے ہیں عمرِ حیوان کے تین مرتبہ ہیں یہ اس لیے کہ اس کا بدن حرارت و رطوبتِ غریزیہ[1] بغیر بن نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ اول عمر میں رطوبتِ غریزیہ غالب ہوتی ہے آخر میں ناقص ہو جاتی ہے اور زیادت سے نقصان تک آنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ بیچ میں ایک استواء کا مرتبہ نکلے پس لامحالہ تین زمانہ ہوں گے۔ (۱) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ حرارتِ غریزیہ سے زائد ہو یہ وہ زمانہ ہے کہ اعضاء طول و عرض و عمق میں بڑھیں گے اس کو نشو و نما کا زمانہ کہتے ہیں (۲) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ حرارتِ غریزیہ کے محفوظ رکھنے کو کافی ہو بلا زیادہ و نقصان اس کو سنِ وقوف اور سنِ شباب کہتے ہیں۔ (۳) مرتبہ یہ کہ رطوبتِ غریزیہ کم ہونے لگے اور حرارتِ اصلیہ کو پورے طور سے محفوظ نہیں رکھتی چراغ کا تیل کم ہونے لگے تو لَو بھی کم ہونے لگے۔ یہ نقصان بھی دو قسم ہے۔ ایک کم درجہ کا نقصان اس کو سنِ کہولت کہتے ہیں دوسرا نقصان ظاہر اور اس کو سنِ شیخوخت کہتے ہیں بڑھاپا۔

چالیس برس تک سنِ وقوف تھا یعنی برابر کا زمانہ اس کے بعد سے کہولت شروع ہوتی ہے انسان کے قوائے بدنیہ اور خواہشِ بہیمیہ گھٹنے لگتے ہیں اور برعکس بدن کے روح کا معاملہ ہے یعنی جو زمانہ جسم کی قوت کا ہے وہ زمانہ کمالاتِ روحانی کی کمی کا ہے اور جو بدن کے گھٹنے کا ہے وہ کمالاتِ روحانیہ کے بڑھنے کا ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے فَلَمَّا بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالمِ قدس کی طرف انسان کی توجہ اس وقت سے ہونے لگتی ہے۔ سبحان اللہ کیا کیا اسرار کلام میں ودیعت رکھے ہیں۔

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ

[1] اصلیہ جو فطرت نے اس کو عطا کی تھی۔ ۱۲ منہ

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ
تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ وَاذْكُرْ
أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ
مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي
أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا
عَارِضٌ مُمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ
كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

اور جس دن کہ کافر آگ کے روبرو لائے جاویں گے ان سے (کہا جاوے گا) تم اپنے مزے اپنی دنیا کی زندگی میں لے جا چکے اور ان کو برت چکے پھر آج کے دن تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق کا تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم بدکاری کیا کرتے تھے اور بھی یاد کرو عاد کے بھائی (ہود) کو جبکہ اس نے اپنی قوم کو بمقام احقاف ڈرایا حالانکہ اس کے آگے اور پیچھے سے ڈر سنانے والے گزر چکے تھے کہ خبردار اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ میں تم پر بڑے دن کی آفت آنے سے ڈراتا ہوں وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیرے۔ پھر تو جس عذاب سے ہم کو ڈراتا ہے ہمارے پاس لے آ۔ ہود نے کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو تم کو وہ احکام پہنچائے دیتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجے گئے ہیں لیکن میں تم کو جہالت کرنے والی قوم دیکھتا ہوں۔ پھر جب دیکھا لے کہ عذاب ابر کی طرح ان کے میدانوں سے الٹ کر چلا آتا ہے تو کہنے لگے یہ ابر ہم پر برسے گا (وہ ابر نہیں) بلکہ وہ بلا تھی کہ جس کی تم جلدی کرتے تھے وہ آندھی تھی کہ جس میں عذاب دکھ دینے والا ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر شے کو اکھاڑ کر پھینکے دیتی تھی پھر تو یہ ہوا کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا ہم نافرمانوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔

ترکیب : راوہ الضمیر یعود الی مافی قولہ بما تعدنا وقیل الی غیر مذکور یفسرہ مابعد عارضا منصوب علی الحال او التمیز العارض السحاب قالہ

لے چند عرصہ سے قوم عاد پر قحط تھا یہ ایک خدا تعالیٰ کا ان کے بیدار کرنے کو چھوٹا سا کوڑا تھا اس پر بھی ویسے ہی گمراہ رہے اب بلا کا وقت آیا تو سیاہ آندھی اٹھی ہوئی نمودار ہوئی جس کو دیکھ کر وہ خوش ہوئے کہ ہمارے سامنے یہ بادل اٹھا ہے یہ ضرور پانی برسا دے گا وہ دراصل بادل نہ تھا سیاہ آندھی تھی جس کی نسبت وہ پیغمبر سے کہہ دیا کرتے تھے لا بلا کہ کا روز وہ لاتا کیوں نہیں؟ پس ایسی سخت زور سے آندھی چلنی شروع ہوئی کہ آدمی اڑنے لگے ٹکرا کر مر گئے اور چیلوں کی طرح سے اوپر کو اڑے جاتے تھے بڑے بڑے درخت اڑتے پھرتے تھے سات روز یہی بلا رہی بس ان کے مکانات باقی رہے وہ سب ہلاک ہوئے۔ ۱۲ منہ

ابن عباس وبہ قال الجوہری۔

تفسیر : اشقیاء کی بابت صرف اسی قدر بیان فرمایا تھا کہ ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا اب یہاں اس پورے بدلہ کو کسی قدر مشرح بیان فرماتا ہے۔ فقال وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ اور یاد کرو کہ جس دن منکر لوگ جہنم کے روبرو لائے جاویں گے تب ان سے کہا جاویگا اذهبتم طيباتكم کہ تم اپنے مزے دنیا میں حاصل کر چکے اور خوب برت چکے اب اپنے تکبر اور بدکاری کی وجہ سے ذلت کا عذاب اٹھاؤ۔ یعنی آخرت کو بھول گئے تھے دنیا کے عیش و آرام میں ایسے محو تھے کہ آخرت کے لیے کچھ بھی فکر نہ کی۔ واحدی فرماتے ہیں کہ فی الجملہ نفس کشی دنیا میں بہت عمدہ چیز ہے کہ اس کے بدلہ آخرت میں ملے گا۔ اور اسی لیے نیکوں پر دنیا میں عیش تلخ رہا ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جبکہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا تنعم یعنی عیش و تن پروری سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے تن پرور نہیں ہوتے ہیں (رواہ احمد) ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا تو کوئی شہد کا شربت لایا کہا یہ عمدہ ہے لیکن میں سنتا ہوں کہ خدا تعالیٰ شہوات کی برائی کرتا ہے فقال اذهبتم طيباتكم الآیہ میں ڈرتا ہوں کہ میری نیکیوں کا بدلہ مجھے دنیا ہی میں نہ مل جائے پس نہ پیا (رواہ رزین) لیکن لذات حلال اکل و شرب وغیرہ ممنوع بھی نہیں ہیں بقولہ تعالیٰ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مگر عیش و تجمل کے عادی ہونے سے خوف ہے کہ اس کا نفس بری باتوں کی طرف نہ لے جاوے۔

کفار مکہ بھی انہی شہوات و لذات پرستی میں ہدایت و آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے جس لیے ان کو يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ الآیہ سنا گیا اس لیے ان کو قوم عاد کا قصہ سنایا جاتا ہے جو لذات و نعماء دنیا میں ایسے غرق تھے کہ دار آخرت کی طرف مطلقاً متوجہ نہ ہوئے اور اپنے ہادی کا کہنا نہ مانا اس لیے ان پر ایک بلا نازل ہوئی جس سے وہ قوم برباد ہوئی۔ بلاشک عیش و تن پروری کا برا نتیجہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے کہ مال و دولت، سلطنت و شوکت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے فقال وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ کہ قوم عاد کے بھائی ہود علیہ السلام کو یاد کر جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا جو عمان و مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے آخر نہ مانا غارت ہوئے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا
وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ
إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ
أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا
نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ ۚ
وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٨﴾

اور البتہ ہم نے قوم عاد کو وہ مقدور دیا تھا جو (اہل مکہ) تم کو بھی نہیں دیا اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں بھی اور دل دیا تھا پھر نہ تو ان کے کان ہی کچھ کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں ہی کام آئیں اور نہ ان کے دل ہی کچھ کام آئے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے اور آخر جس عذاب کا وہ ٹھٹھا اڑایا کرتے تھے ان پر آپڑا اور البتہ ہم تمہارے آس پاس کی بستیاں غارت کر چکے ہیں اور طرح طرح سے یہ نشان قدرت بھی دکھائے کہ کاش وہ رجوع کریں۔ پھر ان بتوں نے کیوں مدد نہ کی

کہ جن کو انہوں نے مرتبہ حاصل کرنے کے لیے معبود بنا رکھا تھا اللہ کے سوا بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے تھے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے (وہ بھی غلط تھے)۔

ترکیب : فیما ما بمعنی الذی وان نافیۃ فتقدیر الکلام مکناھم فی الذی ما مکناکم فیہ من کثرۃ المال وطول العمر وقوۃ الابدان۔ وقیل ان زائدۃ ای ولقد مکناھم فیما مکناکم فیہ الاول قول المبرد والثانی قول القتیبی۔ لولا بمعنی ھلا ھم مفعول مقدم لنصر الذین فاعلہ اتخذوا الخ صلۃ الذین۔ قال الکسائی القربان ما یتقرب بہ الی اللہ من طاعۃ ونسیکۃ والجمع قرابین کالرھبان والرھابین۔ والاول مفعول اتخذ والراجع الی الموصول المحذوف وثانیھما قربانًا والھۃ بدل او عطف بیان او الھۃ وقربانًا حال او مفعول لہ علی انہ بمعنی التقرب۔ البیضاوی۔ وھذا ھو الصحیح الصریح۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے قصہ عاد کا۔ فرماتا ہے وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ الخ کہ اے قریش! تم اپنے زور مال پر کیا گھمنڈ کرتے ہو؟ اس قوم عاد کو جن کے ہلاک ہونے کا تم حال سن چکے ہو ہم نے اس قدر طاقت وقوت مال وثروت عمر وراحت کے سامان عطا کئے تھے جو تم کو بھی نہیں دیے گئے باوجود اس کے دنیاوی امور میں کچھ احمق اور نادان بھی نہ تھے ان کو ہم نے کان دیے تھے کہ جن سے وہ اگلے امتوں کے حالات سنتے تھے آنکھ بھی دی تھی جن سے وہ ہر روز عجائبات قدرت دیکھا کرتے تھے دل بھی دیے تھے جن سے سمجھنے پر قادر تھے لیکن ان کے کان اور ان کی آنکھ اور ان کے دل ان کے کچھ کام نہیں آئے ان سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا ان کو دنیاوی لذات وشہوات میں صرف کیا کس لیے کہ انہوں نے آیات اللہ کا انکار کر دیا اور ان پر وہ بلا آئی کہ جس کا وہ انکار وتمسخر کیا کرتے تھے۔ پیغمبر کہتا تھا کہ تم پر بلا آنے والی ہے وہ سن کر ہنستے تھے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اب پھر کفار مکہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کہ اے مکہ والو! ہم نے تمہارے آس پاس جنوب وشمال میں کس قدر بستیاں ہلاک کی ہیں جنوب میں قوم عاد کی بستیاں الٹی پڑی ہیں ان کے عمارات کے نشان اے قریش! جب تم تجارت کے لیے وہاں جاتے ہو دیکھتے ہو اور اسی طرح شمال ومغرب میں ثمود کی بستیاں اجڑی پڑی دکھائی دیا کرتی ہیں اور قوم لوط کی بستیاں سدوم وغیرہ کے بھی آثار تم دیکھا کرتے ہو۔ اور ان کو ہم نے یوں ہی یکبارگی ہلاک نہیں کر دیا ہے بلکہ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اپنی نشانیاں اول بدل کر بار بار دکھائیں کہ وہ رجوع ہوں مگر نحوست سر پر آ چکی تھی کیوں مانتے انجام کار برباد ہوئے۔ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ پس ان کے ان معبودوں نے ان کی کیوں نہ مدد کی کہ جن کو انہوں نے وسیلہ بنا کر معبود سمجھ رکھا تھا اور جانتے تھے کہ یہ ہمارے کام آویں گے بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ بلکہ وہ کھوئے گئے کہیں دکھائی بھی نہ دیے وذلک اور یہ بات کہ وہ معبود کام آویں گے اِفْكُهُمْ ان کا ڈھکوسلا تھا وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ معطوف علیٰ اِفْكُهُمْ۔ اور یہ منجملہ ان کے ان ڈھکوسلوں کے ایک ڈھکوسلا تھا۔ یعنی ایسے ایسے اور بھی خیالات باطل دماغ میں جما رکھے تھے جیسا کہ بت پرستوں میں اب تک ایسے صدہا خیالاتِ فاسدہ مانے جاتے ہیں۔

اصولِ ثلاثہ۔ اثبات باری تعالیٰ وتوحید ومعاد کے ضمن میں یہاں تک اور بہت سے اصول علیہ ذکر ہو گئے سعادت وشقاوت کے آثار ماں باپ کی خدمت گزاری کرنے نہ کرنے میں انسان کا میل طبعی دارِ آخرت کی طرف ہونا کما قال وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ الآیہ گزشتہ قوموں کے عروج وادبار، خدا تعالیٰ کا اپنے ملک میں تصرفات کرنا سرکشوں کا انجام برا ہونا عقائد باطلہ سے سر پر بلا لینا وغیرہ۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا
اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝٢٩ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ
اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٣٠ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ
يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣١ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ
اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٣٢ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ
يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝٣٣

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے ان کی طرف چند جن بھیجے جو قرآن سننا چاہتے تھے پھر جب وہاں آئے تو کہنے لگے چپ رہو پھر جب قرآن سن چکے تو اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے کو گئے (جا کر) کہا اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے رستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو عذاب الیم سے بچائے اور جو اللہ کے داعی کی نہیں مانتا تو وہ زمین میں اس کو ہرا بھی نہیں سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی بھی نہ ہوگا یہ لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور ان کے بنانے میں نہ تھکا مردہ کے زندہ کرنے پر قادر ہے۔ کیوں نہیں وہ تو ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب : یستمعون حال محمولۃ علی المعنی لان نفرا مفرد فی اللفظ۔ والنفر دون العشرۃ وجمعہ انفار۔ بقادر الباء مزیدۃ لتاکید النفی فانہ مشتمل علی ان وما فی خبرھا۔

تفسیر : قوم عاد کا ذکر کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ اے قریش! تم یہ نہ سمجھو کہ تم عاد جیسے سرکش ایمان نہ لائے تو اور کوئی زور آور ایمان نہیں لائے گا قوم جن تم سے زور آور اور سرکش ہے بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ تو ایمان لاویں اور اپنی قوم کو جا کر ایمان لانے کی رغبت دلائیں اور تم پیغمبر علیہ السلام کے ہم قوم ہم زبان ہم جنس ہو کر یوں اللہ کے داعی سے دور پڑے رہو۔ پس اے محمد ﷺ اِذْ صَرَفْنَآ ان سے کہہ دیجئے جبکہ ہم نے تیرے پاس چند جن بھیجے قرآن سننے کو الخ۔

ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بطن نخلہ[1] میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ نو جن آئے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ جب قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑی تو دلکش مضامین سن کر چونک پڑے اور کھڑے ہو کر سننے لگے جب آپ فارغ ہوئے تو اپنی قوم میں جا کر ان کو متنبہ کیا کہ اے قوم! موسیٰ کے بعد ہم نے ایک کتاب سنی جو اگلی کتابوں کے اصول ملت میں مطابق ومصدق ہے راہ حق دکھاتی ہے۔ اے قوم اللہ کے داعی یعنی رسول کا کہا مانو ایمان لاؤ تاکہ نجات پاؤ اور جو نہ مانے گا تو اللہ کے قبضہ سے باہر نکل نہ جائے گا کوئی اس کا حمایتی اس کو سزا سے بچا نہ سکے گا۔ نہ ماننے والے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ بخاری ومسلم ودیگر کتب احادیث

[1] ایک جگہ کا نام ہے۔ ۱۲ منہ

میں جنوں کا آنحضرت ﷺ کے پاس آنا اور ایمان لانا بکثرت مذکور ہے اور سلف سے خلف تک اہلِ اسلام وجودِ جن کے قائل ہیں اور ہم مقدمۂ تفسیر میں اس مسئلہ کو خوب ثابت کر آئے ہیں۔ اہلِ کتاب بھی قائل ہیں مگر وہ جو برائے نام اہلِ کتاب ہیں اور فلسفۂ جدیدہ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور موجودات کا انحصار فلسفۂ جدیدہ میں محسوسات پر ہے وہ البتہ انکار کیا بلکہ تمسخر بھی کرتے ہیں جن کی تقلید میں بعض مسلمان بھی اس خبط میں پڑ کر عجب عجب تاویلیں کرنے لگے۔

قرآن مجید میں یہ بیان نہیں ہوا کہ وہ جن گھر سے کس تلاش میں نکلے تھے؟ روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے قریب قریب جس طرح آفتاب کے برآمد ہونے کے وقت اور اس سے پہلے امارات ظاہر ہوتے ہیں ایسے ایسے عجائب امارات ظاہر ہوتے تھے کچھ عجب نہیں کہ جن اس ہادی کی تلاش میں نکلتے ہوں جس کی خبر ان یہودی[1] جنوں کو موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے ملی ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ ان کو امارات سے معلوم ہو گیا تھا۔ بعض[2] روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے بعض[3] سے یہ کہ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ایک بار جبکہ جنوں کا قافلہ آپ کے پاس آیا جنگل میں حضرت ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔ پھر تو کئی بار جن آئے اور تعلیم پا کر گئے بعض دفعہ کوئی بھی جنگل میں رات کے وقت آپ کے ساتھ نہیں گیا۔ مسلمان جن لوگوں کو یوں بھی دکھائی دیے جنگلوں میں ملے ہیں ثقات سے اس بارہ میں بہت کچھ منقول ہے فقیر نے بھی خود مشاہدہ کیا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى
وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞ فَاصْبِرْ كَمَا
صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ
يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ
اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞

اور (اس دن کو یاد کرو) جس روز کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے) پوچھا جائے گا کیا یہ برحق نہیں وہ کہیں گے ہمارے رب کی قسم ! ضرور برحق ہے۔ حکم ہو گا پھر اب عذاب چکھو اپنے کفر کرنے کے بدلہ میں پھر (اے نبی!) صبر کرو جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا ہے اور ان کے لیے جلدی نہ کرو کیونکہ جس دن یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے کہ جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو ایسا معلوم ہو گا کہ (دنیا میں) ایک دن میں سے ایک گھڑی ٹھہرے تھے آپ کا کام پہنچا دینا تھا۔ پھر ہلاک تو وہی ہوں گے جو بدکار ہیں۔

---

[1] جن بھی انسان کی طرح مختلف ادیان و مذاہب کے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں نیک جن کو جہنم سے نجات پا کر فنا ہو جانا ہے نیک بدلہ ہے جنت نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ ۱۲ منہ

[2] امام احمد کی روایت ہے۔ ۱۲ منہ

[3] بیہقی دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تفسیر : تفسیر اول سورہ میں وہ دلائل بیان فرمائے تھے جو قادر حکیم مختار کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اس پر دو باتیں متفرع کی تھیں اول بت پرستوں کے قول کا ابطال۔ دوم اثباتِ توحید خالص۔ اس کے بعد مسئلۂ نبوت میں کلام کیا مخالفین کے جو شبہات تھے ان کے جواب دیے۔ اہلِ مکہ جو حضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے میں تامل کرتے تھے اس کا باعث دنیا پر غرور اور اس کے لذات و شہوات میں غرق ہونا تھا۔ اس لیے قومِ عاد کا حال بیان کر کے دنیا کی بے ثباتی اور تمرد کا بدنتیجہ سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر آپ کی نبوت کی تعمیم شروع کی انس کے لیے تو تھے ہی جن کے لیے بھی ثابت کی۔ اس کے بعد پھر مسئلۂ معاد میں کلام کرتا ہے فقال اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ الخ کہ کیا نہیں دیکھتے یعنی نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمان و زمین پیدا کر دیے اور ان جیسے اور پیدا کرنے سے عاجز نہیں وہ مردوں کو بارِ دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ بے شک وہ کر سکتا ہے بلکہ ہر بات پر قادر ہے۔

یہاں تک تو امکانِ حشر کی دلیل تھی اس کے بعد اس کے موجود ہونے کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے فقال وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ یعنی اب تو اس کے قائل ہوئے وہ کہیں گے ہاں۔ پھر کہا جائے گا اب قائل ہونے سے کیا فائدہ۔ اپنے انکار کی وجہ سے عذاب چکھو۔ مطالبِ ثلثہ تمام کر کے آنحضرت ﷺ کے لیے چند نصائح اور تسلی بخش کلمات پر سورہ کو تمام کرتا ہے فقال فاصبر کہ اے محمد ﷺ آپ صبر کیجیے ان کے برا بھلا کہنے اور تکالیف کو خیال میں نہ لائیے کیونکہ آپ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے ایسا ہی صبر کیا ہے اور ان کے کہنے سے عذاب کی جلدی نہ کرو کس لیے کہ وہ جس دن اپنے وعدہ کے دن اور وہاں کے مصائب کو دیکھیں گے تو دنیا کے تمام عیش و تجملات کو بھول جائیں گے باوجود زمانۂ دراز تک شہوات پرستی کرنے کے یہ سمجھیں گے کہ گویا دن کی ایک گھڑی بھر ٹھہرے تھے۔ اس کے بعد فرماتا ہے بلاغ یعنی یہ خبر کا پہنچا دینا ہے اے محمد (ﷺ)! آپ نے خدا کا حکم پہنچا دیا اب آپ کو کیا فکر ہے بدکار آپ ہلاک ہوں گے۔ کردنی خویش آمدنی پیش۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ
اَمْثَالَهُمْ ۞ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ
اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ
مع اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ

وہ جو منکر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی اللہ کے رستہ سے روکا تو ان کے اعمال اللہ نے برباد کر دیے اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے اور جو کچھ محمد پر نازل کیا گیا اس پر بھی ایمان لائے حالانکہ وہ ان کے رب کے طرف سے برحق ہی تھے تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کا حال درست کر دے گا یہ اس لیے کہ جو منکر ہوئے وہ جھوٹ کے پیرو ہوئے اور وہ جو ایمان لائے تو اپنے رب کے برحق دین پر چلے۔ یوں بیان کرتا ہے اللہ لوگوں کی حالتیں پھر جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ہنگامہ کارزار گرم کر چکو تو قیدیوں کی مشکیں باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا چاہیے یا جرمانہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے یہاں تک کہ جنگ اپنے[1] ہتھیار ڈال دے یہ ہے حکم۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا۔

ترکیب : الذین کفروا مبتدء اضل اعمالھم خبرہ والذین مبتدء وھو الحق الجملۃ معترضۃ بین المبتدء وخبرہ وھو کفر الخ ذلک مبتدء بان الذین خبرہ : فضرب الرقاب قال الزجاج اصلہ فاضربوا الرقاب ضربا۔ فحذف الفعل واقیم المصدر مقامہ مضافا الی المفعول۔ وقیل ھو منصوب علی الاغراء حتی اذا غایۃ للامر بضرب الرقاب لالبیان غایۃ القتل۔ فاما منا الخ ای فاما تمنون منا او تفدون فداء حتی حلقۃ یشدوا الوثاق۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں اور بیشتر مدینہ میں نازل ہوئی سورتوں میں احکام و جہاد یا منافقین کی بدکرداری اور اس کے برے نتائج بیان ہوئے ہیں یا مکارم اخلاق کی تاکید ہوتی ہے۔ سورہ احقاف کے اخیر میں فرمایا تھا کہ فاسق ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا تھا کہ ان کے بعض اچھے اعمال بھی تو ہوتے ہیں خیرات وغیرہ اس کے جواب میں ارشاد فرمادیا الذین کفروا الخ کہ جو منکر ہوئے اور لوگوں کو یا اپنے آپ کو اللہ کے رستہ سے باز رکھا (ایمان، صوم و صلوٰۃ، جہاد و حسنات۔ اتباع نبی کریم علیہ السلام سب کو سبیل اللہ کا لفظ شامل ہے ان کے اعمال برباد ہو گئے بوجہ بغاوت کے وہ کچھ بھی کام نہ آئیں گے دار آخرت میں۔ کس لیے کہ وہاں کوئی عمل بغیر ایمان و خلوص کے کام نہیں آتا و مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ کے مخالف نہیں کس لیے کہ عمل سے مراد وہی عمل ہے جو ایمان و خلوص سے ہو وہ ذرہ برابر بھی ہوگا تو اس کا ثمرہ ملے گا خیال پیدا ہوتا تھا کہ اچھا کفر اور اللہ کے رستہ سے روکنے میں تو اعمال برباد ہوئے پھر اب وہ کونسا طریقہ ہے کہ جس سے یقیناً نجات ہو جاوے۔ اس کا جواب دیتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ وہ لوگ جو اللہ اور دیگر ایمان لانے کی چیزوں پر ایمان لائے کتب سابقہ، انبیاء، سابقین، ملائکہ، حشر پر اور اس کے ساتھ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل ہوا حالانکہ وہ برحق ہے اس پر بھی ایمان لائے ان کو یقیناً نجات ہے۔ کس لیے کہ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ ان سے جو کچھ برے کام سرزد ہو گئے ہیں ان کو مٹائے گا و اصلح بالھم اور ان کے چال و شان کو درست کر دے گا دنیا و آخرت میں خوش و خرم رہیں گے۔ پھر فرماتا ہے کافروں کے لیے ایسا اور محمد ﷺ پر ایمان لانے والے کے لیے ایسا کیوں تجویز ہوا؟ اس لیے کہ کافروں نے باطل اور غلط کا اتباع کیا جس کا نتیجہ خسارۂ دارین ہے اور ایمانداروں نے حق کا اتباع کیا جس کا ثمرہ یہ ہے خدا نے ہر بات کھول دی ہے۔

چونکہ نجات کا دارومدار خدا کے پچھلے فرستادہ محمد ﷺ کی اتباع پر رکھا گیا ہے اس لیے اس جماعت کو (جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں) فیاضی کرنا چاہیے اور دوسرے بھائیوں کے لیے اس راہ راست کے کانٹوں کو صاف کرنا چاہیے اس لیے فرماتا ہے فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ کہ جنگ میں جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جاوے جو اس رستہ کے لیے خار ہیں اور اس شمع ہدایت کو بجھانا چاہتے ہیں تو ان کی گردنیں مارو آخر جو ہاتھ لگیں ان کو باندھ لو پھر یا تو احسان کر دو یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

وَلٰکِنْ لِّیَبْلُوَاۡ بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ

---

[1] یعنی جنگ موقوف ہو جائے ہتھیار اٹھانے کی حاجت نہ رہے۔ ۱۲ منہ

یُّضِلَّ اَعْمَالَھُمْ ۝۴ سَیَھْدِیْھِمْ وَیُصْلِحُ بَالَھُمْ ۝۵ وَ یُدْخِلُھُمُ الْجَنَّۃَ عَرَّفَھَا لَھُمْ ۝۶ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ۝۷ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ ۝۸ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ ۝۹

لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرنے کا ان کو عنقریب مقصود تک پہنچائے گا اور ان کی حالت درست کرے گا اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جو ان کے لیے پہلے سے تیار[1] کی ہے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور وہ جو منکر ہو گئے ان پر پھٹکار ہے اور ان کا کیا اکارت کر دیا اس لیے کہ انہوں نے برا سمجھا جو اللہ نے نازل کیا تھا پھر ان کے عمل برباد کر دیے۔

تفسیر: یہ کارروائی کب تک جاری رہے؟ اس وقت تک کہ ان کے اعداء کو لڑنے کی طاقت نہ رہے۔ ہتھیار ڈال کر اطاعت و امن کی خواستگاری کریں پھر اس کار خیر کی ترغیب دلاتا ہے۔ (۱) وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ الخ کہ اگر خدا چاہتا تو ان سے آپ بدلہ لے سکتا تھا لیکن بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ کون ہمارے حکم سے جان دیتا ہے؟ (۲) وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا الخ جمہور نے قاتلوا پڑھا ہے معروف کا صیغہ اور بعض نے قتلوا مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ جمہور کی قرأت پر اور اس قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھنے والے کے نزدیک معنی صاف ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے ان کے اعمال ضائع نہ جائیں گے دنیا میں اللہ ان کو نیک باتوں کی توفیق و ہدایت دے گا اور مرنے کے بعد جنت میں داخل کرے گا کہ جو ان کو بتائی گئی ہے[1] اور مجہول کے صیغہ میں یہ اشکال ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو اب کس بات کی ہدایت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہوگی منکر و نکیر کے سوال و جواب کی سعادت اور دار الخلد کے منازل طے کر کے حقیقی منزل تک پہنچنے کی۔ (۳) یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ اے ایماندارو! اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کر کے اس کی مدد کرو گے حالانکہ وہ مدد کا محتاج نہیں تو ہر کام میں خصوصاً اس کام میں تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا اور کفار کو پست کرے گا اور ان کی تدابیر کو رد کر دے گا۔ اس وعدہ کے بموجب خدا تعالیٰ نے اصحاب محمد ﷺ کو مخالفوں پر فتح یاب کیا اور دشمنوں کو سرنگوں کر دیا اور آئندہ جو کوئی دین اللہ کی حمایت پر کمر باندھے اسی عنایت و وعدہ کا مستحق ہے جب چاہے آزما کر دیکھ لے۔

ان آیات میں صرف فضرب الرقاب

واما منًا واما فداء کے معنی میں گفتگو کرنی باقی رہ گئی اور وہ یہ ہے۔ کیا جب کوئی کافر ملے مسلمان اس کی گردن مارنے پر مامور کیا گیا ہے؟ مجاہد فرماتے ہیں یہ ایک خاص جنگ میں حکم ہوا تھا جو آنحضرت ﷺ کو اس وقت مخالفوں سے پیش آئی کہ جنگ میں گردن مارو اور جنگ اسی لیے ہوا کرتی ہے وہاں پھول اور پان نہیں بٹا کرتے ہیں۔ الغرض ہر وقت کا حکم نہیں بلکہ جب کفار سے بقاعدۂ شرعیہ جنگ قائم ہو اس وقت یہ حکم ہے کہ اس کی گردن مارو عام حکم نہیں کہ جب کوئی کہیں مل جائے مار ڈالا جائے اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اسلام پر سفا کی کا عیب لگایا ہے یہ

---

[1] رسول نے یا قرآن نے بتائی یا مرنے سے پہلے ایمانداروں کو بتائی اور دکھائی جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

اس کی سمجھ کا عیب ہے۔

اسیرانِ جنگ کے احکام : اما منا الخ اس آیت میں علمائے کے مختلف اقوال ہیں۔ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ وبقولہ اقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یہی قول ہے قتادہ وضحاک و سدی وابن جریج واوزاعی واہل کوفہ کا۔یہ کہتے ہیں جنگ میں جو کفار اہلِ اسلام کے قبضہ میں قید ہو کر آ جاویں شاہِ اسلام نہ ان کو احسان کر کے چھوڑ دے نہ فدیہ لے کر اب یا قتل کئے جاویں یا غلام بنائے جاویں۔صاحب ہدایہ کہتے ہیں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جاوے صاحبین کہتے ہیں ان کے بدلہ میں مسلمان قیدی لے کر چھوڑنا درست اور یہی شافعی کا قول ہے لیکن مال لے کر نہ چھوڑنا چاہیے۔سیر کبیر میں ہے اس کا بھی مضائقہ نہیں جبکہ مسلمانوں کو روپیہ کی حاجت ہو۔تفسیر احمدی

علماء کا ایک گروہ کہتا ہے آیت ہرگز منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔امام کو اختیار ہے خواہ فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مفت چھوڑ دے۔یہ دو باتیں تو آیت میں صاف مذکور ہیں۔اور دو باتوں کا اختیار ہے گو آیت میں ان کا ذکر نہیں۔احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں وہ یا غلام بنائے یا قتل کر ڈالے۔یہی ابن عمر رضی اللہ عنہ و حسن وعطاء کا قول ہے اکثر صحابہ وتابعین اسی طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری وامام احمد وشافعی کا یہی مذہب ہے۔

ہمارے بعض معاصرین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جنگ بدر وغزوۂ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے اس میں صرف دو ہی باتیں قیدیوں کے لیے قرار دی ہیں۔یا مفت چھوڑ دینا یا فدیہ یعنی جرمانہ یا خرچہ لے کر چھوڑ دینا۔غلام بنانے کا اس میں کہیں ذکر نہیں نہ قتل کرنے کا اور جہاں قتل کرنے اور غلام بنانے کا ذکر ہے وہ اس کے نزول سے پہلے کا ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ
اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۫ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ
الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا
تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ
قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴

پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور منکروں کے لیے ایسا ہی کچھ ہوتا ہے یہ عذاب اس لیے کہ اللہ حمایتی ہے ایمان والوں کا اور کافروں کا کوئی بھی حمایتی نہیں۔بے شک اللہ ایماندار نیک بختوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ جو منکر ہو گئے دنیا برت رہے ہیں اور ایسا کھا رہے ہیں جیسا کہ چار پائے کھایا کرتے ہیں اور (آخرت) ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسی بہت سی بستیاں کہ جو اس بستی سے بھی طاقتور تھیں کہ جس نے آپ کو نکال دیا ہے ہم نے ان کو ہلاک کیا پھر ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا پھر کیا وہ شخص کہ جو اپنے رب کی طرف سے روشن

ل انہیں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں۔۱۲منہ

طریقہ پر ہے اس کی برابر ہے کہ جس کی بدکاری اس کے نزدیک بھلی معلوم کرائی گئی اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

ترکیب : الضمائر فی اخرجتك وھی للقریة وفی اَهْلَكْنٰهُمْ وَلَا نَاصِرَ لَهُمْ للاھل ای لاھل القریة۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ منکروں کو ہلاکی ہے اب اس ہلاکی کا ثبوت دیتا ہے فقال اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کہ کیا قریش نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا؟ شام میں جاتے ہوئے قوم ثمود کے آثار اور یمن میں جاتے ہوئے قوم عاد کے امارات ان کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ان کا انجام یہ ہوا دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اللہ نے ان کو ہلاک کیا۔اور قریش یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہلاکی اور بربادی انہیں کے لیے تھی بلکہ وَلِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا کفار کے لیے خواہ عاد وثمود ہوں یا قریشِ مکہ ہوں ایسے ہی انجام ہوتے ہیں۔امثالھا ای امثال العاقبة اور یہ کیوں ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اس لیے کہ اللہ ایمانداروں کا حامی ہے اور کافروں کا کوئی بھی حامی نہیں پھر ان کو ایسے مصائب سے کون بچا سکتا ہے؟

یہ تو کفر وایمان کا دنیوی ثمرہ تھا اس کے بعد اخروی فرق بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ الخ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اس کے بعد نیک کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی اور کفار وبدکار لوگ دنیا میں چارپایوں کی طرح سے کھانے پینے میں مصروف ہیں نہ ان کو آخرت کی فکر نہ نیک باتوں کی طرف رغبت نہ برے افعال سے نفرت ان کا ٹھکانا آگ ہے اس میں رہا کریں گے۔

کفار یہ سن کر کہ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے طعن سے یہ کہتے تھے کہ وہ حمایت کہاں گئی؟ ہم نے تو محمد (ﷺ) کو مکہ سے نکال دیا اس پر کچھ عجب نہیں کہ حضرت کو وطن ترک کرنے کا رنج بھی ہوا ہو۔چنانچہ ابویعلیٰ موصلی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکلنے اور غار میں چھپنے چلے تو مکہ کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے اور یہ کہتے تھے کہ بخدا سب شہروں سے تو میرے نزدیک محبوب ہے اگر یہ لوگ مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا اس پر یہ آیت تسلی بخش نازل ہوئی وکاین من قریة الخ کہ اے محمد (ﷺ) بہت سے شہر جو تمہارے اس شہر سے (کہ جس نے تجھے نکال دیا یعنی مکہ نے) طاقت وزور میں بڑھ کر تھے سدوم وعمورہ وغیرہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان کا کوئی مددگار نہ اٹھا۔پھر یہ اہلِ مکہ کیا گھمنڈ کرتے ہیں ذرا صبر کریں۔چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بدر کی لڑائی نے ان متکبروں کا فیصلہ کر دیا۔اس کے بعد کفر وایمان کا ایک اور فرق بیان فرماتا ہے فقال افمن کان الخ کہ کیا وہ شخص کہ جس کے پاس اس کے رب کی سند ہے یعنی کتاب ونبی اور وہ کون شخص ہے ایماندار؟ اس کے برابر ہو گیا کہ جو محض اٹکل سے اپنے خیالات کا پیرو ہے اور بری باتوں کو بھلا سمجھ رکھا ہے وہ کون کافر وبت پرست۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ
لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ
عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ
كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵

وہ جنت کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں ہیں اور (اسی طرح) نہریں دودھ کی کہ جس کا مزہ بدلا ہوا

مزے دار شراب کی نہریں ہیں صاف شہد کی نہریں ہیں اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے رب کی مغفرت ہے کیا یہ لوگ ان کے برابر ہیں جو آگ میں سدا رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔

ترکیب : قال سیبویہ المثل بمعنی الوصف والصفۃ علی ھذا مثل الجنۃ الخ مبتداء فیھا انھار الجملۃ خبرہ وقیل المثل علی معناہ فیجنۃ تقدیر الکلام مثل الجنۃ (مبتداء) والخبر محذوف وھو جنۃ تجری فیھا انھار وھذا ھو المثل بہ کما یقال مثل زید رجل طویل اسمر فیذکر بعین صفات زید فی رجل منکرا لا یکون ھو فی الحقیقۃ الا زید اھذا اقول الزجاج کمن ھو الکاف فی موضع رفع ای ام من فی ھذا النعیم کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ۔

تفسیر : جیسا کہ مومن و کافر کا فرق بیان فرمایا تھا اسی طرح اب ان کے مقامات کا تفاوت بیان فرماتا ہے فقال مَثَلُ الْجَنَّةِ الخ وہ جنت کہ جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی وہ پرہیز گاری پر ملتی ہے کسی کے حسب و نسب مال و جاہ سے نہیں ملتی) ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں بہتی ہیں الخ جنت میں تین چیزیں بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ اس میں چار قسم کی نہریں بہتی ہیں: (۱) صاف پانی کی (۲) ایسے دودھ کی جو کبھی نہ بگڑے (۳) مزے دار شراب کی (۴) شہد صاف کی۔ پانی کے وصف میں غیر آسن فرمایا یعنی جس کا رنگ و بو اور مزہ نہ بدلے کیونکہ پانی کے حق میں یہ باتیں عیب ہیں یعنی نہایت صاف اور معطر پانی گندے سڑے ہوئے بدرنگ پانی کی نہریں نہیں جیسا کہ دنیا میں ہوتی ہیں۔ اور دودھ کا عیب یہ ہے کہ وہ سریع الاستحالہ ہے جلد بگڑ جاتا ہے سو وہاں کا دودھ اس قسم کا نہ ہوگا۔ اور شراب میں عیب یہ ہے کہ وہ تلخ و کریہ الطعم ہوتی ہے وہاں کی شراب میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ مزے دار ہوگی۔ اور شہد کا عیب یہ ہے کہ یہ میلا ہوتا ہے مکھیاں پتی کوڑا کرکٹ اس میں ملا ہوتا ہے وہاں کے شہد میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ وہ مصفّٰی ہوگا۔

پانی کی نہریں تو ہوا کرتی ہیں مگر دودھ اور شہد اور شراب کی نہروں کے کیا معنی؟ کیا دراصل جنت میں ان چیزوں کی نہریں بہتی ہوں گی؟ ظاہر الفاظ تو یہی کہہ رہے ہیں مگر بعض محققین کہتے ہیں یہ استعارات ہیں کس لیے کہ جنت کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا مثل دنیا میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب ہو سکے پھر وہاں کی نعمتیں بندوں کو سمجھائی کیونکر جاویں۔ اس لیے جن چیزوں کو وہاں کی چیزوں سے ذرا بھی مناسبت ہے ان کے پیرایہ میں سمجھایا گیا۔

ان چیزوں کی نہریں بہنا کمال فرحت و تنعم کی دلیل ہے کہتے ہیں کہ فلاں بادشاہ نے جشن میں شرابوں سے حوض بھر دیے تھے۔ یا مراد کثرت و افراط ہے کہتے ہیں کہ فلاں ملک میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں یعنی بکثرت ہے واللہ اعلم۔

قوائے اربعہ عناصرِ اربعہ کی صورت میں جلوہ گر ہوں گی انسان کی چار قوتیں جن کی نہریں اس کے اندر بہتی ہیں بشرطیکہ ان کو ٹھیک طور پر بہنے دے جو فطرت نے ان کا بہاؤ رکھا ہے تو عالم قدس میں اپنی اپنی مناسب چیزوں میں ظہور کر کے ان کی نہریں بہیں گی روحانیہ نفسانیہ سبعیہ شہوانیہ یا یوں کہو کہ اس کے علوم و معارف حقیقیہ کہ جن سے دل زندہ ہوتے ہیں پانی کی نہر ہوگی اور چونکہ ان علوم میں وہمیات و عادات و عقائدِ فاسدہ کے خس و خاشاک نہیں اس لیے وہ ماء غیر آسن یعنی صاف پانی ہوگا اور وہ علوم جو اخلاق و افعال سے متعلق ہیں اور ان ناقصوں کے کار آمد ہیں جو ریاضت اور سلوک سے کاملین میں ملنے کی صلاحیت رکھتے ہیں دودھ کی نہریں ہوں گی اور ذات و صفاتِ باری تعالیٰ سے محبت و شراب کی نہریں ہوں گی جن میں تجلیاتِ صفات و شہود و جمالِ ذات سے عشاق کو لذات ہیں اور حلاوات و ارادات قدسیہ و بوارق نوریہ اور لذاتِ وجدانیہ شہد کی نہریں ہوں گی اور فضول سے یہ حلاوتیں اور جذبات بری ہیں اس لیے عسلِ مصفّٰی ہوں گے۔

جنت میں دوسری چیز ہے مِّن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ہر قسم کے میوے۔ یہاں تک جنتِ جسمانی کا بیان تھا اب تیسری چیز روحانی بیان کرتا ہے وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ خدا کی بخشش و خوشنودی یہ تو پرہیز گاروں ایمانداروں کا مقام تھا اب کفار کا مقام بیان فرماتا ہے كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جاوے گا جس سے انتڑیاں کٹ کٹ کر گر یں گی۔ فرماتا ہے کیا یہ دونوں برابر

ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ کلام اگر کوئی ذرا بھی طبیعتِ سلیمہ رکھتا ہے اس کے لیے بڑا ہی مؤثر ہے۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا
الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا
أَهْوَاءَهُمْ (۱۶) وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ (۱۷) فَهَلْ
يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ
لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ (۱۸) فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ
لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ (۱۹) ع

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی کیا کہا تھا یہ وہ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور یہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور وہ جو رستہ پر آ گئے ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا اور ان کو پرہیز گاری عطا کرتا ہے اور کیا وہ اس گھڑی ہی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر ناگہاں آوے کیونکہ ان کی علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں پھر جب وہ آ گئی تو ان کا سمجھنا کیا مفید ہوگا پھر (اے رسول!) یقین کر کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اپنے گناہوں کی اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگئے اور اللہ کو تمہارا پھرنا اور ٹھکانا معلوم ہے۔

ترکیب : منھم خبر مقدم من یستمع مبتدء انفا بالمد والقصر ومعناہ الساعۃ وانتصابہ علی الظرف ای وقتا موتفعا او حال من الضمیر فی قال قال الزجاج ھو من استانفت الشیء اذا ابتدأتہ وھو ماخوذ من انف الشیء لما تقدم منہ۔ ان تاتیھم بغتۃ بدل اشتمال من الساعۃ۔

تفسیر : كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ میں گروہ اشقیا کا ذکر ہوا تھا اب یہاں ان کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے ان کا خلود فی النار ہونا ثابت ہو جاوے فقال وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ کہ ان اشقیا میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اے محمد (ﷺ) تیری مجلس میں حاضر ہوتے ہیں وعظ سننے کو بیٹھتے ہیں مگر ان میں عزت و عظمت نہیں۔ اس طرف دھیان نہیں کرتے رعونت و تکبر سے پھر باہر نکل کر اہلِ مجلس کے علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا فرمایا تھا۔

یہ مدینہ میں منافقوں کا گروہ تھا مجلس میں ادھر ادھر خیال رکھتے تھے بات دھیان دھر کر نہ سنتے تھے باہر نکل کر صحابہ ﷺ سے پوچھتے تھے۔ عبداللہ ابن عباس ﷺ کہتے ہیں منجملہ ان اہلِ علم کے کہ جن سے وہ باہر نکل کر پوچھتے تھے ایک میں تھا اس وقت کم سن لڑکا تھا فرماتا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ کہ یہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر مہر ہے اور اپنی خواہشوں کے پیرو ہیں جو بات خواہش کے موافق ہوتی ہے اس کو بہت جلد سنتے اور دھیان دھرتے ہیں اور جو ہدایت یافتہ ہیں یعنی ایماندار ان کو ان مجالسِ وعظ میں اور زیادہ ہدایت ہوتی ہے۔ انسان دنیا میں نیکی حاصل کرنے کو بھیجا گیا ہے۔ اب تک تو انہوں نے کوئی ذریعۂ آخرت حاصل نہیں کیا پھر کب کریں گے؟ کیا قیامت کے[1] منتظر ہیں کہ دفعۃً آجاوے۔ پس قیامت کے علامات تو آ گئے۔ منجملہ آثارِ قیامت کے آنحضرت ﷺ کا مبعوث ہونا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ

[1] ممکن ہے کہ الساعۃ سے مراد موت کی گھڑی ہو اور اس کی علامات انسانی تغیرات دمبدم اس کو متنبہ کر رہی ہیں۔ ۱۲ منہ

نے فرمایا ہے میرا مبعوث ہونا اور قیامت کا آنا اس طرح سے ہیں اور دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا بیچ کی اور کلمہ کی انگلی کو یعنی قریب قریب ہے اور بھی علامات قیامت ظاہر ہونے لگے فسق و فجور کا رواج' محبت والفت کا اٹھ جانا' وغیرہ وغیرہ۔

فرماتا ہے فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ کہ قیامت اگر آ گئی تو پھر کہاں سمجھنے کا موقع ملے گا۔ اس لیے قیامت کے آنے سے پہلے سمجھنے اور سدھرنے کا ڈھنگ بتلاتا ہے فقال فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ کہ اس بات کو جان کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس میں حکمت نظریہ کی تعلیم ہے اور یہی مقدم بھی ہے اس کے بعد عملی حصہ کو درست کرتا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ اپنے گناہوں کی اور اپنے ساتھ اور ایماندار بھائیوں مرد و زن کی معافی خدا سے مانگو۔ معافی مانگنا حقیقت میں بندہ کا کمال عجز ہے جو رحم دلاتا ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی تو کبھی ہے کہ معافی میں اپنے بھائیوں کو بھی شریک کرتا ہے اس اولوالعزمی پر اور بھی رحم کا مستوجب ہوتا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ذکر نہیں کہ ان کو گناہ گار ٹھہرایا جاوے اور حضرت ﷺ کے گناہ بھی کیا ہیں صرف تغفلات جو ہماری نیکیوں سے بڑھ کر ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ
فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ
تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي
قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

اور ایمان والے کہتے ہیں کس لیے کوئی سورت (جہاد کے لیے) نازل نہ کی گئی پھر جب کوئی ایسی سورت نازل ہوگی اور اس میں لڑائی کا ذکر ہو تو دیکھ لینا جن کے دلوں میں مرض ہے آپ کی طرف ایسا تکیں گے جیسا کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو وہ مرے بھی نہیں فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا چاہیے پھر جب کوئی بات (جنگ) ٹھہر جائے پھر اس وقت اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بھی بہتر ہے پھر تم سے تو یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو ملک میں فساد مچانے اور قرابت منقطع کرنے لگو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کردی پھر ان کو بہرا اور اندھا بھی کر دیا پھر کیوں قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک وہ جو ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی الٹے پھر گئے تو یہ بات ان کو شیطان نے بتائی اور پڑھائی ہے۔

ترکیب : لولا بمعنی ھلا۔ رایت الذین جواب فاذا انزلت اولی مبتدء لھم الخبر اولی افعل من الولی وھو القرب ای اقرب لکم بالمکروہ وقال الجرجانی ھو ماخوذ من الویل ای فویل لھم طاعۃ الخ خبر مبتدء محذوف ای امرہم فاذا عزم الامر عامل الظرف محذوف وقیل فلو صدقوا اللہ ان تفسدوا خبر عسی وان تولیتم معترض بینھما الشیطان مبتدء وسول خبرہ والجملۃ خبر ان واملی معطوف علی

الخبر۔

تفسیر : سعید اور شقی کا فرق آیات علمیہ کی نسبت بتا کر کہ نیکوں کو زیادہ ہدایت ہوتی ہے اور شقی اپنی ہوا و ہوس میں مستغرق ہوتا ہے خیال کر کے نہیں سنتا باہر جا کر لوگوں سے پوچھتا ہے۔ اب آیات عملیہ کی نسبت دونوں گروہوں کا فرق بیان کرتا ہے فقال وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ نیک گروہ یعنی ایماندار تو اس بات کی آرزو کرتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی حکم دیا جائے یعنی جہاد کرنا جو سب سے بڑھ کر سخت کام ہے تو ہم سعادت سمجھ کر اس کو بجا لاویں اور جب کوئی ایسی سورہ نازل ہو جاوے کہ جس میں جہاد کا حکم ہو جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا مرض ہے ان کے تو ہوش اڑ جاتے ہیں اور اے محمد (ﷺ)! تیری طرف ایسے بھیانک ہو کر دیکھتے ہیں کہ جیسا کوئی موت کے وقت دیکھا کرتا ہے۔ فرماتا ہے یہ ان کی بدنصیبی ہے ان کو فرماں برداری کرنی چاہیے اور نیک بات کہنی چاہیے اور جب کوئی بات جنگ کی بابت قرار پا جائے تو اللہ سے سچا ہونا چاہیے جو اس سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنا چاہیے (سورۃ محکمۃ۔ غیر منسوخۃ۔ او المراد صریحۃ البیان فی امر الجہاد)

اس امر میں منافق ایک یہ بھی عذر کیا کرتے تھے کہ ہم عرب سے کیونکر لڑیں ہماری ان سے قرابت ہے اور قطع رحم کرنا اور لڑ بھڑ کر فساد مچانا کوئی اچھی بات نہیں ہے اس لیے ہم جہاد سے حذر کرتے ہیں اس کے رد میں فرماتا ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ اگر تم مالک ہو جاؤ اور ملک میں تم کو حکومت ہو جاوے تو پھر دیکھو پھر کس قدر فساد کرتے اور قطع رحم کرتے ہو۔ تولیتم کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اس کو ولایت سے ماخوذ و قرار دیا جاوے یعنی تم والی اور مالک ہو جاؤ اور دوسرے یہ کہ اس کو تولی بمعنی فرار سے ماخوذ مانا جاوے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر تم جہاد سے پھر جاؤ گے اور تم پر اپنا کوئی حاکم نہ رہے گا۔ مخالفوں کے شر سے کوئی امن کی صورت نہ ہوگی تو ایسی ظلمت کے زمانہ میں ادنیٰ ادنیٰ بات پر خودسر ہو کر لڑو گے اور فساد مچاؤ گے رحم اور قرابت کا کچھ لحاظ نہ کرو گے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کی عادت تھی ذرا ذرا باتوں پر تلوار چلا کر ہزاروں خون ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں جہاد و قتال نہ ہونے سے مسلمانوں میں سردار کا وجود جاتا رہا پھر ہزاروں مصائب اور آفات میں مبتلا ہو گئے۔ فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کردی ہے جس لیے یہ بہرے ہو گئے۔ فوائد جہاد نہیں سنتے اور اندھے بھی ہیں خود بھی اس کے فوائد نہیں دیکھتے کاش قرآن میں غور کر کے مصالح جہاد کو سوچتے ان کے دلوں پر مہر اور قفل ہیں یہ توفیق کہاں؟ ہدایت ظاہر ہونے پر جو منہ پھیرتے ہیں ان کو شیطان نے یہ حیلہ بازی سکھائی کہ جہاد میں یہ خرابی ہے اور اسی نے ان کو امید دلائی ہے کہ مدتوں جیو گے ابھی کیوں لڑ کر مرتے ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ
وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ ع
اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ

1 بسیماھم ای العلامۃ خاصۃ لونشاء لجعلنا علی المنافقین علامۃ تعرفھم بتلک العلامۃ ۱۲ منہ

لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ
مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ
يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

یہ اس لیے کہ انہوں نے ان سے کہ جنہوں نے برا جانا اللہ کے نازل کیے ہوئے کو یہ کہہ دیا کہ ہم بعض باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے اور اللہ جانتا ہے ان کی رازداری۔ پھر جب کیا ہوگا کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہوں گے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے یہ اس لیے کہ یہ چلے اس پر کہ جس سے اللہ ناراض ہے اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کو برا جانا پھر اس نے بھی ان کے عمل اکارت کر دیے کیا وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کی دلی دشمنی ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو ان کو آپ کو دکھا بھی دیتے پھر آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور ضرور آپ ان کو ان کے طرزِ کلام سے بھی پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے بھی خوب واقف ہے اور ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ معلوم کر لیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے (کون ہیں) اور تمہاری اصلی حالت جانچ ہو بے شک وہ جو کافر ہوئے اور اللہ کے رستہ سے روکتے رہے اور رسول سے مخالف ہو گئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت ظاہر ہو چکی تھی وہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ جلد ان کے اعمال برباد کر دے گا ایمان والو! اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عمل ضائع نہ کرو۔[2]

یہ تتمہ ہے کلام سابق کا۔ کہ یہ منافق جو ہدایت آنے کے بعد الٹے پھر گئے اس کا یہ سبب ہے کہ انہوں نے وحی یعنی قرآن کے دشمنوں سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم تمہاری کچھ باتیں مانیں گے اور یہ بات مخفی کہی تھی لیکن اللہ کو ان کی رازداری معلوم ہے۔ اسرارھم بکسر ہمزہ پڑھیں گے تو مصدر ہوگا یہ اہل کوفہ کی قرأت ہے اور بفتح ہمزہ پڑھیں گے جیسا کہ جمہور کی قرأت ہے تو یہ سر کی جمع ہوگا جس کے معنی ہیں بہت راز بہت بھید۔

قرآن کے دشمن کون تھے کہ جن سے منافقوں نے وعدہ کیا تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں وہ قرآن کے دشمن عرب کے مشرک و کفار تھے مدینہ کے منافقوں نے مخفی طور پر ان سے یارانہ قائم رکھنے کے لیے کہلا بھیجا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) پر بظاہر ایمان تو لائے ہیں مگر بعض باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے۔ وہ بعض کیا بات تھی وہ یہ کہ دل سے ہم بھی محمد (ﷺ) کو نبی نہیں جانتے اور یہ کہ اگر تمہارا غلبہ ہوا تو ہم تمہارے ساتھ ہو جاویں گے۔ مگر اس آیت کی ایک اور آیت میں پوری شرح ہے وہ آیت یہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ کہ منافق لوگ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی ساتھ نکلیں گے اور اس بات میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی

ل الاضغان جمع ضغن جو دل میں بری بات رکھی جائے حسد بغض کینہ خیانت لحن القول بات کا پھیرنا کسی غرض کے لیے ۱۲ منہ

ع معتزلہ اس آیت سے یہ بات نکالتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سے اعمال حبط ہوتے ہیں۔ کسی نے عمر بھر نماز روزہ کیا اور ایک بار ایک چلو شراب کی پی لی تو گویا اس نے کبھی کوئی نماز کیا ہی نہ تھا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ بات نہیں ہاں کفر و شرک سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں بایں معنی کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا مستحق ہو گیا اعمالِ صالحہ کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس آیت سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں یعنی اس کو تمام کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ عمل کا باطل کرنا لازم آتا ہے اور آئمہ کا یہ قول نہیں۔ ۱۲ منہ

ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ پس کہنے والے منافق تھے اور قرآن کے دشمن مدینہ کے آس پاس والے یہود تھے اور وہ بات یہ تھی کہ در پردہ ہم تمہارے یار و مددگار ہیں اس جرم میں یہ بھی راندۂ دربارِ الٰہی ہوئے اس لیے ان کے خاتمہ کے حال سے خبر دیتا ہے فکیف اذا الخ کہ اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ ان کی روح نکالیں گے اور اس وقت ان کے منہ اور پیٹھوں پر کوڑے مارتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی ناپسند باتوں کا اتباع کیا اور اس کی رضامندی کی پروا نہ کی اس لیے ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ منافقین اپنے حال کو بھی مسلمانوں سے بہت مخفی رکھتے تھے کہ مبادا ہماری اندرونی خباثت نہ معلوم ہو جائے تاکہ مسلمان ہمیں ضرر نہ پہنچائیں اس بات کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ام حسب الخ ان کی باطنی دشمنی چھپی نہ رہے گی اگر ہم چاہیں تو ان کو معین کر کے بتا دیں اور ان کی طرزِ گفتار سے بھی اے محمد (ﷺ)! آپ پہچان لیں گے اور آزمائش ڈالیں گے اس میں خوب اچھے بروں کا امتیاز ہو جائے گا۔ یہ خدا کو اور اس کے رسول کو کوئی ضرر نہیں دے سکیں گے اس کے بعد مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ زنہار تم ان کے کہنے میں نہ آنا اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنا۔ خلاف کرنے میں عمل حبط ہو جاویں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ
وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۗ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا
وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا
فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ
وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ
ع ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾

بے شک وہ جو کافر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے رہے پھر وہ کافر ہی مر گئے تو ان کو ہرگز اللہ نہ بخشے گا پھر تم بودے بن کر صلح نہ پکارو حالانکہ تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہاری کوششیں رائیگاں نہ کرے گا دنیا کی زندگانی جو ہے تو کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو وہ تمہاری اجرت تمہیں دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا کیونکہ اگر وہ تم سے مال مانگے پھر تم کو تنگ کر دے تو تم بخل کرنے لگو اور تمہاری خیانت ظاہر کر دے۔ دیکھو تم وہ ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے پھر تم میں سے وہ بھی ہیں کہ جو بخل کرتے ہیں۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے تو اپنے نفس سے کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ اور دوسرے لوگ پیدا کر دے گا پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔

ترکیب: الاحفاء الاستقصاء فی الکلام ومنہ احفاء الشارب ای استیصالہ تبخلوا جواب الشرط وَاِنْ تَتَوَلَّوْا معطوف علی قولہ وان تؤمنوا اعلون اصلہ اعلیون لانہ جمع اعلی فسکنت الیاء والواو کانت ساکنۃ فالتقی الساکنان فسقطت الیاء وبقی اعلون (کبیر)

تفسیر : اعمال حبط ہونے کا ذکر آیا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ پھر مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔ کوئی گناہ ہوا اعمال نیک برباد گئے بخشش بھی گئی اس لیے اس مسئلہ کا تصفیہ کر دیا۔ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ کہ بخشش نہ ہونے کی صرف یہی صورت ہے کہ کفر و بدکاری کرے اور پھر کفر ہی کی حالت میں مر جاوے تب ہرگز اس کی بخشش نہ ہوگی اعمال برباد نہ ہونے پر اس کا فضل باقی رہتا ہے۔

کفر و اسلام کا انجام بتلا کر مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں آمادہ کرتا ہے فقال فَلَا تَهِنُوْا الخ کہ تم بودے نہ ہو اور دب کر صلح نہ کرو حالانکہ تم ہی غالب ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے تمہارے اعمال تمہاری کوششیں برباد نہ کرے گا۔ اس آیت میں صاف حکم یہ ہے کہ کفار سے دب کر صلح کی درخواست نہ کرنی چاہیے ہاں اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اگر وہ صلح جھک کر کریں تو کرو ورنہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور جنگ کرنے میں کوشش کرو یا فتح پاؤ گے سو عین مراد ہے یا مارے جاؤ گے تو شہید ہو گے دنیا میں کیا رکھا ہے جس پر غش ہو۔ اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ دنیا کی زندگی کھیل کود ہے بیکار و ناپائیدار پھر اس حیات چندروزہ میں اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا ایمان لاؤ پرہیزگاری کرلو یہی توشہ ہے اس کو ساتھ لے چلو یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ اور آخرت میں تمہارے بدلے تم کو دیے جاویں گے اور اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا جس لیے کوئی ڈرے اور نیکی سے دور بھاگے وَلَا یَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ کے بھی معنی ہیں اِنْ یَّسْئَلْكُمُوْهَا اگر وہ تم سے مانگے تو فَیُحْفِكُمْ تو پھر سب کا سب لے تو تم بخل کرو اور تمہاری بخیلی ظاہر ہو جاوے۔

مطلب یہ کہ دین میں مال کا ایسا خرچ نہیں کہ سب دے دیا جائے اگر مال پر کچھ ہے بھی تو بہت کم چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا پڑتا ہے۔ اگر خدا سب مانگے اور امتحان کرے تو مال کی وجہ سے تم اسلام سے نفرت کرنے لگو۔[1] ان جملوں میں منافقوں پر تعریض ہے جو جہاد میں دینا بار سمجھتے تھے اس کے بعد صاف صاف طور پر بیان فرماتا ہے هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ الخ کہ دیکھو تم کو اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے جہاد میں جس سے سرکشوں اور بدی کا کڑوا درخت دنیا سے کاٹنا منظور ہے۔ پھر بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں یعنی منافقین اور جو کوئی بخل کرتا ہے اپنے لیے کس لیے کہ جو کچھ یہاں دو گے وہاں پاؤ گے اور جو نہ دو گے اس سے اپنے آپ کو محروم کرو گے۔ اور اللہ کو کچھ حاجت نہیں اس میں تمہارا ہی نفع ہے۔ حاجت مند تو تم ہو اور اگر تم نہ مانو گے تو تم کو ہٹا کر تمہاری جگہ ایک اور قوم اسلام میں داخل کرے گا جو نیک ہوں گے تم جیسے نہ ہوں گے۔ ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑی تو لوگوں نے پوچھا یا حضرت وہ کون ہیں جو ہماری جگہ آویں گے حضرت نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کی قوم بخدا اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو آل فارس میں سے ایک شخص[2] اس کو وہیں سے حاصل کرتا بعض کہتے ہیں اس قوم سے مراد انصار ہیں بعض کہتے ہیں فارس و روم بعض کہتے ہیں اہل یمن۔ مجاہد کا قول بہت ٹھیک ہے وہ کہتے ہیں جس کو چاہے اسلام کا حامی اور انصار کر دے چنانچہ ایسا ہوا عرب کے بعد ترک کھڑے ہوئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ① لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ② وَّیَنْصُرَكَ اللّٰهُ

[1] دین سے نفرت کرنے لگو کہ اس کی بدولت مفلس ہوں گے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ بشارت امام ابو حنیفہ کے لیے ہے آپ فارسی الاصل تھے اور اسی پر بڑے بڑے ائمہ کا اتفاق ہے۔ ۱۲ منہ

نَصْرًا عَزِیْزًا ③ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ④

آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے[1] گناہ معاف کر دے اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے اور تا کہ آپ کو سیدھے رستہ پر چلائے اور تا کہ اللہ آپ کی زبردست مدد کرے وہی تو ہے کہ جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا تا کہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب : لیغفر اختلف الاقوال فی اللام۔ قال ابوالعباس المبرد ہی لام کے معناھا انا فتحنا لک فتحا مبینا کی تجتمع لک مع المغفرۃ تمام النعمۃ فی الفتح۔

تفسیر : ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی ﷺ عمرہ کرنے مکے چلے اور مشرکوں نے بمقام حدیبیہ آپ کو روک دیا اور اس بات پر فیصلہ ٹھہرا کہ اگلے سال آپ عمرہ کریں اور آنحضرت ﷺ نے وہیں اپنی قربانی ذبح کر دی۔ اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو رنج تھا جن میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے پھر جب قربانی کر کے مدینہ کو واپس چلے تب یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی جس میں ان شکستہ دل مسلمانوں کو مژدہ ہے کہ یہ صلح تمہارے لیے فتح و ظفر ہے۔ چنانچہ بخاری نے براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اے لوگو! تم مکہ فتح ہو جانے کو فتح سمجھتے ہو وہ بھی سہی۔ ہم تو یوم حدیبیہ میں بیعت الرضوان[2] کو فتح سمجھتے ہیں ہم چودہ سو آدمی حضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور حدیبیہ جو ایک کنواں ہے اس میں جس قدر تھوڑا سا پانی تھا سب کھینچ لیا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی قدر پانی مانگا وضو کر کے کلی اس میں ڈال دی پھر اس میں اس قدر پانی ہو گیا کہ سب آدمیوں اور اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

اور بھی صحیحین و سنن ابی داؤد و جامع ترمذی وغیرہ کتابوں میں روایات صحیحہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگلی سورۃ میں فرمایا تھا وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ کہ تم جہاد میں خرچ کرنے سے کس لیے بخل کرتے ہو ہم نے تمہارے لیے ایک فتح مقرر کر دی۔ جس میں اپنے خرچ کیے سے دگنا بلکہ دو گنا پاؤ گے۔ اس لیے فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے تیرے لیے فتح ظاہر کا حکم لگا دیا۔ فتح مبین میں علماء کے چند اقوال ہیں بعض کہتے ہیں فتح مکہ گو اس وقت تک نہ ہوئی تھی مگر یقینی چیز کو بلفظ ماضی تعبیر کرنا قرآن کا محاورہ ہے۔ بعض کہتے ہیں فتح روم وغیرہ جو اہل اسلام کو یکے بعد دیگرے اس سورہ کے بعد سے ہونی شروع ہوئیں خیبر فتح ہوا اور علاقہ عرب کے زیر حکومت ہوئے یمن میں تسلط ہوا خراج بھی آئے۔ بعض کہتے ہیں براہین و حجج اسلامیہ بعض کہتے ہیں

[1] ماتقدم الخ اس وقت سے پہلے اور اس سے پچھلے گناہ یا نبوت کے قبل و مابعد کے گناہ مراد ہیں جیسا کہ ابن جریر اور سفیان ثوری و مجاہد کہتے ہیں۔ عطا کہتے ہیں ماتقدم سے مراد آدم و حوا کے گناہ اور ماتاخر سے امت کے گناہ مراد ہیں۔ اس تقدیر پر حضرت ﷺ کی طرف حقیقۃً گناہ منسوب نہیں۔ پچھلے گناہ اب تک ظہور ہی میں نہیں آئے ان کے بخشنے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ وعدہ ہے اگر صادر ہوں گے تو معاف کر دیے جائیں گے یا گناہوں کی نوبت ہی نہ آوے گی توفیق الٰہی رفیق رہے گی۔ ۱۲ منہ

[2] بیعت رضوان کا قصہ آگے آتا ہے حدیبیہ مکہ کے قریب ایک کنواں تھا بعض نے اس کو حل میں بعض نے حرم میں شمار کیا ہے اب ایک قریہ ہے مکہ سے ایک مرحلہ یا کم اس جگہ آنحضرت ﷺ نے ڈیرہ کیا مکہ تک لوگوں نے آنے نہ دیا یہیں صلح ہوئی اور دیگر باتیں کہ جن کا اس سورہ میں ذکر آتا ہے یہیں واقع ہوئی ہیں۔

صلح حدیبیہ جو مقدمہ ہے جمیع فتوحات کا۔

یہ اقوال باہم متعارض نہیں ہر ایک درست ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو ایک رنج تھا کہ کفار قریش نے مکہ کے قریب سے مسلمانوں کو اور حضرت ﷺ کو مکہ میں آنے نہ دیا اور اگلے سال پر ٹال دیا گویا مسلمان دب گئے آنحضرت ﷺ نے اس جگہ فروتنی کو اختیار کیا جنگ و جدل کرنا مناسب نہ جانا اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے حضرت ﷺ پر اور آپ کے پیرووں پر کھول دیے تھوڑے دن گزرے تھے کہ خیبر فتح ہوا۔

جس سے مدینہ کے مسلمانوں کا فقر و فاقہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد مکہ فتح ہوا اور بہت سی فتوحات ظاہر ہوتی گئیں جن کی مفصل کیفیت کتب تواریخ میں موجود ہے اور اسلام کو جو یوماً فیوماً غلبہ ہوتا گیا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام پسند ہے اور آنحضرت ﷺ برگزیدۂ بارگاہ ہیں کیونکہ جھوٹے ہوتے تو بموجب بشارت توریت سفر استثناء کے فروغ نہ پاتے۔ اس بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا کو فتح سبب مغفرت نہیں مگر دلیلِ مغفرت ہے یہاں خدا تعالیٰ نے چار باتیں فرمائیں (۱) یہ کہ آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے۔ یہ مسلم ہے کہ حضرت نے عمر بھر کوئی گناہ نہیں کیا نہ چھوٹا نہ بڑا مگر پھر بھی بشر تھے وہ خواص بشریہ جو کبھی ملکیت پر غالب آکر قدرے غفلات و جذبات پیدا کر دیتے تھے آنحضرت ﷺ کے گناہ ہیں جن سے کوئی آدمی زاد پاک نہیں۔ ان کے واسطے مغفرت کا وعدہ حضرت ﷺ کی کوششوں کے بدلہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ آپ شافع روز محشر ہیں اور نبی معصوم۔ بعض نصاریٰ نے معمولی گناہ سمجھ کر آنحضرت ﷺ پر گناہگاری کا الزام قائم کر دیا اور اس پر طرح طرح کے برے نتائج پیدا کر لیے۔ (۲) یہ کہ اپنی نعمت آپ کو پوری پوری عطا کرے کیونکہ نبوت کی نعمت تو آپ کو عطا ہوئی تھی مگر بغیر شوکتِ اسلام و شیوعِ دینِ پاک کے یہ نعمت پوری نہ ہوئی تھی سو پوری ہوگئی۔ (۳) وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا اور ان کو سیدھا رستہ چلاوے کس لیے کہ سیدھے رستے پر چلنے میں جو لوگ حارج و مانع تھے جب ان پر آپ کو فتح نصیب ہوئی تو اب صراطِ مستقیم صاف ہو گیا۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کو بتلا دے کہ تو سیدھے رستے پر ہے کس لیے کہ اگر یہ دین منشاء الٰہی کے موافق نہ ہوتا تو دنیا میں اس قدر جلد رواج نہ پاتا۔ (۴) یہ کہ اللہ آپ کو دشمنوں پر زبردست فتح دے گا نَصْرًا عَزِيزًا قال الزمخشری معناہ نصراً ذا عز کقولہ فی عیشۃ راضیۃ ای ذات رضا۔ اس کے بعد فتح و مدد کا سبب بیان فرماتا ہے کہ وہ کس طرح سے ہوگی فقال وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ[1] کہ اس نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان و قرار نازل کیا جس سے ان کا اور بھی ایمان قوی ہو گیا۔ حقیقت میں فتح و شکست کا باعث دل کی استقامت اور بے ثباتی پر ہوتا ہے۔ بہت سے لشکر جن کے دل ہل جاتے ہیں تھوڑے سے آدمیوں سے جو قوی دل اور ثابت قدم ہوتے ہیں شکست کھایا کرتے ہیں۔ قلت و کثرت، سامان و اسلحہ حرب و ضرب بالائی باتیں ہیں۔ اللہ پاک نے اس ارشاد کے بموجب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں وہ قوتِ اثبات پیدا کر دیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتیں تھوڑے سے دنوں میں اکھیڑ کر پھینک دیں اور چھوٹے موٹوں کا کیا ذکر ہے۔ اور یہ کیوں کیا۔ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اللہ کی فوجیں آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین میں بھی اگر وہ چاہتا تو آسمانی لشکر یعنی ملائکہ سے ان قدیمی گمراہوں سرکشوں متکبروں کو پامال کر دیتا

[1] علماء کی ایک جماعت اس آیت سے استدلال کر کے یہ کہتے ہیں کہ ایمان کم زیادہ ہوتا ہے مگر محققین جن میں حضرت امام ابوحنیفہ ؒ بھی ہیں یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک تصدیقِ قلبی ہے وہ کیفیت زیادہ کم نہیں ہوتی پھر آیات و احادیث میں جو زیادہ ہونا آیا ہے اس سے علم الیقین عین الیقین مراد ہے یا باعتبار اس کے کہ جس پر ایمان لایا یعنی پہلی دو باتوں پر ایمان تھا پھر تیسری نازل ہوئی اس پر بھی ہوا۔ چنانچہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس بارے میں بعض آثار بھی نقل کیے ہیں۔ ۱۲ منہ

مگر اس نے زمین کے لشکر سے کام لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں قوت و اطمینان دے کر ان کو زمین میں خدائی لشکر کر دیا پھر خدا کے لشکر سے کون مقابلہ کر سکتا تھا؟ اور زمینی لشکر سے کیوں کام لیا وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا اللہ علم والا ہے ہر ایک بات جانتا ہے اور حکمت والا بھی ہے اس کی حکمت بھی اسی کو معلوم ہے۔ منجملہ اس کے ایک یہ ہے کہ ان میں ان نیک بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ دیکھیں کیسے ثابت قدم رہتے ہیں۔ فائدہ: صحابہ رضی اللہ عنہم کو گو حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے ہی حضرت نبی ﷺ کے فرمانے سے اس بات پر ایمان تھا کہ ایک روز اسلام غالب ہوگا مگر اس واقعہ کے بعد جبکہ ان کے دل میں اطمینان و ثابت قدمی نازل کی اور بھی یقین کامل ہو گیا۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٦﴾ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٧﴾

(زمینی لشکر سے اس لیے کام لیا) تاکہ ایماندار مردوں اور عورتوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور ان کی برائیاں ان سے دور کرنے کو اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں انہیں پر بری گردش پھرے اور ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے لیے جہنم تیار رکھی ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب : لیدخل متعلق بقولہ انا فتحنا وقیل متعلقہ ینصرک وقیل متعلقہ محذوف یناسب المقام جنات مفعول فیہ خالدین حال من المؤمنین ویکفر معطوف علی یدخل و یعذب ایضا معطوف علیہ وغضب ولعن واعد عطف علی احد مع ان الواو فی الاخیرین فی محل الفاء لیدل علی استقلال الکل فی الوعید۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ اب زمینی لشکر سے اسلام کو فتحیاب کرنے کی حکمت بتلاتا ہے۔ فقال لِّيُدْخِلَ تاکہ ان جاں فشاں ایمانداروں کو جنت میں داخل کرے اور اس کے مساعی جمیلہ کو ان کے گناہوں کا کفارہ کر دے جو اللہ کے نزدیک بڑی بھاری اور انسان کی کامیابی[1] ہے۔ اس سے زیادہ انسان کے لیے اور کیا مراد و تمنا ہو سکتی ہے کہ اس کے گناہوں پر مواخذہ نہ ہو اور وہ ہمیشہ بہشت میں رہا کرے۔

اگرچہ اور معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں ہی کی طرف خطاب کیا ہے اور عورتیں ضمناً شامل ہیں مگر یہاں جہاد کے صلے میں انعام مذکور

[1] یہ فتوحات غیبیہ مخلصین اور غیر مخلصین میں امتیاز کر دیتی ہیں اس لیے مومن دار فانی میں حیات ابدی کے اور منافقین اور مشرکین جہنم کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ۱۲ منہ حقانی

ہوئے ہیں اور عورتیں جہاد میں شریک ہو نہیں ہو سکتیں۔ جس سے گمان ہو سکتا کہ عورتوں کو یہ انعام نہ ملے گا مگر ایسی جوانمردی کی عورتیں بھی ان معاملات میں دل سے شریک ہوتی ہیں جب مرد باہر جہاد میں جاتے ہیں پیچھے انتظام خانہ داری کرتی ہیں اور چلتے وقت سامان مہیا کرتی ہیں اس لیے اس کریم نے ان کی تصریح بھی کر دی۔ مومنین کے بعد مومنات کا لفظ بھی بڑھا دیا اسی طرح گمراہوں کی عورتیں ان کے شریک حال ہوتی ہیں ان کا بھی عذاب میں نام لیا گیا۔ فقال یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ الخ اور جہاد کے حکم میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں حجت تمام کر کے منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب کرے۔ دنیا میں بھی قتل کیے جائیں۔ اسیر ہوں گھر بار لوٹے جاویں اور آخرت میں جہنم میں جلیں۔ اس مقام پر منافقوں اور مشرکوں کا ایک عیب بیان کیا جو نفاق و شرک کے علاوہ ہے اور وہ یہ کہ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں (کہ رسول سے جو اللہ نے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے باوجود بے سروسامانی کے کیونکر پیغمبر کی جماعت غلبہ پاوے گی۔ یہ محض جھوٹے وعدے ہیں) اس کے جواب میں فرماتا ہے: (۱) عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ دائرہ مصدر ہے اسم فاعل کے وزن پر یا اسم فاعل ہے دار یدور سے دائرہ خط محیط کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال حادثہ میں ہونے لگا جو جس پر پڑتا ہے اس کا احاطہ کر لیتا ہے۔ سوء بفتح بمعنی عذاب و ہزیمت و شر و بالضم بمعنی برائی اس لیے دونوں قرأت ہیں۔ یعنی انہی پر حادثہ پڑے گا نہ مسلمانوں پر جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ (۲) ان پر اللہ کا غضب ہے (۳) اس کی لعنت۔ (۴) ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ اور وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبر ﷺ کے پاس اسباب ظاہری نہیں وہ کیونکر فتح پاویں گے کس لیے کہ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں جس سے چاہے کام لے وہ رب الافواج ہے کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ زبردست ہے اس پر حکیم بھی ہے حکمت کے ساتھ زور بہت کام دیتا ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ⑧ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ
وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ⑨ إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا
يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۚ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى
نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا ⑩

(اے رسول) آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے کو اور ڈرسنانے کو بھیجا ہے تا کہ تم سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد اور عزت کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کیا کرو بے شک وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے پھر جو کوئی بدعہدی کرے گا تو وہ اپنی خرابی ہی کے لیے بدعہدی کرے گا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا کہ جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ اس کو بڑا عمدہ بدلہ دے گا۔

تفسیر: ابھی فرمایا تھا عَزِیْزًا حَکِیْمًا اب یہاں اپنی حکمت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ زبردست ہونا بھی بتاتا ہے فقال انا ارسلناک الخ کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے تجھ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر نیک و بد کاموں میں (جو لوگوں کے نزاع ہیں کوئی توحید کا قائل ہے کوئی بت پرستی کرتا ہے کوئی کسی بات کو اچھا کہتا ہے کوئی برا اور دلائل فریقین باہم متعارض ہیں اس لیے دنیا ظلمات میں گھری ہوئی تھی) شہادت دیویں آپ ہی کی گواہی پر اچھائی اور برائی کا فیصلہ ہے پس آپ اچھے کام کرنے والوں کو بشارت دیتے ہیں کہ آخرت میں عمدہ نتائج ملیں گے اور برے کام کرنے والوں کو خوف دلاتے ہیں کہ ان باتوں کا انجام بد ہے دنیا کی بربادی اور آخرت میں عذاب۔ پس یہ شاہد اس لیے بھیجا تا کہ

اے بنی آدم! تم اس کی اور اللہ کی تصدیق کرو ایمان لاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی عزت و توقیر کرو۔ بعض کہتے ہیں تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کی ضمیریں خاص اللہ کی طرف پھرتی ہیں بعض خاص رسول کی طرف راجع کرتے ہیں اور اس جگہ وقف ہے تسبحوہ جدا جملہ شروع ہوتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں تعزیر و توقیر سے مراد یہ ہے کہ اس کے دین کی اعانت کرو۔ رسول کریم ﷺ کی تعظیم واجب و فرض ہے ذرا بھی کوئی توہین کرے گا فیض رسالت سے ابدالآباد محروم رہے گا۔ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور اللہ کی صبح و شام تسبیح بیان کرو سبحان اللہ وبحمدہ کہو۔ بعض کہتے ہیں نماز پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ تسبیح سے نماز بھی مراد ہوا کرتی ہے یہ شکر ہے اس اللہ کا کہ جس نے ہمارے لیے ایسا رسول بھیجا۔ اب بندوں میں سے ایک گروہ کے محامد بیان کرتا ہے جنہوں نے تعظیم و تکریم اللہ اور اس کے رسول کی کما ینبغی کی فقال اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ کہ اے محمد (ﷺ)! وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں رسول اللہ کا نائب ہے گویا اللہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے پھر جو اس بیعت کو توڑے گا یعنی اقرار کر کے بدعہدی کرے گا اپنا برا کرے گا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا اللہ اس کا اجر عظیم دے گا۔

بیعت رضوان: حدیبیہ سے جب رسول کریم ﷺ نے مکہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام دے کر بھیجا قریش نے ان کو وہیں قید کر لیا اور خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر ڈالا۔ اب مسلمانوں کو جوش ہوا اور حضرت ﷺ نے لوگوں سے عہد لینا شروع کیا آپ ایک سایہ دار درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آتے تھے اور حضرت ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہتے تھے کہ ہم لڑیں گے بھاگیں گے نہیں۔ تخمیناً چودہ سو آدمیوں نے بیعت کی اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں ان آیات میں اسی کا ذکر ہے آئندہ بھی اس کا ذکر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہاتھ پاؤں جسمانی چیزوں سے پاک ہے پھر ہاتھ بر سبیل مشاکلت فرمایا جس سے مراد اس کی حمایت و عنایت ہے۔ یہی مذہب ہے محققین کا صفات متشابہات میں۔ بیع بیچنا۔ اس قسم کے معاہدہ کو اس لیے بیعت کہتے ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں بیع کرتا ہے آنحضرت ﷺ سے جہاد کے لیے بھی بیعت ہوتی تھی اور کبھی ہجرت پر اور کبھی ترک منکرات پر بھی خدا تعالیٰ کی بندگی و یاد میں مستحکم رہنے پر کتب احادیث اس کی شاہد عدل ہیں حضرت ﷺ کے بعد بیعت خلافت کا سلاطین کے لیے دستور جاری رہا اور بیعت توبہ و انابت کی سنت قائم کرنے کے لیے علماء و مشائخ کی جماعت قائم ہوئی اور بیعت اہل طریقت بھی بیعت انابت ہے یہ مسنون ہے مگر جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے وہ ظاہر شریعت و انوار طریقت سے مزین ہونا چاہیے ہاں یہ جو پیرزادے خاندانی پیشہ سمجھ کر کھانے کمانے کے لیے بیعت کر لیتے ہیں اور شریعت سے علیحدہ رستہ پر چلتے ہیں محض بے اصل کام ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ
يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ
بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ

ظَنَّ السَّوْءِ ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ
لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۴﴾

وہ گنوار جو پیچھے رہ گئے ہیں وہی آپ سے آ کر کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور گھروں میں مشغول رہ گئے پس آپ ہمارے لیے معافی مانگئے۔ وہ اپنی زبان سے (وہ باتیں) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ آپ (ان سے) کہہ دیجیے (اگر) اللہ تمہارے لیے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچانا چاہے تو اللہ کے مقابلہ میں کون اس کو روک سکتا ہے بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے بلکہ تم نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ (یہ) پیغمبر اور ایمان والے کبھی پھر کر اپنے گھروں کی طرف نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دل میں کھب ہی گئی تھی اور تم نے بڑی بدگمانی کی اور تم غارت ہو جانے والے لوگ ہو اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے بھی منکروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں وہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر : جس طرح کہ اعانت اور تعظیم کرنے والے گروہ کا ذکر خیر کیا تھا اسی طرح ان کے برعکس جماعت کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ الخ کہ بہت جلد پیچھے رہ جانے والے اے نبی! ایسے یہ جھوٹے عذر کریں گے محض تمہارے ضرر سے بچنے کے لیے حالانکہ دنیا یا آخرت میں جو کچھ ضرر یا نفع ان کو پہنچتا ہے اس کو کون روک سکتا ہے۔ یہ عذر کہ ہم اپنے مال و عیال کی وجہ سے آپ کے ساتھ اس سفر میں شریک نہ تھے ان میں مصروف رہے غلط ہے اور اس پر ان کا کہنا بھی جھوٹ ہے کہ ہمارے لیے معافی مانگ کیونکہ دل میں اس بات کو گناہ ہی نہیں جانتے بلکہ ان میں یہ خیال تھا کہ رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جو کے جاتے ہیں سلامت نہ آئیں گے۔ کس لیے کہ جب اہل مکہ مدینہ میں آ کر لڑتے ہیں تو پھر یہ ان کے گھر جا کر کیونکر سلامت آئیں گے؟ اس خیال بد سے شریک نہ ہوئے تھے ان کا دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی نہیں۔ بے ایمانوں کے لیے جہنم ہے اور ان کی اللہ اور اس کے رسول کو پرواہی کیا ہے اس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہے جس کو جو چاہے معاف کرے یا عذاب دے مگر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا 'غفور رحیم' ہے۔ یہ ان آیات کا خلاصہ ہے مجاہد وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ تخمیناً چودہ سو آدمیوں کے ساتھ ہجرت کے چھٹے سال مکہ کی طرف عمرہ کرنے چلے اور اعلان عام کر دیا کہ سب قبائل چلیں کس لیے کہ قریش و دیگر قبائل کا خوف تھا کہ وہ مقابلہ کریں گے تو عرب کے چند قبائل غفار و مزینہ و جہینہ و اشجع و اسلم جو مدینہ کے اطراف میں رہتے ہیں اور بظاہر مسلمان و مطیع اسلام تھے اس اندیشہ سے ساتھ نہ ہوئے کہ مخالف کے ہاتھ سے بچ کر نہ آئیں گے یہ بدگمانی اور وقت پر آنکھ چرانا شیوۂ ایمان و توکل نہ تھا۔ اس لیے ان پر عتاب ہوا اور سفر میں جب یہ سورہ نازل ہوئی مقام پر پہنچنے سے پہلے آپ کو مطلع کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ لوگ آ کر تم سے یہ جھوٹے عذر کریں گے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے یہ عذرات انہوں نے پیش کیے۔ سبحان اللہ خدا کا کلام بھی کیا کلام ہے۔ عتاب کے وقت بھی انجام کا لحاظ رہتا ہے چونکہ یہ قبائل انجام میں صدق دل سے مسلمان اور ناصر اسلام ہونے والے تھے۔ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا کے بعد اِنْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بھی فرما دیا کیونکہ آخرکار اسلامی برکات سے یہ بھی مستفید ہوئے اور آیت کے اخیر میں وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرما کر توبہ و استغفار کی طرف آمادہ کر دیا اور بتلا دیا کہ در توبہ کھلا ہوا ہے چلے آؤ تہدید کے ساتھ ترغیب ایک ہی کلام میں کمال اعجاز ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا

نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ
قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا
قَلِيلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ
شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ
تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ
حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ
النصف ع ۲ ۱۰ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۷﴾

پیچھے رہ جانے والے جبکہ تم غنیمت لینے جاؤ گے تو کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لیتے چلو وہ اللہ کی بات بدلنا چاہتے ہیں (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ تم ہرگز ساتھ نہ چلو گے اللہ نے پہلے ہی سے یوں کہہ دیا ہے پھر وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ وہ لوگ بات ہی کم سمجھتے ہیں اے نبی! ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے کہہ دو کہ بہت جلد تم ایک سخت جنگ آور قوم سے لڑنے کے لیے بلائے جاؤ گے تم ان سے لڑو گے یا وہ اطاعت قبول کر لے گی پھر اگر تم نے حکم مان لیا تو اللہ تم کو بہت ہی اچھا انعام دے گا اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ آگے پھر گئے تھے تو تم کو سخت عذاب دے گا نابینا پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے ہی پر کچھ گناہ ہے نہ بیماری پر (جہاد میں شریک نہ ہونے سے) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور جو نافرمانی کرے گا اس کو سخت عذاب دے گا۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے کلام سابق کا کہ جب تم غنیمت حاصل کرنے جاؤ گے تو یہ پیچھے رہ جانے والے تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے تو تم ان کو ساتھ نہ لے جانا اور کہہ دینا اللہ کا حکم نہیں پھر وہ تم کو حسد سے متہم کریں گے دراصل وہ نادان ہیں۔

حدیبیہ سے لوٹتے وقت آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم الٰہی سے مژدہ دیا تھا کہ اب عنقریب تم کو ایک فتح اور غنیمت حاصل ہوگی اور اس میں وہی لوگ شریک ہوں جو حدیبیہ میں تھے چنانچہ جب آپ ذی الحجہ کے مہینے میں مدینہ میں واپس آئے اوائل محرم میں ساتویں سال خیبر[1] پر چڑھائی کی اور یہ لوگ بھی ساتھ چلنے کو آمادہ ہوئے۔ ان کو منع کر دیا گیا۔ کلام اللہ سے مراد اس کا وعدہ اور حکم جو خاص اہل حدیبیہ کے شریک کرنے کا تھا یہ شریک ہوتے تو اس میں فرق آ جاتا۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ الخ اے محمد (ﷺ)! ان پیچھے رہ جانے والوں بدوؤں سے یہ کہہ دو کہ خیبر کی غنیمت میں تم شریک نہیں ہو سکتے مگر اس کے بعد تم کو ایک سخت جنگ

[1] مدینے سے شمال کی جانب چار منزل ہے اور وہاں سے تیماء چار منزل اور حجر بھی چار منزل یہ گڑھی کے طور پر چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں باغ اور کھیتی بکثرت ہیں اول یہاں یہود تھے ان کی بدعہدی اور سرکشی سے حضرت ﷺ نے ان پر چڑھائی کی فتح کرنے کے بعد یہاں کی زمین ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ ۱۲ منہ

اور قوی قوم سے لڑنے کو بلایا جائے گا۔تم ان سے لڑنا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آویں اگر تم نے اس وقت حکم مان لیا تو تم کو نیک اجر ملے گا اور اگر پہلے کی طرح تم پھر گئے تو سخت سزا ملے گی۔ مفسرین کی اس قوم کی بابت کہ جس کو اولی باس شدید سے تعبیر کیا ہے کئی قول ہیں عطاء و مجاہد و ابن ابی الیلیٰ اہلِ فارس کہتے ہیں اور کعب و حسن وغیرہ روم مراد لیتے ہیں سعید بن جبیر ہوازن و ثقیف قرار دیتے ہیں زہری و مقاتل بنی حنیفہ یمن کے لوگ بتاتے ہیں جو مسیلمہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں اور فارس و روم کو بھی مراد لیتے ہیں۔

تیسرے قول والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سیف یا اسلام خاص کفار عرب کے لیے جیسا کہ آیت میں ہے۔ اویسلمون اور عرب کے ساتھ جنگِ عظیم ہوازن و ثقیف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی۔ یہ بھی سہی مگر ہوازن و ثقیف ایسی جنگ آور قوم نہیں تھیں اور اگر یہی ہے تو بنی حنیفہ اہلِ یمن بھی ان سے کم نہ تھے ان کے لیے بھی سیف یا اسلام ہی تھا یہ جنگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی مگر تحقیق یہی ہے کہ فارس و روم مراد ہیں جن سے صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت میں جنگِ عظیم ہوئی اور عرب کے یہ قبائل بھی بلائے گئے اور انہوں نے دل کھول کر جنگ کی اور متواتر فتوحات حاصل کیں اویسلمون سے اسلام لانا مراد نہیں بلکہ مطیع ہو جانا' جزیہ قبول کرنا۔ اس آیت سے صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا برحق ہونا بخوبی ثابت ہو گیا چونکہ پیچھے رہ جانے والوں پر عتاب ہوا تھا اس لیے جن کے لیے اصلی عذر سے جنگ میں شریک نہ ہونے سے کوئی الزام نہیں ان کا بھی بیان کر دیا کہ اندھا اور لنگڑا اور بیمار شریک نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ ان کے سوا اور بھی معذور ہیں جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے اس کے بعد فرما دیا کہ جو اللہ اور رسول کا کہا مانے گا بہشتوں میں رہے گا اور نافرمان کو سخت عذاب ہوگا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ

ل یعنی خیبر پر چڑھ کر جاتے وقت جہاں مال غنیمت کی پوری توقع ہے ساتھ جانے کی آرزو کریں گے کس لیے کہ حدیبیہ کے سفر میں شریک ہونا ان کے نزدیک بڑا مشکل کام تھا چونکہ قریش کی بہادری سے ڈرتے تھے اور خیبر کے یہود کو ان کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے مگر بالالہام الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حدیبیہ کے وقت یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو ہمارے ساتھ اس سفر میں شریک نہ ہوگا وہ آیندہ فتح میں بھی شریک نہ ہوگا اس لیے جب فتح خیبر کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو نہ لیا جس پر ان قبائل نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے حسد کرتے ہیں غنیمت میں شریک ہونے نہیں دیتے مگر آیندہ ایک بڑی جنگ میں جو روم میں ہونے والی تھی شریک ہونے کی دعوت دی اور یہ بھی سنا دیا کہ اگر تم اس وقت بھی پہلے کی طرح منہ موڑ کر بیٹھ رہو گے تو دنیا میں بھی سخت سزا پاؤ گے اور آخرت میں بھی۔ اگر امام وقت کی اطاعت کرو گے اور جنگ میں شریک ہو گے تو تم کو نیک بدلہ ملے گا دنیا اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لڑنے والی قوم سے جنگ شروع ہوئی۔ یہ لوگ بھی شریک ہوئے اور اجر عظیم کے مستحق ہوئے اب وہ لڑائی خواہ یمامہ کی جنگ ہو یا روم و فارس کی بہر طور دونوں میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما امامِ وقت تھے جو ان کے خلافت کے برحق ہونے کی صریح دلیل ہے اور فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مذکورہ بالا جنگوں جیسی کوئی جنگ نہیں ہوئی مکہ تو معمولی جنگ کے بعد فتح ہو گیا باقی بنی المصطلق وغیرہ کی معمولی لڑائیاں تھیں اور غزوۂ تبوک میں لڑنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ افسوس ہے کہ حضرات شیعہ ان اماموں کی خلافت ثابت نہ ہونے دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی کسی ایک لڑائی کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں محض تاویلات رکیکہ کے ذریعہ سے۔ ۱۲ منہ

كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾

البتہ اللہ ایمان والوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ اس درخت کے تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے پھر اس نے معلوم کر لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر دلجمعی اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جن کو وہ لیں گے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ جن کو تم لو گے پھر یہ تم کو بہت جلدی دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ قدرت کا نمونہ ہو جائے ایمان والوں کے لیے اور تاکہ تم کو سیدھے رستہ پر چلائے اور بھی فتوحات ہیں کہ جو (اب تک) تمہارے بس میں نہیں آئیں البتہ اللہ کے بس میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب : اذ ظرف لرضی تَحْتَ الشَّجَرَةِ ظرف يُبَايِعُوْنَكَ وَمَغَانِمَ منصوب لکونہ معطوفا علی فَتْحًا قَرِيْبًا ای اثابھم مغانم او اتاھم مغانم ولتکون ھذہ الکفۃ او الغنیمۃ والعطف علی محذوف ھو علۃ الکفہ ای فعل مافعل من التعجیل والکف لتکون ہُدیً لھم و آیۃ لھم وقیل ان الواو مزیدۃ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ اور اس کے بعد ان اعراب کی محرومی ذکر کی تھی کہ جو شریک نہ ہوئے تھے۔ اب ان اہلِ صدق و ایمان کی بیعت کا حال بیان فرماتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا فقال لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ اللہ ایمانداروں سے خوش ہو گیا کہ جو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تجھ سے درخت تلے بیعت کر رہے تھے پھر ان کے دلوں کا صدق و ثبات بھی اس کو معلوم ہوا جس پر اس نے ان کے دلوں میں اطمینان عطا کیا وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا اور ان کو بہت جلد ایک فتح دی یعنی واپس آتے ہی خیبر کی فتح نصیب ہوئی اور وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا بہت سی غنیمت کی چیزیں جو خیبر میں ملیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اس میں حکمت تھی کہ خیبر کو قبضۂ اسلام میں کر دیا۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا اس کے علاوہ اور بہت سے غنائم کا اللہ نے اے مسلمانو! تم سے وعدہ کیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے وہ اور بعد کے غنائم ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو فتح روم و فارس و دیگر بلاد سے حاصل ہوئے اور اللہ کی خبر سچی ہوئی۔ مدینہ میں فارس و روم کے بیش بہا غنائم کنکر پتھروں سے زیادہ ارزاں ہو گئے تھے۔ کتبِ تاریخ اس کی گواہ ہیں۔ منجملہ ان غنائم کے جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ فعجل لکم ھذہ یہ یعنی فتح خیبر تمہارے لیے جلد ملے گی بعض مفسرین کہتے ہیں۔ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً سے عرب کی اور فتوحات مراد ہیں جو اس کے بعد ہوئے اور روم و شام و فارس کے بلاد فتح ہونے کی طرف وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا میں اشارہ ہے کہ وہ بظاہر تمہارے قبضہ کے نہیں لیکن اللہ کے قبضہ میں ہیں ان کا بھی تم سے وعدہ ہے وہ ہر شے پر قادر ہے یہی اقوی تر ہے۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ کے بعد یہ فرمایا وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ کہ یہ فتح تمہارے لیے جلد ملے گی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جاویں گے الفاظ گو ماضی کے صیغے ہیں مگر یہ سورۃ رستے میں مدینہ کے پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ آیندہ آنے والی چیزوں کو ماضی کے صیغے سے بیان کرنا قرآن کا محاورہ ہے۔ اس تقدیر پر یہ آیات فتح خیبر سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ لوگوں کے ہاتھ روکنے سے کیا مراد ہے؟

ل اس میں روم و ایران وغیرہ بلاد کی طرف اشارہ ہے۔ خلفائے اربعہ و دیگر صحابہ اسی وعدہ کے مطابق پسندیدۂ خدا ہیں۔ الغرض روایات سے ان پر طعن کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ ۱۲ منہ

یعنی خیبر والوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جاویں گے وہ تم سے لڑنہ سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بعض مفسرین نے صیغۂ ماضی پر خیال کر کے یہ کہہ دیا ہے کہ قریش کے ہاتھ روکنا مراد ہے جو حدیبیہ کے روز مسلمانوں اور قریش میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بعض مسلمان جو درختوں کے تلے پڑے ہوئے تھے مکہ والے ان سے آ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ قریب تھا کہ جنگ ہو جاوے مگر ادھر حضرت ﷺ نے بیعت لینی شروع کر دی تھی۔ مسلمان ادھر متوجہ ہو گئے یہ ہاتھ روکنا اگلی آیات میں بیان ہوتا ہے۔

اب ہم کو اس بیعت کا کچھ حال بیان کرنا ہے۔ ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ والے سال آنحضرت ﷺ قربانیاں لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے چلے۔ جنگ مقصود نہ تھی تخمیناً چودہ سو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ جب حدیبیہ پہنچے تو کفار قریش مانع آئے اور انہوں نے جنگ کی تیاری کر دی حضرت ﷺ نے حدیبیہ میں ڈیرہ ڈال دیا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر عمائد مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں لڑنے کو نہیں آیا ہوں مجھے کعبہ کا طواف کرنے دو۔ قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ان کو قتل کر ڈالا تب نبی ﷺ نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی آپ ایک درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے کسی نے اس کو کیکر کا کسی نے بیری کا کسی نے کیلے کا درخت بتلایا ہے۔ سب نے بیعت کی کہ لڑیں گے اور بھاگنے کے نہیں۔ بیہقی وغیرہ محدثوں نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اے اللہ! عثمان اللہ اور رسول کے کام میں ہے ان کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ رکھ کر اس پر دوسرا ہاتھ رکھا اور بیعت کی حضرت ﷺ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بہتر تھا۔ اس کو بیعتِ رضوان اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیعت کرنے والوں سے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ فقال لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

احادیثِ صحیحہ میں اس بیعت میں شریک ہونے والوں کے بہت فضائل آئے ہیں امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس نے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ داخل نہ ہوگا اور بہت سی احادیث میں ان کے جنتی ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور بدر کے لوگوں کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے رضی اللہ عنہم۔ یہ بات باتفاق مؤرخین ثابت ہے کہ اس بیعت میں خلفاءِ اربعہ شریک تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے ان کی طرف سے حضرت نبی ﷺ نے بیعت کی ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے جب یہ ثابت ہو چکا تو ان کے قطعی جنتی ہونے میں اور اس بات میں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ مومن تھے کوئی بھی شک نہیں رہا۔ ان کے لیے یہ دستاویز آسمانی اور تمسکِ قرآنی کافی ہے۔ ہم افسوس کرتے ہیں ان لوگوں پر جو (رطب و یابس روایات سے جن میں محض تعصب و طرفداری ہے فدک وغیرہ معاملات سے) حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کو اہلِ بیتِ رسول ﷺ کا دشمن بنا کر ان کو نا ملائم الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ان کی شان میں کیا کیا کہتے ہیں اور پھر اس بدگوئی اور بدزبانی کو محبتِ اہلِ بیت قرار دے کر اس کو نجات کا باعث کہتے ہیں۔ ہاں جیسا کہ ان کے محامد کا تمسک قوی ہے اگر اسی مرتبہ کا کوئی برائی کا وثیقہ ہوتا تو ایک بات تھی۔ محامد تو قرآن سے ثابت ہوں اور برائیاں ایرے غیرے حاطب اللیل متعصب راویوں کے بیان سے ثابت کر کے اس آسمانی تمسک کو چاک کیا جائے جس کو ذرا بھی عقلِ سلیم ہوگی وہ اس بات کو کبھی جائز نہ رکھے گا اور یوں تاویلات رکیکہ تو جیہاتِ باطلہ کو تو بڑی گنجائش ہے۔ ان آیات کے صاف اور سیدھے معنی کو الٹ پلٹ کر جو چاہو کہو وہ میدان قیل و قال بڑا وسیع ہے۔

فائدہ: صحیح بخاری میں ہے کہ وہ درخت کہ جس کے تلے بیعت ہوئی تھی لوگوں کو بھلا دیا گیا تھا۔ لوگ متبرک سمجھ کر وہاں آنے لگے تھے ہوتے ہوتے اس کی پرستش ہونے لگتی اس مصلحت سے خدا نے اس کو مخفی کر دیا۔ مصنف میں ابن ابی بکر بن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ وہ درخت کٹوا دیا گیا۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا

نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ
تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ
بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ
مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ
تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ
الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ ٣
كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾ ع ٩ ١١

اور اگر کافر تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑتے پھر نہ کوئی حمایتی پاتے اور نہ مددگار اللہ کا قدیم دستور پہلے سے یوں ہی چلا آتا ہے اور (اے مخاطب!) تو اس کے دستور کو بدلا ہوا نہ پائے گا اور وہی تو ہے کہ جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان سے شہر مکہ میں تم کو ان پر فتح یاب کرنے کے بعد اور جو کچھ تم کرتے رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے یہ مغلوب کافر وہی تو ہیں کہ جنہوں نے انکار کیا اور تم کو مسجد الحرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پر پہنچنے سے انکار دیا اور اگر (مکہ میں) ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں موجود نہ ہوتیں کہ جن کو تم نہیں جانتے تھے ان کے پس جانے کا خوف نہ ہوتا۔ پھر ان کی طرف سے تم پر نادانستگی سے الزام آتا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ اگر وہ ٹل جاتے تو منکروں کو ان میں سے ہم سخت سزا دیتے جبکہ کافروں نے اپنے دل میں سخت جوش پیدا کیا تھا جہالت کا جوش تھا پھر اللہ نے بھی اپنی تسکین اپنے رسول پر اور ایمانداروں پر نازل کر دی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا۔ اور وہ اسی کے لائق اور قابل بھی تھے اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

ترکیب : سُنَّةَ اللّٰهِ انتصابه على المصدرية بفعل محذوف اى سن الله سنة او هو مصدره مؤكد لمضمون الجملة المتقدمة من هزيمة الكفار ونصر المؤمنين والهدى قرء الجمهور بنصب الهدى عطفا على الضمير المنصوب فى صَدُّوْكُمْ وقرئ بالجر عطفا على المسجد معكوفًا انتصابه على الحال من الهدى قال الجوهرى عكفه اى حبسه ومنه الاعتكاف فى المسجد وهو الاحتباس ان يبلغ اى عن ان يبلغ او مفعول لاجله ولولا شرط وجوابه محذوف والتقدير لاذن الله لكم. المعرة العيب وقيل الشدة وقيل الغم بغير علم متعلق بان تطؤهم اى غير عالمين ليدخل اللام متعلقة بما يدل عليه الجواب المقدر اى لم ياذن لكم او كف ايديكم ليدخل الله حمية الجاهلية بدل من الحمية اهلها عطف تفسيرى اى وكان المؤمنون احق بهذه الكلمة من الكفار والمتاهلين لها دونهم۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ اس پر مخالفوں کو شبہ کی گنجائش تھی کہ خیبر کے لوگ ڈر گئے اور لڑے نہیں یہ اتفاقی بات تھی اگر سب جمع ہو جاتے تو دیکھتے کیا ہوتا۔ اس سے پہلے عرب مدینہ پر چڑھ کر آئے اور نبی ﷺ کو حدیبیہ میں روک دیا۔ اس کا جواب دیتا ہے وَلَوْ قٰتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کہ اگر وہ تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ دے کر بھاگتے اور ان کا کوئی حمایتی اور مددگار کھڑا نہ ہوتا۔ یہ کیوں؟ اللہ کا ہمیشہ سے یہی دستور ہے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم سے نجات دی موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں سے نجات دی۔ فلسطین اور شام کے رہنے والوں پر غلبہ دیا اس کا دستور بدلتا نہیں۔ اس نبی کا دین بھی اسی دستور کے موافق غلبہ پائے گا یہ آسمانی منشا ہے۔ اس نبی کی نسبت پہلے انبیاء فرما گئے ہیں۔ یہ پتھر جس پر گرے گا اس کو چور چور کرے گا اور جو اس پر آ گرے گا چورا چورا ہو جائے گا اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ کا تصرف ظاہر کرتا ہے ایک واقعہ یاد دلا کر فقال وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ عَنْھُمْ بِبَطْنِ مَکَّۃَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْھِمْ الخ کہ بطن مکہ یعنی اس کی حرم میں جو کفار کا مجمع تھا ان کے ہاتھ ہم نے روکے جو بظاہر خلاف قیاس بات تھی کیونکہ جب وہ باہر آ کر لڑنے کو موجود تھے وہاں تو اور بھی ان کو موقع تھا اور اسی طرح تم کو قابو دے کر تمہارے ہاتھ روک دیے جنگ نہ ہونے دی۔

قابو دینے کی بابت ابن ابی شیبہ واحمد و مسلم وابوداؤد ونسائی وترمذی وغیرہم نے یہ نقل کیا ہے کہ اسی جوان ہتھیار بند اہل مکہ کے تنعیم پہاڑ کی طرف سے نبی ﷺ پر (بمقام حدیبیہ) حملہ کے قصد سے آئے۔ آپ نے بددعا کی وہ گرفتار کر لیے گئے پھر آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ بعض نے یہ بھی روایت کی ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل ایک جماعت کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان نکلے اور پتھروں سے لڑائی ہوئی کفار کو بھگا کر خاص مکہ میں ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے چند مشرکین گرفتار کیے تھے ان کی طرف اشارہ ہے خیر جو کچھ ہو مسلمانوں کا قابو یافتہ ہو کر جنگ سے رو کنا اس کی قدرت کا نمونہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کَفَّ اَیْدِیَھُمْ وَاَیْدِیَکُمْ سے مراد یہ ہے کہ تم میں ان میں جنگ نہ ہونے دی یعنی فتح مکہ کے دن اور یہ اسی دن کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکہ صلح سے فتح نہیں ہوا بلکہ زور و شوکت سے۔ اس کے بعد وہ باعث بتلاتا ہے کہ جس سے اے مسلمانو تم میں اور ان میں جنگ ہونی ضروری تھی مگر خدا نے نہ ہونے دی فقال ھم الذین کفروا کہ وہ تو وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے دین حق کا انکار کیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تم کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے روک دیا (حدیبیہ کے روز) اور صرف تم کو نہ بلکہ وَالْھَدْیَ مَعْکُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّہٗ ہدی یعنی قربانی کو محبوس یعنی بند کر دیا اس کے مقام پر نہ پہنچنے دیا اور ان کا مقام حرم ہے جہاں وہ ذبح ہوا کرتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ستر قربانیاں ساتھ تھیں لاچار حدیبیہ میں ہی ذبح کی گئیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کعبہ آنے سے رک جاوے اس کی قربانی منیٰ میں آ کر ذبح ہونی چاہیے کیونکہ یہی اس کی جگہ ہے یعنی حرم اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں جہاں رکے وہیں ذبح کر دے جیسا کہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے کیا۔ اس مسئلہ کی تحقیق آ چکی ہے۔ اب مسلمانوں کے جنگ سے ہاتھ روکنے کی مصلحت وحکمت ظاہر کرتا ہے فقال وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ الخ کہ مکہ میں کچھ مرد کچھ عورتیں در پردہ ایمان لائے ہوئے تھے جن کی تم کو خبر نہ تھی جنگ ہوتی تو تمہارے ہاتھ سے وہ پامال ہو جاتے جس سے تم پر عیب والزام ہوتا اگر وہ وہاں نہ ہوتے تو تم کو لڑنے کا حکم دیا جاتا خدا نے تم پر مہربانی کی اور وہ جس پر چاہتا ہے مہربانی کیا کرتا ہے اگر یہ لوگ وہاں نہ ہوتے جن پر اللہ کی رحمت تھی جن کے سبب یہ بچ گئے تو ہم کفار کو سخت سزا دیتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا پرہیز گار ثابت ہونا : اب ایک اور سبب بیان فرماتا ہے کہ جو باہمی جنگ کے لیے پیدا ہو گیا تھا مگر اللہ نے دونوں فریق کے ہاتھ روک دیے فقال اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ کہ کافروں نے اپنے دلوں میں جہالت کا

جوش اور تعصب پیدا کر لیا تھا کہ ہمارے لوگ تو قتل ہوں اور پھر یہ ہمارے شہر اور گھروں میں آویں اور عرب سن کر کیا کہیں گے ہم ہرگز طواف کعبہ کے لیے بھی نہیں آنے دیتے۔ اس سے مسلمانوں کو جوش ہونا فطری بات تھی۔ لیکن فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان نازل کیا کفار کے اس جوش سے ان کو خوف پیدا نہ ہوا۔ بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا ہم حق پر وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنت میں ان کے دوزخ میں نہیں؟ پھر کس لیے ہم دین میں ان سے دبیں۔ آپ نے فرمایا بے شک مگر میں اللہ کا رسول ہوں مجھے ضائع نہ کرے گا۔ اسی طرح صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اطمینان اہل اسلام کا یہ حال تھا وَاَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی اللہ نے اس اطمینان پر مسلمانوں کو پرہیز گاری کی بات کا پابند کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کلمۃ التقویٰ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ زہری کہتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کو کفار نے صلح نامہ میں درج نہ ہونے دیا تھا وَکَانُوْا اَحَقَّ بِھَا اور مسلمان اسی کے لائق بھی تھے۔ وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا اور اللہ ہر بات سے واقف ہے اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا پرہیز گار ہونا ثابت ہوا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ
تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ
مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ مع
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ
لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾

البتہ اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم انشاء اللہ مسجد الحرام میں بے خوف (وخطر) سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے بے خوف داخل ہوتے ہو۔ جس بات کو تم جانتے تھے اس نے اس کو جان لیا تھا پھر اس نے اس سے پہلے ہی قریب کی فتح موجود کر دی وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق

لے حال مقدرۃ لانہم فی حال دخولہم لم یکونوا محلقین ومقصرین وانما کان ہذا فی ثانی الحال ابن جریر ۱۲ منہ

ع قال الاخفش ذلک من شطء طرفہ ازرہ قواہ وشدہ فاستغلظ ای صار غلیظا فاستوی ای قوی والسوق جمع ساق ۱۲

دے کر بھیجا تا کہ اس کو ہر ایک دین پر غالب کرے۔ اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (اور) آپس میں بڑے مہربان ہیں۔ اب اللہ کا فضل اور رضا جوئی کے لیے رکوع اور سجدہ بھی کرتے ہوئے دیکھو گے ان کے انوار ان کے چہروں سے سجدوں کے اثر سے نمودار ہیں۔ یہ وصف ان کا تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کا (یہ) وصف ہے جیسے کھیتی جو اپنی سوئی نکالتی ہے پھر مضبوط ہوتی جاتی ہے پھر موٹی ہوتی جاتی ہے پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہو جاتی ہے کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگتی ہے تا کہ اللہ ان سے کافروں کو جلاوے اللہ نے ان میں سے ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر لیا ہے۔

ترکیب : صدق کجعل وخلق یعدی الی مفعولین رسولہ مفعول اول الرؤیا مفعول ثان و یحتمل ان یعدی بحرف تقدیرہ صدق اللہ رسولہ فی رؤیاہ بالحق حال ای حلبسا بالحق۔ اوقسم لان الحق من السماء تعالی وعلی ھذا لتدخلن جواب او جواب القسم المحذوف ای واللہ لتدخلن وھذا تفسیر للرؤیا وتحقیق لقولہ صدق اللہ ان شاء اللہ تعلیق للعدۃ بالمشیۃ تعلیم العباد ان یقولوا انشاء اللہ کما امر اولا ولاتقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ او اظہار ان ذلک وعدہ لاتحقیق الا بمشیۃ لیس علیہ دین ولاحق واجب آمنین حال من فاعل لتدخلن والشرط معترض وکذا قولہ محلقین الخ لاتخافون حال مؤکدۃ من فاعل لتدخلن او استیناف فعلم عطف علی صدق سیماھم مبتدا فی وجوھم خبرہ ذلک مبتدا مثلھم خبرہ ومثلھم فی الانجیل مبتداء کزرع خبرہ۔

تفسیر : سکینہ نازل کرنے کے بعد جو کچھ منافقوں نے کہا اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ اور یہ بھی ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا میں اس طرف اشارہ تھا کہ ہر بات کی مصلحت وہی خوب جانتا ہے بندوں کے جلدی کرنے سے وہ جلدی نہیں کرتا۔ ہاں اس بات کو اس کے موقع پر پوری کر دیتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہجرت کے چھٹے سال خواب دیکھا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں یعنی حرم کعبہ میں امن سے گئے ہیں ارکانِ حج و عمرہ باطمینان بجا لا رہے ہیں سر بھی منڈاتے ہیں بال بھی کتروا رہے ہیں جیسا کہ حج و عمرہ میں کیا کرتے ہیں اور کسی کا کچھ خوف وخطر نہیں ہے۔ اس خواب کو آپ نے بعض لوگوں سے بیان بھی فرما دیا تھا مگر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا قصد عمرہ کرنے کا ہوا۔ لوگ خصوصاً مخالفین یہی سمجھ گئے کہ آپ اسی خواب کے مطابق مکہ عمرہ کرنے چلے ہیں حالانکہ آپ اس کی تعبیر کا یہ وقت ہرگز نہیں سمجھے تھے اور نہ کسی سے یہ فرمایا تھا خیر جب حدیبیہ پہنچے اور کفار مکہ نے سنا تو جنگ کی تیاری کر دی اور آپ مکہ میں نہ گئے وہیں سے صلح[1] ہو گئی واپس چلے آئے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو اب منافقوں کو خواب کی تکذیب کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا کہ لو کہتے تھے مجھے خواب ہوا ہے کہ مکہ میں امن سے جائیں گے ارکانِ حج ادا کریں گے حالانکہ مکہ میں داخل بھی نہ ہونے پائے اور اس بات کو منافقوں نے بہت مشہور کیا۔ ان آیات میں ان کا جواب ہے فقال لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ کہ خواب کو بے شک اللہ نے سچ کر دیا یعنی کرے گا۔ (قرآن میں یقینی چیز کو جو آیندہ آنے والی ہو بلفظِ ماضی تعبیر کیا جاتا ہے) کہ انشاء اللہ تم اطمینان و امن سے مسجد الحرام میں داخل ہو گے ارکانِ حج و عمرہ ادا کرو گے مگر اس سال میں یہ مقدر نہیں اس کی حکمت تم کو معلوم نہیں وہی خوب جانتا ہے مگر اس سے پہلے تم کو ایک نزدیک فتح دی یعنی خیبر کی فتح جلد نصیب

---

[1] صلح میں یہ قرار پایا کہ جو قریش سے بھاگ کر مدینہ جائے محمد ﷺ اس کو واپس بھیج دیں اور جو ان کا بھاگ آوے واپس نہ دیا جائے اور آپ اگلے سال آکر عمرہ کریں مکہ میں ہتھیار بند کر کے آویں تلواریں میان میں ہوں ننگی نہ ہوں اور دس برس تک باہم جنگ نہ ہو اور جو قبائل جس کے حلیف ہوں وہ بھی ان میں شامل ہوں اور کفار کی طرف سے وکیل سہیل بن عمرو تھا کہ جس کا بیٹا ابا جندل اسی وقت مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں میں آیا تھا جو واپس دیا گیا خزاعہ قبیلہ حضرت ﷺ کا اور بنو بکر قریش کا حلیف ہوا حضرت ﷺ نے اگلے سال عمرہ ادا کیا اس کے بعد خزاعہ اور بنو بکر میں لڑائی ہوئی۔ قریش نے بدعہدی کر کے بنو بکر کی مدد کی خزاعہ حضرت ﷺ کے پاس آئے جس سے وہ صلح فسخ ہو گئی اور آٹھویں سال آپ مکہ پر چڑھے اس کو فتح کر لیا جس کی تفصیل کتب سیر میں ہے۔

کر دی۔

الحمد للہ کہ خدا نے اپنے نبیِ صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کو سچا کیا۔ اس کے اگلے سال آنحضرت ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ تھا مکہ کے کفار گھروں میں چھپ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اور سب نے اطمینان سے عمرہ کیا۔ کسی نے سر منڈوایا کسی نے بال کتروائے کسی کا خوف وخطر نہ تھا۔ اس کے بعد فتح مکہ کا وہی واقعہ تھا جس کی حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی ہے کتاب یسعیاہ کا ۶۶ باب دیکھو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خبر دی ہے سفر استثنیٰ ۲۲۳۔ باب ورس ۲ اور ۵ زبور میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ورس ۳۔ ہمارا خدا آوے گا (یعنی اس کا رسول) اور چپ چاپ نہ رہے گا (تکبیر اور تلبیہ کی آوازیں بلند ہوں گی) آگ اس کے آگے آگے فنا کرتی جائے گی اور اس کے آگے شدت سے طوفان ہوگا (لشکرِ صحابہ) وہ اوپر آسمان کو طلب کرتا اور زمین کو بھی تا کہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے (مکہ میں عدالت ایسی ہی اس روز آپ نے کی) میرے پاک بندوں کو میرے پاس فراہم کرو جنہوں نے میرے ساتھ قربانی پر عہد کیا ہے تب آسمان اس کی صداقت کو آشکارا کریں گے۔ فتح مکہ کے بعد سے آسمانوں نے حضرت ﷺ کی صداقت ظاہر کر دی۔ روئے زمین پر روشن کر دیا کہ آپ وہی رسول برحق ہیں۔ اور ۴۷۔ زبور میں بھی جس کا اخیر فقرہ یہ ہے قوموں کے امرا ابراہام کے خدا کے لوگوں سے مل کے جمع ہوئے ہیں۔ اب آپ ہی خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ کی اس شوکت کا اظہار کرتا ہے فقال هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہ اللہ نے اپنا برحق رسول بھیجا تا کہ سب دینوں پر نبی کو یا دینِ حق کو اللہ غالب کرے یا اس کی طرف سے رسول غالب کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی اور دین برحق ہونے کی گواہی اللہ کو بس ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وہ کون رسول ہے۔ محمد اللہ کا رسول (ﷺ) اس میں ایمانداروں کے دلوں کو تسلی ہے کیونکہ حدیبیہ کے مقام پر جب صلح نامہ لکھا گیا تو بسم اللہ کے بعد اس کی یہ عبارت تھی من محمد رسول اللہ کفار نے کہا ہم آپ کو رسول اللہ نہیں جانتے اس کو مٹاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تو اس لفظ کو مٹا دے علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں محمد رسول اللہ کے لفظ کو مٹا ڈالوں۔ پھر خود آپ نے محو کر دیا کیونکہ صلح کرنی مقصود تھی جنگ مقصود نہ تھی۔ ان کے مٹوانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ نے قرآن شریف میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھ دیا جو قیامت تک بھی نہ مٹے گا محمد تو اللہ کے رسول ہیں مگر وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ اس کے ساتھ جو پاکباز اور مقدس لوگوں کی جماعت ہے وہ ہیں جو خدا کے دشمنوں پر سخت ہیں ان سے دبتے نہیں۔ اشداء جمع شدید رحماء جمع رحیم۔ آپس میں رحیم یعنی نرم دل ہیں۔ یہاں سے یہ بات بھی رد ہو گئی کہ صحابہ آپس میں کینہ وعداوت رکھتے تھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے ڈر کر تقیہ کرتے تھے۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ ان کی تیسری صفت ہے کہ وہ اس کثرت سے نماز پڑھتے ہیں کہ رکوع وسجدہ ہی میں دکھائی دیتے ہیں دنیا کی غرض اور کسی کے دکھانے کو نہیں بلکہ خاص اللہ کے لیے اس کے فضل اور اس کی خوشنودی کے لیے۔ پہلی دو صفتیں معاملات کے متعلق تھیں۔ یہ صفت ان کی ذات سے متعلق ہے یعنی بڑے پرہیزگار باخدا لوگ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بری باتوں سے متہم کرنا بڑی بدباطنی اور اس آیت کی مخالفت کرتی ہے اعاذنا اللہ منہ۔

چوتھی صفت سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ ان کی بزرگی اور نیکی کے آثار وانوار ان کے چہروں سے ظاہر ہیں حقیقت میں انسان کا باطنی حال اس کے چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ شب خیز باخدا لوگوں کے چہروں میں جو انوار وبرکات ہوتے ہیں وہ ریاکاروں اور بدباطنوں کے چہروں میں ہرگز نہیں ہوتے بشرطیکہ اس دیکھنے کے لیے خدا نے آنکھ بھی دی ہے۔ اسلام کی یہ بھی ایک بڑی ظاہر برکت ہے کہ مسلمان ہوتے ہی اس کے چہرہ پر نور وبرکت معلوم ہونے لگتی ہے۔ خوبصورتی وبدصورتی اور چیز ہے نورانیت وبدرونقی اور بات ہے۔

حضرت رسول کریم ﷺ کے صحبت یافتوں میں یہ خوبیاں ہونا آنحضرت ﷺ کا اعجاز تھا کہ جس نے کیسے کیسے سیاہ دلوں' خونخواروں' بدکاروں' شہوت پرستوں کو کایا پلٹ کردیا (اثر نبوت کا ملہ اس کو کہتے ہیں)۔

پھر فرماتا ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اس جگہ قراء کے نزدیک وقف ہے یعنی یہ خوبیاں ان کی توریت میں موجود ہیں وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ الگ جملہ ہے اور بعض کہتے ہیں فی الانجیل پر وقف ہے كَزَرْعٍ الگ جملہ ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں توریت اور انجیل میں ہیں اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ذٰلِكَ پر وقف ہے ای الامر ذلک یعنی بات یوں ہی ہے اور مثلھم فی التورٰۃ الگ جملہ ہے کہ توریت اور انجیل میں ان کی خوبیاں مذکور ہیں۔ مگر قوی تر وہ پہلی بات ہے۔ اب ہم اسی کے مطابق شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ اصل توریت وانجیل اب دنیا میں باقی نہیں جو وہاں ان صفات صحابہ اور حضرت ﷺ کی رسالت کو پورے پورے طور پر دکھائیں جس طرح کہ (وہ ناصری کہلائے گا) حضرت عیسیٰ ؑ کو عیسائی خدا تعالیٰ کے نوشتوں میں نہیں دکھا سکتے اور اس بات کا ثبوت ہم نے بخوبی کردیا ہے کہ اصلی توریت و انجیل اب دنیا میں نہیں جس طرح اور انبیاء ؑ کی کتابیں نہیں جن کا مروج توریت وغیرہ میں حوالہ ہے مگر اب تورات موجودہ انجیل مروج ہی میں دکھاتے ہیں۔

تورات سفر استثناء تینتیسویں باب کے شروع میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کی نسبت یہ لکھا ہوا ہے قولہ خداوند سیناء سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا[1] دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔ اس عبارت کی تاویل میں اہل کتاب گو بہت کچھ پیچ وتاب کھاتے ہیں مگر کوئی بات بن نہیں آتی۔ یہ صحیح کہ سینا سے مراد کوہ سیناء ہے اور کوہ طور بھی وہی ہے وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ ؑ کو توریت عطا کرنا مراد ہے مگر کوہ شعیر اور فاران کے پہاڑ تو عرب میں ہیں جن کا سلسلہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک ہے ان میں سے فاران کے پہاڑ وہ ہیں جو مکہ کے متصل ہیں اور جبل شعیر مدینہ کے متصل ہے وہاں سے تو حضرت موسیٰ کا ظہور ہوا نہ حضرت عیسیٰ کا (علیہما السلام) اور نہ دس ہزار قدسی یعنی پاکباز موصوف بصفات حمیدہ لوگ موسیٰ ؑ کے ساتھ تھے بلکہ وہ لوگ تھے کہ جن پر ان کی بیہودگی ونافرمانی سے بارہا خدا تعالیٰ ناخوش ہوا اور فرمادیا کہ ان کو شام کا ملک دیکھنا نصیب نہ ہوگا اور نہ حضرت عیسیٰ ؑ کے ساتھ ایسے لوگ تھے کیونکہ ان کو تو حضرت عیسیٰ ؑ نے بے ایمانی کا لقب دیا اور نہ حضرت عیسیٰ ؑ کے داہنے ہاتھ میں آتشی تشریعت تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ خاص حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کہ جن کی نسبت فرمایا والذین معہ الخ قدسی لوگ تھے اور آپ ہی کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی جس نے بت کدے اور قمار خانے اور زنا خانے جلا دیے۔ پھر اسی باب میں آگے چل کر فرماتا ہے۔ "ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے (والذین معہ سے) اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کسی نبی کے پیروؤں نے اپنے نبی کی ایسی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کی مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ کا جملہ صادق آیا اب مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کا بیان سنئے۔ انجیل متی کے تیرھویں باب میں کھیتی کی مثال دو جگہ بیان ہے آٹھویں جملے میں ہے اور کچھ (تخم) اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال ہے پھر ۳۱ و ۳۲ جملے میں ہے وہ اچھی زمین عرب ہے جہاں تخم ہدایت بویا گیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کا پھل لگا سو گنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحات کثیرہ کی وجہ سے ساٹھ گنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیس گنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت ﷺ نے بھی فرمادیا تھا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ آیت کے بھی یہی معنی ہیں کہ پیڑ اگا' عرب کی زمین میں فارذہ پھر وہ

[1] تورات میں بھی آیندہ باتوں کو ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ ۱۲ منہ

قوی ہوتا گیا صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بالکل قوی ہوا فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ کہ کافر اس سے جلنے لگا۔ اللہ کا ایمانداروں کے لیے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ ہے۔ سورۃ کے اول میں فتح اور اخیر میں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے اور یہ ثابت ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے جلتے ہیں وہ کافر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ کیونکہ اللہ سنتا' جانتا ہے۔ ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ اور نہ رسول سے بلند آواز سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال نہ برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ وہ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے روبرو پست کرتے ہیں انہیں کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے اور وہ جو ان کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر تو بے وقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس نکل کر آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر : یہ سورۃ بالاتفاق مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ سورہ فتح کے اخیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ اور ان کی بزرگی بیان ہوئی تھی اس لیے اس سورہ میں چند آداب تعلیم کرتا ہے تاکہ ان کے برخلاف عمل کرنے سے اس بزرگی میں فرق نہ آوے۔ اس سورہ میں تمدن کے متعلق وہ احکام بیان فرمائے ہیں کہ جن سے قوت اعوانیہ وطاقت اجتماعیہ جو اتفاق ومحبت باہمی پر مبنی ہے قائم رہے۔ اور سب سے اول مسئلہ سردار کی تعظیم وعظمت کا ہے کیونکہ اس کی عزت دل میں ہوگی تو اس کے احکام کی تعمیل بھی ہوگی وہی تو اس قوت کا جمع رکھنے والا ہے۔

اوّل حکم : اس لیے سب سے اول رسول اللہ ﷺ کی جناب سے ادب ملحوظ رکھنے کے احکام صادر فرمائے۔ فقال يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا الخ یہ پہلا حکم ہے کہ اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔ اللہ کا لفظ اس لیے ذکر کیا کہ رسول اللہ کا نائب ہے اس کی گستاخی اللہ کی گستاخی اور اس کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔ آگے بڑھنے سے کیا مراد ہے؟ یعنی کسی بات میں حضرت ﷺ کے سامنے جلدی نہ کرو بلکہ تابع

رہو۔ حضرت ﷺ سے پہلے آپ کوئی حکم نہ دو۔ آپ کے سامنے کسی کام میں سبقت نہ کرو چلنے میں بات کرنے میں حکم دینے میں کھانے میں کسی کے سوال کے جواب دینے میں آگے بڑھ کر بیٹھنے میں عام ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہاری باتیں سنتا ہے دل کے احوال جانتا ہے۔

دوسرا حکم : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کیا کرو پست آواز اور نرمی سے بات کیا کرو کس لیے کہ سردار کے سامنے غل مچا کر اور ناٹیں آواز سے باتیں کرنا نہ تنہا گستاخی بلکہ بدتہذیبی بھی ہے۔ مہذب لوگ پست آواز سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ بخاری نے اور مسلم نے اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ ثابت بن قیس ؓ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد غمگین ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ نبی ﷺ نے دریافت کیا اس نے عرض کروایا میری آواز بلند ہے میرے اعمال حبط ہو گئے میں جہنمی ہو گیا آپ کے سامنے بلند آوازی سے کلام کرنے سے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو جنتی ہے۔ الغرض جن صحابہ ؓ کی آوازیں بلند تھیں اس آیت کے بعد سے وہ اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ پوچھنے کی حاجت پڑتی تھی۔

تیسرا حکم : وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ نبی سے اس طرح سے پکار کر اور خطاب کر کے باتیں نہ کیا کرو کہ جس طرح آپس والوں سے کرتے ہیں۔ دوسرے حکم میں مطلقاً آواز بلند کرنے کی حضرت ﷺ کے روبرو ممانعت تھی خواہ حضرت ﷺ سے خواہ کسی اور سے نہ چیخو غل نہ مچاؤ۔ یہاں خاص آنحضرت ﷺ سے بات کرنے کا ادب۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝٦ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ
اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ
الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ
اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝٧ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝٨
وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ
اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ
اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝٩ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝١٠

ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لے کر آوے تو اس کو تحقیق کیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ کہیں کسی قوم پر بے خبری سے نہ جا پڑو پھر اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگو اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال

دی اور اس کو تمہارے دلوں میں بسا دیا اور تمہاری نظروں میں کفر اور بدکاری اور نافرمانی کو برا کر دکھایا ہے یہی لوگ نیک چلن ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر بھی اگر وہ دوسرے پر سرکشی کرے تو سرکشی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ گروہ حکم خدا کی فرمانبرداری پر آ جائے۔ پھر اگر وہ فرمانبرداری پر آ جائے تو ان میں انصاف سے صلح کرا دو اور ان میں عدل کرو۔ بے شک اللہ کو انصاف کرنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان والے جو ہیں تو بھائی بھائی ہیں پھر اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے۔

ترکیب : ان تصیبوا مفعول لہ ای خشیۃ ذلک بجھالۃ حال من الفاعل ای جاھلین۔ لو یطیعکم مستانف ویجوز ان یکون فی موضع الحال والعامل فیہ الاستقرار کقولک مررت برجل لو کلمتہ کلمنی فلما جاز وقوعہ صفۃ للنکرۃ جاز وقوعہ حالا فضلا مفعول لہ طائفتان فاعل فعل محذوف اخویکم بالتثنیۃ والجمع الاخوۃ جمع الاخ۔

تفسیر : سکھایا گیا ہے۔ فرمایا ایسی گستاخی میں اعمال حبط ہو جانے کا ڈر ہے۔ الحمد للہ امت محمدیہ خصوصاً صحابہ ؓ نے اس حکم کی کمال درجہ تعمیل کی اب تک حرمین شریفین میں بلند آواز سے کوئی بات نہیں کرتا کسی کو دور سے بلایا جاتا ہے تو اشارے سے۔ افسوس ہندوستان کے مسلمانوں پر کہ مساجد میں کیسا غل مچاتے ہیں اور اکابر اور بزرگان دین کے سامنے بات کرنے میں تہذیب و ادب ان کے نصیب نہیں الا ماشاء اللہ۔ کیسی بدتہذیبی آ گئی ہے۔

اب پست آوازی سے بات کرنے والوں کے محامد بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ کہ جو لوگ نبی کے سامنے پست آواز سے بات کرتے ہیں اللہ نے ان کے دل پرہیزگاری کے لیے خاص و ممتاز کئے ہیں یعنی ان کے دلوں میں تقویٰ ہے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے صحابہ خصوصاً خلفاء اربعہ ؓ اس صفت کے موصوف تھے کیوں نہ ہو۔ ان کی نسبت تورات میں اول ہی سے آ گیا ہے کہ وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

اس کے بعد اس حکم کے خلاف کرنے والوں کا حال بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ حجرات کو جمہور نے بضم جیم پڑھا ہے یہ حجرہ کی جمع ہے جیسا کہ غرفہ کی غرفات اور ظلمہ کی ظلمات۔ حجرہ گھر خلوت خانہ جس کی چار دیواری ہو۔ اس سے مراد ازواج مطہرات کے مکانات ہیں۔ یعنی جو لوگ آپ کو حجرات کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر بے عقل ہیں۔ یہ عرب کے گنواروں کی عادت تھی جیسا کہ ہند کے گنواروں کی عادت ہے کہ کسی بزرگ سے ملنے گئے اور وہ اپنے مکان میں ہے باہر آنے کا انتظار نہیں کرتے پکارنے لگتے ہیں۔ نبی ﷺ سے بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ احمد و ابن جریر و بغوی و طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اقرع بن حابس نے آ کر پکارا تھا یا محمد ﷺ اخرج اے محمد ﷺ باہر آ۔ ابو یعلی و مسدد و ابن راہویہ و ابن مردویہ و طبرانی نے نقل کیا ہے کہ عرب کے چند آدمی آئے اور حضرت رسول کریم ﷺ کو باہر سے پکارنے لگے۔ یا محمد یا محمد (ﷺ)۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ادب سکھاتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ کہ اگر وہ صبر کرتے ہیں یہاں تک کہ اے نبی تم از خود باہر نکل کر ان کے پاس آ جاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ واللہ غفور رحیم اللہ ان کی اس بے ادبی کو جو جہالت و بے عقلی سے سرزد ہوئی ہے معاف کر دے گا اگر وہ توبہ کریں گے۔ اس کے بعد سے پھر کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا عرب میں صلاحیت کا مادہ بہت کچھ ہے۔ اب تک وہاں کے بدو اور جنگل کے تہذیب یافتوں سے بات چیت میں اور دیگر امور میں مہذب ہیں جبکہ وہاں کے گھوڑے میں یہ صلاحیت ہے، تو آدمیوں کا کیا کہنا ہے اسی حکمت سے اس سرزمین پر خاتم النبیین ﷺ مبعوث ہوئے۔

چوتھا حکم : یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا کہ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو جانچ لیا کرو یہ نہیں کہ جو کسی سے سنا یقین کرلیا اور اس پر کاربند ہو گئے کیونکہ ایسی صورتوں میں باہم لڑانے کے لیے بہت سے جھوٹے افسانے غماز بنالایا کرتے ہیں ان پر باور کر کے کسی سے لڑ پڑے یا رنجیدہ ہو کر ان کے برخلاف کر بیٹھے تو پھر دریافتِ حال ہونے کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔

یہ مسئلہ اصولِ تمدن میں سے ہے کیونکہ ہر شخص کی بات کو خصوصاً لڑائی اور بدگوئی کی بابت باور کر لینا بڑی خرابیاں پیدا کرتا ہے عقل اور قرائن سے بھی دریافت کر لینا چاہیے۔ فاسق کا لفظ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اگر کوئی نیک کہے تو باور کرو خبر کے متعلق اس آیت سے اہلِ فقہ و اہلِ اصولِ فقہ و اصولِ حدیث نے بہت سے مسائل ثابت کیے ہیں جن کا ذکر فنِ تفسیر سے باہر ہے اس لیے ترک کرتا ہوں۔

اس آیت میں حکم عام ہے مگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں بھی کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو اس آیت کے حکم میں شامل ہے۔ جس کو مفسرین اس کا شانِ نزول کہتے ہیں اور وہ یہ ہے امام احمد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے زکوٰۃ پر متعین کر کے اس کی قوم میں بھیجا ابان نے اس میں خلل اندازی کر دی تب نبی ﷺ نے ولید بن عقبہ کو وصول کرنے کے لیے بھیجا اس نے آ کر جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ حارث مقابلہ میں آیا اور مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس پر ایک لشکر تیار ہو کر حارث کے مقابلہ کو چلا ادھر وہ حضرت ﷺ کی خدمت میں زکوٰۃ کے لیے آ رہا تھا کہ رستہ میں لشکر سے ملا۔ دریافت ہوا تو تعجب ہوا۔ پھر سب آنحضرت ﷺ کے پاس واپس آئے حارث نے قسم کھائی کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ایسا واقعہ بھی ہوا ہو مگر آیت میں کسی شخص کی طرف اشارہ نہیں عام حکم ہے۔

اس بات سے لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ہماری بات اور خبر نہیں مانی جاتی نہ ہماری رائے و تدبیر کی پابندی ہوتی ہے اور انسان کا یہ مقتضائے طبعی ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے قول کا تابع اور اپنی خواہش کا پابند کرنا چاہتا ہے۔ مگر حضرت رسالت مآب میں اس کی کہاں گنجائش تھی۔ اس لیے فرماتا ہے وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ یاد رہے کہ تم میں اللہ کا رسول ہے رسول الہام و وحی سے حکم دیتا ہے پھر اس کے برخلاف کسی کی رائے اور بات کیا ہے؟ لَوۡ یُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ اگر اکثر باتوں میں تمہارے کہنے پر چلا کرے تو خود تم مشقت میں پڑ جاؤ کس لیے کہ تمہاری بہت سی باتیں خطا سے خالی نہیں ہوتیں ان پر وہ چلے اور تم بھی ساتھ چلو تو انجام برا ہو۔ کشتی کا ناخدا اگر اس کے اندر بیٹھنے والوں کے کہنے پر ہر ہر بات میں چلے تو جہاز غرق ہو جاوے مگر اے صحابہ! تم ایسے بداندیش نہیں ہو کہ رسول کو اپنی مرضی کے تابع کر کے بے ایمانی اور نافرمانی اور بدکاری کے رویہ کو پسند کرو بلکہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ اس نے ایمان کو تمہارا پسند اور مرغوبِ طبع کر دیا ہے وَکَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ کفر و بدکاری و نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے اس لیے تم دل سے رسول کی اطاعت کو پسند کرتے ہو اور کیوں نہ ہو اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعۡمَۃً ایسے لوگ اس کے فضل و عنایت سے راشد یعنی راستی پسند حق جو حق گو حق پر چلنے والے ہیں۔

ان جملوں سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاءِ اربعہ کے بہت فضائل ثابت ہوئے۔ پھر ان کی نسبت یہ خیال کرنا (کہ حضرت ﷺ کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے اور سرکشی اور بے دینی کرنے لگے تھے اس لیے انہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت پر ظلم کیے ان کا حقِ خلافت چھین لیا اور باغِ فدک دبا بیٹھے وغیرہ وغیرہ) کمال بدگمانی اور ان آیات سے سرتابی ہے جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کی توریت و انجیل میں مدح ہو قرآن میں ان کے یہ محامد ہوں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا وہ باہم رحیم' کفار پر سخت' نمازی و پرہیزگار ہیں۔ ایمان ان کے دل میں جاگزیں ہو گیا' کفر و بدکاری سے ان کو نفرت ہے اور وہ راشد ہیں۔ پھر ان سے یہ باتیں جو غلط گو راویوں نے اتہام لگانے کے لیے نقل کیں ہیں سرزد ہوں؟ اور باوجود اس کے اشاعتِ اسلام و جہاد میں ان کی کوششوں اور صلاحیت و پرہیزگاری پر مخالفین بھی گواہیاں دیتے ہوں؟ تعجب تعجب! معاذ اللہ یہ چند غلط گو رطب و یابس قصہ نقل کرنے والے (جن کی اندرونی حالت مشکوک ہو) تو سچے ٹھہریں اور خدا کا کلام اور موافق و مخالف کی تاریخیں

اور ان کے بڑے بڑے کارنامے سب جھوٹ سمجھے جائیں۔

پانچواں حکم : وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں (یا دو شخصوں میں) لڑائی ہو جاوے تو باہم ملاپ کرا دو۔ بخاری و مسلم نے اس آیت کے متعلق بھی ایک قصہ نقل کر کے اس کو اس کا شانِ نزول قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ سوار ہو کر عبداللہ بن ابی منافق کے سمجھانے کو تشریف لے گئے۔ اس نے کہا مجھ سے دور رہیے آپ کے گدھے کی بدبو مجھے تکلیف دیتی ہے۔ کسی انصاری نے کہا رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بو تیری بو سے عمدہ ہے اس پر ادھر کا کوئی غصے ہوا ادھر سے بھی لوگ بگڑے باہم مار پیٹ کی نوبت پہنچی۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ان میں ملاپ کرا دیا۔ اسی طرح اوس و خزرج انصار کے دو قبیلوں میں بارہا جھگڑے برپا ہوئے۔ آپ نے باہم ملاپ کرا دیا۔ یہ بھی حکم عام ہے۔ پھر اس فساد کی چنگاری کو جلد بجھانے کی تاکید کرتا ہے فقال فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا الخ یعنی صلح کو نہ مانا کہ اگر پھر ایک فریق دوسرے پر چڑھائی کرے تو چڑھائی کرنے والوں کو قتل کرو (کیونکہ یہ تمام قوم میں آتشِ فساد بھڑکانا چاہتے ہیں) یہاں تک کہ یہ چڑھائی کرنے والے اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ پس جب رجوع کریں جنگ سے باز آویں تو چھوڑ دو اور باہم ملاپ اور صلح کرا دو اور عدل و انصاف ملحوظ رکھو کسی کی قلت و کثرت زور و شوکت کو نہ دیکھو۔

اور یہ کس لیے کہ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ ایماندار سب بھائی بھائی ہیں۔ ان سب کا ایک روحانی باپ ہے یعنی رسول کریم ﷺ۔ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دو وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور اللہ سے ڈرو۔ کسی کو اشتعال نہ دلاؤ نہ لڑانے کی باتیں کرو نہ کسی کی رعایت کرو ان باتوں میں اللہ سے ڈرو لعلکم ترحمون تاکہ تم پر اس کی مہربانی رہے۔ اور اتفاق قائم رہنا بھی خدا کی بڑی مہربانی ہے جس کے دنیا و آخرت میں صدہا عمدہ نتیجے اور میٹھے پھل ہیں۔

گناہِ کبیرہ سے ایمان نہیں جاتا: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے کافر نہیں ہو جاتا کس لیے کہ قتال باہمی گناہ کبیرہ ہے اور اس کے مرتکب کو بھی بلفظِ مومن تعبیر کیا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے اقرار باللسان اور اعمالِ صالحہ اس کی زینت ہے جس کے فوت ہونے سے بے زینت ایمان تو ضرور باقی رہتا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا
مِّنۡہُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡہُنَّ ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا
اَنۡفُسَکُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ
الۡاِیۡمَانِ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ یٰۤاَیُّھَا
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا
تَجَسَّسُوۡا وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ
اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم پر نہ ہنسے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورت کسی عورت پر ہنسے شاید وہ اس سے بہتر ہو۔ اور آپس میں طعنہ زنی نہ کرو اور نہ برے ناموں سے چڑایا کرو فسق کے نام لینے ایمان لانے کے بعد بہت برے ہیں اور جو کوئی باز نہ آئے تو وہی ظالم بھی ہے۔ ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچے رہو کیونکہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرسکتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پھر اس سے تو تم کو گھن بھی آتی ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تو بہ قبول کرنے والا مہربان ہے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے (جدا جدا) خاندان اور قوم میں جو بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لیے (نہ تکبر کے لیے) بے شک عزت دار تو اللہ کے نزدیک تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

ترکیب : السخریۃ الاستہزاء ویعدی بعلی ومن۔ اللمز العیب قال ابن جریر اللمز بالید والعین واللسان والاشارۃ والھمز لا یکون الا باللسان التنابز التفاعل من النبز بالسکون وھو المصدر والنبز بالتحریک الملقب مطلقا ولکن خص فی العرف بالقبح والجمع انباز وَالْاَلْقَاب جمع لقب وھو ما یذکر بہ الانسان من اوصافہ والمراد بہ ھنا لقب السوء۔ اجتنبوا یقال جنب الشر اذا ابعدہ عنہ واصلہ جعل الشیء فی جانب فیعدی الی مفعولین کما فی قولہ تعالیٰ واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ومطاوعہ اجتنب الشر فنقص مفعولا۔ میتا حال من اللحم او من الاخ فکرھتموہ الفاء لترتیب ما بعدھا علی ما قبلھا من التمثیل والضمیر فی کرھتموہ (ہ) عائد الی الاکل او الی اللحم او الی المیت۔

تفسیر چھٹا حکم : یہ چھٹا حکم ہے فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ کہ کوئی کسی سے تمسخر نہ کرے۔ گو قوم کا لفظ ہے مگر مراد اس کے افراد ہیں اور مجموعی حالت بھی مراد ہے۔ تمسخر ہنسی ٹھٹھے میں کسی کو بے عزت کرنا۔ یہ باہمی عداوت کی جڑ ہے۔ ٹھٹھے میں اڑانا اور دل دکھانا جہلاء اور خفیف لوگوں کی حرکت ہے عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ شاید کہ وہ لوگ کہ جن کو تم ٹھٹھے میں اڑاتے ہو تم سے بہتر ہوں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلاء بات سے پیدا ہوتی ہے جو کوئی کسی پر جس بات میں ہنسی کرے گا اس میں خود مبتلا ہوگا اگر کسی کی کانی آنکھ پر ہنسے گا تو خوف کرے کہ خود کانا نہ ہو جاوے یا اس سے زیادہ کسی بلا میں نہ گرفتار ہو جائے کیونکہ خدا قادر ہے جو چاہے کرسکتا ہے۔ قوم کا لفظ بظاہر مردوں کو شامل تھا اس لیے عورتوں کو بھی مخاطب کرتا ہے وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ الخ اور نہ کوئی عورت دوسری عورت سے تمسخر کرے کیا معلوم کہ وہی اس سے خدا کے نزدیک بہتر ہو پھر کیا یہ مشیت الٰہی پر ہنسی کرتی ہے؟

ساتواں حکم : وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کہ کوئی کسی کو طعنہ نہ دے طعنہ زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق و محبت میں فرق آجاتا ہے اور انفسکم کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم بنی آدم ایک ہو دوسرا شخص کہ جس کو تم طعنہ دیتے ہو وہ بمنزلہ تمہارے نفس کے ہے بوجہ اخوت انسانی یا اخوت اسلامی کے۔

آٹھواں حکم : وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کسی کو چڑانے والے ناموں سے نہ پکارو۔ جیسا کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہو جائے اس کو یہودی یا نصرانی کہا جاوے یا جس نام کو انسان اپنے لیے مکروہ سمجھے اس سے اس کو ناخوش کیا جائے۔ اس طرح لنگڑا بھینگا اندھا کانا لولا وغیرہ صفات مذمومہ سے یاد کرنا خواہ در اصل اس میں وہ اوصاف موجود ہوں ممنوع ہے۔ اسی طرح جاہلیت کے نام اور صفات سے یاد کرنا بھی ناجائز ہے۔ یا کسی کا ابتدائی نام مکروہ تھا اس نے اس کو بدل دیا ہو پھر اس کو اس پہلے نام سے پکارنا بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ سب باتیں دل دکھانے والی ہیں جن سے باہمی رنجش اور عداوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں جو عیب دار ناموں سے مشہور ہیں اور پھر وہ ان سے برا بھی

نہیں مانتے ان سے یاد کرنا ممنوع نہیں جیسا کہ اعرج واحدب۔ اور اس طرح عمدہ صفات جن لوگوں میں ہیں اور ان سے وہ ملقب ہو گئے ہیں ان سے یاد کرنا بھی ممنوع نہیں جیسا کہ ابوبکر کو صدیق اور عمر کو فاروق اور عثمان کو ذی النورین اور علی کو بوتراب یا حیدر کہتے تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر اس حکم کو مؤکد کرتا ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ کہ ایمان لانے کے بعد برے فسق اور برائی کے ناموں سے یاد کرنا بری بات ہے وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور جو کوئی ایسے ناموں کے لینے سے باز نہ آوے تو وہی ظالم یعنی برا اور گنہگار دل دکھانے والا ہے نہ وہ کہ جن کو ان ناموں سے یاد کیا گیا۔

نواں حکم : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ کہ بدگمانیوں سے بچو۔ معاذ اللہ یہ بدگمانی بھی فساد کی جڑ ہے بعضوں کو مرض ہوتا ہے کہ ہر بات میں اور ہر ایک کی نسبت ان کو برا ہی خیال پیدا ہوتا ہے جس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جب تک کوئی وجہ معقول نہ ہو کیوں بدگمانی کی جاوے؟ اس بدگمانی سے گھر برباد ہو گئے ہیں۔ خاوند باہر گیا پیچھے بیوی کی نسبت بدگمانیاں پیدا کرلیں یا وہ کہیں مہمان یا کسی ضرورت کو گئیں یا کسی ضرورت سے کسی اجنبی سے بات کرنے کی حاجت پڑی بدگمانی پیدا کرلی یا کسی شخص کو متہم کر دیا یا خواہ مخواہ کسی کو بدخواہ اور دشمن سمجھ لیا۔ ظن سے تعمیم مراد نہیں جو خبر احاد قیاس و دیگر چیزوں کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت پڑے بلکہ اس سے مراد بدگمانی ہے فرماتا ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کہ بعض گمانات گناہ ہیں ایسی بدگمانیوں سے انسان گنہگار ہوتا ہے اب یہ شبہ ہوتا تھا کہ بدگمانی کی ممانعت ہے اچھا ہم تحقیق کریں گے تو اس لیے اس کے بعد دسواں حکم اس تحقیق و تفتیش کی بابت دیتا ہے۔

دسواں حکم : فقال وَلَا تَجَسَّسُوْا کہ کسی کی عیب جوئی بھی نہ کرو کسی کے عیب دریافت کرنا اور ان کی تفتیش کرنا نہ چاہیے کیونکہ اس میں سراسر برائی ہے۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص حاضر کیا گیا اور کہا گیا اس کی ڈاڑھی میں سے شراب ٹپکتی ہے۔ فرمایا ہم کو تفتیش کرنے سے منع کیا گیا ہے ہاں جو بات ظاہر ہوگی ہم اس پر مواخذہ کریں گے۔ ابوداؤد و نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا تو کام خراب ہو جاوے گا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی کسی کی پردہ پوشی دنیا میں کرے گا خدا اس کی پردہ پوشی آخرت میں کرے گا۔

گیارہواں حکم : وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا کوئی کسی کی غیبت یعنی بدگوئی نہ کرے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے پوچھا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی وہ بات ذکر کرنی جو اس کو بری معلوم ہو۔ کسی نے عرض کیا اگر در اصل اس میں وہ بات ہو تو پھر کیا فرمایا یہی تو غیبت ہے اگر اس میں وہ بات نہیں پھر تو بہتان ہے۔ پھر اس غیبت کی برائی کو ایک تمثیل میں بیان کرتا ہے جس سے نہایت برائی اور کراہت سمجھی جاتی ہے فقال اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ کہ بھلا کوئی بھائی کا مردہ گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ نہیں۔

جس کی غیبت ہوتی ہے وہ غائب ہوتا ہے اس لیے اس کو مردے سے تشبیہ دی یعنی وہ مردے کے مانند بے خبر ہے اور یہ اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ انسان اور وہ بھی بھائی اس کا زندہ گوشت کوئی کھانا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ مردار گوشت فرماتا ہے اللہ سے ڈرو۔ توبہ کر وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے غیبت سے بھی باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے اس کی برائی احادیث میں بکثرت موجود ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ
أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ
بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾
إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا
تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ ع

بدوی کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ تو کہو تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ ہاں یہ کہو کہ ہم تابعدار ہو گئے حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان کا تو گزر ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال (کی اجرت) میں بھی کچھ کمی نہ کرے گا۔ البتہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ایمان والے تو وہی ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کسی طرح کا شک (وشبہ) نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے رہے وہی سچے بھی ہیں۔ کہہ دو کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتاتے ہو؟ حالانکہ وہ سب جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں۔ کہہ دو مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزیں جانتا ہے۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

ترکیب : الشعوب جمع شعب بفتح الشین ھو اعلی طبقات النسب وتحتہ قبائل جمع قبیلۃ وبعدھا العمائر ثم البطون ثم الافخاذ ثم الفصائل خزیمۃ شعب کنانۃ قبیلۃ قریش عمارۃ بکسر العین قصی بطن ہاشم فخذ العباس فصیلۃ۔

تفسیر..... بارھواں حکم : جس کو اور دوسرے پیرایہ میں بیان فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى کہ اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد یعنی آدم اور ایک عورت یعنی حوا سے پیدا کیا ہے تم سب کی ایک ذات اور ایک نسب ہے وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا پھر تمہارے قبیلے اور جتھے جدے جدے کر دیے پہچان کے لیے نہ نسب پر فخر کرنے کے لیے کیونکہ نسب تو سب کا ایک ہے۔ اب یہ فخر کی چیز نہیں بلکہ پرہیزگاری کس لیے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اللہ کے نزدیک عزت دار تم سے وہ ہے جو پرہیزگار ہے یعنی نسب پر فخر نہ کیا کرو۔ عارف جامی نے ۔

ل بالفتح وبعد الیاء ومانیہ آلت یقال آلت یالت بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع وقرء بغیر ہمزۃ وماضیہ لاتخالیت وھالتان ومعنا ھما النقصان ۱۲ منہ

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ بزرگی کے اسباب خدا کو معلوم ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انساب ظنیہ ہیں۔ اصل حال وہی خوب جانتا ہے اور اس طرف بھی کہ انجام کار بھی اسی کو معلوم ہے بہت سے عزت دار چند روز کے بعد لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہو گئے ہیں۔ جب یہ بیان فرمایا کہ مدار کار بزرگی کا پرہیزگاری پر ہے اب اصلی اور مصنوعی پرہیزگاری کا حال بیان فرماتا ہے فقال قالت الاعراب آمنا کہ زبان سے ایمان لانا کہنا مصنوعی پرہیزگاری ہے۔ ایسا ایمان زبان پر ہے دل میں نہیں ہاں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اصلی تقویٰ ہے اگر اے اعراب! تم کرو گے تو تمہارے اعمال کی اجرت میں خدا کمی نہ کرے گا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اعراب سے مراد اس جملہ میں بنو اسد ہیں کہ قحط کے ایام میں صدقہ لینے کی غرض سے اظہار کیا کہ ہم ایمان لائے مگر دراصل دل میں ایمان اور اللہ اور رسول کی اطاعت مقصود نہ تھی۔ فرمایا آمنا کہنا تمہارا صحیح نہیں ہاں اسلمنا کہنا درست ہے کہ بظاہر مطیع اسلام ہو گئے ہیں۔ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے عرف شرع میں ایمان اور اسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی مراد ہے وہ کیا؟ دل سے اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کی تصدیق کرنا اور احکام شرع کو قبول کرنا۔ اس جگہ اسلمنا کے لغوی معنی مراد ہیں جس لیے ایمان سے جدا سمجھا گیا۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ ایمان اور چیز ہے اور اسلام اور چیز بڑی غلطی ہے۔ اس کے بعد حقیقی ایمان وتقویٰ کا بیان کرتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کہ حقیقی مومن وہ ہیں کہ جو صدق دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور جان ومال اللہ کے لیے صرف کرنے میں دریغ نہیں کرتے یہی سچے ایماندار ہیں۔

دنیاوی غرض سے ایمان لانے والے اپنا ایمان جتلایا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلاتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں ہم سے سلوک کیجئے کچھ دیجئے۔ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ کیوں ایمان جتلاتے ہو تمہارا ایمان خدا کو معلوم ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں اور کیوں احسان جتلاتے ہو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ہدایت دی اگر تم سچے ایماندار ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
قٓ ۚ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ
الْكَافِرُونَ هَٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٢﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۖ ذَٰلِكَ رَجْعٌ
بَعِيدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۖ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿٤﴾
بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ ﴿٥﴾ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا
إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ﴿٦﴾ وَالْأَرْضَ
مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٧﴾
تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ﴿٨﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۙ۝۹ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۙ۝۱۰
رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ۝۱۲ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ۝۱۳ وَّاَصْحٰبُ
الْاَیْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ۝۱۴ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ
بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۠۝۱۵ ع ۱۵

قسم ہے قرآن مجید کی (کہ آپ رسول برحق ہیں) انہوں نے انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں کا ایک خبردار کرنے والا آیا۔ پس کافروں نے کہہ دیا یہ تعجب کی بات ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور خاک ہو گئے پھر زندہ ہوں گے یہ بارِ دیگر زندہ ہونا بعید از عقل ہے۔ جو کچھ مردوں کے جسم میں سے زمین کھاتی اور کم کرتی ہے۔ اور ہمارے پاس تو ایک محفوظ کتاب ہے۔ یہ نہیں بلکہ حق بات کو انہوں نے پہنچ جانے کے بعد جھٹلا دیا۔ سو وہ خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ کس طرح سے ہم نے اس کو بنایا اور آراستہ کیا۔ اور اس میں کوئی بھی شگاف نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں اس کے لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر قسم کی خوش آیند چیز اگائی۔ تاکہ ہر ایک بندہ جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے (اس کو) دیکھے اور یاد کرے اور قدرت پر ایمان لائے۔ اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اتارا پھر اس سے باغ اور کھیتی کا اناج اگایا اور بلند کھجوریں بھی کہ جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کو روزی دینے کے لیے اور اسی پانی سے ہم نے مردہ شہر (خشک زمین) کو تر و تازہ کر دیا۔ اسی طرح قبروں سے نکلنا ہوگا۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کنوئیں والوں نے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کی قوم نے اور بن کے رہنے والوں اور تبع کی قوم نے بھی (جھٹلایا تھا) ہر ایک ہی نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا وعدۂ عذاب قائم ہوا۔ کیا ہم اول بار پیدا کرنے سے تھک گئے جو وہ نئی پیدا کرنے میں شبہ کرتے ہیں۔

ترکیب : من قال ق قسم جعل الواو عاطفة ومن لم یقل بہ کانت الواو للقسم عندہ وجواب القسم عند الکوفیین ھو قولہ بل عجبوا وقال ابن کیسان جوابہ مایلفظ وقال الاخفش محذوف[1] ای لتبعثن یدل علیہ اذامتنا بل عجبوا للاضراب عن الجواب اذا منصوبۃ بما دل علیہ الجواب فوقھم حال من السماء والارض معطوف علی موضع السماء ای وتری الارض مددناھا حال تبصرة مفعول لہ حب الحصید ای حب الزرع الحصید وعند الکوفیین ھو من باب اضافة الشی الی نفسہ کمسجد الجامع وھذا جائز اذا اختلف اللفظان کحق الیقین وحبل الورید ودار الآخرة۔ والنخل معطوف علی الحب بٰسِقٰتٍ حال مقدرة لَهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ حال رزقا مفعول لہ بل ھم ای انھم غیر منکرین لقدرة اللہ علی الخلق الاول بل ھم الخ۔

تفسیر : یہ سورۃ مکیہ ہے جیسا کہ حسن و عکرمہ و جابر و ابن عباس ؓ فرماتے ہیں صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اس سورۃ کو صبح کی اول رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور عید میں بھی پڑھتے تھے اور جمعہ کے خطبہ میں بھی پڑھتے تھے یہاں سے سور مفصلات شروع ہوتی ہیں بعض کہتے ہیں حجرات سے پچھلے سورہ میں انسان کی سعادت کے متعلق بارہ احکام تھے اور احکام کی پابندی اس بات کو ضرور چاہتی ہے کہ اگر مخالفت کریں گے تو سزا ملے گی اور تعمیل پر ثواب و اجر کے مستحق ہوں گے اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ دنیا سزا و جزا کا گھر نہیں کس لیے کہ صد ہا بدکار اخیر عمر تک عیش و کامرانی میں رہے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے لیے ایک اور ہی جگہ ہے اور وہ دارِ آخرت ہے۔ اس لیے اس

[1] عندی انک رسول۔ ۱۲ منہ

سورہ میں حشر کا ذکر کیا گیا اور اس کے امکان پر اس عالم سے چند نظائر پیش کیے گئے جن سے اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمت کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے۔ اور حشر کے مسئلہ سے پہلے نبوت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کس لیے کہ حشر کے ثبوت کے لیے دلائل کے سوا کسی مخبرِ صادق کی شہادت درکار ہے اور مخبرِ صادق یا رسول ہے یا اس کی کتاب جو رسول کی معرفت دنیا میں نازل ہوئی فقال ق والقرآن المجید ق کے معنی میں علماء کے کئی قول ہیں۔

ابن عباس ؓ سے جو روایت ہے کہ ق ایک عظیم الشان پہاڑ ہے اگر یہ تسلیم بھی کر لی جاوے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سورہ میں جو ق ہے اس سے وہ کوہ قاف مراد ہے۔[1] صحیح تر یہی بات ہے کہ یہ حرف ابتداءِ کلام میں کسی خاص رمز کے لیے بولا گیا ہے جس کو اس کا رسول ہی جانتا تھا اور ہوں کو بھی معلوم کرایا گیا ہو تو ممکن ہے۔ فقیر کہتا ہے ق سے اس کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور قہر و جبروت کی طرف بھی جو قاف کی طرح محیط ہے اور تمام ممکنات کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس طرف بھی کہ اس رمز کو قلب والا ہی سمجھتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں یہ قرآن کا ایک نام ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں اللہ کا نام ہے بعض علماء کہتے ہیں یہ کسی کلمہ کا مخفف ہے۔[2]

الحاصل ق سے کسی رمزِ خاص کی طرف اشارہ کر کے قرآن مجید کی قسم کھاتا ہے اور قرآن کو مجید یعنی ذی عزت کہہ کر یہ بات جتلاتا ہے کہ اس کی عزت اس کا مجد اس کی صداقت و منجانب اللہ ہونے کی شہادت دے رہا ہے اور اس کی قسم کھانا بھی یہ بات جتلا رہا ہے کہ کسی پیاری یا محترم چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں جیسا کہ عرب کا دستور تھا۔ پس اس سے ثبوت دیا جاتا ہے کہ یہ جھوٹی کتاب نہیں بلکہ خدا کے نزدیک محترم و محبوب ہے۔ قسم کا جواب ذکر نہیں کیا۔ کس لیے کہ جس چیز کا مخالف انکار کرتے تھے اسی کے ثبوت پر قسم ہے اس بات کو مخاطب سمجھتا تھا اس لیے اس کا ذکر کرنا بے فائدہ تھا۔ اور وہ حضرت ﷺ کی نبوت اور قیامت کا زیادہ انکار کرتے تھے اس لیے پھر انہیں دونوں باتوں کو ثابت کرتا ہے فقال بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ یعنی وہ ایمان کیا نہیں لاتے بلکہ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص کو خدا نے رسول کیونکر بنا دیا جو برے افعال کے نتائج بد سے ڈراتا ہے۔ کفار اس بات کو عجیب بات کہتے تھے۔ یہاں تک مسئلہ نبوت کا ثبوت تھا اور اس کے ضمن میں قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا بھی ثابت کیا گیا اس کے بعد مسئلہ حشر کو شروع کرتا ہے ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ کہ کفار کہتے ہیں کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو پھر جئیں گے یہ بہت دور ہے یعنی ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ کہ ہم کو معلوم ہے زمین جس قدر ان کے جسموں کو کھاتی ہے۔ سدی کہتے ہیں نقص سے مراد اس جگہ موت ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ جس قدر لوگ ان میں سے مرتے ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں ہمارے پاس ایک دفتر ہے جس میں ہر بات ہے اور وہ ہر بات کا محافظ ہے۔ یا وہ دفتر محفوظ ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہونے پاتی۔

غرض یہ کہ ہمارے علم کے احاطہ سے انسان کا جسم مر کر باہر نہیں ہو جاتا اس کے اجزاء کہیں کیوں نہ جاویں ہم کو معلوم ہیں۔ یہاں تک علم ثابت کیا تھا۔ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ سے بَلْدَةً مَّیْتًا تک اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کیا پس جب علم بھی اور قدرت بھی ہے تو پھر بارِ دگر جی اٹھنے میں کیا تعجب ہے؟ بلکہ اس کو حق مان لینا چاہیے اس لیے قدرت ثابت کرنے سے پہلے کفار کو الزام دے کر فرماتا ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ وہ تعجب کیا کرتے ہیں بلکہ حق بات کو جھٹلاتے ہیں جو ان سے بیان کی گئی فَهُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ پس وہ خلجان میں پڑے ہوئے

[1] ق سے قلب محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے جو عرشِ الٰہی اور ہر شے سے محیط ہے جیسا کہ م سے حضرت کی صورت کی طرف اشارہ تھا۔ ۱۲ منہ
[2] ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ق سے جبل قاف مراد لینا اور اس کو ابن عباس ؓ کی روایت کہنا کہ وہ ایک پہاڑ ہے تمام عالم کو محیط ملحدوں اور زندیقوں کی بناوٹ ہے اسلام پر عیب و طعن کرانے کے لیے اس قسم کی انہوں نے بہت سی حدیثیں اور روایتیں بنائی تھیں۔ (حقانی)

ہیں۔ یا غلط خیال میں مبتلا ہیں۔ (مریج مضطرب ملتبس، فاسد)

مخلوقات میں سے اپنی قدرتِ کاملہ ثابت کرنے کے لیے یہ چند دلائل بیان کرتا ہے اول آسمان کی پیدائش اور اس کی ایسی محفوظ و مستحکم بناوٹ اور اس کی ستاروں سے آرائش۔ ومالھامن فروج فرج کی جمع شگاف یا دراڑ۔ آسمانوں کی بابت کئی جگہ ہم بحث کر چکے ہیں کہ جس قدر سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا اثبات مقصود ہے۔ اس کا نہ حکماءِ قدیم کا مذہب مخالف ہے نہ جدید کا۔ اس سے یہ شبہ پیدا کرنا کہ جب آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو تھے آسمان کے اوپر کیوں کر پہنچے اور حضرت الیاس علیہ السلام کس طرح گئے اور جناب خاتم الانبیاء ﷺ شب معراج میں سب کو کیونکر طے کر گئے؟ محض خام خیال ہے کس لیے کہ ان حضرات کا جسم اطہر روحانیت سے مبدل کر دیا گیا تھا جس کے نکل جانے کو جسم مانع نہیں۔ اور شگاف اور چیز ہے صانع کی طرف سے کھڑکی یا دروازہ ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ ابواب السماء آیا ہے پس یہ بھی ممکن ہے کہ ان دروازوں سے گئے ہوں۔

دوم زمین کی بناوٹ اور اس کی وسعت اور اس میں پہاڑوں کا ہونا اور ہر قسم کی جڑی بوٹی مختلف رنگ و مختلف تاثیر کی پیدا کرنا جو صاحبِ بصیرت اور خدا کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے ایک تبصرہ یعنی آئینہ ہے جس میں غور و فکر کی نگاہ کرنے سے وہ خدائے ذوالجلال کی بے انتہاء قدرت و کبریائی کو دیکھ سکتا ہے۔ سوم آسمانوں سے پانی اتارنا اور اس ایک پانی سے باغ اور کھیتیاں اگانا اور بلند بلند کھجور کے درخت پیدا کر دینا جن کے تہ بہ تہ گابھے اور پکے ہوئے پھل لٹکا کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بندوں کو روزی دی جاتی ہے۔ اور اس پانی سے مردہ یعنی خشک شاداب و ہرا ابھرا کر دینا۔ ان دلائل کے بعد فرماتا ہے کذلك الخروج مردوں کا زمین سے پیدا ہونا اور نکلنا بھی اسی طرح سے ہوگا یعنی جس نے اگلے سال کی مردہ جڑی بوٹیوں کو زندہ کر دیا وہ انسانوں کو بھی زندہ کر دے گا کیا جو نباتات پر قادر ہے وہ حیوانات پر قادر نہیں؟ کیا مرے ہوئے انسان اس کے احاطۂ قدرتِ کاملہ سے باہر ہیں؟ ہرگز نہیں حشر کا مسئلہ ثابت کر کے یہ بات جتلاتا ہے کہ اس مسئلہ کا انکار نئی بات نہیں ہے ان قریش سے پہلے بھی بہت سی قومیں جن کو قوائے بہیمیہ و شہوانیہ کے ظلمات و حجابات نے اندھا کر دیا تھا اس کے منکر تھے کیونکہ ان کی کوتاہ نظر میں اسی عالم کے تجملات تھے اور یہ طبعی بات ہے۔ ملزم و مجرم بوقتِ ارتکاب جرم عدالت کے ذکر سے بھی نفرت کرتا ہے۔ پھر ان نام آور قوموں کے نام گنواتا ہے فقال کذبت قبلھم قوم نوح کہ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا تھا اور اصحاب الرس نے اصحاب الرس کی تحقیق صراح میں ہے رس چاہ سنگ برآوردہ و نام چاہ بقیہ ثمود و نام وادی و نام آبے و چاہ کندن پختہ کنوئیں کو رس کہتے ہیں۔ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جن کے ہاں ایک پختہ کنواں تھا جس سے وہ مواشی کو پانی پلاتے تھے پیغمبر کی نافرمانی اور اپنی بدکرداری سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں قوم ثمود مراد ہے ان کے ہاں بھی ایک بڑا عمیق پختہ کنواں تھا بعض کہتے ہیں ایک اور قوم اس وادی رس میں تھی۔ وثمود وعاد و فرعون واخوان لوط یعنی لوط علیہ السلام کی قوم جو شام میں جھیل مردار کے کنارے رہتے تھے و اصحاب الایکۃ اور ایکہ والے۔ ایکہ بن کو کہتے ہیں یہ قوم جہاں تھی وہاں درختوں کے بڑے جھنڈ تھے ان کے نبی بھی حضرت شعیب علیہ السلام تھے و قوم تبع اور تبع حمیری کی قوم۔ تبع مذکور ایک نبی یا با خدا شخص تھا یمن میں۔ فرماتا ہے کل کذب الرسل ہر ایک نے اپنے اپنے رسول کو جھٹلایا حشر کے بارہ میں اور توحید و دیگر امور میں فحق وعید۔ پس ان پر ہمارا عذاب ثابت ہو گیا ہر ایک برباد و ہلاک ہوا اس کے بعد پھر اصل مسئلہ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ افعیینا بالخلق الاول کہ کیا ہم اول بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں پھر کیوں وہ بارِ دگر پیدا کرنے میں شبہ کرتے ہیں جو ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ اس کو مٹا کر بارِ دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ
حَبْلِ الْوَرِیْدِ ⑯ اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ⑰

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ⑱ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ
بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ⑲

اور البتہ ہم نے انسان کو بنایا اور ہم جانتے ہیں جو کچھ اس کے دل میں باتیں آتی ہیں اور ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ تر اس کے نزدیک ہیں جبکہ دو پہرے دار اس کے دائیں اور اس کے بائیں آبیٹھتے ہیں جو کچھ وہ بولتا ہے تو اس کے پاس ہوشیار محافظ لکھنے کے لیے تیار موجود رہتا ہے اور موت کی بیہوشی حق کو لا کر رہے گی (کہا جائے گا) یہی تو وہ ہے کہ جس سے تو بھاگتا تھا۔

ترکیب : ونعلم حال مقدرۃ بتقدیر نحن ویجوزان یکون مستانفا، والضمیر فی بہ یرجع الی ما ان جعلت موصولۃ والباء زائدۃ کمافی قولہ صوت بکذا والتعدیۃ او یرجع الی الانسان ان جعلت مامصدریۃ۔ والباء للتعدیۃ۔ والوسوسۃ الصوت الخفی والمراد بھاھھنا ما تختلج فی قلبہ اذ مقدر باذکر او متعلق باقرب او بنعلم قعید فعیل یطلق علی الواحد والمتعدد۔ مبتدء عن الیمین من اشتمال خبرہ۔ بالحق حال او مفعول۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیان سابق کا۔ انسان کے حال سے اب اپنے بے انتہا علم و قدرت پر دلیل لاتا ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے آسمانوں و زمین کو ایک جگہ اور ان کے مقابلہ میں دوسری جگہ اس کو ذکر کیا۔ اور در حقیقت انسان خدائے لایزال کی بے انتہا قدرتوں کا ایک بڑا خزانہ ہے اگر یہ اپنے حالات میں غور کرے تو اس کو بیشمار دلائل صاف صاف یہ کہہ دیں گے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور اس کا علم بے انتہا ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے نہ کسی اور نے نہ یہ آپ سے آپ پیدا ہو گیا یہ ہماری قدرت دیکھو وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ اور ہم اس کے دلی ارادوں اور خطرات سے بھی واقف ہیں یہ ہمارا علم دیکھو۔ اور ہم کو اس کے خطرات پر کیوں علم نہ ہو۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور ہم انسان سے اس کی رگِ گردن سے بھی قریب تر ہیں۔ حبل رسی سے مراد رگ، ورید خاص رگ کا نام ہے گلے کی رگ جس کو شاہ رگ کہتے ہیں وہ دو رگیں ہیں جو سر سے آتی ہیں اور اس کے گردن کے اگلے رخ کو گھیرتی ہیں دل کی رگ سے جا ملتی ہیں جن کے کٹنے سے مر جاتا ہے۔ پس یہ اضافت حبل کی ورید کی طرف اضافہ بیانیہ ہے خدا تعالیٰ علت العلل ہے علت کو اپنے معلول کا علمِ حضوری ہے اس لیے وہ شاہ رگ سے بھی قریب ہے کیونکہ ورید کو تو اجزاءِ لحمیہ حاجب ہیں خدا کا قرب مکانی قرب نہیں بلکہ ذاتی ہے کیونکہ انسان اس کے وجودِ اصلی کا ایک ظل ہے اور اس کے وجودِ مطلق کا تعین۔ وہ اس کے ساتھ حلول و اتصالِ صوری سے اقرب نہیں اور نہ اتحاد سے۔ ابن کثیر کہتے ہیں نحن اقرب سے مراد یہ ہے کہ ہمارے فرشتے اس کی رگِ گردن سے بھی قریب ہیں کیونکہ ان کا تعلق قلب سے ہے اور وہ ملہم ہیں [1] اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے اذ یتلقی المتلقیان جبکہ دو ملنے والے انسان کے دائیں بائیں سے آتے اور ملتے ہیں اور اس کی دونوں طرف آبیٹھتے ہیں یعنی ہم تو اس کے خطرات کو جانتے ہیں اور دو شخص بھی اس کے دونوں طرف لکھنے والے بیٹھے ہیں اس پر حجت قائم کرنے کے لیے جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں سے دو فرشتے دائیں طرف اور بدی کا لکھنے والا بائیں طرف بیٹھا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے صبح ہوتے ہی چلے جاتے ہیں صبح کو دن کے اعمال لکھنے والے آتے ہیں پھر بدلتا رہتا ہے یہ ہیں یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ کے معنی۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ جو بات انسان منہ سے نکالتا ہے ان میں سے ایک اس کو لکھ لیتا ہے نیک ہے تو دائیں طرف والا بد ہے تو بائیں طرف والا جو اس کا رقیب یعنی محافظ اور عَتِیْدٌ یعنی اس کام کے لیے مہیا و تیار ہے اس سے معلوم ہوا کہ دل کے خطرات نہیں لکھتے صحیحین میں

[1] کیا خوب کہا ہے سعدی نے اس قرب کے معنی میں ؎ یار نزدیک تر از من بمن است۔ وین عجب تر کہ من ازوے دورم۔ ۱۲

ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خطرات معاف کر دیے جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل میں نہ لائیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ وہی الفاظ و اعمال لکھتے ہیں جن میں ثواب و عذاب ہے پانی پلانا' کھانا کھلانا' ان باتوں کو نہیں لکھتے مگر الفاظ آیت میں عموم ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿٢٥﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾ ع

اور صور پھونکا جاوے گا، یہی وعدہ کا دن اور ہر ایک شخص حساب کے لیے آوے گا، اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا، دربار میں اس سے کہا جاوے گا تو اس سے غافل تھا۔ پس ہم نے تیرا پردہ اٹھا دیا، پھر آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے (کراماً کاتبین) عرض کریں گے کہ اس کے اعمال کا یہ دفتر ہمارے پاس موجود ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوگا۔ ہر ایک کافر سرکش خیر سے روکنے والے حد سے بڑھنے والے شک کرنے والے کو کہ جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود ٹھہرایا جہنم میں ڈال دو، پھر اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا مصاحب (شیطانی) کہے گا اے خدا! ہم نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ فرمائے گا میرے پاس جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی سے خبردار کر چکا ہوں، میرے ہاں بات نہیں بدلتی اور میں بندوں پر ظلم بھی نہیں کرتا۔

ترکیب : مالدی ان جعلت ما موصوفۃ فعتید صفتھا وان جعلت موصولۃ فہد لھا او خبر بعد خبر او خبر محذوف الذی جعل مبتداء متضمن معنی الشرط فالقیاہ خبرہ او بدل من کل کفار۔

تفسیر : علامہ محی الدین ابن العربی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دائیں طرف بیٹھنے والے سے مراد اس کی وہ قوت ہے جو اس کو نیک اعمال پر آمادہ کرتی ہے اور بائیں طرف والے سے مراد وہ قوت جو شر کی طرف برانگیختہ کرتی ہے۔ یہ خدا کی طرف کے دو موکل ہیں جو ہر روز ملتے ہیں، یعنی ان کا مقابلہ رہتا ہے اور ان دونوں قوتوں سے جو جو خطرات اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کو ہم جانتے ہیں، کیونکہ اُس کی رگ گردن تو اُس کے دل سے دور ہے اور ہمارا اُس کے دل سے تعلق ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں تک تو انسان کی حالتِ دُنیاوی کا بیان تھا، اب یہ ایک اور عالم میں جاتا ہے۔ یہ عالم تو اُس کی ایک منزل یا ایک شب باش کی مہمان سرائے تھی یا اُس کی تجارت کا بازار تھا، اب جو کچھ کیا تھا اس کا پشتارا یا سہارا اُس کے ساتھ ہے اور اب یہ اور جگہ چلے وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور موت جو برحق ہے جس میں کسی کو بھی کلام وشبہ نہیں، اُس کی بے ہوشی طاری ہوئی اور موت کے غش نے اُس کو

حق دکھا دیا جن باتوں میں شبہ کرتا تھا اب اُس کو آنکھ سے دکھائی دینے لگے۔ ادھر سے آنکھوں پر پردہ پڑا دوسرا عالم اس پر منکشف ہوا۔ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ یہ وہ چیز ہے کہ اے انسان! اس سے تو بڑا ناخوش ہوتا تھا اور بھاگتا پھرتا تھا۔ دُنیا سے اُٹھ گیا اور وہ دوسرے عالم میں پہنچا ایک مدت تک وہاں رہا۔ پھر حشر کا دن شروع ہوتا ہے، جو ظہور کلی ہے۔ فقال وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور صور پھونکا جاوے گا، یہ وہ دن مقرر ہے وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ یہاں سے لے کر لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ تک نیکوں اور بدوں کا انجام جنت وجہنم بیان فرماتا ہے۔ سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ انسان کی ابتداء اور انتہا اور اُس کے اعمال کا نتیجہ اور موت کی کیفیت اور حشر کا حال بیان فرما دیا اور انسان کے حالات سے حشر کے امکان پر دلائل قائم کرنے میں کلام شروع ہوا تھا۔ یہ بلاغت طاقت بشریہ سے باہر ہے۔

اب ہم الفاظ آیات کی شرح کرتے ہیں، سائق ہانکنے والا شہید گواہ ضحاک کہتے ہیں۔ سائق فرشتہ اور گواہ انسان کے ہاتھ پاؤں فرشتہ اُس کو کھینچ کر عدالت میں لے جائے گا۔ حسن وقتادہ کہتے ہیں دونوں فرشتے ہوں گے، بعض عرفاء کہتے ہیں۔ سائق دو قسم کے ہوں گے۔ اگر نیک ہے تو اُس کا سائق شوق وجذبہ ہے جو اُس کو حضرت کبریائی میں لے جائے گا اور بد ہے تو اُس کی غفلت ونحوست جو اُس کو مورد عتاب میں کشاں کشاں لے جائے گی اور شہید اُس کی حالت دربار میں کہا جائے گا۔ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا کہ تو اس سے غافل تھا سو آج تیری آنکھیں کھلیں۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ اب حساب شروع ہوتا ہے۔ انسان کا مصاحب وہی فرشتہ جو اُس کی نیکی اور بدی لکھنے کے لیے مقرر ہوا تھا، یہ عرض کرے گا میرے پاس اُس کے اعمال کا یہ ذخیرہ اور دفتر حاضر ہے۔ قرین جنس ہے، ایک کو بھی شامل ہے اور دو کو بھی مگر مراد اسی جگہ وہی دو فرشتے ہیں۔ نیکی بدی لکھنے والے اُن کو کبھی جنس کے لحاظ سے مفرد صیغوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، کبھی تثنیہ سے۔

حکم ہوگا۔ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۔ القیا کے صیغہ میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں۔ تثنیہ کا صیغہ ہے، یعنی دو فرشتوں کو حکم ہوگا، وہ دو فرشتے یا وہی نیکی بدی لکھنے والے ہیں کہ اس کافر سرکش کو جہنم میں ڈال دو یا، وہ فرشتے جہنم کے داروغہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں، یہ مفرد کا صیغہ القین تھا نون تاکید کو الف سے بدل لیا جیسا کہ قِفْ کو قِفَا کر لیا کرتے ہیں۔ تب ایک فرشتہ کو خطاب ہے جو اسی کام پر متعین ہے، جن کو جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا، ان کے یہ اوصاف ہیں۔ کفار ہر کافر عنید سرکش مناع للخیر نیک بات سے اوروں کو بھی روکنے والا معتد ظالم مریب خدا تعالیٰ کی باتوں میں شک کرنے والا الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ خدائی میں اوروں کو شریک سمجھنے والا جس میں یہ اوصاف بد ہیں، وہی جہنمی ہے انسان کو ان اوصاف سے بچنا چاہیے۔

اس کے بعد اس کے مضل یعنی بہکانے والے ساتھی شیطان کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس کو ذکر کرتا ہے، قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ اس کا قرین یعنی ساتھی جس سے مراد شیطان ہے۔ یہ عذر کرے گا کہ الٰہی میں نے تو اس کو گمراہ نہیں کیا تھا، یہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ وہ مردود اپنی برأت کرے گا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ میرے روبرو جھگڑا نہ کرو، میں رسولوں کی معرفت تم کو سزا پہلے سنا چکا ہوں کہ نافرمانیوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اس میں شیطان کچھ باتیں بنائے گا اور اس کے درجواب کافر و گمراہ جھوٹے عذرات پیش کرے گا کہ اس نے مجھے یوں کہا تھا، یعنی میرے دل میں یہ باتیں ڈالی تھیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ میرے سامنے بات نہیں بدل سکتی، یعنی جھوٹی بات نہیں چلتی کہ بدل کر کوئی کچھ کہے اور میں اس کے بدلنے کو مان لوں۔ وما انا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور نہ میں کسی بندہ پر ظلم کرتا ہوں، ظلام اسی جگہ بمعنی ظالم ہے، اس سے یہ بات نکالنا کہ بڑا ظالم نہیں، کیونکہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تھوڑا ظالم ہے۔ غلط خیال ہے، اس کا مفہوم مخالف نہیں۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ
الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ
هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾

جس دن کہ ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر چکی اور وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے اور پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب لائی جاوے گی کچھ دور نہ ہوگی (کہا جائے گا) یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر ایک رجوع کرنے والے حکم الٰہی کو یاد رکھنے والے کے لیے (اور) جو کوئی اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا، اس کے لیے حکم ہوگا کہ سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کو وہاں جو چاہیں گے ملے گا اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے اور ان سے پہلے ہم بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو ان سے بھی زیادہ طاقتور تھے۔ پھر (عذاب کے وقت) شہروں میں دوڑتے پھرنے لگے کہ کوئی پناہ کی بھی جگہ ہو۔ البتہ اس میں نصیحت ہے اس کے لیے کہ جس کے دل ہو یا وہ دھیان دھر کر کان لگاوے۔

تفسیر : جب دوزخیوں کو دوزخ میں ڈال چکے گا تو دوزخ سے پوچھے گا، هل امتلئت کیا تو بھر گئی، وہ کہے گی اور کچھ ہے؟ یعنی اور بھی ہو تو لائیے بخاری و مسلم ترمذی وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جہنم ہل من مزید ہل من مزید کہے گی، یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا پاؤں رکھ دے گا تو کہے گی۔ بس بس۔ قدم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ خود اس کی اشتہاء کو فرو کر دے، یہ ایک محاورہ کی بات ہے۔ یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا، اب جنتیوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ کہ پرہیزگاروں کے سامنے جنت لائی جاوے گی، جس کو وہ عرصات میں آنکھوں سے سامنے دیکھیں گے، فرمایا جاوے گا یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور یہ کس کے لیے ہے؟ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ یہ ہر ایک رجوع کرنے والے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرے اور احکام الٰہی کی محافظت کرے اور غائبانہ اللہ سے ڈرے اور خالص دل نیاز مند اللہ کی طرف رکھے۔ حکم ہوگا ان نیک بندوں کو اس میں داخل کرو، ہمیشہ سلامتی سے اس میں رہیں گے۔ ان کے بدلہ اعمال کے سوا ہم اپنی طرف سے ان کو اور بہت کچھ دیں گے۔ اس ذکر کو تمام کر کے پھر کفار مکہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی جماعتیں اور زمانے کے لوگ ہلاک کر دیے جو ملک میں پھیلے ہوئے تھے، پھر بتاؤ کہ ان کے لیے کہیں بھاگنے اور بچنے کی جگہ بھی ملی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس میں اہل دل کے لیے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا
مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ
ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ
تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾ ع ۱۶

اور البتہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو چھ روز میں بنایا اور ہم کو کچھ بھی تکان نہ ہوئی۔ پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور پاکیزگی بیان کر اپنے رب کی تعریف کے ساتھ دن نکلنے سے پہلے اور دن چھپنے سے پہلے اور کچھ رات سے بھی اس کی تسبیح کیا کرو اور نماز کے بعد بھی اور سن رکھو جس روز کہ پکارنے والا پاس سے پکارے گا۔ جس روز کہ وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے، یہ دن ہوگا قبروں سے نکلنے کا، ہم زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہمارے پاس ہی پھر کر آنا ہے۔ جس دن کہ زمین پھٹ کر لوگ دوڑتے ہوئے نکل آئیں گے یہ لوگوں کا جمع کرنا ہم کو بہت آسان ہے، ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر کچھ زبردستی کرنے والے نہیں۔ پھر آپ قرآن سے اس کو سمجھاؤ جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے۔

ترکیب : من لغوب من زائدة لغوب تعب واعياء يقال لعب يلعب بالضم لغوبا من الليل اى بعض الليل فانه مفعول لفعل مضمر معطوف على سبح بحمد ربك يفسره فسبحه و من للتبعيض۔ ادبار السجود اى سبحه اعقاب الصلوٰة قرء الجمهور بفتح الهمزة جمع دبر و دبر و قرئ بكسرها على المصدر من ادبر الشى ادبارا۔ فهى ظرف لسبحه۔ يوم يسمعون بدل من يوم ينادى يوم تشقق ظرف للضمير او بدل من يوم الاول سراعا حال اى يخرجون مسرعين۔

تفسیر : مسئلہ معاد کو تمام کر کے جس طرح کہ اس سے پہلے اس پر دلائل بیان کئے تھے، اسی طرح بعد میں دلیل ایک نئی طرز سے بیان کرتا ہے اور اس میں ابتداء آفرینش عالم کا حال بتا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس جہان کو ہم نے چھ روز میں پیدا کیا تھا جس کی ہزاروں برس کی عمر ہے، پھر اس کو ہم یوں فنا کر دیں گے اور پھر یوں باردگر بنا دیں گے۔ فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ کہ ہم نے نہ کہ کسی اور نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی سب چیزوں کو چھ روز میں پیدا کیا تھا اور ہم کو اس پیدا کرنے میں کوئی تکان و ماندگی نہ ہوئی تھی، اس کی مفصل کیفیت ہم بیان کر آئے ہیں اور یوم سے مراد وقت ہے نہ دن کیونکہ ابھی سورج تو پیدا ہوا ہی نہ تھا، پھر دن جو سورج کے طلوع و غروب سے ہوتا ہے کہاں سے ہو گیا تھا؟ یوم بول کر وقت مراد لینا عرب کا محاورہ ہے اور جملہ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ میں یہود کے خیال باطل کا رد ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہفتہ کے روز ان سب چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد خدا نے آرام کیا، چنانچہ یہود کی کتاب الخروج کے بیسویں باب کے گیارہویں ورس میں یہ ہے۔ قولہ "کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے، بنایا اور ساتویں دن آرام کیا"۔ انتہی پھر جس نے بغیر تکان کے ان سب چیزوں کو ایک بار پیدا کر دیا، کیا وہ باردگر پیدا نہیں کر سکتا؟ کر سکتا ہے، اس میں ان کا بھی رد ہے جو عالم کو قدیم کہتے ہیں اور قدیم ہونے کے سبب اس کو قابل فنا نہیں کہتے، یعنی یہ عالم فنا نہ ہوگا، پھر جب فنا نہیں تو باردگر پیدا کرنا اور حشر کیسا؟ یہ حکماء یونان و حکماء ہند کا قول ہے۔

اس یقینی مسئلہ کے خلاف میں مخالفین بھی طرح طرح کی حجتیں اور ان کے درمیان تکذیب و سخت گوئی بھی کرتے تھے جس سے جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج پہنچتا تھا اور ممکن تھا کہ ان کے جواب میں کوئی سخت بات آپ سے سرزد ہو جو منصب نصیحت کے خلاف

ل واستمع يوم ينادى المنادى فيه ثلاثة اوجه احدها ان يترك مفعول راسا و يكون المقصود كن مستمعا ثانيها استمع لما يوحى اليك و ثالثها استمع للمنادى فعلى الاول العامل فى يوم ما يدل عليه قوله يوم الخروج تقديره يخرجون يوم ينادى المنادى۔ ۱۲ منہ

تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ کہ آپ اُن کی باتوں پر صبر کریں اور یہ بھی ہے کہ ایسی ناملائم باتیں سننے سے دل کو رنج اور آئینۂ صافی پر کدورت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے یادِ الٰہی کا اوقاتِ مخصوصہ میں حکم دیتا ہے۔ یادِ الٰہی رنج و ہموم اور کدورات کو دُور کر دیتی ہے اور روح پر نورانیت چمکنے لگتی ہے۔ فقال وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ مفسرین کے سبح کے لفظ میں کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ سبح کے لفظی معنی تو تسبیح کرنا یعنی سبحان اللہ کہنا ہے مگر اس سے مراد نماز پڑھنا ہے، کیونکہ نماز میں تسبیح بھی ہوتی ہے اور ایک جزء سے کل کو خصوصاً نماز کو تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ رکوع اور سجدہ سے، پھر اس میں کلام ہے کہ کون سی نماز؟ اکثر کہتے ہیں، فرائض، قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد فجر کی نماز اور قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے عصر و ظہر کی نماز اور مِنَ الَّیْلِ سے تہجد کی نماز جو حضرت پر فرض تھی اور عشاء اور مغرب کی نماز کیونکہ یہ تینوں رات میں ادا کی جاتی ہیں۔ مِنَ الَّیْلِ کا لفظ تینوں کو شامل ہے اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے نوافل مراد ہیں جو فرض نماز کے بعد ادا کیے جاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ادبار النجوم و ادبار السجود کے معنی دریافت کیے۔ فرمایا ادبار السجود سے مراد وہ دو رکعت ہیں، جو مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور ادبار النجوم سے مراد نماز صبح سے پہلے کی دو رکعت (رواہ مسدد فی مسندہ وابن المنذر وابن مردویہ) اور اسی کے موافق ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو ترمذی و حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہی قول عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ بعض نوافل مراد لیتے ہیں۔ مجاہد و دیگر علماء فرماتے ہیں کہ سبح سے مراد سبحان اللہ بحمدہ کہنا ہے۔ نمازوں کے بعد جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ کہے اور اسی قدر الحمد للہ کہے اور اسی قدر اللہ اکبر اور اخیر میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ کہے تو اُس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے، اگرچہ دریا کے کف کے برابر کیوں نہ ہوں۔

اس کے بعد مسئلۂ حشر کا ذکر کرتا ہے اور اُس کا آنا یقین بتاتا ہے کہ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب تو اُس آواز دینے والے کی آواز کا منتظر رہ جس دن کہ وہ بہت پاس سے پکارے گا، جس دن کہ چیخ کی آواز سنیں گے۔ یہ ہے قبروں سے باہر نکلنے کا دن۔ گویا وہ دن یقینی آنے والا ہے اور آپ اُس کے منتظر رہیں۔ یہ سن کر گو اس میں شک کر رہے ہیں، اس آواز سے مراد نفخ صور کی آواز ہے۔ صور میں پھونکنا ندا دینا ہے، کبھی ندا و زبان سے دی جاتی ہے کبھی کسی آلہ سے اور اسی کو چیخ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں، اسرافیل صور پھونکیں گے۔ ایک بار تمام مخلوق فنا ہو جاوے گی۔ پھر دوسرے صور سے مخلوق بار دگر موجود ہوگی، اس کے بعد حساب کے لیے جبرئیل یا کوئی اور فرشتہ آواز دے گا۔ گویا یہ آواز ایسی یقینا ہونے والی ہے کہ اے نبی یا اے مخاطب! تو اس کی طرف کان لگا رکھ، پھر فرماتا ہے۔ نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ کہ دُنیا میں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف پھر کر آنا ہے۔ یعنی یہ ایک سفر (جس کی ابتداء ہمارے ہاں سے ہوئی اور دُنیا ایک منزل تھی، پھر وہاں سے کوچ کر کے اس جگہ آنا ہے) ہمارے ارادہ سے ہے، اس لیے حشر و قیامت کا ہونا ضروری ہے۔ یادلیل اور واقعہ کو بیان کر کے اس کا اعادہ ہے۔ بطور نتیجہ کے ہم زندہ کریں گے بار دگر اور ہم دُنیا میں مردہ کرتے ہیں اور حشر میں سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور وہ کون سا دن ہے۔ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا جس دن کہ زمین پھٹے اور لوگ اس میں سے جلد نکل آویں۔ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ یہ حشر ہم پر کچھ مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔

حشر و نشر بیان کرنے کے بعد کفار انکار کرتے تھے جس سے حضرت ﷺ کا دل آزردہ ہوتا تھا اس لیے آپ کو تسلی دیتا ہے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ کہ ہم کو معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اے محمد (ﷺ) تمہارا کام پہنچانے کا تھا۔ پہنچا دیا،

(49/49)

آپ ان پر جبر کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ اُن کو اس کے ماننے پر خواہ مخواہ مجبور کریں۔ آپ کا کام نصیحت کرنے کا ہے۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ جو میری سزا سے ڈرے اُس کو قرآن کے ہدایت افزا مضامین سے نصیحت کرو، جو نہیں مانتے نہ مانیں۔ وعید اصل میں وعیدی تھا، حالت وقف میں ی کو حذف کر دیا، کسرہ اس کی جگہ باقی رہ گیا۔ سورہ کے اول میں بھی قرآن کا ذکر تھا۔ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ آخر میں بھی اس کا ذکر آیا تا کہ اول و آخر کل کر مضامین کا احاطہ کر کے قِ مجید کی صورت پیدا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسِّمٰتِ
اَمْرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ
الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝۹ قُتِلَ
الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲
يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۱۵ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝۱۶ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝۱۷
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۱۸ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹

قسم ہے اڑانے والی ہواؤں کی پھر بوجھ اٹھانے والوں کی پھر نرم نرم چلنے والوں کی پھر حکم سے ایک چیز کو بانٹ دینے والوں کی، بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور اعمال کی جزا و سزا تو ہو کر رہے گی اور قسم ہے آسمان کی جس میں ستاروں کے سبب رستے نمودار ہیں، البتہ تم بیہودہ بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن سے تو وہی روکا جاتا ہے جو ازل سے برگشتہ ہو، اٹکل پچو باتیں بنانے والے غارت ہوں، وہ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں فیصلہ کا دن کب ہوگا، جس دن کہ وہ آگ پر بھونے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا، اپنی شرارت کا مزہ چکھو، یہ وہی تو ہے جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے، البتہ پرہیزگار باغوں اور چشموں میں جو کچھ ان کو ان کا رب دے گا اس کو لے رہے ہوں گے کیونکہ وہ اس سے پہلے نیک تھے (عبادت کے سبب) رات میں بہت ہی کم سویا کرتے تھے اور صبح کو معافی مانگا کرتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل اور محتاج کا بھی حصہ لگا ہوا تھا۔

ترکیب : والذاریات الواو للقسم ذروا منصوب علی انہ مصدر۔ یقال ذرت الریح التراب تذروہ ذروا و اذرتہ تذریہ ذریا۔ فالحاملات عطف علی الذاریات وقس علیھا البواقی۔ و قرا وقرا ما الجمہور بکسر الواو وھو اسم اقیم مقام المصدر کما یقال ضربہ سوطا۔ او مفعول بہ کما یقال حمل فلان عدلا ثقیلا (کبیر) وقری بفتح الواو وعلی انہ مصدر یسرا منصوب علی انہ صفۃ مصدر تقدیرہ جریا ذا یسر امرا منصوب علی انہ مفعول بہ کما یقال فلان قسم الرزق او حال اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ جواب القسم و ما مصدریۃ او موصولۃ یوفک عنہ الضمیر الرسول ﷺ او القرآن او الایمان۔ یوم ھم منصوب علی الظرف فیہ والناصب یقع۔ وقیل موضعہ رفع ھم مبتدہ یفتنون خبرہ۔ آخذین حال مَا يَهْجَعُوْنَ خبر كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ ظرف ای فی

قلیل من اللیل۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکیہ ہے۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ اس میں بیشتر امہات المقاصد و اہم المسائل حشر و توحید و نبوت مذکور ہیں۔

سورہ ق میں دلائل سے حشر کا اثبات کیا تھا، مگر جہلا کی عادت ہے کہ وہ دلائل میں غور نہیں کرتے، پھر ان کے یقین دلانے کے جو طرز ہیں اسی طور پر ان سے کلام کیا جاتا ہے۔ عرب میں گو صدہا عیب تھے، مگر ایک یہ ہنر بھی تھا کہ وہ جھوٹ بولنے کو اور خصوصاً قسم کھا کر جھوٹ بولنے کو بہت برا سمجھتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے برباد ہو جاتا ہے، اس لیے قسم کھا کر بات کہنے سے ان کو یقین آ جاتا تھا، اس لیے ان مسائل کا خدا تعالیٰ ان چند چیزوں کی قسم کھا کر حق ہونا بیان فرماتا ہے اور قسم بھی ان چیزوں کی کھائی جو بجائے خود ایک ایک اثباتِ حشر کے لیے برہانِ قاطع ہو۔ فقال وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا کہ ان چار چیزوں کی قسم ہے۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ سچ ہے اور جزاء و سزا کا دن یعنی قیامت کا ضرور آنے والا ہے۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ چار چیزیں کیا ہیں؟ بعض کہتے ہیں چاروں سے ایک ہی چیز اس کے صفاتِ مختلفہ کے لحاظ سے مراد ہے، پھر اس میں بھی دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں سب سے ہوائیں مراد ہیں۔ ذاریات وہ ہوائیں جو غبار اڑاتی ہیں، جن سے اخیر میں بادل پیدا ہوتے ہیں اور حاملات و قرا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو لیے پھرتی ہیں، جو پانی کے خزانے ہیں اور اسی لیے بادلوں کو بوجھل کہا گیا اور الجاریات یسرا سے بھی وہ ہوائیں مراد ہیں جو پانی برسنے کے وقت نرم نرم چلا کرتی ہیں۔ المقسمات امرا سے بھی مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو برسنے کے بعد ادھر ادھر لے جا کر پانی تقسیم کر دیتی ہیں، ان ہواؤں کی قسم کھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظامِ عالم جس نے ان سے اس طرح مربوط کیا ہے جو عقل میں نہیں آتا (کہ ہوائیں اجزاءِ ارضیہ کو بکھیرتی ہیں اور پھر وہی جو سماء میں جمع کرتی ہیں۔ بادلوں کو پھر وہی نرم نرم چل کر موقع پر پہنچاتی ہیں۔ پھر وہی تفریق کرتی ہیں) وہ انسان کے اجزاءِ متفرقہ جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔

بعض کہتے ہیں سب سے ملائکہ مراد ہیں جو ان خدمات پر مامور ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے ان چاروں سے چار جدا جدا چیزیں مراد ہیں۔ جن سے انتظامِ عالم مربوط ہے۔ ذاریات سے مراد ہوائیں حاملات وقرا سے مراد بادل، جاریات یسرا سے مراد کشتیاں جو دریا میں نرم نرم چلا کرتی ہیں۔ مقسمات امرا سے مراد ملائکہ ہیں۔ اس کے بعد کرۂ ارضی اور جمیع عناصر کو جو چیز محیط ہے اس کی قسم کھا کر ایک اور بات بیان فرماتا ہے۔ والسماء ذات الحبك حبك حبيكة کی جمع ہے جس کے معنی طریق کے ہیں۔ قوی تر یہ ہے کہ آسمانوں میں جو ستاروں سے مختلف راہیں سی نظر آیا کرتی ہیں، وہ حبک ہیں۔ جال سے پڑے ہوئے دکھائی دیا کرتے ہیں کہ ایسے آسمان کی قسم اے کفار تم خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہو، تم میں سے کوئی محمد (ﷺ) کو شاعر کہتا ہے، کوئی ساحر کوئی کاہن، کوئی دیوانہ جس طرح آسمان میں ستاروں سے مختلف رستے اور جال نظر آتے ہیں، اس طرح تمہاری باتیں مختلف ہیں۔ یہ لطیفہ ہے۔ ذَاتِ الْحُبُكِ کہنے میں تمہارا یہ اختلاف ثابت کرتا ہے کہ تم کو کسی بات کا یقین نہیں۔ تمہاری تخمینی باتیں ہیں جو اوہامِ فاسدہ پر مبنی ہیں، پھر فرماتا ہے۔ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ قرآن یا نبی سے وہی شبہ کرتا ہے، جس کو ازلی تقدیر نے شبہ کے ظلمات میں ڈال رکھا ہے۔ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ۔ خرص کھجور کے اوپر کے چھواروں کا اندازہ کرنا کہ اتنے من ہوں گے۔ اس جگہ مراد ہے۔ اٹکلیں دوڑانا۔ ابن الانباری کہتے ہیں جب قتل کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیا جاوے تو اس کے معنی ہوں گے لعنت کے غمرہ غفلت۔ فرماتا ہے کہ ان اٹکل دوڑانے والوں پر لعنت ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور پوچھتے ہیں۔ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ کب ہے۔ روز جزا؟ بطور تمسخر کے، اب آپ ہی بتاتا ہے۔ يَوْمَ هُمْ

علی النار یفتنون کہ وہ دن ہے کہ جس روز وہ آگ میں جلائے جاویں گے اور ان سے کہا جائے گا۔ ذوقوا فتنتکم ھذا الذی کنتم بہ تستعجلون اپنے عذاب کو چکھو یہ ہے وہ کہ جس کی تم دنیا میں جلدی کیا کرتے تھے۔

حشر کے برحق ہونے پر قسم کھا کر وہاں جو کچھ بدوں خصوصاً منکرین حشر کا حال ہوگا۔ اس کو یہاں تک بیان فرمایا، اب نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ کہ پرہیزگار لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے کہ جن میں چشمے جاری ہیں، اپنے رب کی نعمتیں حاصل کریں گے، پھر اس کا سبب بیان فرماتا ہے کہ کس وجہ سے وہ اس سعادت کے مستحق ہوئے؟ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ کہ وہ اس سے پہلے یعنی دنیا میں نیک تھے۔ احسان بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر ایک قسم کی نیکی کو شامل ہے۔ ایمان سے لے کر اعمالِ صالحہ تک اور اللہ کی عبادت اور بندوں کے ساتھ بھلائی کرنے تک۔ اب قدرے ان کی نیکی کی شرح بھی کرتا ہے۔ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (الہجوع النوم باللیل) یعنی رات کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے، اس لیے بہت کم سوتے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ رات بھر تو یہ کام کرتے تھے۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ صبح کو خدا سے اپنے قصورِ عبادت کی بابت معافی مانگتے تھے، رات کی عبادت سے غرور نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر بھی اپنے کو خطاوار سمجھتے تھے۔ بندگی اس عجز و نیاز کا نام ہے۔ یہ تو تعظیم امر اللہ تھی اور خلق اللہ کے ساتھ ان کا یہ حال تھا۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کہ ان کے مال میں سائل کا بھی حصہ تھا اور نہ مانگنے والے کا بھی یعنی سب کو اللہ دیا کرتے تھے۔ محروم کے معنی ہیں ممنوع کے یہ لفظ عام ہے نہ سوال کرنے والے کو بھی اور آفت رسیدہ کو بھی اور اپاہج کو بھی اور جس کا کچھ حق نہیں اس کو بھی شامل ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝٢٠ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٢١ وَفِي السَّمَاۗءِ
رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٢٢ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ
تَنْطِقُوْنَ ۝٢٣ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝٢٤ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ
فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝٢٥ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ
سَمِيْنٍ ۝٢٦ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝٢٧ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ
وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝٢٨ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ
عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝٢٩ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝٣٠

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں اور خود تم میں بھی (موجود ہے) پھر کیا تم نہیں دیکھتے اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ بھی کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی! (یہ قرآن ویسا ہی) برحق ہے۔ جیسا تمہارا باہم باتیں کرنا (اس میں شبہ نہیں اسی طرح اس میں نہیں۔) کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی؟ جب ان کے پاس آئے تو کہنے لگے سلام۔ ابراہیم نے بھی کہا سلام۔ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ پھر ابراہیم اپنے گھر کی طرف متوجہ ہوئے تو تلا ہوا بچھڑا لائے۔ پھر ان کو ان کے پاس رکھ کر کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ (جب نہ کھایا) تو اس کو ان سے خوف معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا خوف مت کرو اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی (پیدا ہونے کی) خوشخبری بھی دی پھر ان کی بیوی (سارہ) شور مچاتی ہوئی آگے بڑھیں اور اپنا ماتھا پیٹ کر

کہنے لگیں کیا بڑھیا بانجھ جنے گی، وہ بولے تیرے رب نے تو ایسا ہی فرمایا ہے۔ وہ جو ہے تو حکمت والا دانا ہے۔

ترکیب : مثل بالرفع علی انہ لغت لحق او خبر ثان او علی انہما خبر واحد و ما زائدۃ و بالفتح انہ حال من النکرۃ او من الضمیر فیہا او علی اضمار اعنی و ما زائدۃ وقیل معرب وقیل مبنی علی انہ رکب مع ما کخمسۃ عشر۔ انکم موضعہا جر بالاضافۃ اذ اجعلت ما زائدۃ او رفع علی تقدیر ہو۔ الا ظرف الحدیث او الضیف والضیف مصدر یطلق علی الواحد والکثیر۔ سلام مبتدء علیکم خبرہ محذوف۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا یعنی اہل جنت کی عبادت کا تو یہ حال ہے اور اُن کے افکار و خیالات ایسے پاکیزہ ہیں کہ زمین میں ہر شے اُن کے نزدیک اُس کی قدرت کا نمونہ ہے اور خود انہی کے اندر سینکڑوں نمونے ہیں یا کہو یہ بیانِ سابق کا بقیہ ہے۔ یعنی حشر کے امکان پر اور چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ زمین کے اندر اُس کے اشیاءِ رنگا رنگ میں اور خود لوگوں کے اندر ہماری قدرت کی سینکڑوں نشانیاں ہیں۔ انسان اپنی پیدائش اور قویٰ اور اعضاء و صحت و مرض و تبدلات و تغیرات و جذبات باطنیہ میں غور کرے تو فوراً باور کرلے کہ وہ اُس کی بے انتہا قدرتوں کا خزانہ ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ من عرف نفسہ عرف ربہ جس نے اپنے آپ کو جان لیا، اُس نے خدا کو پہچان لیا، اس لیے فرماتا ہے۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ پھر تم کیوں نہیں ان نشانات قدرت کو دیکھتے؟ اور آسمان میں تمہاری روزی ہے، آسمان سے مراد بارش جو آسمان سے یعنی اُوپر سے اُترتی ہے، بارش سے انسان بلکہ حیوان کی روزی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جنت و دوزخ، خیر و شر سب اُوپر سے ہے۔ یعنی تمہاری کوششوں سے اور تدابیر سے یہ سامان پیدا نہیں ہوتے بلکہ یہ سب کچھ آسمانی اسباب سے ہے۔ آسمان سے مراد اُوپر کی جہت جس سے مقصود تقدیر و مشیتِ الٰہی، تقدیری باتوں اور مشیتی اسباب کو آسمانی کہا کرتے ہیں۔ شرف و فوقیت کے لحاظ سے پھر کہتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم یعنی روز جزا کا آنا ایسا ہی برحق ہے۔ جیسا کہ تمہارا باہم باتیں کرنا اس میں تم کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ ان دلائل حشر اور وہاں کی جزاء و سزا بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کرتا ہے جس سے یہ باتیں جتانی مقصود ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مہمان نوازی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

(۲) دُنیا میں کسی مراد کے دیر میں ملنے سے نااُمید نہ ہونا چاہیے۔ خدا کا وعدہ برحق ہے، اُس نے اخیر عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اولاد دی۔ اُسی پر اُس کی سزاؤں کو بھی خیال کرنا چاہیے کہ اگر دیر ہو جائے تو مغرور و غافل نہ ہو جائے کہ میرے اعمال بد کا برا ثمرہ مجھے نہ ملے گا۔

(۳) چونکہ قوم لوط مدت سے اس بدکاری کی عادی تھی، پیغمبر ہر چند منع کرتا تھا، پر نہیں مانتے تھے۔ آخر ایک روز ایسا ہوا کہ ان کی بدکاری کا برا دن اُن کے سامنے آیا۔ وہ بستیاں غارت ہوئیں، اے قریشِ مکہ! تم بھی دلیر نہ ہو جاؤ۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا ٱلْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوٓا۟ إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾
لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾
فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ
ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَآ ءَايَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾

وَفِى مُوسَىٰٓ إِذْ أَرْسَلْنَٰهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِۦ وَقَالَ
سَٰحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ فِى ٱلْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾
وَفِى عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلرِّيحَ ٱلْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَىْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ
إِلَّا جَعَلَتْهُ كَٱلرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِى ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا۟ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا۟
عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ مِن قِيَامٍ وَمَا
كَانُوا۟ مُنتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ﴿٤٦﴾ ع

ابراہیم نے کہا اے رسولو! تمہارا کیا مطلب ہے۔ وہ بولے ہم کو گنہگار لوگوں (قوم لوط) کی طرف بھیجا گیا ہے کہ ہم ان پر پتھر کے (ڈھیلے) برسادیں، جو آپ کے رب کی طرف سے حد سے تجاوز کرنے والوں کو نامزد ہو چکے ہیں، پھر ان ... میں سے ہم نے اُس کو جو ایماندار تھا نکال لیا اور ہم نے وہاں بجز لوط کے گھر کے اور گھر ایمانداروں کا نہ پایا اور ہم نے ان بستیوں کو (ہلاک کرنے کے بعد) ان لوگوں کے لیے جو عذاب الیم سے ڈرتے ہیں کچھ نشانیاں باقی رکھ چھوڑی ہیں اور موسیٰ کے قصے میں بھی (عبرت ہے) جبکہ ہم نے اُس کو فرعون کی طرف کھلی ہوئی سند دے کر بھیجا، پھر اس نے اپنے زور و طاقت کے گھمنڈ پر سرتابی کی اور کہہ دیا جادوگر یا دیوانہ ہے، پھر تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا۔ پھر ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ تھا اور عاد کے حال میں بھی (عبرت ہے) جبکہ ہم نے ان پر سخت آندھی بھیجی، جس چیز پر وہ گزرتی تھی تو اس کو چورا کر ڈالتی تھی اور ثمود کے واقعہ میں بھی (عبرت ہے) جبکہ ان کو کہا گیا کہ ایک وقت تک برت لو، پھر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی پھر تو ان کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ پھر تو وہ نہ اٹھ ہی سکے اور نہ بدلہ ہی لے سکے اور نوح کی قوم کو ان سے پہلے (ہلاک کر چکے تھے) کیونکہ وہ بدکار قوم تھی۔

ترکیب : الخطب الشان مسومۃ ای معلمۃ بعلامات تعرف بہا قیل کانت مخططۃ بسواد و بیاض صفۃ لحجارۃ او حال من الضمیر المستکن فی الجار والمجرور وقیل معنی مسومۃ مرسلۃ من اسمت الماشیۃ ای ارسلتہا و فی موسیٰ فی عطفہ اقوال مختلفۃ قیل انہ عطف علی قولہ تعالیٰ۔ و ترکنا فیہا آیۃ وفی موسیٰ ایضاً ترکنا آیۃ اذ ارسلناہ الظرف متعلق بمحذوف واذ منصوب بترکنا والاول اولیٰ برکنہ ای بقومہ ابن عباس ماتذر الجملۃ حال مقدرۃ من الریح او خبر مبتداء محذوف ای ہو وقوم نوح بالجر عطفاً علی ماتقدم من قولہ وفی عاد و بالنصب علی تقدیر اھلکنا۔

تفسیر : اب ہم اس قصہ کو مع شرح الفاظ قرآنیہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام میں آ رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام جو ان کے بھتیجے تھے، وہ بھی ساتھ آئے تھے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام سدوم و عمورہ وغیرہ بستیوں میں آ رہے تھے جو بحیرہ مردار کے کنارہ آباد تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھیاسی برس کی عمر میں ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، مگر سارہ علیہا السلام بیوی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور وہ اسی اُمید میں بڑھیا ہو گئیں۔ اس بات کا ان کو بڑا غم رہتا تھا۔ ایک روز جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کے وقت مہمانوں کی صورت میں چند فرشتے نظر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی عادت مہمان نوازی کے موافق ان کے کھانے کو تلا ہوا بچھڑا لائے۔ فرشتوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈرے کہ یہ دشمن ہیں، کیونکہ اس عہد میں دشمن اپنے دشمن کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ (یہ رسم حرامی اسی عہد میں مروج ہوئی ہے)۔ فرشتوں نے کہا نہ ڈرو اور اس کو علم دار لڑکے کی بشارت دی۔ (اسحاق علیہ السلام کے تولد کی) حضرت سارہ علیہا السلام پیچھے کھڑی تھیں۔ یہ سن کر ہنسیں، بڑی خوشی سن کر ہنسی آنا طبعی بات ہے۔ صرۃ کے معنی ہیں۔ آواز اور چیخ

کے مگر مراد کھل کھلا کر ہنسنا ہے، کیونکہ قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے۔ ضحکت اور تعجب سے ماتھا کوٹنے لگیں اور کہنے لگیں کیا بانجھ اور وہ بھی بڑھیا جنے گی؟ فرشتوں نے کہا خدا کا یہی حکم ہے۔ بانجھ اور بڑھیا کو بچہ دینے کی حکمت و تدابیر اس کو خوب معلوم ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم کدھر جاتے ہو؟ انہوں نے کہہ دیا کہ لوط کی قوم کی طرف کہ اُن پر پتھر برسا دیں، چنانچہ وہاں گئے اور وہ بستیاں ہلاک ہوئیں، اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے اُس کو فرعون کے پاس دلیل دے کر بھیجا (فَتَوَلّٰی بِرُکْنِہٖ) التولی الاعراض الرکن الجانب (قالہ الاخفش) تو اُس نے اعراض کیا اور کہہ دیا جادوگر ہے یا دیوانہ پھر خدا نے اُس کو مع لشکر کے غرق کیا، اس کے بعد عاد و ثمود و قوم نوح کی ہلاکی بیان کرتا ہے کہ ان بدکاریوں سے ہلاک ہوئے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۴۷ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۴۸
وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۴۹ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۵۰ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ۵۱ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ
اَوْ مَجْنُوْنٌ ۵۲ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۵۳ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ
بِمَلُوْمٍ ۵۴ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۵۵ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۵۶ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۵۷
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۵۸ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ
اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۵۹ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ
يُوْعَدُوْنَ ۶۰

ربع

اور آسمان کو ہم نے قدرت سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں اور ہم نے ہی زمین کو بچھایا، پھر ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہی ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا شاید تم سمجھو (پس اے نبی! کہہ دو) اللہ کی طرف دوڑو، میں تم کو اُس کی طرف سے صاف صاف ڈرسنانے والا ہوں اور اللہ کے سوا اور کسی کو معبود نہ ٹھہراؤ، میں تم کو اُس کی طرف سے صاف صاف آگاہ کیے دیتا ہوں، اسی طرح ان سے پہلوں کے پاس بھی جب کوئی رسول آیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ، کیا ایک دوسرے سے یہی کہہ مرا تھا بلکہ وہ خود بھی سرکش تھے۔ پھر آپ تو اُن سے منہ پھیر لیجئے، آپ پر کوئی الزام نہیں اور ہاں سمجھاتے رہو کہ سمجھانا ایمان داروں کو نفع دیتا ہے اور میں نے جن اور انسان کو جو بنایا ہے تو اپنی بندگی کے لیے، ہم اُن سے کچھ روزینہ تو نہیں چاہتے اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھانا کھلا دیں کیونکہ اللہ ہی بڑا روزی دینے والا

ل ذنوبا والذنوب الدلو العظیمۃ هذا تمثیل واصلہ تقسیم الماء یکون لهذا دلو ولهذا دلو یعنی حالهم کحالهم من اخذ العیش والخلفاء فحظا وقع علیهم نقع علی هولاء و یمکن ان یکون الذنوب بمعنی المعاصی ای ان لهؤلاء القوم جرائم مثل جرائم اصحابهم الماضین۔ ۱۲ منہ

زور آور ہے۔ پس ان ظالموں کا بھی ویسا ہی پیمانہ (لبریز ہے) جیسا کہ ان کے اگلے یاروں کا تھا، پھر وہ مجھ سے (عذاب کی) جلدی نہ کریں۔ پھر کافروں پر ان کے اُس روز بد کے سبب کہ جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے بڑی خرابی ہے۔

ترکیب : والسماء منصوب علی شریطۃ التفسیر بایدٍ متعلق بالفعل وقیل حال من الفاعل و من کل شیء متعلق بخلقنا کذلک ای الامر کذلک المتین بالرفع علی النعت وقیل ھو خبر مبتداء محذوف ای ھو المتین (ابو البقاء)۔

تفسیر : ان آیات میں اپنی خدائی کا ثبوت اور توحید اور مسئلہ رسالت اور گناہوں کا برا نتیجہ پیش آنا ثابت کرتا ہے۔ پہلی بات پر تین دلیلیں لایا۔ اول وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا کہ آسمان کو ہم نے قدرت کاملہ سے بنایا اور ہم بڑے وسعت والے ہیں، یعنی قدرت والے۔ دوم وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا زمین کو ہم نے فرش کر دیا۔ یعنی بندوں کی سکونت کے قابل کیا۔ آسمان چھت اور زمین اس دار دنیا کا فرش ہے۔ سوم ومن کل شیء ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا، یعنی اُس کی دوسری چیز مثل ہے، جنس میں یا فصل میں یا جو ہر ہونے میں بے مثل وہی ہے۔ یہی دلیل ہے، اُس کی خدائی و یکتائی پر۔ یہ چیزیں اس گھر کی زینت و آرائش کے سامان ہیں تاکہ تم سمجھو کہ یہ گھر چند روزہ ہے۔ اس کو مرنے سے پہلے چھوڑ کر اللہ کی طرف دوڑو جو تم کو اس سے عمدہ گھر میں آسائش دیوے یعنی اُس کی طرف جلد رجوع کرو۔ میں اُس کی طرف تم کو جلد متنبہ کرنے آیا ہوں، یہاں سے مسئلہ رسالت کا ثبوت کیا۔ اب توحید کا ثبوت کرتا ہے کہ جب وہی بے مثل اور اس گھر کا بنانے والا ہے۔ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اس کے ساتھ اور کسی کو خدائی میں شریک نہ کرو، انہی باتوں کے بتانے کو میں دنیا میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ پھر مسئلہ نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے کہ تم جو مجھے نہیں مانتے یہ کوئی نئی بات نہیں، رسالت کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے۔ جب کوئی رسول دنیا میں آیا لوگوں نے اُس کو جادوگر اور دیوانہ بتایا۔ اس بات کو تعجب کے طور پر خدا تعالیٰ ذکر کرتا ہے کہ کیا وہ اگلے ان پچھلوں کو وصیت کر گئے اور کہہ گئے تھے کہ تم بھی رسول کو دیوانہ اور ساحر کہنا جو یہ ان کی تقلید کرتے ہیں؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ وصیت تو نہیں کر گئے تھے، خود انہی کی ذات میں سرکشی کا مادہ ہے۔ پس اے رسول! تم اُن سے ہٹ آؤ تمہارا جو کام تھا وہ تم نے پورا کر دیا۔ ہاں ایمان داروں کو نصیحت کرتے رہو کہ اُن کو اس سے فائدہ ہوگا اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے جن وانسان کو اپنی عبادت کے لیے بنایا ہے۔ وہ اس بات کو سمجھ کر خدا کی عبادات میں مصروف رہیں گے، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم نے یہ گھر بنا کر جو تم کو اس میں بسایا ہے۔ شکر کرنے کے لیے نہ کہ نافرمانی و ناشکری کے لیے۔ اس شکر گزاری میں اللہ بندوں سے کوئی اپنا فائدہ رزق روزی کا نہیں چاہتا، جس لیے وہ بنتے ہیں، کیونکہ وہ خود رزاق و قوت والا زبردست ہے، یعنی غیر اس کے محتاج بلکہ اس لیے کہ ناشکری کا وبال بندے پر نہ پڑے، جیسا کہ اگلے لوگوں پر وبال آیا۔ پھر فرماتا ہے کہ حال کے منکروں کی بھی وہی نوبت ہے، پھر کیوں عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ یہ چوتھی بات کا ثبوت تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالطُّوْرِ ۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۴
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۷ مَّا لَهٗ
مِنْ دَافِعٍ ۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۹ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۱۰ فَوَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۱۲ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ

وقف لازم

إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٤﴾ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا
أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿١٥﴾ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۖ
إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

قسم ہے طور کی اور اس کتاب کی جو کشادہ ورقوں میں لکھی گئی اور قسم ہے آباد گھر کی اور اونچی چھت کی اور پر جوش دریا کی کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب (کفار پر) ہو کر رہے گا۔ جس کو کوئی بھی ٹالنے والا نہیں، جس دن کہ آسمان چکر کھائے اور پہاڑ اڑتے پھریں، پھر اس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے، جو نکتہ چینیوں میں کھیل رہے ہیں۔ جس دن کہ وہ آتش دوزخ کی طرف دھکے دے کر ہانکے جاویں گے (کہا جاوے گا) یہ وہ آگ ہے کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، پھر کیا وہ جادو ہے (نظر بندی) یا تم دیکھتے نہیں ہو، اس میں گھسو صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : الواو الاولیٰ فی والطور للقسم وما بعدھا فی وکتاب الخ للعطف فی رق متعلق بمسطور ان عذاب الخ جواب القسم مالہ الخ الجملۃ صفۃ لواقع و یوم ظرف لدافع اولواقع یوم یدعون بدل من یوم تمور۔ افسحر خبر مقدم ھذا مبتدء موخر سواء خبر مبتدء محذوف ای صبرکم وترکہ سواء الرق بفتح الراء وکسرھا کل ما یکتب فیہ جلدا کان اوغیرہ وجمعہ رقوق والمور الاضطراب والحرکۃ ولذا اطلق علی الموج الدع الدفع بعنف۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں یہ سورہ پڑھتے سنا (رواہ البخاری مسلم وغیرہ ہما) اس سورہ میں بھی مسئلۂ حشر کا اثبات ہے اور وہ اثبات اس جگہ اور عنوان کے ساتھ ہے، اس لیے ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ کہ بے شک تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے، جس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔ اس میں صرف قیامت کے آنے کی ہی خبر نہیں بلکہ منکرین کو ایک یقینی آنے والے عذاب سے تہدید بھی ہے اور وہ پانچ چیزیں جن کی یہاں قسم کھائی، یہ ہیں۔ الطور[1] اس سے مراد کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں درخت ہوتے ہیں اس کو طور کہتے ہیں اور جس میں درخت نہ ہوں اس کو جبل کہتے ہیں، اس قول سے تعمیم پائی جاتی ہے۔ (۲) كِتَابٍ مَّسْطُورٍ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد لوح محفوظ ہے مگر قوی تر یہ ہے کہ اس سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو اوراق پر لکھی جاتی ہیں، جو کھلے ہوتے ہیں جن کو پڑھنے والا پڑھ سکتا ہے۔ الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ آباد گھر جس سے مراد خانہ کعبہ اور دیگر معابد ہیں جو عابدین سے آباد ہیں۔ دنیا کے ہوں یا سمٰوات پر ہوں۔ اس لیے احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ کعبہ کے محاذ میں ساتویں آسمان کے اوپر ملائکہ کا ایک عبادت خانہ ہے۔ جہاں ہزاروں ملائکہ طواف کرتے ہیں، اس کو بھی بیت المعمور کہتے ہیں۔ السَّقْفِ الْمَرْفُوعِ آسمان الْبَحْرِ الْمَسْجُورِ دریائے شور مسجور کے معنی گرم کے ہیں۔ سمندر تموج کی وجہ سے گرم کہلاتا ہے، جب تموج ہوتا ہے کہتے ہیں ان دنوں دریا گرم ہے۔ ان پانچوں چیزوں کے ذکر سے اپنے عجائبات قدرت اور دینی اور دنیوی برکات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس نے دنیا میں استواری کے لیے پہاڑ قائم کیے۔ کتابیں دستور العمل بنائیں، گھر آباد کیے، بلند مکان بنوائے۔ دریائے اشور بنایا جو سب کو محیط ہے اور یہ کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، پھر اس کو کتاب دی اور بندوں کے لیے خانہ کعبہ بنایا اور بیت المقدس قائم کیا جس کی چھتیں بلند تھیں اور پھر ان عبادتوں سے اور اس پہاڑ سے اور ان

[1] اور ممکن ہے کہ طور سے اشارہ آنحضرت ﷺ کی ذات کی طرف ہو کہ وہ وقار کا پہاڑ اور عالم کی تجلی گاہ تھی اور کتاب مسطور حضرت کے علوم حقائق جو لوگوں کے اوراقِ دل پر لکھے گئے اور بیت معمور حضرت کا دل پاک اور سقفِ مرفوع آپ کی شان اور بحر مسجور آپ کے علوم کا دریا پر امواج۔ ۱۲ منہ

کتابوں سے علوم و معارف کے پرجوش دریا نکالے جنہوں نے عالم کو سیراب کیا، وہ سب قیامت کے قائل تھے، پھر ان جہلاء کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اس کے بعد قیامت کے واقعہ کو بیان کرتا ہے کہ اس روز آسمان لرزیں گے اور پہاڑ اڑیں گے، اس روز اس دن کے جھٹلانے والوں کو بڑی خرابی ہوگی جو آج غفلت میں پڑے نکتہ چینیاں کرتے ہیں، وہ خرابی یہ ہوگی کہ وہ دوزخ کی طرف دھکے دے کر روانہ کیے جاویں گے اور جہنم دکھا کر کہا جاوے گا کہ یہ ہے وہ جس کا انکار تھا، اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تم کو دکھائی نہیں دیتی، اب اس میں جلا کرو چیخو یا چلاؤ تمہارے اعمال کی سزا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ
الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ
مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم
بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ
بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ
فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ
لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ
فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا
مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ ع

بے شک جو پرہیزگار ہیں باغوں اور نعمتوں میں چین کرتے ہوں گے۔ ان چیزوں سے جو ان کو رب نے عطا کیں اور ان کا رب ان کو عذاب دوزخ سے بچاوے گا، کھاؤ پیو مزے کرو اپنے عملوں کے سبب تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے قطار سے بچھے ہوئے تختوں پر اور ان کی شادی ہم حور عین سے کر دیں گے اور جو ایمان لائے اور ان کی نسل ایمان میں ان کی پیرو ہوئی تو ان کے ساتھ ان کی نسل کو بھی ہم ملا دیں گے اور ان کے عملوں میں کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے کیے کا پابند ہے اور ان کو پے در پے ہم میوے اور گوشت دیں گے جس کا وہ چاہیں گے، وہاں ان پیالوں کی چھینا جھپٹی کریں گے کہ جن میں نہ بکواس ہے اور نہ گناہ اور ان کے پاس آئیں جائیں گے ایسے لڑکے کہ گویا وہ موتی ہیں غلاف کے اور ایک دوسرے کی طرف بات کرنے کو متوجہ ہوگا۔ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھروں میں ڈرا کرتے تھے پس ہم پر اللہ نے احسان کیا اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیا۔ ہم اس کو پہلے سے پکارا کرتے تھے، وہ جو ہے تو بڑا احسان کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : فاکھین یقال رجل فاکہ ای ذو فاکہۃ قیل ذو نعمۃ متلذذ وحال وقرء فکھین والفکہ طیب النفس بما موصولۃ والباء علی اصلھا او بمعنی فی ووقاھم عطف علی الصلۃ او حال بتقدیر قد او معطوف علی فی جنات متکئین حال من الضمیر فی کلوا او من الضمیر فی وقاھم او من الضمیر فی فاکھین والذین امنوا مبتدء و اتبعھم الخ معترضۃ للتعلیل الحقنابھم خبرہ بایمان حال من الضمیر او الذریۃ او منھما

یتنازعون حال۔ انہ بالکسر علی الاستیناف کا سا خبر اسما ماسم محلہا وذلک انث الضمیر فی قولہ لا لغو فیہا۔

تفسیر: جیسا کہ اہلِ جہنم کا حال بیان ہوا تھا، اب اہلِ جنت کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان المتقین الخ کہ پرہیزگار بہشتوں میں ہر طرح سے آرام و عافیت سے رہیں گے اور جہنم کے عذاب سے خدا اُن کو بچاوے گا۔ روحانی جنت کے سوا جسمانی نعمتیں بھی ان کو نصیب ہوں گی، جسمانی نعمتیں یہ ہیں۔ اول عمدہ کھانا پینا اُس کی نسبت حکم ہوگا، کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا ہنیٔ کے معنی ہیں بے مشقت و بے رنج و بے کھٹکے نہ مرض کا کھٹکا نہ پکانے اور کما کر لانے کا دغدغہ نہ کم ہو جانے کی فکر۔ دوم رہنے کی عمدہ جا سو اُس کو ایک بار تو جنات و نعیم میں اجمالاً بیان کیا تھا، اب اُس کی تشریح کرتا ہے کہ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ بادشاہوں کی طرح تختوں پر صف بستہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، تیسری نعمت اُس کے بعد حسین اور فرماں بردار اور نیک بیوی کا میسر آنا جس کی طرف انسان کو ماکل و مشارب کے بعد بالطبع رغبت ہے، سو اُس کی نسبت فرماتا ہے وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ کہ ہم اُن کی شادی حورعین سے کر دیں گے۔ (حورعین کے لفظ کی شرح اور جنت میں شادی ہونے کی بابت پادریوں کے اعتراض کا جواب ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں)۔

ان سب نعمتوں کے بعد انسان کو اپنے احباب و اقارب کی جدائی کا رنج بھی خصوصاً عیش و آرام کے وقت دل میں کانٹا سا کھٹکا کرتا ہے جو سب باتوں کو تلخ کر دیتا ہے، اس کانٹے کو نکالتا ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ ذریۃ بضم فرزندان و ذراری، ذریات جمع، (صراح) کہ ایمانداروں کی اولاد جو ایمان میں اپنے بزرگوں کے تابع ہوں گے، وہ بھی اُن کے ساتھ جنت میں ملا دیے جاویں گے اور ان کے بزرگوں کے عمل میں سے اس وجہ سے کہ اُن کی اولاد اُن کے ساتھ ایمان لانے کے سبب ملائی گئی، کچھ کمی نہ کریں گے۔

طبرانی و ابن مردویہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ مومن جنت میں جا کر اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کو دریافت کرے گا، اُس کو کہا جاوے گا کہ وہ تیرے درجہ تک نہ پہنچے، وہ عرض کرے گا الٰہی میں نے اپنے لیے اور اُن کے لیے عمل کیا تھا، تب حکم ہوگا کہ اُن کو بھی ساتھ ملا دو صالحین کی اولاد بلکہ دیگر اقارب بلکہ احباب و عقیدت مند بھی کہ جن کو عرفاً لفظ ذریت شامل ہے، اُن کی بدولت بشرطیکہ خود بھی ایمان رکھتے ہوں گے، اُن کے درجات میں جگہ پاویں گے، مگر ساتھ یہ بھی فرما دیا كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ کہ ہر آدمی اپنے اعمال میں بند ہے تاکہ کوئی اپنے بزرگوں پر بھروسہ کر کے آپ ایمان و اعمال صالحہ کی کوشش سے آزاد نہ بن بیٹھیں۔ آگے پھر اُن کے نعماء کا ذکر کرتا ہے کہ دل پسند پرندوں کا گوشت کھانے کو ملے گا، شراب طہور کا دور چلے گا۔ فرحت میں آ کر ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرے گا، جیسا کہ دُنیا میں احباب کیا کرتے ہیں۔ پھر باہم ایک دوسرے سے پوچھے گا کہ تم نے دُنیا میں کیا اعمال کیے تھے، جواب دیں گے کہ ہم خدا سے ڈرا کرتے تھے، اُس نے ہم پر فضل کر دیا۔ عذاب جہنم سے بچا لیا، بس اُس کی عنایت و مہربانی تھی۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ
نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾
اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ
بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ
غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ
فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾
اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ
يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾
اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ
السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ
الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ
تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

سو نصیحت کیے جا کیونکہ رب کی عنایت سے نہ آپ کاہن ہیں نہ دیوانہ۔ کیا ان کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے کہ اس کے بارے میں ہم گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں۔ کہہ دو (ہاں) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، کیا اُن کی عقلیں اُن کو یہی باتیں سکھاتی ہیں یا وہ ذاتی شریر قوم ہیں، کیا وہ کہتے ہیں کہ قرآن از خود بنا لیا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اُن کو یقین نہیں آتا، اچھا اسی طرح کا کلام وہ بھی تو بنا لاویں، اگر وہ سچے ہیں۔ کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے کیا وہ کسی کو پیدا کرنے والے ہیں۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین بھی نہیں کرتے، کیا اُن کے پاس ان کے رب کے خزانے ہیں، کیا وہ زبردست ہیں؟ کیا اُن کے پاس سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر آسمانی باتیں سن آتے ہیں، پھر اُن میں سے جو سننے والا ہو تو کوئی صاف سند پیش کرے، کیا اُس کے بیٹیاں اور تمہارے بیٹے ہیں، کیا آپ اُن سے اُجرت مانگتے ہیں کہ وہ اُس کے تاوان سے دبے جاتے ہیں[1] کیا ان کے پاس علمِ غیب ہے جس کو وہ لکھتے رہتے ہیں۔ کیا وہ (آپ پر) داؤ کرنا چاہتے ہیں، پھر کافر تو خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کیا اللہ کے سوا ان کا اور بھی کوئی معبود ہے۔ اللہ اُن کے شرک کرنے سے پاک ہے اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی گرتے دیکھیں گے تو اس کو گہرا بادل بتاویں گے۔ پھر آپ اُن کو چھوڑ دیجے یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن کو دیکھ لیں گے کہ جس میں وہ بے ہوش پڑے ہوں گے۔ اُس دن کہ اُن کا مکر اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی اور ستمگاروں کو اس کے سوا ایک اور سزا ہے (قتل بدر) لیکن اُن میں سے اکثر جانتے نہیں اور آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں رہیے، آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور جب اُٹھو تو اپنے رب کی تسبیح و حمد کرو اور کسی قدر رات کو بھی اُس کی تسبیح کرو اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی۔

ترکیب: بکاھن الخ خبر ما والباء زائدۃ بنعمت ربک حال من اسم ما او من خبرھا والعامل کاھن ای لست کاھنا ولا مجنونا۔ متلبسا

[1] جس کا اُن پر بوجھ پڑ رہا ہے۔

بنعمة ربك ای بانعامہ علیك ریب المنون المراد من الریب صروف الدھر وحوادثہ علی انھا شمست بالریب ای الشک لانھا لاتدوم ولا تبقی فیکون استعارۃ تصریحیۃ المنون قال الاصمعی واحد فعول من امن وھوالقطع فھواسم للموت اوالدھر لانہ یقطع العدد وینقص المدد، قال الفراء المنون واحد وجمع قال الاخفش جمع لاواحدلہ، التقول الافتراء والکذب ام ھھنا وفی مابعد منقطعۃ بمعنی بل وقیل ام فی ھذہ الآیات للاستفہام بمعنی الھمزۃ والاستفہامات انکار علی الکفار علی ظنونا تھم الفاسدۃ۔

تفسیر : دارآخرت کی کیفیت بیان فرما کر، پھر انہیں تینوں اصل الاصول مسائل کو مرکوز خاطر کرتا ہے اور کفار کے بدیہی البطلان خیالات کو جوان اصول ثلاثہ کے برخلاف تھے۔ استفہام کے پیرایہ میں ذکر کر کے رد کرتا ہے۔ اول اصل مسئلہ نبوت خصوصاً نبوت محمد ﷺ ہے، جس کی بابت مخالفوں کو چند خیالات تھے۔ بعض آپ کو کاہن، بعض دیوانہ کہتے تھے۔ بعض شاعر کہتے تھے کہ جس طرح زہیرو نابغہ چندروز میں مرکھپ گئے، ذرا دیکھو یہ بھی اسی طرح مرمٹ جاوے گا، اس بات کو ان کانوا صادقین تک بیان کیا۔ پس فرماتا ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو اس کی عنایت وکرم سے دیوانہ اور کاہن نہیں، اپنی نبوت ومنصب نبوت کو پورا کیجئے، اس سے ایمانداروں کو نفع ہوتا ہے، ان سے کہہ دے تم انتظار کرو میں بھی کرتا ہوں، یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ اگر دین کی روز بروز ترقی وکامیابی ہوئی تو جانو کہ نبی برحق ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ شاعری کا کسی پر خاتمہ نہیں، تم بھی تو انجام کلام پر قادر ہو۔ قرآن کی مثل بنا لاؤ، اگر سچے ہو بات یہ ہے کہ دل میں جانتے ہیں کہ نہ دیوانہ ہے نہ کاہن نہ شاعر بلکہ اپنی سرکشی سے ایمان نہیں لاتے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ سے لے کر المصیطرون تک چار استفہاموں میں دوسرے اصل الاصول مسئلہ توحید کو ثابت کرتا ہے، مگر لطف یہ ہے کہ اسی کے ضمن میں تیسرے مسئلہ حشر کو اور پہلے مسئلہ نبوت کو بھی اس طرح سے ثابت کرتا ہے کہ گویا تینوں باہم مسلسل ہیں۔ پہلے استفہام میں فرماتا ہے کہ کیا وہ بغیر کسی کے پیدا ہو گئے ہیں؟ یہ کلام بھی چند معانی کو شامل ہے کہ جو ان میں سے ایک ایک توحید یا حشر یا نبوت کو ثابت کررہی ہے۔ کیونکہ من غیر شیء کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ بغیر مادہ کے پیدا ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اس کا اُن کو اقرار تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو اقرار ہے کہ انسان قطرۂ منی سے بنایا گیا ہے۔ منی ایک گندی چیز ہے جس کو ذکر کرتے بھی عقلا مجالس میں شرم کرتے ہیں، اس لیے اس کو شیء کے لفظ سے تعبیر کیا، پس جیسا وہ یہ جانتے ہیں تو سمجھ لیں کہ ایک قطرہ میں سے کس نے بعض کو قلب اور بعض کو دماغ اور بعض کو جگر اور بعض کو ہڈی اور بعض کو پٹھا بنا دیا اور پھر کس نے اُس میں یہ کاریگری کی ہے؟ اسی خدائے قادر مطلق نے کہ جس کا کوئی بھی شریک ومددگار نہیں۔ بس وہ قادر بار دگر بھی اُس کو پیدا کر سکتا ہے اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شیء کسی کام کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں؟ ہر عاقل انسان کی ترکیب میں غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ ضرور یہ کسی کام کے لیے بنایا گیا ہے، یعنی اصلاح معاش ومعاد کے لیے پھر جب یہ اُس کے لیے بنایا گیا ہے اور معاد کے مسئلہ کی باریکیاں اور موت وحیات کے رموز بجز انبیاء علیہم السلام کے حل نہیں ہو سکتے تو یہ بھی خیال کرلیں کہ ضرور اس خالق نے کوئی نبی عقدہ کشائی کے لیے بھیجا ہے اور بجز محمد ﷺ کے ان کی شان کا اس مشکل کشائی میں اور کون ہے؟ اور اُس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شیء بغیر کسی کے آپ ہی آپ بن گئے ہیں۔ جیسا کہ طبیعیین ودہریین کا خیال ہے۔ سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کوئی حادث بغیر محدث یعنی پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس وہ محدث ایسا قادر وصانع خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے؟ دوسرے استفہام میں یہ بات بتاتا ہے کہ وہ بتائیں کوئی چیز اس عالم کی انہوں نے بھی پیدا کی ہے۔ ھم سے مراد تمام مخلوق ہے بے شک خدا تعالیٰ کے سوا کسی نے کوئی چیز پیدا نہیں کی، ہاں پیدا کی ہوئی چیزوں میں ترکیب دے لیا کرتے ہیں۔ وہ بھی ہر جگہ نہیں۔ پس جب بجز اُس کے کسی نے کوئی چیز نہیں بنائی تو کوئی اُس کی خدائی میں بھی شریک نہیں، تیسرے استفہام میں اپنی ایک بڑی اور عجیب مخلوق پیدا کرنے کا حال پوچھتا ہے کہ اچھا بتاؤ آسمانوں یا کبھو علویات سورج اور چاند اور ستارے اور زمین کو کس نے بنایا؟ یہی کہیں گے کہ

اُسی نے۔ چوتھے استفہام میں اپنی قدرت کو بے انتہا خزانوں کا سوال کرتا ہے کہ وہ بتاؤ کس کے پاس ہیں؟ اس میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبوت بھی اُسی کے خزانہ کا ایک بیش بہا جوہر ہے۔ جس کو چاہے عطا کرے، تمہارا اس میں کیا اختیار ہے جو اس نے محمد ﷺ کو عطاء کردیا۔

اس کے بعد علم غیب کے وسائل بیان کرتا ہے کہ بتاؤ تم میں سے کسی کے پاس سیڑھی ہے جو اُس پر سے چڑھ کر آسمانوں پر جاتا ہے اور وہاں سے غیب کی باتیں لاتا ہے؟ البتہ محمد ﷺ کو خدا کی طرف سے الہام وحی[1] کے ذریعہ سے غیب کی باتیں اور معاد ومعاش کے رموز بتائے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ نبوت کے متعلق بات تھی، اس کے بعد اصول ثلثہ کے مخالف اعتقادات پر سرزنش کرتا ہے۔ توحید کے خلاف مشرکوں کا خیال تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، اس لیے ہم اُن کو وسیلہ سمجھ کر پوجتے ہیں۔ فقال ام لہ البنات الخ کہ تم کو تو بیٹے دیے جو اعلیٰ چیز ہے اور اپنے لیے بیٹیاں بناوے یہ ہو سکتا ہے؟ نبوت کے خلاف میں نبی علیہ السلام پر بدگمانیاں تھیں، اُس پر فرماتا ہے۔ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا الخ کہ تو اُن سے کچھ مانگتا ہے کہ جس کا بار اُن پر پڑتا ہے؟ حضرت ﷺ کو جو وہ جھوٹا کہتے تھے، اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ کیا اُن کے پاس غیب[2] کا دفتر ہے؟ پھر اُن کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ وہ جھوٹا ہے؟ کیا وہ نبی سے داؤ کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے اتہامات سے شان نبوت میں فرق ڈالیں، وہ اس بات میں خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں کہ اپنے لیے برائی پیدا کر رہے ہیں، کیا کوئی اور معبود ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس کے بعد اُن کی شقی طبیعت کا حال اور متمرد ہونا بیان کرتا ہے کہ اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا اُن پر ٹوٹ کر آوے تو اُس کو بادل کہیں گے، پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اُن کو چھوڑ یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن کو دیکھیں کہ جس میں اُن کی ہلاکت ہے اور اے نبی تو صبر کر تو ہماری حمایت میں ہے اور اُٹھتے بیٹھتے اور رات میں اور صبح میں تسبیح کیا کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۳
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ۴ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ۶ وَهُوَ
بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ۹ فَاَوْحٰى
اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۱۲
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ۱۵
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۱۸

[1] یہ ہے سموات کی سیڑھی جس پر چڑھ کر حضرات انبیاء علیہم السلام انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے والے علوم اوپر سے لاتے ہیں۔
[2] ہاں غیب کا دفتر ہوتا اور اس کے مطابق آپ کی باتیں نہ پاتے تو یقیناً جھوٹا کہہ سکتے تھے۔ ۱۲ منہ

قسم ہے ستارہ کی جبکہ جھکے۔ تمہارے صاحب (محمد ﷺ) نہ گمراہ ہوگئے اور نہ بہک گئے ہیں اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں، یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔
بڑے طاقت وزور آور نے اُن کو سکھایا ہے۔ (جبریل علیہ السلام نے) جبکہ وہ فرشتہ آسمان کے ایک بلند کنارہ پر تھا تو (نبی کے سامنے) آ کھڑا ہوا، پھر وہ اور بھی قریب ہوا
(یہاں تک) کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا تھا یا اس سے بھی کم پھر اس نے جو کچھ ہمارے بندے پر وحی کرنا تھا کیا جو کچھ نبی نے دیکھا تھا ان کے دل نے جوشبہ نہیں
بنالیا۔ پھر جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں تم اب میں ان سے جھگڑا کر رہے ہو، البتہ نبی نے تو اس کو دوبارہ دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے نزدیک جنت الماویٰ
ہے جبکہ سدرہ کو چھپا رکھا تھا جس چیز نے کہ چھپا رکھا تھا نہ تو نبی کی آنکھ نے غلطی کی ہے نہ وہ بہکی ہے۔ بے شک نبی نے اپنے رب کی (بڑی بڑی) نشانیاں دیکھی
ہیں۔

ترکیب : الواو للقسم اذا ھویٰ والعامل فی الظرف فعل القسم المحذوف ای اقسم بالنجم وقت ھویہ وقیل النجم نزول القرآن فیکون العامل نفس النجم۔ ماضل الخ جواب القسم وماینطق الخ جملۃ مستانفۃ وقعت موقع الدلیل تقدیر الکلام کیف یضل ویغوی وھو لا ینطق عن الھوی ان ھوای الذی ینطق بہ من القرآن۔ وحی موصوف یوحی صفۃ ترفع احتمال المجاز وتفید الاستمرار التجددی علمہ صفۃ للوحی ای علمہ ایاہ فاستویٰ عطف علی علمہ بطریق التفسیر فانہ الی قولہ اوحی بیان لکیفیۃ التعلیم و ھو بالافق حال من فاعل استویٰ فکان مقدار ما بینھما قاب قوسین خبر کان نزلۃ منصوب علی الظرفیۃ لان النزلۃ علی وزن الفعلۃ اسم للمرۃ وقیل نصبھا علی المصدر تقدیرہ ولقد رآہ نازلا نزلۃ اخریٰ۔ اذ یغشی ظرف زمان لراہ لا لما بعدہ من الجملۃ المنفیۃ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکیہ ہے۔ بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے، مگر یہ قول صحیح نہیں۔ بخاری ومسلم وغیر ہما نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی سورۃ کہ جس میں سجدہ ہے۔ سورۂ نجم ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور سب لوگوں نے سجدہ کیا مگر ایک شخص نے مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ میں نے اس کے بعد اُس کو دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اور وہ اُمیہ بن خلف تھا اور یہی احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورۃ میں سجدہ ہے اور صحیح بخاری وابوداؤد وترمذی ونسائی وطبرانی وطیالسی وابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے یہ سورۃ نبی ﷺ کے سامنے پڑھی، پس سجدہ نہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سورۂ نجم میں مکہ میں تو سجدہ کیا کرتے تھے اور جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو ترک کر دیا، اسی لیے امام شافعی واحمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سورہ کے اخیر میں جو فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا آیا ہے۔ وہاں سجدہ کرنا واجب نہیں۔ ہاں جو کوئی کرے تو بہتر ہے مگر پہلی روایات کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ وسفیان ثوری وغیر ہما علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنا واجب ہے۔ اس آیت کے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی اور یہی قوی ہے۔ سورۂ طور کے اخیر میں فرمایا تھا کہ ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی اے محمد (ﷺ)! اللہ کی تسبیح وتحمید کیا کرو۔ اب اس سورہ کے اول ہی میں ان ڈوبتے ہوئے ستاروں کی قسم کھا کر خدا تعالیٰ کی عزت وعظمت پر گواہی دیتے ہیں، یہ بات بتلاتا ہے کہ محمد (ﷺ) گمراہ اور بہکے ہوئے نہیں ہیں، جیسا کہ اے کفار! تم کہتے ہو یہ مناسبت ہے اس سورہ کو اس سے پہلے سورہ سے۔

جن سورتوں کے شروع میں خدا تعالیٰ نے حرفوں کے سوا اور چیزوں کی قسم کھائی ہے، وہ چار سورتیں ہیں۔ اول والصافات، دوم والذاریات، سوم والطور، چہارم والنجم، پہلی میں قسم کھا کر وحدانیت ثابت کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ دوسری میں جزاء وحشر کا وقوع ہونا ثابت کیا ہے، چنانچہ فرمایا۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ تیسری میں عذاب کا واقع ہونا کسی کے ٹلانے سے اُس کا نہ ٹلنا جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ اس سورۃ میں قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت کی، جیسا کہ فرمایا۔

ماضل صاحبکم وماغویٰ الخ تاکہ تینوں اصل الاصول مسائل توحید وحشر ونبوت کا کامل ثبوت ہو جائے اور حشر کے اثبات میں اس لیے قسمیں کھائیں کہ یہ مسئلہ صرف دلیل نقلی سے ثابت ہوتا ہے۔ والنجم مفسرین کے نجم کے معنی میں کئی قول ہیں۔ جمہور کا قول ہے کہ اس سے مراد ستارہ ہے کوئی خاص ستارہ نہیں بلکہ جنس یعنی ہر ایک ستارہ اور بعض کہتے ہیں۔ ثریا کیونکہ النجم بول کر یہی مراد ہوا کرتے ہیں۔ کلامِ عرب میں بعض کہتے ہیں شعریٰ ستارہ بعض کہتے ہیں۔ زہرہ، خیر ایک ستارہ خاص ہو یا عام مگر ستارہ مراد لینا ایک قول ہے۔ دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد زمین پر پھیلنے والی بیلیں ہیں، کیونکہ ایک جگہ آیا ہے۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ یہ اخفش کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ النجم سے مراد قرآن شریف کس لیے کہ تنجیم کے معنی ہیں، تفریق اور قرآن پارہ پارہ یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آں حضرت ﷺ ہیں جن کو ظلمات عالم میں روشنی دینے کے سبب بطور استعارہ کے ستارہ کہنا بہت ہی ٹھیک ہے۔ اب نجم کے کوئی معنی لو مگر اذا ھویٰ (جبکہ جھکے) سے اسی کے مناسب معنی مراد لیے جائیں گے۔ ستاروں کا جھکنا طلوع غروب جو خدا کی شان جبروت بتلاتا ہے۔ زمین کی وہ بوٹیاں کہ جن کو درخت نہیں کہتے۔ اُن کا جھکنا وہی جھکنا ہے جو ہوا سے سربسجود ہو کر اس کی شان یکتائی بتایا کرتی ہیں۔

سروی چمن بعجز بوستان
در ہوائے قامت دلجوئے تو

قرآن کا جھکنا اُس کا اُوپر سے نازل ہونا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا جھکنا رکوع وسجود کرنا ہے جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایک عمدہ حالت ہے اور آنحضرت ﷺ کا جھکنا ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف حضرت کا منازل قربت طے کرنا ہے۔

پانچویں معنی النجم کے بعض عرفاء کے نزدیک بندہ کا دل ہے جو ظلمات ہیولانیہ میں خدا تعالیٰ کا چمکتا ستارہ ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو اس میں اور بھی روشنی آ جاتی ہے جس سے وہ حق وباطل میں تمیز کرنے پر بخوبی قادر ہو جاتا ہے، اس لیے قسم کھا کر فرماتا ہے۔ وَمَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ صاحبکم سے مراد آں حضرت ﷺ ہیں اور جگہ بھی اس لفظ سے حضرت ﷺ کو تعبیر کیا گیا ہے۔ صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ صاحب صحبت رکھنے والا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم شب وروز حضرت ﷺ کے حالات سے بخوبی واقف ہو، کوئی اجنبی شخص نہیں، پھر کہو کیا وہ گمراہ اور بہکا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ آنحضرت ﷺ جو توحید ومکارم اخلاق بیان فرماتے تھے، بت پرستی اور ناپاک باتوں سے منع کرتے تھے۔ کفار اپنی کجروی کو سیدھا رستہ جانتے تھے، اس لیے وہ اُلٹا حضرت ﷺ ہی کو گمراہ اور بہکا ہوا کہتے تھے اور بعض کہتے ہیں۔ ضَلَّ وَغَوٰى دونوں لفظوں سے ایک بات مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں دو باتیں ضلالت رستہ بھولنا یہ انسان کی جبلی عادت ہے، اور غوایت عام ہے، بھولنا بھی اور رستہ کے چلنے میں بے قاعدگی وافراط وتفریط۔ فائدہ: بندہ اور خدا تعالیٰ میں جو حجابات حاجز ہیں، اُن کا قطع کرنا اُس کا رستہ طے کرنا ہے، جن کو تدلیات کہتے ہیں، اس رستہ میں بہت سے بھول گئے ہیں اور بہت سے غوایت میں پڑ گئے ہیں، انسانی جذبات پر جن کو واقفیت ہے۔ وہ ہر روز اس بات کو معائنہ کرتے ہیں، مگر یہ دُنیا کا ستارہ اور جہان کا آفتاب (محمد ﷺ) اس رستہ میں بھولے نہ چوکے۔

اب ماضل و ما غویٰ کی وجہ بیان کرتا ہے۔ فقال وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کہ آپ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ آپ کی زبان خدا کی زبان ہے، جو کچھ وہ بلواتا ہے وہی آپ بولتے ہیں۔ عارف کامل جب اپنے ارادات اور اپنی ہستی کو اُس کی ہستی میں محو کر دیتا ہے تو

ا بخلاف توحید ونبوت کے کیونکہ توحید پر بے شمار دلائل عقلیہ موجود ہیں اور نبوت کے لیے معجزات اور نبی کا باطنی اثر بھی ثابت کرتا ہے۔ ۱۲ منہ
ع آپ نے صبح کو مشرق کی طرف دیکھا ہوگا کہ ستاروں کا ایک گچھا سا معلوم ہوا کرتا ہے اسی کا نام ثریا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسا انگور کا خوشہ۔ ۱۲ منہ

اب اُس کا کلام اور اُس کی حرکات و سکنات اُسی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ جب انسان مرجاتا ہے، اُس کے اپنے حرکات و ارادات مفقود ہو جاتے ہیں تو اب جو کوئی اُس کو ہلاتا جلاتا ہے وہ آپ نہیں ہلتا جلتا۔ کسی اور کا شمار ہوتا ہے، یعنی اُس کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے ہلایا۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ جب بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ مجھ سے پکڑتا ہے۔ الخ، دین کے بارے میں جو کچھ آپ فرماتے تھے اگر اُس کے الفاظ بھی منجانب اللہ ہوتے تھے تو وہ وحی متلو ورنہ وحی غیر متلو ہوتی تھی۔ اول کو قرآن دوسرے کو سنت کہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، امام احمد نے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں جو کچھ کہتا ہوں حق کہتا ہوں۔ اس کے بعد اُس ناموسِ اکبر کا حال بیان فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس وحی لاتا ہے۔ فقال عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّةٍ کہ اس کو یعنی محمد ﷺ کو اُس نے تعلیم کیا ہے جو بڑا طاقت ور اور نہایت قوی ہے۔ یعنی جبرئیل امین جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ جبرئیل کی قوت وہ قوتِ مؤثرہ ہے کہ جہاں شیطان وجن و دگر صورِ خیالیہ کی گنجائش نہیں۔ یہ اوصاف اُن کے اس لیے بیان فرمائے تا کہ اُس کو کوئی جن و شیطان یا صورتِ خیالی نہ سمجھے، کیونکہ ان میں یہ اوصاف نہیں ہوتے۔ پھر اس جملہ کی تشریح کرتا ہے اور جبرئیل کے وحی لانے اور دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے کا حال بیان فرماتا ہے۔ فاستوٰی پس جبرئیل اپنے اُس کام پر کہ جس کے لیے اللہ نے اُس کو مقرر کیا ہے۔ تیار و آمادہ ہوئے۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی اُفق بضمتین و سکون کرانہ آفاق جمع (صراح) اُفق اعلیٰ آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا ایک بڑا گول دائرہ سا نظر آیا کرتا ہے، جہاں سے آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، یعنی جبرئیل آسمان کے کنارہ پر ایک بار محمد ﷺ کو نظر آئے۔ اپنی اصلی صورت میں ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی، پھر آنحضرت ﷺ کے یہاں تک قریب ہوتے گئے کہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ[1] اَوْ اَدْنٰی قاب اور قیب اور قاد اور قید قیس کے معنی مقدار کے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں۔ کمان اور نیزہ اور کوڑے اور گز اور ہاتھ کے ساتھ عرب میں اندازہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کمان کے فاصلہ پر یا تیر کے یا ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ قاب کمان کی موٹھ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ وہ دونوں اس قدر قریب ہو گئے کہ جس طرح دو کمانوں کو ملا دینے سے اُن کی موٹھ باہم مل جاتی ہے۔ کچھ فاصلہ نہیں رہتا۔ یہ قربِ جسمانی کی طرف اشارہ ہے۔ او ادنٰی بلکہ اس سے بھی قریب ہو گئے، یعنی حضرت ﷺ کے قلب تک پہنچے۔ یہ روحانی قرب ہے۔ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی تب اللہ کے بندہ محمد (ﷺ) کی طرف جو چاہا وحی کیا۔ یہ ہے پیغمبر کی وحی بواسطہ جبرئیل، ماکذب الفؤاد ما رای محمد (ﷺ) کے دل نے جھوٹا نہیں سمجھا، جس کو دیکھا یعنی دل نے یقین کر لیا۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی کیا تم اے کفار محمد (ﷺ) سے اُس کی دیکھی ہوئی اور یقینی چیز پر جھگڑتے ہو؟ یہ ایک بار ہی دیکھنا نہیں ہوا، بلکہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو شبِ معراج میں اُس کی اصلی صورت پر سدرۃ منتہٰی کے پاس بھی دوسری بار دیکھا ہے۔ سدرہ ایک درخت ہے۔ ساتویں آسمانوں کے اُوپر اور منتہٰی جہاں تک بلندی کی انتہا ہے، کیونکہ اُس کے اُوپر عرشِ رحمان ہے اور سدرہ کو ڈھانک رکھا تھا۔ اُس چیز[2] نے کہ ڈھانک رکھا تھا اور وہاں جنت الماوٰی ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی، حضرت کی آنکھ نے خطا نہیں کی کہ دراصل کچھ اور تھا اور نظر آیا کچھ اور بلکہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ تفسیر ہے جمہور علماء و محدثین کے طور پر اور اسی کے اکثر اہلِ سنت والجماعت قائل ہیں اور یہی مذہب ہے اُم المومنین حضرت عائشہ وابن مسعود وابی ذر وابی ہریرہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

---

[1] او بمعنی او لو قیل بمعنی بل۔ ۱۲ منہ

[2] انوار و تجلیات نے۔ ۱۲ منہ

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ
الْاُنْثٰی ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ﴿۲۲﴾ اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَی
الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾
ربع فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾

پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو بھی دیکھا اور تیسرے منات کو بھی کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں مادہ ہیں؟ اب تو یہ بہت ہی بری تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہے۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں، جن پر خدا نے کوئی سند بھی نہیں اتاری وہ محض وہم اور اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اُن کے رب کے ہاں سے ہدایت بھی آچکی ہے۔ پھر کیا انسان کو مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ پھر آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے بس میں ہے۔

تفسیر: لیکن صحابہ کی ایک جماعت کہ جن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور اخیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرف رجوع کیا اور سلف و خلف میں سے اہلِ علم کی ایک جماعت ان کے تابع ہوئی ہے، خصوصاً صوفیہ کرام اس طرف ہیں۔ وہ یہ کہ فاستوٰی سے لے کر اخیر تک محمد ﷺ اور اللہ تعالیٰ کا باہم قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے اس تقدیر پر آیات کے یہ معنی ہوں گے۔ پس محمد ﷺ اپنی قوت یا رسالت میں حدِ کمال کو پہنچے، یعنی ملکیت اور روحانیت کا اُن پر غلبہ ہوا۔ یہ ہیں فاستوٰی کے معنی حالانکہ آپ اُس وقت بشریت کے اُفقِ اعلیٰ پر تھے۔ بشریت کے دائرہ سے نکلنے کو تھے کہ روحانیت محضہ میں داخل ہو جائیں، پھر آپ اللہ تعالیٰ سے یہاں تک قریب ہو گئے کہ دونوں میں صرف دو قوسوں کا ہی فرق رہ گیا تھا، یعنی آپ میں قوسِ حدوث و امکان اور اللہ تعالیٰ میں قوسِ وجوب و قدم اتصالِ حقیقی اور اتحادِ ذاتی سے مانع تھی، جب یہ تقرب ہو گیا تو اللہ نے اپنے بندے کو جو چاہا بتا دیا۔ یہ ہے وحی کی حقیقت یعنی بندے میں اور خدا میں ایسا تقرب ہوتا ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت اللہ ہمکلام ہو کر اپنے بندے کو جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی سے اگر جبرئیل مراد لے جائیں تو وہ وحی کی دوسری قسم تھی اور یہ وحی کی اول قسم ہے، پھر اے لوگو! تم محمد (ﷺ) سے اُس کی دیکھی ہوئی اُس بات میں جھگڑتے ہو کہ جو اُس کی آنکھ نے دیکھی جو نورِ الٰہی سے شرگین تھی اور جو دل کا حکم رکھتی تھی۔

پھر وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی سے شبِ معراج میں آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا بیان فرماتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے اللہ کو بارِ دیگر سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا۔ سدرہ جو جنت الماوٰی میں ہے وہ کوئی دُنیا کا درخت نہیں، بیری وغیرہ کا، وہ صوفیہ کرام کے نزدیک عبارت ہے روحِ اعظم سے کہ جس کے اُوپر کوئی تعین اور مرتبہ نہیں اور اس کے اُوپر بجز ہویتِ محضہ کے اور کچھ نہیں اور اس لیے اُس کے پاس رویت واقع ہوئی، کیونکہ یہاں فناءِ محض سے بقاء کی طرف رجوع ہوا اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وادیِ مبارکہ میں ایک درخت پر تجلی ہوئی تھی، اسی طرح آنحضرت ﷺ کو جنت الماوٰی میں جو وادیِ مبارکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے اُس درخت کی صورت میں تجلی ہوئی جو تمام ارواح کی جڑ ہے۔ آپ نے وجودِ حقانی میں متحقق ہو کر چشمِ حقیقت میں سے جس کے آگے کوئی چیز حاجب نہیں، خدا تعالیٰ کو عیاناً دیکھا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کے یہ معنی ہیں۔ مسلم و ترمذی وغیرہ نے روایت کی کہ محمد ﷺ نے اللہ کو دو بار دیکھا۔ احمد وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح اس بات کو ثابت کیا ہے اور اس کے خلاف میں بھی احادیث وارد ہیں۔

اثباتِ نبوت کے بعد توحید کے مسئلہ میں کلام کرتا ہے اور مشرکینِ عرب کی بت پرستی کی تحقیر کرتا ہے جو نبوت کا پہلا کام ہے۔ فقال اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی الخ یہ تین بت عرب میں زیادہ پوجے جایا کرتے تھے۔ لات ایک شخص عرب میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، اُس کے مرنے کے بعد اُس کی شکل پر ایک بت پوجنے لگے۔ یہ بت طائف میں تھا۔ بعض کہتے ہیں عکاظ میں، بعض کہتے ہیں نخلہ میں اور عزیٰ ایک درخت تھا جس کو غطفان کا قبیلہ پوجتا تھا۔ نبی ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اُس کے کاٹنے کو بھیجا تھا جو کاٹ ہی کر آئے، لوگوں میں اُس کی بڑی ہیبت تھی اور منات ایک پتھر تھا۔ مکہ و مدینہ کے درمیان۔ فرماتا ہے بتاؤ یہ کیا چیز ہے؟ اس کے سوا فرشتوں کو بھی خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر پوجتے تھے، اُن کی نسبت فرماتا ہے تم کو خدا بیٹے دے اور آپ بیٹیاں لے، یہ کیا بھونڈی تقسیم ہے۔ پھر فرماتا ہے کچھ ان کی اصل نہیں تم نے نام گھڑ لیے ہیں۔ محض تو ہمات ہیں اور ان سے اُمید شفاعت رکھنا خام خیالی ہے۔ دُنیا و آخرت اللہ ہی کے لیے ہے، کوئی وہاں اُس کو سوا کام نہیں آتا۔

❀❀❀❀